عرفانِ ابوطالبؑ



تالیف

آقائے مظہر عباس چودھری

پیش کش

حجۃ الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری

ریسرچ سکالر اسلامک یونیورسٹی ○ قم ○ ایران

عرفانِ ابو طالب

تالیف

آقائے مظہر عباس چودھری

پیش کش

حجۃ الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری (دام ظلہ)
ریسرچ سکالر اسلامک ریسرچ سنٹر قم ، ایران

ناشر

ادارہ منہاج الصالحین ۰ لاہور

الحمد مارکیٹ، دکان نمبر 20، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

فون: 042-37225252 ، 0301-4575120

فشارِ قبر کا ڈر ہے تو اس سے بغض نہ رکھ
زمین کے باپ کا بھی باپ ہے ابو طالبؑ

کتاب : عرفانِ ابوطالبؑ

مولف : آقائے مظہر عباس چودھری

پیش کش : حجۃ الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری

عربی پروف ریڈنگ : مولانا محمد اقبال کامرانی، پروفیسر حافظ محمد عثمان، حافظ یاور عباس

اہتمام : چودھری عمران حیدر منیس

کمپوزنگ : عرفان علی اشرف

اشاعت : اگست 2017ء

ہدیہ : [redacted] روپے

ناشر

ادارہ منہاج الصالحین۔ لاہور

الحمد مارکیٹ، فسٹ فلور، دکان نمبر 20، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

فون: 042-37225252 ، 0301-4575120

اِنتساب و اہدا

اولادِ محسنِ اسلام حضرت ابوطالبؑ کے نام

☼

ابوطالبؑ کے بیٹے

(افتخار عارف)

جبینِ وقت پر لکھی ہوئی سچائیاں روشن رہی ہیں
تا اَبد روشن رہیں گی
خدا شاہد ہے اور وہ ذات شاہد ہے کہ جو وجہِ اساسِ اَنفس و آفاق ہے
اور خیر کی تاریخ کا وہ بابِ اوّل ہے
اَبد تک جس کا فیضانِ کرم جاری رہے گا
یقیں کے آگہی کے روشنی کے قافلے ہر دور میں آتے رہے ہیں
تا اَبد آتے رہیں گے
ابوطالبؑ کے بیٹے! حفظِ ناموسِ رسالتؐ کی روایت کے امیں تھے
جان دینا جانتے تھے
وہ مسلمؑ ہوں کہ وہ عباسؑ ہوں، عونؑ و محمدؑ ہوں
علی اکبرؑ ہوں، قاسمؑ ہوں، علی اصغرؑ ہوں
حق پہچانتے تھے
لشکرِ باطل کو کب گردانتے تھے
ابوطالبؑ کے بیٹے، سر بریدہ ہو کے بھی اعلانِ حق کرتے رہے ہیں

ابو طالبؑ کے بیٹے، پا بہ جولاں ہو کے بھی اعلانِ حق کرتے رہے ہیں
ابو طالبؑ کے بیٹے، صَرفِ زنداں ہو کے بھی اعلانِ حق کرتے رہے ہیں
مدینہ ہو، نجف ہو، کربلا ہو، کاظمین و سامرہ[1] ہو، مشہد و بغداد ہو
آلِ ابو طالبؑ کے قدموں کے نشاں
انسانیت کو اس کی منزل کا پتا دیتے رہے ہیں، تا اَبد دیتے رہیں گے
ابو طالبؑ کے بیٹوں اور غلامانِ علیؑ ابنِ ابی طالبؑ میں اِک نسبت رہی ہے
محبت، یہ نسبت عمر بھر قائم رہے گی
تا اَبد قائم رہے گی

اِنتساب کُنِندہ
یکے از غلامانِ علیؑ ابنِ ابی طالبؑ
مظہر عباس چودھری

---

① یہ لفظ اگرچہ عربی میں سامرہ ہے لیکن جناب افتخار عارف نے اسے اُردو میں سامرہ لکھا ہے۔ اُستاد قمر جلالوی نے بھی یہی روش اختیار کی ہے۔

ـــ نجف تا سامرہ گو چودہ ہی خانے نکل آئے
مگر ساقی ہمارے جانے پہچانے نکل آئے

گویا اُردو میں سامرہ بھی مستعمل ہے۔

اِلتماسِ فاتحہ

برائے

جمیع مرحومین و مرحومات (مومنین و مومنات)

بالخصوص

۱ چودھری محمد زمان بھنڈر مرحوم (تایا جان) کے لیے جن کی ترویج مذہب کے لیے بہت سی خدمات ہیں۔

۲ قبلہ سید محمد رضا شمسی مرحوم و مغفور (مدفون بہلول پور) کے لیے، جو میرے والدِ گرامی کے برادر ایمانی اور میرے عمو جان تھے۔

۳ سید انور علی شاہ گیلانی کجھروی مرحوم کے لیے جن کا عقیدہ تھا:

ع علیؑ و مصطفیٰؐ باہم وہر دو گفت صلِّ علیٰ

۴ چودھری غلام سرور خان مرحوم، رئیس جان پور کے لیے جو میرے محترم تایا جان اور فدائے آلِ عمرانؑ تھے۔

۵ چچا جان چودھری محمد انور خان مرحوم ایڈووکیٹ رئیس بیٹیل کے لیے۔

۶ چچا جان مرحوم چودھری محمد اکبر خان (جان پور) کے لیے۔

۷ چچا جان چودھری محمد طفیل علی مرحوم، رئیس موضع ٹھٹھم (گدی نشین ہادی شادی ملنگ چنیوٹ) کے لیے۔

۸ چودھری محمد مظہر قیوم مرحوم اور چودھری محمد اختر عباس آدم مرحوم کے لیے۔

۹ سردار شیر خاں وٹو مرحوم (مدفون موضع شاہد) کے لیے جن کے فرزند میاں محمد زمان وٹو محبِ اہلِ بیتؑ ہیں۔

۱۰ ماموں جان حکیم چودھری محمد اشرف بھٹی مرحوم (مدفون جام کے چٹھہ) کے لیے جن کی اولاد بحمد اللہ وقفِ عشقِ ابو طالبؑ ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

شاخ سار

بابِ دُوُم

بابِ سوم

بابِ چہارم

بابِ پنجم

بابِ ششم

بابِ ھَفتُم

بابِ دہم

بابِ یازدھم

بابِ دوازدھم

بابِ سیزدہم

بابِ چہاردہم

✿✿✿

عرضِ ناشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ زَیَّنَ السَّمَاءَ الدُّنْیَا بِزِیْنَةِ الْکَوَاکِب
وَأَنَارَ الْأَرْضَ بِأَنْوَارِ عُلُومِ آلِ أَبِیْ طَالِب، ثُمَّ الصَّلَاةُ
وَالسَّلَامُ عَلٰی أَطْیَبِ الْأَطَائِبِ سَیِّدِنَا وَنَبِیِّنَا أَبِی الْقَاسِمِ
مُحَمَّدٍ ﷺ الْمَبْعُوثِ عَلٰی کَافَّةِ اَهْلِ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ
وَعَلٰی اَهْلِ بَیْتِهِ الطَّاهِرِیْنَ لَا سِیَّمَا بَقِیَّةِ اللّٰهِ فِی الْاَرْضِیْنَ
وَاللَّعْنَةُ الدَّائِمَةُ الْاَبَدِیَّةُ عَلٰی أَعَادِیْهِمْ وَمُخَالِفِیْهِم
وَمُنْکِرِیْ فَضَائِلِهِمْ وَمَنَاقِبِهِمْ اِلٰی لِقَاءِ یَوْمِ الدِّیْنِ:

حضرت ابوطالبؑ محسنِ رسولِ مقبولؐ تھے۔ آپ دودمانِ بنوہاشم کے چشم و چراغ اور حضرت عبدالمطّلبؑ کے وصی و جانشین تھے، نیز جو اوصاف حضرت عبدالمطّلبؑ میں پائے جاتے تھے حضرت ابوطالبؑ اُن پر بہ درجۂ اتم فائز تھے۔ اگر عبدالمطّلبؑ بزرگِ حجاز، سردارِ مکہ اور سیدالعرب تھے تو حضرت ابوطالبؑ بھی شیخ بطحا، رئیس مکہ اور سیدالقریش تھے۔ دورِ جاہلیت میں یہ دونوں باپ بیٹا اپنے آبائے زُہاد اور اَجدادِ اَمجاد کی طرح پیغمبروںؑ کے وارث، نُورِ نبوت کے امین تھے اور ولیِ دوراں تھے۔

فیض بخش، مُطعِم الطیر اور فیّاض جناب عبدالمطّلبؑ نے حضرت ابوطالبؑ کو اپنا وصی مقرر فرمایا اور اپنے ختمی مرتبتؐ پوتے کی پاس داری اور پشتی بانی کی ذمّے داری سونپی تو اُن کا یہ عمل بے سبب نہ تھا۔ یہ تو سب جانتے ہیں کہ عبدالمطّلبؑ اصحابِ فیل کی

تباہی کے لیے جانب دریا سے آنے والی ابابیلوں کے متعلق پہلے ہی جانتے تھے، وہ بھلا یہ کیسے نہ جانتے ہوں گے کہ میرا یہ فرزندِ ارجمند اور پسرِ دل بند میرے خاتم الانبیا پوتے کا کماحقہٗ محافظ و مددگار ہوگا اور میرے سیّد الاولیا پوتے کا پدرِ نام دار ہوگا ـــــــ یقیناً حضرت عبدالمطّلبؑ ولیِ برحق اور خاصانِ خدا میں سے تھے اور خلیلِ خدا کے حقیقی و اصلی وارث ہونے کے باعث جانتے تھے کہ جیسے میرے جد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند کو راہِ خدا میں قربان کرنے سے گریز نہ کیا (یہ اور بات کہ اللہ نے اُن کی قربانی کے بدلے میں ایک بہت بڑی قربانی رکھ دی) اسی طرح میرا بیٹا ابوطالبؑ بھی اپنے فرزند علیؑ کو وقفِ بارگاہِ خدا و رسولؐ کردے گا۔ نہ صرف فرزندِ ابوطالبؑ علیؑ وقفِ رسولؐ ہوں گے بل کہ علیؑ کے بھائی جعفرؑ و عقیلؑ، اُن کی اولادیں اور اولادِ علیؑ بھی اسلام اور رسولؐ اسلام کے لیے اپنی جانیں جان آفریں کے سپرد کردیں گی۔ یوں شعبِ ابی طالبؑ سے کربلا اور کربلا سے کاظمین و سامرہ تک ایثار و قربانی کا وہ سلسلۂ نُورِ وجود میں آئے گا جو دینِ اسلام کی بقا کا ضامن ثابت ہوگا۔

تاریخِ سیرت و کردار اور حیات و رفتارِ ابوطالبؑ کو جہاں اوصافِ پدرِ علیؑ ہونے کے سبب سے دشمنانِ علیؑ کے غلط پروپیگنڈے کا سامنا کرنا پڑا وہاں اہلِ ایمان پر یہ اَمر ہمیشہ واضح و آشکار رہا کہ ابوطالبؑ تو کُلِ ایمان کے بھی باپ ہیں۔ اُن کا صاحبِ ایمان نہ ہونا کیسے ممکن ہوسکتا ہے؟ وہ تو محافظِ ایمان، قسیمِ ایمان اور افضل الایمان ہیں۔

تواریخ و اخبار کی ورق گردانی سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ابوطالبؑ رسولِ معظمؐ کے محسن اور محافظ تھے اور آپ نے اپنی اولاد کو بھی محافظتِ رسولؐ کا حقیقی درس دیا۔ دین پر سب سے بڑا احسان ابوطالبؑ کا ہے جو دنیا میں چکایا جاسکا اور نہ چکایا جاسکے گا۔ اس کا عوض اور اَجر خداوندِ متعال نے آخرت پر موقوف کر رکھا ہے کہ روزِ حشر

ابوطالبؑ کا بیٹا "قسیم النار والجنہ" ہوگا۔ بہو دوزخ سے بچانے والی اور خاتونِ جناں ہوں گی اور پوتے "سَیِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ" ہوں گے۔

ـ یوں بُغض لیے دل میں جاؤ گے کہاں آخر
فردوس میں چلتا ہے فرمانِ ابوطالبؑ
(صادق حسین رضوی)

ادارہ منہاج الصالحین حیات و کردار ابوطالبؑ پر جو یہ کتاب پیش کرنے جا رہا ہے اس کے مؤلف نے اس موضوع پر کتاب لکھنے سے پہلے بیسیوں اُردو، فارسی اور عربی کتب کا مطالعہ کیا ہے۔ کتبِ تشیّع کے علاوہ کتبِ اہلِ تسنّن بھی اُن کی دست رَس میں رہیں، ہماری مراد پروفیسر مظہر عباس چودھری ہیں جو کتبِ کثیرہ کے مؤلف اور مصنف و مترجم ہیں۔ یہ کتاب تحقیقِ عمیق کا شاہ کار اور کئی کتابوں کا نچوڑ ہے۔ نیز اُردو زبان میں تشیّع کے پلیٹ فارم سے پہلی طبع زاد تالیف ہے۔[1] مقالۂ افتتاحیہ اس کا خاصہ ہے اور منظوم کلام اس کی زینت۔ کتاب ہذا کو اولادِ حضرت ابوطالبؑ سے منتسب کیا گیا ہے جو بجائے خود کسی سعادت سے کم نہیں، گر قبول افتد زہے عزّ و شرف۔

صنم یہ کعبہ میں کہتے رہے مریدوں سے ... ملی نہ ہم کو پذیرائی اس گھرانے سے
گلہ بھی ابوطالبؑ کے خاندان سے ہے ... خدائی ختم ہوئی ہے علیؑ کے آنے سے
(مظفر نقوی)

(علامہ) ریاض حسین جعفری فاضل قم
سرپرست ادارہ منہاج الصالحین، لاہور

---

[1] نذیر انصاری صاحب کی کتاب محض جرابی کاوش ہے اور وہ بھی محض ایمانِ ابوطالبؑ پر۔

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ

(پیش گفتار)

جس طرح دینِ اسلام انسان کی فطرت میں ودیعت ہے اسی طرح محسن سے محبت اور اس کا احترام بھی فطرتِ انسانی کا جزو ہے۔ دشمنِ دین اور محسن کش دونوں ہی فطرت کے باغی ہیں۔ پروردگار نے محسن شناسی کے احترام و فضائل کو قرآنِ مجید میں اس طرح بیان کیا ہے:

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (سورۂ رحمٰن، آیت ۶۰)

''احسان کا بدلہ سوائے احسان کے کچھ نہیں''۔

اور اب یہ بات سمجھنا بالکل آسان ہے کہ محسن کے ساتھ احسان کرنا احسان نہیں بلکہ عینِ عدل ہے اور ایسا نہ کرنا سراسر ظلم ہے۔ اگرچہ علیؑ دشمنی میں دشمنِ علیؑ اتنا کور نظر ہو جاتا ہے کہ اُسے ابوطالبؑ پر اعتراض کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا لیکن ایمانِ ابوطالبؑ پر بحث کرنے والے بھی بہرحال احساناتِ ابوطالبؑ کا انکار نہیں کر پاتے۔

یعنی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ابوطالبؑ نے اپنے یتیم بھتیجے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیٹوں سے بڑھ کر پروان چڑھایا۔ حوادثِ زمانہ کے سامنے چٹان بن کر کھڑے ہو گئے لیکن بھتیجے پر آنچ تک نہ آنے دی۔ اعلانِ نبوت کے وقت ابوطالبؑ پشت پناہ تھے۔ دعوتِ ذوالعشیرہ ابوطالبؑ کے گھر میں منعقد ہوئی۔ اہتمام تمام تر ابوطالبؑ کا تھا۔ مشرکینِ مکہ ابوطالبؑ سے بحثیں کرتے رہے لیکن رسولؐ اللہ کے مقابلے میں ایک موقع پر

بھی ابوطالبؑ کو رسولؐ اللہ سے الگ اور رسولؐ اللہ کو تنہا نہ کر سکے حتیٰ کہ سخت ترین اور مشکل ترین دور میں جب رسولؐ اللہ کو کوئی پناہ دینے والا نہ رہا تو بھی شعبِ ابوطالبؑ ہی پناہ گاہِ رسالت و مامنِ دینِ خدا رہی۔

انتہائے نادانی ہے کہ ابوطالبؑ کو محسنِ رسولؐ مانا جائے اور اُن کے ایمان و کلمہ پر لایعنی بحث بھی کی جائے؟

ایک طرف مکہ کے وہ رہنے والے ہیں جو دشمنیِ توحید میں رسولؐ اللہ کے راستے میں کانٹے بچھاتے رہے۔ رسولؐ پر گندگی پھینکتے رہے، پتھر مارتے رہے حتیٰ کہ قتلِ رسولؐ کے درپے ہوئے، اللہ کے پیارے رسولؐ کو ہجرت پر مجبور کر دیا اور پھر بھی دشمنی میں لگے رہے۔ بدر کی جنگ ہوئی، اُحد و خندق کی جنگیں ہوئیں۔ بہت سے مسلمان شہید ہوئے، رسولؐ خدا کے چچا جنابِ حمزہؑ کو شہید کیا گیا اور اُن کا جگر تک چبا ڈالا گیا۔ ①

دوسری طرف وہ محسنِ اسلامؑ ہے جو ہر موقع پر حفاظتِ رسولؐ میں ڈٹا رہا، رسولؐ اتنا ہی عرصہ مکہ میں رہ سکے جتنا عرصہ محافظِ رسولؐ جنابِ ابوطالبؑ زندہ رہے۔ حفاظت کا ایک نرالا طریقہ جنابِ ابوطالبؑ نے ایجاد کیا۔ رات کو سوتے ہوئے اللہ کے رسولؐ کو اُٹھا کر اپنے کسی بیٹے کے بستر پر لٹا دیتے اور اپنے بیٹے کو رسولؐ اللہ کے بستر پر سُلا دیتے تاکہ اگر شبِ تاریک میں دشمن حملہ کرے تو بھلے میرا سگا بیٹا قتل ہو جائے لیکن اللہ کا حبیبؐ محفوظ رہے۔ میرا بیٹا فدیہ بن جائے اللہ کا آخری نبیؐ بچ جائے۔

یہ عقیدہ بھی مسلمانوں کا بہت پختہ ہے کہ ایمان بہ زورِ بازو نہیں آتا بلکہ اللہ کے فضل سے نصیب ہوتا ہے البتہ نام نہاد مسلمانوں کا انصاف دیکھیے کہ رسولؐ اللہ کے دشمنوں اور مسلمانوں کے قاتلوں پر تو اللہ کا فضل ہوا اور وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان

---

① ہندہ جنابِ حمزہؑ کا جگر نکال کر چبانا چاہتی تھی کہ اللہ نے اُسے پتھر جیسا بنا دیا اور باوجود کوشش کے جگر خوارہ (ہندہ) اُسے چبا نہ سکی۔ (مؤلف)

ہو گئے، لیکن جس نے رسولؐ اللہ کی حفاظت میں مشرکینِ مکہ سے دشمنی مول لی اور اُسی کی پاداش میں شعب ابی طالبؑ میں غذا و دوا کی قلت کے باعث زندگی کا سرمایہ بھی رسولؐ کی حفاظت کی نذر کردیا اور دنیا سے چل بسا، ایسے محسن پر اللہ نے اپنا اتنا فضل بھی نہ فرمایا کہ وہ کلمہ پڑھ لے؟ اور پھر اس پر مستزاد یہ کہ ہم سے اللہ کہے:

هَلْ جَزَآءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ (سورۂ رحمٰن، آیت ۶۰)

یقیناً اللہ ظالم ہرگز نہیں ہے (بل کہ وہ تو عادلِ حقیقی ہے) چناں چہ ابوطالبؑ کا شمار کلمہ نہ پڑھنے والوں میں کرنا توہینِ عدلِ خداوندی کے برابر ہے۔ ابوطالبؑ کلمہ پڑھنے والوں میں سے نہیں پڑھانے والوں میں سے ہیں۔

یہ تاریخی حقیقت بھی پیشِ نظر رہے کہ رسولؐ کے چچاؤں میں ایک چچا مشرکینِ مکہ کا دوست اور ساتھی تھا، نام اس کا ابولہب تھا۔ جس طرح ابوطالبؑ اپنے آپ کو رسولؐ اللہ کی حفاظت کے لیے وقف کر چکے تھے، ابولہب خدا و رسولؐ کی خود کو دشمنی کے لیے وقف کیے ہوئے تھا۔ ابوطالبؑ نے رسولؐ اللہ کی محبت و سرپرستی میں کوئی کسر نہ اُٹھا کر رکھی، اور ابولہب نے دشمنی میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اللہ نے ابولہب کی سزا کا اعلان کیا اور قرآن میں ایک سورہ اِس دشمنِ رسول کے لیے آ گیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبَّتْ يَدَآ أَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ○ مَآ أَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ○
سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ○ وَّامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ○ فِيْ
جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ○

اب ہر صاحبِ عقل کو یہ بات ماننا پڑے گی کہ اگر ایک چچا رسولؐ اللہ سے دشمنی کی وجہ سے سزا پائے تو رسولؐ اللہ کا دوسرا چچا دوستی کی جزا پائے گا کیوں کہ یہ عینِ عدل ہے کہ اگر دشمن کو سزا دی جائے تو دوست کو جزا دی جائے۔

علمائے تفسیر نے ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹنے سے مراد دنیا اور آخرت کا گھاٹا لیا ہے۔ یعنی ابولہب دنیا میں بھی نامراد ہے اور آخرت میں بھی نامراد ہے۔ ابولہب دنیا میں بھی خسارے میں ہے اور آخرت میں بھی خسارے میں ہے۔ اب عدل کا تقاضا یہ ہے کہ ابوطالبؑ دنیا میں بھی سُرخ رو ہوا اور آخرت میں بھی کام یاب ٹھہرے۔

ابوطالبؑ کی دنیا کی کام یابی تو اُس مشن کی کام یابی ہے جس کی حفاظت ابوطالبؑ نے اپنی جان سے زیادہ بل کہ صرف اپنی جان سے زیادہ نہیں اپنے بچوں کی جان سے بھی زیادہ کی ہے۔ وہ مشن تھا "محمد رسول اللہ" دنیا کے کونے کونے میں پڑھا جائے۔ ہاں، جس کو ابوطالبؑ نے پالا اور حوادث زمانہ سے بچائے رکھا اُس کا کلمہ کرۂ ارض کے ہر مقام پر پڑھا جاتا ہے، مزید پھیل رہا ہے اور دن دگنی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے اور کسی شخصیت کی کام یابی دراصل اُس کے مشن کی کام یابی پر منحصر ہوتی ہے۔

ابوطالبؑ دنیا میں کام یاب ہے اس لیے کہ ابوطالبؑ کا مقصد پورا ہو رہا ہے جس کو ابوطالبؑ نے بچایا آج دنیا اُس کا کلمہ لفظاً اور محاورتاً (اور معناً ہر طرح) پڑھ رہی ہے۔ ابوطالبؑ بعثت کے تیرہ برس بعد تک دنیا میں رہے۔ رسولؐ اللہ اُٹھ کر احترام میں کھڑے ہو جاتے تھے۔ ادب سے گفتگو کرتے تھے۔ دنیا میں کسی نے اور کیا لینا ہے۔ ابوطالبؑ سے زیادہ دنیا میں کون کام یاب ہوگا کہ (ابولہب کا مشن مٹ گیا، ابوجہل ہار گیا) ابوطالبؑ کا مشن پھیل گیا، زندہ باد ہو گیا، ابوطالبؑ جیت گئے۔ ابوطالبؑ دنیا میں بھی سرخ رُو ہوئے اور ابوطالبؑ کی آخرت بھی خوب ہے کہ جنّت و کوثر و سلسبیل ہو کہ تاجِ شفاعت سب کچھ صرف اور صرف انھی کے پاس ہوگا۔ ① اللہ اور رسولؐ اللہ ابوطالبؑ کے ممنونِ احسان ہیں اور اللہ کا فیصلہ احسان کا بدلہ احسان کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ابوطالبؑ نے اپنی دولت، اولاد، جان، کچھ نہیں بچایا۔ اب دیکھیے رسول اللہ کیا بچاتے

① جو زندگی بھر ابوطالبؑ کا اُٹھ اُٹھ کر احترام کرتے رہے اُن کا سب کچھ ابوطالبؑ ہی کا ہوگا

ہیں اور کیا چچا کو عطا کر دیتے ہیں۔ المختصر یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ابولہب دنیا میں بھی ناکام آخرت میں بھی ناکام اور ابوطالبؑ دنیا میں بھی کامران اور آخرت میں بھی کامران ہیں۔

ہمارا سلام ہو اے ابوطالبؑ آپؑ پر! کہ آپؑ دنیا میں بھی کام یاب و کام ران ہیں اور آخرت میں بھی کام یاب و کام ران ہیں۔ اس سب کے بعد سلام ہو آپؑ پر کہ آپؑ تربیتِ نسل میں یکتا ہیں۔ آپؑ نے نہ صرف خود حفاظتِ رسولؐ اور حفاظتِ دین کی بل کہ اس کے لیے حفاظتِ دین کا ایک سلسلہ بھی ترتیب دے گئے اور آپؑ سے شروع ہونے والا حفاظت کا یہ سلسلہ آپؑ کی اولاد میں بھی ہمیشہ اسی طرح نظر آیا۔ آپؑ نے حفاظت کا جس طرح مکہ سے آغاز کیا اسی طرح پوتے نے آپؑ کے خون کی تاثیر کا کربلا میں اظہار کیا۔

حفاظتِ دین کا آغاز مکہ سے ہوا، اوج کمال کربلا میں ہے:

آغاز دادا نے کیا ——— اوج ثریا پر پوتے نے پہنچایا

دادا کا نام ابوطالبؑ ہے ——— پوتے کا نام حسینؑ ابنِ علیؑ ابنِ ابی طالبؑ ہے

قتلِ حسینؑ اصل میں مرگِ یزید ہے "اسلام زندہ ہوگیا تس کربلا کے بعد"①

ادھر مشکور حسین یادؔ نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

اسلام کی ہر فکر پہ غالب - ابوطالبؑ
ایمان کی خوش بوئے مطالب - ابوطالبؑ

جب بھی کیا اسلام کی تعریف کا آغاز
اسلام پکارا ابوطالبؑ - ابوطالبؑ☆

☆ مبنی بر معرفت ترمیم کے ساتھ۔

☆ ؎ کتنے احسان تھے اسلام پہ بوطالبؑ کے
اس کی اولاد کو کیا بدلۂ احسان ملا (اختر چیوٹی)

اسلام میں کیا بات ہے جو اِن میں نہیں ہے
ہر روحِ صداقت کے تھے قالب ابوطالبؑ

اسلام کی تعمیر میں دو ہی تو ستون ہیں
یعنی علی ابنِ ابی طالبؑ ، ابوطالبؑ

طالب جو محمدؐ ہیں تو مطلوب خدا ہے
اور طالب و مطلوب کے طالب ابوطالبؑ

برادرِ ایمانی! حضرت پروفیسر مظہر عباس چودھری صاحب دام اقبالہٗ نے نہایت شائستگی اور زیرکی کے ساتھ مطالعہ، مشاہدہ اور استخراجِ نتیجہ کے زور پر شخصیتِ جناب عمران ابن عبدالمطّلبؑ کو نہایت خوب صورت اور جامع انداز میں ایک مکمل کتاب کی صورت میں پیش کیا ہے۔ دنیا و آخرت کے لیے یہ سعیِ جمیلہ یقیناً لائقِ تحسین و جزا ہے۔

دعا ہے پروردگارِ علی الاعلیٰ جو ابوطالبؑ کے عمل کو اپنا عمل کہتا ہے اس کوششِ فروغِ عرفانِ ابوطالبؑ کو قبول فرما کر پروفیسر صاحب اور ان کے اہل و عیال کو اپنی خصوصی حفاظت عطا فرمائے اور آخرت کے درجاتِ بلند عطا کرے۔

پروفیسر صاحب دام اقبالہٗ نے اپنی بے مثال تحقیق کو نہ صرف مناسب الفاظ کا جامہ پہنایا ہے بل کہ محاورہ و روزمرہ کے نہایت مناسب استعمال کے ساتھ ساتھ تلفظ کو بھی بے حد اہمیت دی ہے جو انھی کا طرۂ امتیاز ہے۔ اسی کو لیجیے کہ میری نظر سے اس سے پہلے کوئی ایسی کتاب نہیں گزری جس میں رسولِ خدا کے شجرۂ طیبہ میں آنے والے اسمائے گرامی کے تلفظ کو اس قدر اہمیت دی گئی ہو۔

پروفیسر صاحب دام اقبالہٗ نے شجرۂ طیبہ پر اعراب لگائے ہیں تا کہ قارئین اس شجرۂ طیبہ کا ہر نام درست تلفظ سے پڑھ سکیں۔

"عرفانِ ابوطالبؑ" اپنی جگہ پر ایک علمی، ادبی اور ایمانی خزانہ بھی ہے۔

میری دانست میں ہر مسلمان کو کم از کم ایک مرتبہ اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔
جنابِ ابوطالبؑ کے بارے میں ہر مکتبِ فکر کے علما اور صائب الرّاے افراد کے بیان اس کتاب میں شامل کر کے اسے اختلافی پیرائے سے نکال کر ہر طرح کے عقائد و نظریات رکھنے والوں کے لیے لائقِ مطالعہ اور لائقِ استفادہ بنا دینا پروفیسر صاحب کی بڑی کام یابی ہے۔ بارگاہِ ابوطالبؑ میں یہ تحفہ و ہدیہ یقیناً فقط بشری طاقت سے پیش نہیں کیا جاسکتا۔

این سعادت بہ زورِ بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

شخصیتِ جناب ابوطالبؑ پر اتنی سیر حاصل گفتگو (وتحریر) صاحبِ تحریر کی اُس عقیدت و محبت کی غماز بھی ہے جو اُنھیں محسنِ رسالتؐ، جنابِ ابوطالبؑ سے اللہ کے فضل و کرم سے عطا ہوئی ہے۔ کتاب پڑھنے کے بعد شخصیتِ ابوطالبؑ دلوں میں اس طرح ٹھہر جاتی ہے کہ آئینۂ دل میں تصویرِ ابوطالبؑ نور کے چوکھٹے میں سج کر اور زینتِ ایمان بن کر ثبات پا جاتی اور اَمر ہو جاتی ہے۔

(اختتامِ کلام بہ قولِ امامؑ) حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا گیا قبلہ کچھ اپنے دادا ابوطالبؑ کے ایمان کے بارے میں ارشاد فرمائیں تو مولاؑ نے فرمایا:

"اگر ابوطالبؑ کے ایمان کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور ترازو کے دوسرے پلڑے میں پوری کائنات کے ایمان کو رکھ دیا جائے تو واللہ ابوطالبؑ کے ایمان کا پلڑا بھاری ہوگا"۔

والسلام مع الاکرام

خادم اولادِ ابوطالب علیہ السلام

۱۵ جولائی ۲۰۱۳ء[1] (علامہ) سیّد عشرت عباس جعفری

---

[1] ذہن نشین رہے کہ "عرفانِ ابوطالبؑ" اس تقریظ کے وقتِ تحریر سے تین چار سال قبل لکھی جا چکی تھی۔

○

تقدیم

برائے

جملہ بنی آدم

جس نے بخشی تھی تجھے توقیرِ عرفاں یاد کر
اے بنی آدم! ابوطالبؑ کے احساں یاد کر

یقیناً وہ نجاتِ دائمی کا مستحق ہوگا
عطا ہو جائے جس بندہ کو عرفانِ ابوطالبؑ
(شیدا نقوی)

مگر:

جس کی رگ میں ہو رواں عشقِ امیّہ کا لہو
اس کو ہوتا نہیں عرفان ابو طالبؑ کا
(سید محمد عسکری عارف)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وصلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، اَلسَّلَامُ عَلٰی عَمِّکَ وَکَفِیْلِکَ اَبِیْ طَالِبٍؑ

(مفاتیح الجنان)

مقالۂ اِفتتاحیہ

؎ یہ بات بھول گئے دشمنِ ابوطالبؑ
رسولؐ کفر کے دامن میں پل نہیں سکتا

(وحید الحسن ہاشمی)

سیّد العرب حضرت ہاشمؑ کے فرزند رئیسِ مکّہ حضرت عبدالمطّلبؑ کے دس بیٹے تھے۔ ان میں حضرت عبداللہ پیغمبرِؐ اسلام کے والد گرامی اور حضرت ابوطالبؑ وصیِ پیغمبرؐ حضرت علی علیہ السلام کے پدرِ محترم بھی تھے، جو ایک ہی والدہ سے متولّد ہوئے۔

حضرت عبدالمطّلبؑ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے دین پر نہایت راسخیت کے ساتھ قایم تھے اور اپنے بیٹوں کو مکارمِ اخلاق کی خوب وصیت فرمایا کرتے تھے۔ اس جہانِ فانی سے کوچ کے وقت اُنھوں نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی:

"میرے صُلب سے ضرور ایک نبیؐ پیدا ہوگا۔ تم میں سے جو بھی اس وقت موجود ہو اُسے اس نبیؐ پر ایمان لانا چاہیے"۔

اس کے بعد جنابِ عبدالمطّلبؑ اپنے بیٹے ابوطالبؑ کی طرف متوجہ ہوئے اور آہستہ سے اُن کے کان میں کہا:

''اے ابوطالبؑ! محمدؐ شان و شوکت والے ہیں، تم اپنی زبان اور ہاتھ سے ان کی مدد کرتے رہنا'' (واضح ہو کہ حضرت عبداللہؑ اور حضرت آمنہؑ کا انتقال حضرت عبدالمطلبؑ کی حیات ہی میں ہو چکا تھا۔ حضرت عبدالمطلبؑ اپنے پوتے سے بہت محبت رکھتے تھے اور آپؐ میں نبوت کے آثار ملاحظہ کر چکے تھے)۔ چناں چہ عبدالمطلبؑ کی وفات کے بعد جب حضرت محمدؐ فقط آٹھ سال کے تھے تو آپؐ کی کفالت حضرت ابوطالبؑ کی طرف منتقل ہو گئی۔

خدا کے بعد جو سب سے بڑے ہیں
ابو طالبؑ کی گودی میں پلے ہیں

حضرت ابوطالبؑ کا اسمِ گرامی تو عبدِ مناف تھا لیکن اپنے عزّ و شرف کے سبب سے شیخ بطحا کے لقب سے مشہور تھے۔ شیخ بطحاؑ اور اُن کی زوجۂ محترمہ فاطمہؑ بنتِ اسد دونوں حضرت عبدالمطلبؑ کی امانت اور حضرت عبداللہؑ کی نشانی حضرت محمدؐ کی محبت سے سرشار تھے، حتیٰ کہ اُنھیں اپنے بیٹوں پر مقدم رکھتے تھے۔ یہ کریم گھرانہ جب محبوبِ خدا کے بلند اخلاق اور بہترین آداب کو دیکھتا تو سیدہ آمنہؑ کے اس راج دُلارے کی محبت اور بھی بڑھتی جاتی تھی۔ یتیمِ عبداللہؑ کے سیرت و کردار اور اَطوارِ حیات بچپن ہی میں باعثِ صد افتخار تھے۔ کھانے کے لیے ہاتھ بڑھاتے تو بسم اللہ کہتے، فارغ ہوتے تو الحمدللہ پڑھتے۔ ابوطالبؑ اَخلاقِ محمدیؐ کے نثار تھے۔ ایک دن چچا نے بھتیجے کو دسترخوان پر موجود نہ پایا تو خود بھی کھانا نہ کھایا۔ فرمایا: ''جب تک میرا بیٹا نہیں آئے گا میں کھانا نہیں کھاؤں گا''۔ جب محمدؐ تشریف لے آئے تو پینے کے لیے دودھ کا پیالہ پیش کیا۔ پھر اسی پیالے سے یکے بعد دیگرے تمام اولادِ ابوطالبؑ نے پیا تو سب سیر ہو گئے۔ ابوطالبؑ یہ معاملہ دیکھ کر بہت متعجب ہوئے اور فرمایا: ''اے محمدؐ! بے شک آپؐ (بہت) بابرکت ہیں''۔

حضرت ابوطالبؑ اہلِ کتاب سے بھی بہت سی بشارتیں سنتے رہتے تھے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ نبی آخرؐ کے ظہور کا زمانہ قریب تر ہے۔ نیز آپؑ میں آثار نبوت کا مشاہدہ کرتے تو اپنے عظیم بھتیجے کا زیادہ سے زیادہ خیال رکھتے تھے اور آپؐ کو کبھی تنہا نہ چھوڑتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت ابوطالبؑ نے ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ شام جانے کا قصد کیا۔ حضرت محمدؐ بھی آپؑ کے ہم راہ روانہ ہوئے۔ اس وقت حضرت محمدؐ کی عمر نو برس تھی۔ تجارتی قافلے بصرہ سے گزرتے تھے اور وہاں ایک ایسا کلیسا تھا جس میں "بحیرا" نامی نصرانی راہب رہتا تھا۔ یہ راہب بھی آخری نبیؐ کی آمد کا منتظر تھا۔ جب اُس کی نگاہ حضرت محمدؐ پر پڑی تو آپؐ میں اُن صفات و خصوصیات کا مشاہدہ کیا جو آنے والے نبیؐ کے بارے میں دی گئی بشارت سے واضح تھیں۔ بحیرا نے نظریں اس آفتابِ مکہ کے چہرۂ انور پر نظریں جما دیں اور اپنے دل کی گہرائیوں میں حضرت عیسیٰؑ کی دی ہوئی بشارتوں پر غور کرنے لگا۔ پھر اس نے اس مہ تابِ جہاں تاب کا نام پوچھا تو ابوطالبؑ نے فرمایا: محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔ یہ مبارک نام سن کر بحیرا کی فروتنی میں اور بھی اضافہ ہوگیا۔ وہ حضرت ابوطالبؑ سے عرض کرنے لگا: آپؑ مکہ لوٹ جائیں اور اپنے بچے کو یہودیوں سے بچائیں کیوں کہ یہ بچہ بڑی شان والا ہے۔

جب محمدؐ کے نگہ بان ابو طالبؑ تھے
تب تھا اللہ نگہ بان ابو طالب کا

(سید محمد عسکری عارف)

ابوطالبؑ مکہ واپس آگئے اور اُن کی اپنے بھتیجے سے محبت اور زیادہ ہوگئی۔ وہ اس آیتِ خدا کی حفاظت و نصرت میں مزید کوشاں رہنے لگے۔ کچھ عرصہ گزرا تو مکہ میں قحط پڑ گیا۔ مکہ اور اس کے مضافات کے لوگ شیخ البطحا کے پاس آئے اور بارش کے

لیے دعا کی التجا کی:

"اے ابوطالبؑ! وادی (مکہ) قحط میں مبتلا ہے اور بچے پیاسے ہیں۔ چلیے ہمارے لیے باراں کی دعا کیجیے"۔

حضرت ابوطالبؑ دعا کے لیے گھر سے نکلے تو خدا سے بڑی اُمید کے باوجود اپنے مبارک بھتیجے کو ساتھ لے کر چلے۔ دونوں خانۂ کعبہ کے پاس کھڑے ہو گئے۔ ابوطالبؑ نے (محمدؐ کے، اپنے اور) ابراہیمؑ واسماعیلؑ کے خدا سے دعا مانگی کہ خدایا! موسلادھار بارش برسا۔ پاکیزہ بھتیجے کا دل بھی لوگوں کے لیے بارش کی دعا مانگ رہا تھا۔ جب آسمان کی طرف دیکھا تو آسمان پر بادل چھا گئے، بجلی چمکنے اور کڑکنے لگی۔ پھر اتنا ٹوٹ کر بادل برسا کہ ندی نالے بہہ نکلے۔

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دہلیزِ شباب پر قدم رکھ چکے تو صادق اور امین کہلائے اور اخلاقِ انسانی کا عظیم نمونہ بن کر عالَم افروز ہوئے۔ ابوطالبؑ بھی مظلوموں کے ملجا و ماویٰ تھے اور انھیں کسی شے سے اتنی نفرت نہ تھی جتنی ظلم سے تھی ـــــ ایک مرتبہ کنانہ وقیس نامی دو قبیلوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی تو کنانہ کے افراد ابوطالبؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے: "اے پرندوں کو دانہ دُنکا دینے والے اور حاجیوں کو سیراب کرنے والے کے فرزندِ ارجمند! ہم سے چشم پوشی نہ کیجیے، ہم جانتے ہیں کہ فتح وظفر آپ کے ساتھ ہے"۔

حضرت ابوطالبؑ نے فرمایا: "اگر تم ظلم و تعدی، تفرقہ اندازی اور بہتان سے دست برداری کا وعدہ کرو تو میں تم سے چشم پوشی نہیں کروں گا"۔

ان لوگوں نے ابوطالبؑ سے وعدہ کیا تو ابوطالبؑ نے اُن سے تعاون فرمایا۔ اُس وقت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنے عمِ گرامی کے ساتھ ساتھ تھے، یوں کنانہ

کے لوگ فتح یاب ہوئے۔

کتبِ تاریخ میں مرقوم ہے کہ مکہ کے بعض لوگ زائرینِ کعبہ پر ظلم وستم کرتے تھے۔ ایک دفعہ خثم (خثعم) نامی قبیلہ کا ایک شخص اپنی بیٹی کے ہم راہ حجِ بیت اللہ کے لیے آیا۔ مکہ کا ایک اوباش نوجوان اُٹھا اور اُس بے چارے کی بیٹی کو پکڑ لیا۔

خثعمی چلایا: کون ہے جو میری مدد کرے؟

کچھ لوگوں نے کہا: تم حِلف الفضول [1] سے رجوع کرو۔

وہ شخص حِلف الفضول کے بانی حضرت ابوطالبؑ کے پاس پہنچا، حِلف الفضول اہلِ مکہ کے درمیان ایک معاہدہ تھا جس کے تحت اُن پر مظلوم کی مدد کرنا اور ظالم سے انتقام لینا لازم قرار پایا تھا۔ جب خثعمی مدد کا طالب ہوا تو حضرت ابوطالبؑ کے حکم سے مسلح افراد اس ظالم کے گھر پہنچے اور لڑکی کو بازیاب کر کے اُس کے والد کے سپرد کیا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس انجمنِ حمایتِ مظلوماں کے رکن تھے۔

حضرت ابوطالبؑ سنتِ ابراہیمیؑ کے مطابق (کثیر العیال ہونے کے باوجود) محتاجوں اور ضرورت مندوں کی اعانت سے اِغماض نہ کرتے تھے۔ تنگ دستی کا بھی شکار تھے۔ چچا کی تنگ دستی کو دیکھ کر حضرت محمدؐ نے محسوس کیا کہ خاندان کی مالی و مَعاشی معاونت کے لیے کچھ کرنا ضروری ہے۔ اُدھر ملیکۂ عرب حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ نے درخواست کی کہ میرا مال تجارت کے لیے شام لے جایئے۔ محمدؐ نے کمالِ دیانت داری کا ثبوت دیا۔ امانتوں کو اُن کے اہل حضرات تک پہنچایا اور منافع میں خاطر خواہ اضافہ

---

[1] حِلف بہ معنی معاہدہ اور فضول فضل کی جمع ہے۔ اس معاہدے میں زیادہ تر فضل نامی اشخاص شامل تھے۔ بعض کے مطابق یہ فضیلتوں والا معاہدہ تھا اس لیے حِلف الفضول کہلایا۔

فرمایا۔ خدیجہؑ عشقِ محمدؐ ① میں مبتلا ہوئیں اور پیغامِ ازدواج بھجوایا۔ حضرت ابوطالبؑ اس مبارک خواہش پر شادمان ہوئے اور بہ نفسِ نفیس جواب رسانی کی۔ حضرتؑ کے ساتھ اُن کے بھائی جناب حمزہ بن عبدالمطلبؑ بھی تھے۔ فرمایا:

''حمد ہے اُس خدا کے لیے جس نے ہمیں نسلِ ابراہیمؑ اور ذُرّیتِ اسماعیلؑ سے قرار دیا اور ہمارے لیے پردہ کا گھر اور امن کا حرم بنایا، نیز ہمارے شہر میں ہم پر نزولِ برکت فرمایا۔ لاریب میرے بھتیجے محمدؐ کا قریش کے جس فرد سے بھی موازنہ کیا جائے، یہ اُس پر فوقیت لے جائیں گے اور جس سے بھی تقابل کیا جائے اُس سے افضل و اعظم قرار پائیں گے۔ اگرچہ مال اِن کے پاس کم ہے مگر مال تو آنی جانی چیز ہے۔ وہ خدیجہؑ میں رغبت رکھتے ہیں اور خدیجہؑ انھیں (دل و جان سے) چاہتی ہیں۔ تم جو کچھ (حقِ) مہر مانگو گے وہ میں اپنے مال سے دوں گا۔ خدا کی قسم! میرے بھتیجے (محمدؐ) نبائے عظیم ② کے حامل ہیں''۔

ے عقد احمدؐ کا پڑھاتا کوئی کافر کیسے؟!
عقد خواں قاریِ قرآن ابوطالبؑ ہیں
(ریحان اعظمی)

---

① اہلِ ولا کے بہ مطابق اللہ اور اس کے رسولؐ سے عشق واجب و اوجب اور ممدوح و مستحسن ہے۔ لفظِ عشق حدیثِ قدسی میں وارد ہوا ہے۔ عامہ میں سے بعض لفظِ عشق کو مذموم سمجھتے ہیں، جیسے امین احسن اصلاحی وغیرہ، اور لفظِ محبت کو صحیح جانتے ہیں کیوں کہ اُن کے مطابق قرآن میں یہی لفظ استعمال ہوا ہے۔ الفاظ کے بارے میں اُن کی یہ سوچ بھی قرآن کے صرف ظاہر پر نظر ہونے کے مترادف ہے۔ جب کہ اہلِ علم و ادب اور صاحبانِ بصیرت بالخصوص حضرت اقبال نے اس لفظ ''عشق'' کو محبت و مودّت کی معراج جانا ہے۔

② عربی املا نَبَاءُ الْعَظِیْم اور اُردو کا املائے قدیم ''نبائِ عظیم'' ہے۔

نبیِ رحمتؐ نے اپنے چچا کے اس احسان کا بدلہ یوں دیا کہ شادی ہوجانے کے بعد ابوطالبؑ کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے چچا کے گھر تشریف لے گئے اور اپنے چچا کے چھوٹے بیٹے علیؑ کو اپنے گھر لے آئے۔ خود ہی پرورش کی اور خود ہی تعلیم و تربیت دی۔ اور بعدازاں اپنی فرزندی (دامادی) میں لے لیا۔

وقت گزرتا رہا، ابوطالبؑ پچھتر سال کے ہوگئے اور حضرت محمدؐ چالیس کے سِن کو پہنچ گئے۔ آپؐ اپنے سالانہ معمول کے مطابق غارِ حرا میں تشریف لے گئے تو آسمان سے وحیِ الٰہی نازل ہوئی اور محمدِ مصطفیٰؐ نے ہاتفِ غیبی کی ندا سنی:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ○ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ○ (سورہ اقراء، آیہ ۱ تا ۵)

''پڑھو! اپنے رب کے نام سے، جس نے خلق کیا، جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے خلق کیا۔ پڑھو اور تمھارا رب بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی (اور) جس نے انسان کو وہ سب کچھ سکھادیا جو وہ نہیں جانتا تھا''۔

پھر ندا آئی:

''اے محمدؐ! آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبرئیلؑ ہوں''۔

محمدِ مصطفیٰؐ بارِ رسالت لیے گھر پہنچے تو زوجہ محترمہ سیدہ خدیجہؑ اور چچازاد علیؑ ابنِ ابی طالبؑ نے آپؐ کی بعثت کی تصدیق کی۔ علیؑ نبیؐ کے پیچھے نماز پڑھنے لگے۔ ایک دن حطیمِ حرم میں یہ دونوں انوارِ الٰہی مشغولِ صلوٰۃ (صلاۃ) تھے کہ ابوطالبؑ بھی تشریف لے آئے۔ آپؑ نے بھتیجے اور بیٹے کو محوِ مناجات دیکھ کر فرطِ محبت سے فرمایا:

ابنِ اخی! کیا کر رہے ہو؟

رسولِ معظمؐ نے فرمایا: ہم دینِ اسلام کے مطابق عبادتِ خداوندی کر رہے ہیں۔
ابوطالبؑ کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں اور فرمایا: میں اِس پر راضی ہوں......
پھر اپنے بیٹے علیؑ سے فرمایا: اے علیؑ! اپنے ابنِ عم کی پیروی کرو کیوں کہ یہ تمھیں دعوتِ خیر ہی دیں گے۔

پھر ایک دن جبرئیلؑ امین حکمِ خداوندی لے کر نازل ہوئے:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ○ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ (سورۂ شعراء، آیات ۲۱۴-۲۱۵)

"اپنے قریبی اہلِ خاندان کو (اللہ کی نافرمانی سے) ڈرایئے اور مومنین میں سے جو آپؐ کا اتباع کرے اس کے لیے شانے جھکا دیجیے"۔

حضور نبی کریمؐ نے اپنے چچا حضرت ابوطالبؑ کے دس سالہ بیٹے علیؑ ابن ابی طالبؑ کو حکم دیا کہ بنی ہاشم کو دعوتِ طعام دے آئے ــــ دعوت کا اہتمام ہوا۔

جب سب عزیز و اقارب کھانا کھا چکے تو حضورؐ نے فرمایا:

"میں کسی عرب کو نہیں جانتا کہ جو مجھ سے بہتر ہو اور اپنی قوم کے لیے کوئی چیز لایا ہو، یقیناً میں تمھارے لیے دنیا و آخرت کی نیکیاں لے کر آیا ہوں"۔

پھر ان سب کو دعوتِ اسلام دی۔ اس پر ابولہب سیخ پا ہو کر اٹھا اور کہنے لگا: یقیناً محمدؐ نے تم لوگوں پر جادو کر دیا ہے۔

اس موقع پر محسنِ اسلام حضرت ابوطالبؑ نے اُس سے غضب ناک ہو کر کہا: خاموش! اور پھر حضرت محمدؐ سے مشفقانہ فرمایا: اُٹھیے اور جو آپؐ کا دل چاہے کہیے، اپنے رب کا پیغام پہنچایئے کہ آپؐ صادق و امین ہیں۔

نبیِ معظمؐ اُٹھے اور فرمایا:

"مجھے میرے ربّ نے حکم دیا ہے کہ تمھیں اس کی طرف بلاؤں، پس تم میں سے کون ہے جو اس سلسلے میں میری مدد کرے گا، جو ایسا کرے گا، تم میں وہ میرے بعد میرا بھائی، وصی اور خلیفہ ہوگا"۔

سب خاموش رہے، لیکن ابوطالبؑ کے نوجوان فرزند نے اپنے آغازِ شباب کے ہمہمہ سے اس سکوت کو توڑ دیا اور کہا: اے اللہ کے رسولؐ! میں آپؐ کی مدد کروں گا۔

یہ سن کر رسولِ اکرمؐ نے اپنے ابنِ عم کو گلے سے لگالیا۔

ابولہب ملعون نے قہقہہ لگایا اور تمسخر اُڑانا چاہا۔ وہ حضرت ابوطالبؑ سے یوں مخاطب ہوا: "محمدؐ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ اپنے بیٹے کی باتیں سنو اور اطاعت کرو"۔

ابوطالبؑ نے اس مردود کو قہر آلود نگاہوں سے دیکھا اور پھر اپنے بھتیجے سے مخاطب ہوکر فرمایا: "جس بات کا آپ کو حکم ہوا ہے، اس کو انجام دیتے رہیے۔ خدا کی قسم! میں ہمیشہ آپؐ کی حفاظت کروں گا"۔

تین لفظوں میں دین کی تلخیص
مرتضیٰؑ، مصطفیٰؐ، ابوطالبؑ
(پروفیسر سبطِ جعفر)

حضرت محمدؐ نے قدر شناس اور تشکر آمیز نگاہوں سے اپنے چچا کو دیکھا اور محسوس کیا کہ سردارِ مکہ اور شیخ بطحا کی خوش نودی اور حمایت میرے لیے ایک مضبوط ڈھال ثابت ہوگی۔

ابوطالبؑ نے جو کہا اُسے کر کے دکھایا اور بڑھاپے کی کم زوری کے باوجود پوری طاقت سے پیغامِ محمدؐ کا دفاع فرمایا۔ وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر ہر کسی سے ٹکر لینے کے لیے تیار تھے، لہٰذا اہلِ مکہ کثیر تعداد میں قریش کے جابروں کی دھمکیوں کو ٹھوکر مار کر

اور بت پرستی ترک کر کے دینِ خدا میں شامل ہو رہے تھے۔ ایک روز مشرکین کے سرغنوں کا ایک وفد ابوطالبؑ کے پاس آیا۔ ابوطالبؑ بستر پر دراز تھے۔

مشرکین غصے سے بولے: اے ابوطالبؑ! اپنے بھتیجے کو روک لیں، اس نے ہماری نیندیں حرام کردی ہیں، یہ ہمارے خداؤں کی تذلیل کرتا ہے۔

ابوطالبؑ کو، صدائے حق سننے سے گریزاں، اِس قوم سے مایوسی ہوئی۔ آپؑ محزوں ہوئے اور حکمتِ عملی کے تحت ان سے فرمایا: مجھے محمدؐ سے گفت گو کی مہلت دو۔ حضرت ابوطالبؑ نے حضرت محمدؐ سے وہ سب باتیں کیں جو قریش کے طائفے نے کہی تھیں۔ رسولؐ خدا نے یہ سب کچھ سننے کے بعد نہایت ادب سے کہا: ''چچا جان! میں اپنے رب کی نافرمانی نہیں کرسکتا''۔

اِدھر ابوجہل نے دینِ خدا سے سخت کینہ توزی کے سبب سے حضورؐ سے کہا: ''آپؐ کو جس قدر مال چاہیے ہم دیں گے بل کہ اگر آپؐ ہم پر بادشاہی کرنا چاہیں تو ہم آپؐ کو بادشاہ بھی بنالیں گے''۔

رسولؐ پاک نے فرمایا: ''مجھے سوائے کلمہ (توحید) کے (فروغ کے) کسی شے کی بھی ضرورت نہیں''۔

کم فہم ابوجہل جھٹ سے بولا: ''وہ کیا چیز ہے؟ تاکہ وہ اور ایسی ہی دسیوں چیزیں آپؐ کو دے دیں؟''

رسولؐ برحق نے فرمایا: ''قُولُوا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ــــ کہو اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے''۔

ابوجہل غصے میں آپے سے باہر ہوگیا اور بولا: ''اس کے علاوہ کسی اور چیز کا سوال کیجیے''۔

رسولِ اعظمؐ گویا ہوئے: ''اگر تم میرے ہاتھ پر سورج بھی (لاکر) رکھ دوگے تو

میں اس کے علاوہ تم سے کچھ نہیں طلب کروں گا"۔ ①

مشرکین غیظ وغضب سے پھنکتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور رسولؐ دوجہاں ڈرانے دھمکانے لگے۔ اس نازک موقع پر حضرت ابوطالبؑ نے (مصلحت اور حکمت کے تحت تقیۃً) حضرت محمدؐ کو مشورہ دیا کہ اپنی جان کا خیال رکھیں اور مجھ (یعنی اپنے محافظ) پر اتنا بوجھ نہ ڈالیں جس کی میں طاقت نہیں رکھتا ہوں۔

جب رسولِ مختار نے اپنے چچا کا یہ مخلصانہ، مشفقانہ اور محافظانہ جملہ سنا تو فرطِ محبت سے روتے ہوئے فرمایا: "چچا جان! خدا کی قسم! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں اور پھر کہیں کہ اس اَمر سے سرکش ہوجاؤ تو میں ایسا نہیں کروں گا۔ یہاں تک کہ خدا اس (اَمرِ حق، دینِ اسلام) کو غالب کردے اور اس کے غیر کو فنا کردے"۔

حضرت ابوطالبؑ نے اپنے بھتیجے کے اس عزم واستقلال کو دیکھا تو فرمایا: "بیٹے! میرے قریب آؤ"۔

رسولؐ خدا قریب گئے تو چچا نے اپنے چہیتے بھتیجے اور محبوبؐ خدا کو بوسہ دے کہا: "جاؤ بیٹے جو تمھارا دل چاہے کہو (اور کرو) خدا کی قسم! میں تمھیں کسی (دشمن) کے سپرد نہیں کروں گا۔

پھر ابوطالبؑ نے قریش کے جابروں کو چیلنج کرتے ہوئے حضرت محمدؐ سے کہا:

وَاللّٰهِ لَنْ یَصِلُوا اِلَیْكَ بِجَمْعِهِمْ حَتّٰی اُوَسَّدَ فِی التُّرَابِ دَفِیْنَا

"اے محمدؐ! خدا کی قسم! یہ قریش باوجود اپنی کثرت کے آپؐ کو کچھ نہیں کہہ سکتے حتیٰ کہ میں زمین کے نیچے دفن کردیا جاؤں"۔

حضرت ابوطالبؑ کا یہ جملہ اپنی حیات تک ہی حفاظتِ رسولؐ کی ضمانت نہیں

---

① معروف حدیث "ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند۔۔۔" آئندہ صفحات میں مذکور ہے۔

دیتا ملی کہ اپنی موت اور تدفین کے بعد بھی ایسا سامان کر جانے کا عزم لیے ہوئے ہے جو جانِ محمدؐ اور دینِ محمدؐ پر آنچ تک نہ آنے دینے کا غماز ہے۔

؎ وہ وعدہ دین کی تحفظ کا میں آج کرتا ہوں
کہ مر جاؤں تو میری آلؑ بھی وعدہ نبھائے گی

اب محمدِ عربیؐ ہاشمی مُطّلبی نہایت انہماک اور مستعدی سے کفر کی تاریکیوں میں نورِ اسلام کی ضیا پاشی کرنے لگے تو قریشِ مکہ ایک مرتبہ پھر جنابِ ابوطالبؑ کے پاس آئے۔ اس دفعہ وہ پینترا بدلتے ہوئے حضرتؑ سے نئے انداز سے مخاطب ہوئے اور کہا: ''ابوطالبؑ! یہ عمارہ بن ولید (خالد بن ولید کا بھائی) ہے، قریش میں اس کا سا کوئی جوان نہیں۔ نہایت حسین وجمیل ہے، اِسے آپؑ لے لیجیے اور محمدؐ کو ہمارے سپرد کر دیجیے تاکہ ہم (نعوذ باللہ) اُنھیں قتل کر دیں''۔

ابوطالبؑ کو اس قوم پر نہایت افسوس ہوا کہ ان کا اندازِ فکر کتنا گھٹیا اور مکارانہ ہے، فرمایا: ''تم اپنا بیٹا میرے سپرد اس لیے کرنا چاہتے ہو کہ میں اس کی پرورش کروں اور میں اپنا بیٹا تمھیں اس لیے دے دوں کہ تم اسے قتل کر دو؟ خدا کی قسم! ایسا کبھی نہیں ہونے والا۔ کیا تم نے اُونٹنی کو کسی غیر کے بچے کو دودھ پلاتے دیکھا ہے؟''

اب مشرکین کی ایذا رسانی کا سلسلہ بڑھ گیا۔ انھوں نے مسلمانوں کو اور زیادہ ستانا شروع کر دیا۔ ابوطالبؑ کو تشویش ہوئی کہ کہیں اس ایذا رسانی کا سلسلہ حضرت محمدؐ تک نہ پہنچ جائے۔ چناں چہ اُنھوں نے بنی ہاشم کا ایک اجلاس طلب کیا اور اُنھیں حضرت محمدؐ کی حفاظت کے لیے کہا۔ الحمدللہ کہ (ابولہب کے سوا) سب نے آپؑ کی آواز پر لبیک کہا۔

بنی ہاشم کا یہ اتحاد قریشِ مکہ کے لیے بہت ناگوار تھا۔ وہ حضرت محمدؐ کے قتل کی خفیہ سازشوں میں مصروف رہنے لگے۔ ایک مرتبہ جب وہ ایسی ہی سازش میں مصروف تھے تو حضرت ابوطالبؑ پر اس کا انکشاف ہو گیا۔ آپؑ اپنے فرزند جعفرؑ کو ساتھ لے کر

حضرت محمدؐ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ آخر حضورؐ کو مکہ کے ٹیلوں میں تلاش کرتے ہوئے حضرت محمدؐ اور علیؑ کو نماز پڑھتے ہوئے پایا۔ علیؑ کے سوا ان کے ساتھ کوئی نہ تھا۔ ابوطالبؑ نے اپنے دوسرے بیٹے کو بھی حکم دیا: "اپنے ابنِ عم کی دوسری طرف تم کھڑے ہوجاؤ"۔ اس سے مقصود اپنے بھتیجے کے دونوں بازو مضبوط کرنا اور حضورؐ کے عزم و حوصلہ کو بڑھانا تھا۔ اب جعفر اور علیؑ دونوں رسولؐ کے مقتدی اور محافظ تھے۔

ایک مرتبہ پھر حضرت محمدؐ دیر تک گھر نہ پہنچے تو ابوطالبؑ نے جگہ جگہ اُن کو تلاش کیا لیکن اُنھیں کہیں نہ پایا۔ آپؑ مکہ واپس پہنچے اور جوانانِ بنی ہاشم کو اکٹھا کر کے فرمایا:

"تم سب تلواریں اُٹھا لو اور میرے ساتھ چلو۔ میں جب اندر داخل ہو جاؤں تو تم سب قریش کے سرداروں کے پاس بیٹھ جانا اور جب معلوم ہو جائے کہ (خدانخواستہ) محمدؐ قتل کر دیے گئے ہیں تو تم ان سب کو قتل کر دینا"۔

جوانانِ بنی ہاشم نے سردارِ مکہ کے حکم کی تعمیل کی اور ہر ایک مشرکین کے ایک ایک سردار کے پاس بیٹھ گیا۔ ابوطالبؑ ابھی انتظار میں تھے کہ زید بن حارثہ آئے اور خبر دی کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحیح سالم ہیں۔

اس موقع پر مشرکین کو قتلِ محمدؐ کے ناپاک عزم سے باز رکھنے کے لیے حضرت ابوطالبؑ نے اعلان فرمایا: "اگر کوئی محمدؐ کی زندگی سے کھیلے گا تو اس کا انجام بہت برا ہوگا"۔

تب جا کر مشرکین کو انتباہ ہوا، ابوجہل جیسے بدباطن اور شقی القلب نے بھی گردن جھکالی اور خوف سے اس کا چہرہ زرد ہو گیا۔ جو مشرکین اپنے لڑکوں اور غلاموں کو رسولِ خدا کو ستانے اور آزردہ خاطر کرنے کی ترغیب دیتے تھے اُن کا علاج بھی ابوطالبؑ نے خوب کیا۔ ایک دن رسولِ خدا نماز پڑھ رہے تھے، جب آپؐ سجدہ ریز ہوئے تو ایک غلام نے آپؐ کے اُوپر کوئی گندی چیز ڈال دی۔ اس پر سب مشرکوں نے

قہقہے لگانا شروع کر دیے۔ حضرت محمدؐ نے اس کی شکایت اپنے چچا سے کی تو ابوطالبؑ انتہائی غیظ و غضب کے عالم میں تلوار سونتے مشرکین کے پاس پہنچے اور اپنے ایک غلام کو حکم دیا کہ گندگی اُٹھا کر ان سب کے منھ پر مَل دو۔ مشرکین بہت سٹپٹائے اور معافیاں مانگنے لگے۔ بعض نے کہا: ''آپؑ کا اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے''۔

؎ نہ چھوڑا ساتھ مشکل میں کبھی اُس نے محمدؐ کا
پرکھتے ہیں مسلماں پھر بھی ایمانِ ابوطالبؑ

(طالبؔ چنیوٹی)

جب مشرکینِ مکہ کو یقین ہوگیا کہ ابوطالبؑ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حمایت سے دست بردار نہیں ہوں گے اور اُن کی خاطر لڑنے مرنے سے بھی گریز نہیں کریں گے تو اُنھوں نے بنی ہاشم کا سماجی و اقتصادی مقاطعہ کر دیا اور ہر قسم کا قطع تعلق کر لیا۔ اس قطع تعلق کے سلسلے میں چالیس سردارانِ مکہ نے ایک دستاویز پر دستخط کیے اور اسے خانۂ کعبہ کے اندر لٹکا دیا۔ یہ واقعہ ماہِ محرم، بعثت کے ساتویں سال کا ہے۔ اس بائے کاٹ پر قریشِ مکہ کو اُمید تھی کہ ابوطالبؑ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جائیں گے لیکن شیخ بطحا نے ایک اور ہی طریقہ اپنایا اور اپنے قبیلہ کو دو پہاڑوں کے درمیان واقع ایک وادی میں لے گئے تاکہ اس محفوظ مقام پر حضرت محمدؐ کی حفاظت کر سکیں اور اُنھیں قتل ہونے سے بچا سکیں۔ یہ لوگ غار میں داخل ہوگئے اور اس کے سوراخوں کو بند کر دیا تاکہ اِدھر سے کوئی اندر داخل نہ ہو سکے۔ ابوطالبؑ اپنے بڑھاپے کے باوجود اپنے بھائی حضرت حمزہؓ اور دیگر بنوہاشم کے ہم راہ نبی مکرمؐ کی حفاظت کے لیے پہرہ دیتے تھے۔ آپ حضورؐ کو ایک بستر سے دوسرے بستر پر منتقل کرتے رہتے تھے (اور ان کی جگہ اپنے بیٹوں سے بدلتے رہتے تھے) تاکہ (اولادِ ابوطالبؑ کے زندہ ہوتے ہوئے) کوئی مشرک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو گزند نہ پہنچا سکے۔ گویا

؎ جاں اپنی چلی جائے بچ جائے محمدؐ کی
آئی ہے یہ حیدرؑ میں عادت ابوطالبؑ سے

اس پہاڑی گھاٹی کے اندر، جو شعب ابی طالبؑ کے نام سے مشہور ہوگئی تھی، رہتے ہوئے بہت سے دن گزر گئے۔ خاندانِ ابوطالبؑ اور بنوہاشم اس گوشہ نشینی میں سخت رنج ومصیبت اور شدید بھوک کا سامنا کرتے رہے۔ جب حج کا زمانہ آیا تو یہ لوگ ملبوسات اور خوردونوش کی اشیا لینے کے لیے باہر نکلے لیکن قریش کے مال دار اور جابر لوگ یہ سب اشیا خرید چکے تھے تاکہ بنی ہاشم اگر محاصرے سے باہر بھی نکل آئیں تو اُن کے خریدنے کے لیے کچھ نہ بچ سکے۔ اس دورِ ابتلا میں بھی جنابِ ابوطالبؑ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند اُستوار رہے اور کبھی متزلزل نہ ہوئے۔ حضرت محمدؐ کے بارے میں اُن کا جو موقف تھا اُس میں ذرا نرمی نہ آئی اور وہ چٹان کی طرح ڈٹے رہے۔ اس دوران میں لوگوں نے جنابِ ابوطالبؑ کی زبانِ حق ترجمان سے یہ اشعار سماعت کیے:

مَنَعْنَا الرَّسُوْلَ رَسُوْلَ الْمَلِيْكِ ... بِبِيْضٍ تَلَالَاُ لَمْعَ الْبُرُوْقِ

اَذُبُّ وَ اَحْمِيْ رَسُوْلَ الْاِلٰهِ ... حِمَايَةَ حَامٍ عَلَيْهِ شَفِيْقٖ ①

"ہم نے رسولؐ کی حفاظت کی جو اللہ کا پیغام لے کر آئے تھے۔
(اور اُن کے دشمنوں کا) ایسی آب دار تلواروں سے مقابلہ کیا جو
برق کی مانند چمکنے والی تھیں۔
ہم ان تلواروں کے ذریعے رسولِ اِلٰہ کی حمایت کر رہے تھے اور
ہماری یہ حمایت (وحفاظت) ایک شفیق ومخلص کی حمایت تھی"۔

آپؑ قریش کے معاندانہ موقف کو ٹھکراتے ہوئے فرماتے تھے:

اَلَمْ تَعْلَمُوْا اَنَّا وَجَدْنَا مُحَمَّدًا ... نَبِيًّا كَمُوْسٰى خُطَّ فِيْ اَوَّلِ الْكُتُبِ

وَاَنَّ عَلَيْهِ فِي الْعِبَادِ مَحَبَّةً ... وَلَا خَيْرَ فِيْمَنْ خَصَّهُ اللّٰهُ فِي الْحُبِّ

---

① اس مضمون پر مبنی پانچ شعر دیوانِ ابی طالب میں شامل ہیں۔ ہم نے پہلا اور دوسرا شعر پیش کیا ہے۔ ان اشعار کا متن مختلف کتب میں مختلف ہے۔ ہم نے دیوان (التونجی) کو ترجیح دی ہے۔ البتہ دوسرے شعر کے پہلے مصرعے میں رَسُوْلَ الْاِلٰهِ کو ترجیح دی ہے تاکہ تکرار نہ ہونے پائے۔

"کیا تم لوگ ابھی تک یہ نہیں جان سکے کہ ہم نے حضرت محمدؐ کو ویسے ہی نبی پایا ہے جیسے حضرت موسیٰؑ (اللہ کے) نبی تھے۔ اس بات کا ذکر پہلی کتابوں میں موجود ہے اور جس شخص کو خدا اپنا محبوب قرار دے اس سے بڑھ کر کون ہو سکتا ہے۔ اور تم لوگ یہ بات بھی اچھی طرح یاد رکھو کہ محمدؐ کی محبت دلوں میں راسخ ہو کر رہے گی"۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت ابوطالبؑ حضرت محمدؐ کو اپنے بیٹوں سے زیادہ چاہتے تھے۔ کبھی کبھی اپنے بھائی کی اس نشانی کی طرف دیکھ کر رونے لگتے اور فرمایا کرتے تھے: "جب میں انھیں دیکھتا ہوں تو مجھے میرے بھائی عبداللہؑ یاد آجاتے ہیں"۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت ابوطالبؑ رات کے وقت آئے، حضرت محمدؐ کو نیند سے بیدار کیا، پھر اپنے بیٹے حضرت علیؑ سے فرمایا: بیٹا! تم ان کے بستر پر سو جاؤ۔

حضرت علیؑ نے اپنے والدِ گرامی کو یہ باور کرانے کے لیے کہ میں اپنے نفس کو حضرت محمدؐ (رسول اللہ) پر قربان کرنے کے لیے دل وجان سے تیار ہوں، (جھکتے) فرمایا: "اس طرح تو میں عن قریب قتل ہو جاؤں گا"۔

حضرت ابوطالبؑ نے فرمایا: حبیب اور فرزند حبیب کی طرف سے فدیہ بننے پر صبر کیجیے۔

حضرت علیؑ نے عرض کیا: بابا جان! میں موت سے نہیں ڈرتا، میں تو آپ پر صرف اپنی فداکاری (اور وفاداری) واضح کرنا چاہتا تھا۔

حضرت ابوطالبؑ خوش ہوئے اور محبت سے اپنے بیٹے کا بازو تھپتھپایا، پھر حضرت محمدؐ کو دوسری جگہ لے گئے تاکہ وہاں آرام فرمائیں۔

جب حضورؐ بستر پر آرام فرما ہوتے تھے تو حضرت ابوطالبؑ جاگتے رہتے تھے اور ان کا دل روحِ ایمان سے سرشار رہتا تھا۔

شعب ابی طالبؑ سے جو گزرا ہے تو بتلا
یہ کون ہے پہرے پہ بھتیجے کو سُلا کر
(سیّد جعفر طاہر)

شعبِ ابی طالبؑ میں سال ہا سال گزر گئے۔ غار میں محصور دودمانِ ابوطالبؑ کی بھوک پیاس میں اضافہ ہوتا رہا، یہاں تک کہ درختوں کے پتے کھا کر گزارا کرتے تھے۔ نبیِ رحمتؐ بھوکے بچوں کو دیکھتے تو آپؐ کا دل پیچ کر رہ جاتا۔ آخر ایک دن آپؐ اپنے چچا جان کے پاس آئے۔ آپؐ نہایت شاداں و فرحاں تھے۔ آپؐ نے فرمایا: چچا جان! اللہ تعالیٰ نے قریش کے عہد نامے پر دیمک کو مسلط کر دیا ہے، جو اللہ کے نام کے علاوہ سارا عہد نامہ چاٹ گئی ہے۔

ابوطالبؑ مسرور ہو کر بولے: کیا آپؐ کے رب نے آپؐ کو یہ خبر دی ہے؟!

حضورؐ نے فرمایا: جی ہاں۔

حضرت ابوطالبؑ فوراً اُٹھ بیٹھے۔ آپؑ کا دل نورِ ایمان سے معمور تھا۔ آپؑ اس سرشاری کی حالت میں خانۂ کعبہ کے پاس پہنچے تو وہاں دارالندوہ میں قریش کے سرداروں کو جمع پایا۔ حضرتؑ نے ان لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: اے گروہِ قریش!

خدائے متعال نے اُن سیاہ کاروں کے دلوں پر ایسا رُعب طاری کر دیا کہ وہ شیخ بطحا کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے اور انتظار کرنے لگے کہ آپؑ کیا کہتے ہیں۔ اُن کا خیال تھا کہ شاید آپؑ محاصرے سے عاجز آ چکے ہوں اور اپنا موقف بدلنے کو تیار ہو گئے ہوں لیکن حضرت ابوطالبؑ اُن سے یوں گویا ہوئے: (اے گروہِ قریش!) میرے بھتیجے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھے خبر دی ہے کہ تمہارے عہد نامے پر خدا نے دیمک کو مسلط کر دیا ہے اور وہ سوائے نامِ خدا کے ساری عبارت کو چاٹ گئی ہے۔ اگر محمدؐ سچے ہیں تو ہمارے محاصرہ اور مقاطعہ سے دست بردار ہو جاؤ۔

ابوجہل نے کہا: اگر وہ جھوٹے ہوئے تو؟ (معاذ اللہ)

ابوطالبؑ نے نہایت وثوق سے کہا: تب میں اپنے بھتیجے کو تمھارے حوالے کردوں گا۔

قریش کے سردار اس بات پر راضی ہو گئے اور عہد پر قایم رہنے کا وعدہ کیا۔ وہ دیمک کو دیکھنے کے لیے خانۂ کعبہ کے اندر گئے تو دیکھا کہ دیمک اللہ کے نام کے علاوہ سارے عہدنامے کو چاٹ گئی تھی۔ قریش شرمندہ ہو کر رہ گئے اور تمام بنوہاشم شعب ابی طالبؑ سے نکل کر خانۂ کعبہ تک پہنچ گئے۔ یوں اُنھوں نے مختلف علاقوں سے آنے والے وفود کو دعوت اسلام دی۔

ہے جن پر ناز کعبہ کو رسالت کو امامت کو
زمانے بھر میں اِک ایسے مسلماں ہیں ابوطالبؑ
(وجاہت حسین وجاہت)

اب حضرت ابوطالبؑ اسی (۸۰) سال کے ہو چکے تھے۔ اعضا ضعیف اور قویٰ مضمحل ہو گئے تھے۔ وہ صاحبِ فراش تھے مگر اس حالت میں بھی صرف اور صرف اپنے عزیز بھتیجے کے بارے میں متفکر تھے۔ وہ فکرمند تھے کہ میرے بعد قریش کو کسی کا خوف نہیں رہے گا اور وہ میرے بھتیجے یعنی رسولُ اللہ کو قتل کر دیں گے۔ اسی اِثنا میں سرداران قریش حضرت ابوطالبؑ کی عیادت کے لیے آئے۔ وہ سب کہتے رہے: اے ابوطالبؑ! آپؑ ہمارے سردار (اور شیخ البطحا ہیں) اب جب کہ آپؑ قریب الموت ① ہیں، ہمارے اور اپنے بھتیجے (محمدؐ) کے درمیان سے دشمنی کی جڑ کو ختم کر دیں۔ ان سے کہیں وہ ہمیں کچھ نہ کہیں، ہم بھی انھیں کچھ نہیں کہیں گے۔ وہ ہمارے دین پر اعتراض نہ کریں، ہم ان کے دین پر معترض نہیں ہوں گے۔

---

① قریب المرگ غلط العوام یا غلط العام ہے۔

اس فرمائش پر شیخ البطحا نے سردارانِ قریش (بہ شمول ابوجہل وابوسفیان) کی طرف دیکھا اور رطب اللسان ہوئے: اگر تم محمدؐ کی باتوں پر کان دھرو گے اور ان کے حکم کا اتباع کرو گے تو تم کبھی نقصان نہیں اٹھاؤ گے، ان کی اطاعت کرو کہ تمھاری دنیا و آخرت سنور جائے۔

یہ بات سن کر مشرکین اپنے مقصد میں ناامید ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور اُن میں سے ابوجہل کہنے لگا: کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم ایک خدا کو تسلیم کر لیں؟!

قریش کے اس احمقانہ موقف پر حضرت ابوطالبؑ مایوس ہوئے۔ آپؑ کو حضرت محمدؐ کے بارے میں زیادہ تشویش ہوئی۔ چناں چہ بنو ہاشم کو بلایا اور انھیں حضورؐ کی نصرت کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا: اگر وہ (محمدؐ) تمھیں جان دینے کا حکم بھی دیں تو تم دریغ نہ کرنا۔

قابلِ رشک ہیں انداز ابوطالبؑ کے
حق کا عرفان ہی وجدانِ ابوطالبؑ ہے
(پیر نصیر الدین گولڑوی)

اس آخری وصیت کے بعد ابوطالبؑ نے آنکھیں بند کیں اور جان، جان آفرین کے سپرد کر دی۔ سردارِ مکہ چل بسے، اولاد نے دل خراش نالوں سے رونا شروع کر دیا۔ وادیِ بطحا مقامِ آہ و بکا بن گئی۔ حضور نبیِ کریمؐ نے اپنے چچا کا سایۂ عاطفت سر سے اٹھ جانے کے سبب سے اس سال کو عام الحزن (غم کا سال) قرار دیا۔

اس کے برعکس مشرکین کے حوصلے بڑھ گئے۔ وہ خوش ہوئے کہ اب محمدؐ سے انتقام لینے کا وقت آ پہنچا ہے۔ لیکن یہ اُن کی زبردست غلطی تھی۔ ابوطالبؑ اپنے پیچھے اپنی مثل جعفرؑ، عقیلؑ اور علیؑ کو چھوڑے جا رہے تھے کہ جن کے جان و مال اور اولاد فدیۂ محمدؐ تھے۔

بارہ نسلوں کا لہو نذر کیا ہے اُس نے
تب کہیں دین کے دریا میں روانی آئی
(نجم سبطین حسنی)

نبیِ مکرمؐ کی اپنے چچا کے لیے محبت ملاحظہ کیجیے کہ جب آپؐ اپنے محسن سے آخری وداع کے لیے تشریف لائے تو چچا کی روشن جبیں پر بوسہ دے کر فرمایا:

چچا جان! خدا آپؑ پر رحم فرمائے۔ جب میں کم سن تھا تو آپؑ نے میری تربیت کی، میں یتیم تھا تو آپؑ نے میری کفالت کی، میں بڑا ہوا تو آپؑ نے میری مدد کی (ان احسانات پر) خداوندِ عالم میری اور دینِ اسلام کی جانب سے آپؑ کو جزائے خیر عطا فرمائے"۔

یہ کہہ کر رسولِؐ اسلام اس قدر روئے کہ آنسو پھوٹ کر بہنے لگے۔ آپؐ چچا کے سایۂ عاطفت میں گزرے زمانے کو یاد فرما رہے تھے۔ یقیناً آپ کو وہ دن بھی یاد آرہا ہوگا جب چچا تجارت کی غرض سے شام جا رہے تھے تو آپؐ نے اپنے چچا کے اونٹ کی مہار پکڑ کر روتے ہوئے فرمایا تھا: چچا جان! مجھے کس کے حوالے کر کے جا رہے ہیں؟ میری ماں ہے نہ باپ، میں کس سے دل لگاؤں گا؟

مشفق چچا نے جب یہ بات سنی تھی تو روتے ہوئے کہا تھا: خدا کی قسم! میں تمھیں کسی غیر کے بھروسے پر نہیں چھوڑوں گا۔ پھر اپنا ہاتھ بڑھا کر معصوم بھتیجے کو گود میں بٹھا لیا تھا اور دونوں، چچا بھتیجا صحرا میں سفرِ شام کو طے کرنے لگے تھے۔

ان یادوں میں محو حضرت محمدؐ غم سے نڈھال ہوگئے۔ اپنے چچا کی منور پیشانی کو پھر بوسہ دیا اور اپنے عم زاد علیؑ ابن ابی طالبؑ کو گلے سے لگا لیا۔ حضرت علیؑ کے دل خراش نالے بلند ہوئے (اور دل ہی دل میں عہد کر لیا کہ اپنی زندگانی اپنے باپ کی طرح حفاظت و نصرتِ پیغمبرؐ کے لیے وقف کردوں گا)۔

ظالم قریشیوں نے رسولِؐ اسلام اور مسلمانوں کو ایذائیں پہنچانا شروع کردیں۔ ابھی چچا کے غم کا داغ دل میں لیے محمدؐ واپس ہی آرہے تھے کہ ظالموں نے آپؐ کا سر خاک آلود کر دیا۔ بنتِ محمدؐ، فاطمہ زہراؑ بتولِ عذراؑ، سرِ مبارک کو دھو رہی تھیں اور

ساتھ ساتھ رو رہی تھیں۔ حضورؐ نے اُن کو حوصلہ دیتے ہوئے فرمایا: بیٹی روئیں نہیں، خداوندِ عالم تمھارے باپ کو محفوظ رکھے گا اور دینِ اسلام کے دشمنوں پر فتح عطا فرمائے گا۔ اُدھر خداوندِ قدوس نے جبریلِ امینؑ کو بھیجا کہ میرے حبیبؐ کو یہ پیغام پہنچا دو:

"محمدؐ! مکہ سے ہجرت کر جایئے کہ آپؐ کے مددگار چل بسے"۔

(کیوں کہ حضرت ابوطالبؑ کی رحلت کے چند ہفتے بعد حضرت خدیجہؑ بھی داغِ مفارقت دے گئی تھیں)۔ (اصحابِ رسولؐ، ص ۲۱، ۲۲)

اِدھر ہجرت کی شب آئی اُدھر مشرکینِ قریش قتلِ محمدؐ کے لیے خانۂ نبوت و رسالت کے اِردگرد جمع ہو گئے۔ ابوطالبؑ کی روح تڑپ اُٹھی۔ اس موقعے پر ابوطالبؑ کے تحفظِ رسالت کے لیے وقف فرزند، علیؑ نے بسترِ نبیؐ پر لیٹ کر ابوطالبؑ کی روح کو راضی کر دیا۔

احمدؐ کو جو عمران کا دل بر نہیں ملتا
بستر کے لیے نور کا پیکر نہیں ملتا
(مرزا شوق لکھنوی)

ابوطالبؑ کیا راضی ہوئے خدا راضی ہو گیا۔ ابوطالبؑ کے فرزند کی موجودگی میں تاحیات محمدؐ کا کوئی بال بھی بیکا نہ کر سکا اور علیؑ کے بعد اولادِ علیؑ بھی فرزندانِ رسولؐ (1) کا فدیہ ثابت ہوئی۔ یہ سب فیضانِ ابوطالبؑ ہے۔ باقول راقم الحروف

چکا ڈالا نبیؐ نے سب کے احسانات کا بدلہ
ابھی تک دین پر باقی ہے احسانِ ابوطالبؑ

❖

اللہ جل شانہٗ کے نام سے شروع ہونے والے اس مقالۂ افتتاحیہ کا اختتام ہم

(1) دیگر اولادِ علیؑ، فرزندانِ رسول حسنین شریفینؑ پر نثار تھی۔

مظلومِ زمانہ حضرت ابوطالبؑ کے مظلومِ کائنات بیٹے امام علیؑ کے اِس کلام پر کرتے ہیں:

"میرا قلب وجگر رات کی تاریکی میں نوحہ کُناں ہے۔ پرندوں نے
میرا دل جلا کر رکھ دیا ہے، وہ مجھے غم گین کر گئے۔
اور میرا دکھ مجھے پھر سے یاد کرا گئے،
اپنے بابا ابوطالبؑ کو کھونے کا غم
فقرا و مساکین کی پناہ گاہ کا غم
میرے سخی (الاسخیاء) والدِ گرامی، جن کے ذمّے ایسے ایسے اُمور
تھے کہ جنھیں وہی انجام دے سکتے تھے۔
(ظالم) قریش نے اُن کی وفات (حسرت آیات) پر خوشیاں
منائیں"۔ (بہ حوالہ الغدیر، شرح ابنِ ابی الحدید کی نقل کے ساتھ)

اُن کی جدائی پر کون سا مرثیہ پڑھوں؟!
ان کی مظلومیت کے بارے میں کیا لکھوں؟!
ان کے ایمان کی داستان کیسے سناؤں؟!
بابا تو مظلوم ترین شخصیت تھے،
بابا تو بہترین کفیل تھے،
بابا کے جنازے میں تو سردارِ انبیاؑ محمدِ مصطفیؐ (بھی) پابرہنہ چل
رہے تھے۔
روتے ہوئے اُن کی ہچکیاں بندھی ہوئی تھیں اور جنازے کے
پیچھے پیچھے چلتے ہوئے فرما رہے تھے:
"میرے چچا! آپؑ کتنے عظیم تھے، آپؑ کے بغیر میں کہاں جاؤں
گا؟" (تاریخ اسلام، آغاز تا ہجرت، ص ۲۴۰)

ہاں اس سے بڑھ کر بھی ایک گواہی ہے، خود لسانِ وحی ترجمان رسولِ اسلامؐ کی:

"اے میرے چچا جان!
آپؑ نے بچپن میں میری تربیت فرمائی۔
یتیمی میں میری کفالت کی۔
خدا آپؑ کو اس کا اجرِ عظیم عطا فرمائے......!"①

(تاریخ یعقوبی: ج ۲، ص ۲۴، فارسی ترجمہ، ص ۳۹۴)

❖❖❖

بہ خدا حاصلِ ایمان ابو طالبؑ ہیں
یعنی ایمان کا عرفان ابو طالبؑ ہیں
کلِ ایمان پسر ہے اُن کا
اہلِ ایمان کے سلطان ابو طالبؑ ہیں
(م ع، ج)

---

① ہائے افسوس! رسولؐ مظلوم نے اپنے جس محسن و مظلوم بزرگؑ کے لیے اللہ رب العزت سے اجرِ عظیم کی دُعا مانگی مسلمانوں نے اسے کافر جانا اور جس محسن و مظلوم آلؑ کے لیے خود اُمت سے اجرِ رسالت مانگا اُسے محبت و مودّت کے بہ جائے مصائب و آزار سے دوچار کیا گیا۔

شانِ ابوطالبؑ

میں ہوں عاجز بیاں مجھ سے ہو کیا شانِ ابوطالبؑ
خدا قرآن میں ہے خود ثناخوانِ ابوطالبؑ
وہی پنج تنؑ، وہی بارہؑ، وہی چودہؑ کا ایماں ہے
کچھ اتنا کامل و اکمل ہے ایمانِ ابوطالبؑ
ہے وجہِ خلقتِ عالَم، پنہ گاہِ جہاں ہے جو
پنہ اس کو ملی تھی زیرِ دامانِ ابوطالبؑ
چکا ڈالا خدا نے سب کے احسانات کا بدلہ
ابھی تک دین پر باقی ہے احسانِ ابوطالبؑ
عطا حق نے کیا یہ رتبۂ والا فقط اُن کو
ہے آغازِ کتابُ اللہ فرمانِ ابوطالبؑ
ابوطالبؑ کا ہر مصرع مزیّن ہے محبّت سے
ہے مجموعۂ حمد و نعت دیوانِ ابوطالبؑ
قلم ہے سر بہ خم، الفاظ و معنی سر بہ سجدہ ہیں
مرے پیشِ نظر ہے آج عنوانِ ابوطالبؑ
صدائے ہاتفِ غیبی ز سوئے آسماں آئی
کرو عباس مظہرؔ درکِ عرفانِ ابوطالبؑ

(مظہر عباس)

بابِ اوّل

مختصر احوال، مقامِ ذی احترام، آباے کرام اور اولادِ امجاد

○

ابوطالبؑ کو کافر کہنے والو!
نبوت اُن کی گودی میں پلی ہے
اُنھی کی بارہ نسلوں میں مسلسل
ولی ابنِ ولی ابنِ ولی ہے
(علامہ عباس گیلی (سینیٹر)

○

سامان ہدایت کا کیا جاتا ہے لوگو
اِک سلسلۂ نُور چلا آتا ہے لوگو
اس سلسلۂ نُور میں "عمرانؑ" کا کردار
پاکیزہ ولادت کو فقط ، بھاتا ہے لوگو
(ابوالعلی والحسن)

حضرتِ ابوطالبؑ کا مختصر تعارف

اسمِ گرامی:

آپؑ کا نامِ نامی اسمِ گرامی ''عبدِ مناف'' ہے۔ بعض حضرات نے آپ کو ''عمران'' کے نام سے بھی یاد کیا ہے اور بعض دیگر نے آپ کا نام شیبہ ذکر کیا ہے۔

(بحوالہ شیخ الابطح مصنفہ مرحوم سید محمد علی شرف الدین موسوی العاملی)

حضرت امام علی علیہ السلام اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول روایات میں ''عبدِ مناف'' ہی مذکور ہے۔ (معانی الاخبار، ص ۱۲۱، مناقب ابنِ شہر آشوب، ج ۱، ص ۳۶)

جناب عبدالمطلبؑ نے بھی اپنی وصیت میں آپؑ کو اسی نام سے مخاطب فرمایا ہے۔

(تاریخ پیغمبرِ اسلام، ص ۵۵، فارسی ترجمہ تاریخ یعقوبی، ص ۳۶۷-۳۶۸)

بعض علما کے مطابق: مناف اصل میں نوف کے مادہ سے ہے جس کے معنی بزرگ کے ہیں اور بزرگی اوصافِ خداوندی میں سے ہے، چناں چہ عبدِ مناف کا مطلب ہے ''بندۂ خدا''۔ پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک زیارت میں آپ کو عمران کے نام سے (بھی) پکارا گیا ہے۔ (بحارالانوار، ج ۱۰۰، ص ۱۸۹)

القاب:

سیدالبطحا، شیخِ بطحٰی، رئیسِ مکہ، سید القریش، بیضۃ البلد، سیّد العرب۔ [1]

---

[1] اگر حضرت ہاشمؑ اور ان کے صاحب زادے حضرت عبدالمطلبؑ سیدالعرب تھے تو ان کے جانشین حضرت ابوطالبؑ بھی یقیناً سیدالعرب تھے۔ اسی لیے تو بہ فرمانِ رسولؐ اسلام ابوطالبؑ کے فرزندِ ارجمند علیؑ بھی سیدالعرب ہیں۔ یہ امر بھی مدِ نظر رہے کہ مذکورہ القاب آں جناب کو اپنے حینِ حیات میں حاصل تھے، اب ان القاب کی فہرست طویل تر ہے مثلاً: محسنِ اسلام، نگہ بانِ رسالت، رئیس و مومنِ قریش، ولیِ خدا، ابوالائمہ، اوّلین ناعتِ نبیؐ، وغیرہم۔

کنیت:

آپؑ کی کنیت ابوطالبؑ تھی، آپ اسی سے زیادہ مشہور ہیں۔
(شیخ الابطح، ص ٦)

والدینِ شریفین:

حضرتؑ کے والد گرامی جناب عبدالمطلب بن ہاشمؑ تھے اور والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنتِ عمر بن عائذ بن عمران بن مخزوم تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے والدِ ماجد حضرت عبداللہؑ بھی اسی ماں سے تھے۔

شجرئہ نسب:

[اَشْهَدُ اَنَّكَ كُنْتَ نُوْراً فِي الْاَصْلَابِ الشَّامِخَةِ وَالْاَرْحَامِ الْمُطَهَّرَةِ]

ا- ترتیب نزولی:

عدنانؑ
↓
مَعَدؑ ①
↓
نزارؑ
↓
مضرؑ
↓
الیاسؑ
↓
مدرکہؑ
↓
خزیمہؑ
↓

---

① بعض فارسی کتب میں مَعَدّ کو مَعَد لکھا گیا ہے۔

کنانہؑ
↓
نضرؑ
↓
مالکؑ
↓
فہرؑ
↓
غالبؑ
↓
لوئیؑ
↓
کعبؑ
↓
مُرّہؑ
↓
کِلابؑ ①

---

① ابنِ جوزی نے اس اسمِ گرامی کے جو معنی بتائے ہیں اُن سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ لفظ بہ طرزِ جِدال گلاب ہے۔ لیکن موصوف نے تلفظ کِلاب ہی واضح کیا ہے۔ علامہ محقق سید مرتضیٰ عسکری نے بھی اپنی کتاب مترجم بہ اُردو "احیائے دین میں اہلِ بیت کا کردار" (ج ۲) میں 'ک' کے نیچے زیر ہی کا اہتمام کیا ہے۔ اکثر علمائے کرام سے مشورہ طلب کیا تو اُنھوں نے کوئی خاطر خواہ جواب نہ دیا۔ تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ آپؑ کا اصلی نام حکیم تھا آپ اسمِ با مسمّٰی تھے۔ فہم و فراست اور تدبر میں یکتا تھے۔ اہلِ عرب اپنے جھگڑے چکانے اور اختلافات مٹانے کے لیے آپؑ سے رجوع کرتے تھے۔ آپؑ شکار کے فن میں باکمال اور نہایت شجاع مرد تھے بغیر کسی حربے کے شکار پکڑ لیتے تھے اکثر کتوں کے ساتھ شکار کھیلتے تھے اس لیے کِلاب کے نام سے مشہور ہو گئے۔ علمائے لغت کے مطابق کِلاب کلب کی جمع ہے اور کلب اپنے عام مشہور معنی کے علاوہ یہ معنی بھی رکھتا ہے، چکّی کے دھرے کے سرے کا لوہا، کجاوے کے گدے کی میخ جس پر مسافر اپنا توشہ لٹکاتے ہیں، ٹیلے کا کنارا، ٹیک لگانے کے لیے سخت پتھر وغیرہ۔ پروفیسر ڈاکٹر خورشید رضوی کے بہ موجب آزاد عربوں کے ہاں اپنے بچوں کا نام رکھنے کا معیار قوت و طاقت تھا۔ اسد، اُسامہ، حمزہ، غضنفر، ضیغم، جبر غام، عباس وغیرہ بھی بہادر جانور شیر کی مختلف حالتیں ہیں۔ واللہ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب

↓

قُصیؒ

↓

عبدِ منافؒ

↓

ہاشمؒ

↓

عبدالمطلبؒ ①

↓

↓ حارث　↓ زبیر　↓ حجل　↓ ضرار　↓ مقوم　↓ ابولہب　↓ عبداللہ　↓ ابوطالب　↓ حمزہ　↓ عباس

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوطالبؒ (عبدِ مناف) اپنے پردادا، حضرت ہاشمؒ کے باپ عبدِ مناف کے ہم نام تھے۔ دوسرے لفظوں میں حضرت عبدالمطلبؒ نے آپؒ کا نام اپنے دادا حضور کے نام پر رکھا تھا۔

۲-ترتیب صعودی:

ابوطالبؒ بن عبدالمطلبؒ بن ہاشمؒ بن عبدِ منافؒ بن قُصَیؒ بن کلابؒ بن مُرّۃؒ بن کعبؒ بن لُوَیؒ بن غالبؒ بن فِہرؒ بن مالکؒ بن نُضر بن کنانہؒ ② بن خزیمہ بن مدرکہؒ بن الیاسؒ بن مُضرؒ بن نزارؒ بن مَعدؒ بن عدنان (عدنان بلاشبہ حضرت اسماعیلؑ بن

---

① بعض کے مطابق حضرت عبدالمطلبؒ کے حضرت عبداللہؒ اور ابوطالبؒ کے علاوہ دس بارہ بیٹے تھے۔ ابنِ جوزی نے ابوسائب کے حوالے سے گیارہ لکھے ہیں: ۱-حارث ۲-زبیر ۳-ابوطالب ۴-حمزہ ۵-ابولہب ۶-غیداق ۷-مقوم ۸-صفار ۹-عباس ۱۰-قثم ۱۱-حجل۔ ایک اور راوی نے قثم کو شمار نہیں کیا اور غیداق کا نام حجل بتایا ہے۔ بعض نے حجل کو حجل بتایا ہے۔ یہ کتابت کی غلطی بھی ہو سکتی ہے۔ ابنِ ہشام اور صاحبِ "المعارف" نے صفار کو ضرار تحریر کیا ہے۔

② بعض نے کنانہ کو ترجیح دی ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کی اولاد سے تھے)۔

پیغمبرِ اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ جب میرا نسب عدنان تک پہنچے تو اس جگہ توقف کرلیا کرو (کیوں کہ حضرت عدنان اور حضرت اسماعیلؑ کے درمیان علمائے نسب کا اختلاف ہے اور بہت سے اسامیں غلطی کا امکان ہے)۔

کثیر روایات کی بنیاد پر رسولِ اکرم ﷺ کے آباؤ اجداد حضرت آدمؑ تک تمام کے تمام خدا پرست اور پاک سرشت تھے، اس لیے حضرت ابوطالبؑ کے آباؤ اجداد بھی حضرت آدمؑ تک سب کے سب خدا پرست مؤحِد اور پاک و پاکیزہ تھے۔

حضرت ابوطالبؑ رسولِ خدا ﷺ کے عمِ گرامی قدر اور وصیِ رسول امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے پدرِ اطہر تھے۔

حدیثِ قدسی ہے: حَرَّمْتُ النَّارَ عَلٰی صُلْبٍ اَنْزَلَكَ، وَبَطْنٍ حَمَلَكَ، وَحِجْرٍ كَفَلَكَ وَهُوَ اَبُوْطَالِبٍ "جہنم کو اس صلب پر حرام قرار دیا گیا ہے جس میں تمہیں نازل کیا گیا اور اس شکم پر کہ جس نے تمہارا بار برداشت کیا اور اس گود پر کہ جس میں تمہاری پرورش ہوئی اور وہ ابوطالبؑ ہیں"۔ (بحارالانوار، ج ۳۵، ص ۱۰۹، ح ۳۷)

تاریخِ ولادت مع مقامِ ولادت

آپؑ بعثتِ رسولِ مقبولؐ سے ۷۵ سال قبل یعنی حضورؐ کی ولادتِ باسعادت سے ۳۵ سال پیش تر (۵۳۵ عیسوی میں) شہرِ مکہ میں متولد ہوئے۔ بعض کے مطابق آپ کی ولادت ۵۴۰ء میں ہوئی۔

تاریخِ وفات مع مقامِ وفات و مدفن

حضرت ابوطالبؑ کی وفاتِ حسرت آیات ۸۵ برس کی عمر میں رسولؐ خدا کی

بعثت کے دسویں سال ① بہ مطابق ۶۲۰ عیسوی مکۂ مکرمہ میں ہوئی۔ آپؑ کا مرقدِ مطہر قبرستانِ حجون میں ہے، جو آج قبرستانِ معلٰی یا قبرستانِ ابوطالبؑ کے نام سے مشہور ہے۔

ابوطالبؑ کا مقامِ ذی احترام

اب مقامِ ابوطالبؑ کو سمجھنے کے لیے نبیِ اطہر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ اطہار علیہم السلام سے مروی مزید اخبار واحادیث اور اقوال و اشعار نیز ادعیہ و زیارات کی کتب بابرکات سے شانِ ابوطالبؑ پر مبنی جملات پیشِ خدمت ہیں۔

اخبارِ معصومین علیہم السلام

حضرت ابوطالبؑ کے بارے میں احادیثِ نبویؐ

"اے عمِ محترم! آپؑ نے مجھ سے صلہ رحم فرمایا، مجھ پر رحم و کرم کیا۔ آپؑ نے میرے بچپن میں میری کفالت فرمائی اور جوانی میں میری نصرت فرمائی"۔ ②

بہ خدا! میں روزِ قیامت (مزید بلندیٔ درجات کے لیے) اپنے چچا کی شفاعت کروں گا اور وہ شفاعت ایسی ہوگی جسے دیکھ کر جن و انس حیران ہوں گے۔ (بحار، ج۱۹، ص۶۹)

---

① ابن جوزی کے مطابق ہجرت سے ۳ سال ۴ ماہ قبل۔

② اور یہ جو رسولِ معظمؐ نے فرمایا: مَا قَامَ وَلَا اسْتَقَامَ الدِّيْنُ اِلَّا بِسَيْفِ عَلِيٍّ وَمَالِ خَدِيْجَة تو حضورؐ کو یہ دونوں عوامل، دولتِ خدیجہؑ اور سیفِ علیؑ مہیا ہونے میں بھی حضرت ابوطالبؑ کا کردارِ عالی وقار اظہر من الشمس ہے۔

حضرت ابوطالبؑ کے بارے میں فرمودات امیر المومنین علی علیہ السلام

ابوالحسن فتونی اپنی تصنیف ''ضیاء العالمین'' میں تحریر کرتے ہیں کہ امیر المومنین علی علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ پیغمبر اکرمؐ سے قبل آخری وصی کون تھے؟

آپؑ نے فرمایا: میرے والد ابوطالبؑ۔ (بہ نقل ابوطالبؑ مظلومِ تاریخ، ص ۱۱۹ تا ۱۴۴)

یہاں وصی سے مراد ایک منصب الٰہیہ ہے۔ جیسا کہ مسلمہ اسلامی عقائد میں موجود ہے کہ زمینِ خدا ایک لحظہ بھی حجتِ خدا اور مخلوق کے رہبر و رہنما کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ ایک وصی کی ذمہ داریاں ایک نبیؑ کے بعد دوسرے نبیؑ کے مبعوث ہونے تک کی درمیانی مدت میں عائد ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد مصطفیٰؐ کے درمیان ۶۵۰ سال کا طویل وقفہ (زمانۂ فترت) ہے۔ اس درمیانی وقفے کو لے لیں، ذاتِ ذوالجلال نے اپنی مخلوق کی رُشد و ہدایت کے لیے حضرت ابوطالبؑ جیسے اوصیا سے کام لیا۔ یوں نُورِ ہدایت جاری وساری رہا اور خلقِ خدا ممکنہ حد تک گمراہی سے محفوظ رہی۔

تفسیرِ قمی ① اور تفسیر برہان ② میں ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

خدا کی قسم! میرے بابا (حضرت ابوطالبؑ) دادا (عبدالمطلبؑ) نیز ہاشم وعبدِ مناف نے کبھی بت پرستی نہیں کی''۔

سائل نے عرض کیا: یہ سب کس کی عبادت کرتے تھے؟

آپؑ نے جواب دیا: دینِ ابراہیمؑ کے تابع تھے اور کعبہ کی جانب منھ کر کے نماز ادا کیا کرتے تھے۔

حضرت علی علیہ السلام سے یہ بھی منقول ہے کہ حضرت ابوطالبؑ دُنیا سے رحلت فرمانے سے پہلے رسولؐ خدا کو خوش کر چکے تھے۔ (تفسیر علی بن ابراہیم قمی، ص ۳۵۵۔ کتاب الحجہ، ص ۲۳)

---

① بہ نقل ابوطالبؑ مظلومِ تاریخ، ص ۳۵۵ تا ۳۹۰

② تفسیر برہان، ج ۳، ص ۷۹۴، بہ نقل از غدیر، ج ۷

شعبی نے امیر المومنین علی علیہ السلام سے نقل کیا ہے:

"بہ خدا حضرت ابوطالبؑ مومن و مسلم تھے، البتہ قریش کی بنی ہاشم سے مخاصمت کی وجہ سے خود کو پنہاں رکھا"۔ (الدرجات الرفیعہ، ضیاء العالمین بہ نقل ابوطالبؑ مظلوم تاریخ، ص ۱۳۳)

سبط ابن جوزی نے اپنی تصنیف "تذکرہ" میں تحریر کیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے اپنے والدِ ماجد کے فراق میں حسبِ ذیل مرثیہ کہا:

"اے ابوطالبؑ! اے پناہ مانگنے والوں کی پناہ گاہ! اے تاریکیوں اور ظلمتوں میں نور! اے بارانِ رحمت کے ابرِ کرم! آپؑ کے ہجر نے غیرت مند مردوں کے دل شکستہ کر دیے ہیں، ان میں سستی آگئی ہے۔ پروردگار! آپؑ پر اپنی نعمات اور درود بھیجتا ہے اور اپنی خوشنودی آپ پر نچھاور کرتا ہے، حق بھی یہی بنتا ہے کیوں کہ آپؑ پیغمبرِ اکرمؐ کے عظیم (محسن) چچا تھے"۔

(دیوانِ ابوطالبؑ، ص ۳۶)

حضرت ابوطالبؑ کے بارے میں فرمانِ امام حسین علیہ السلام

مشہور محققین ابن شاذان ① محقق کراجکی ② ابنِ شیخ ③ طبرسی ④ ابوالفتوح رازی ⑤ سید فخار بن معد موسوی ⑥ سید علی خازن مدنی فتونی ⑦ یوسف بحرانی ⑧ علامہ مجلسی ⑨ نے اپنی کتب میں حضرت ابوطالبؑ کے بارے میں امام حسین علیہ السلام سے روایت نقل کی ہے کہ آپؑ نے اپنے والدِ بزرگوار حضرت علی علیہ السلام سے نقل کیا ہے:

---

① المناقب المائیہ ② کنز الفوائد ③ امالی، ص ۱۹۲ ④ احتجاج (بہ نقل از بحار) ⑤ تفسیر ابوالفتوح، ج ۳، ص ۲۱۱ ⑥ الحجہ علی الذاھب، ص ۱۵ ⑦ الدرجات الرفیعہ ⑧ ضیاء العالمین ⑨ تفسیر برہان، ج ۳، ص ۷۹۴، بحار الانوار، ج ۹، ص ۱۵

(امیرالمومنین) علی علیہ السلام ایک میدان میں تشریف فرما تھے، آپؑ کے گرد لوگوں کا ایک مجمع سا لگا تھا۔ ایک شخص نے کھڑے ہو کر آپؑ کو مخاطب کیا: اے امیرالمومنینؑ! آپؑ کو خدا نے اتنا بلند مرتبہ عطا فرمایا ہے جب کہ آپؑ کے والد آتشِ جہنم میں عذابِ الٰہی سے دوچار ہیں۔

حضرتؑ نے جواباً ارشاد فرمایا: "خاموش ہو جا! خدا تمھارا منھ توڑ دے۔ مجھے اس پروردگار کی قسم! جس نے محمد مصطفیٰؐ کو مبعوث فرمایا، اگر میرے والد (ابوطالبؑ) پوری دنیا کے گنہ گاروں کی شفاعت کریں تو خدا فوراً اُن کی شفاعت قبول کرے گا، کیا یہ بھی ممکن ہے کہ میرے والد عذابِ الٰہی کا شکار ہوں اور آتشِ جہنم میں پڑے ہوں؟! جب کہ میں ابوطالبؑ کا بیٹا (خود) جنّت اور جہنم کا تقسیم کرنے والا ہوں۔ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس نے محمدؐ کو برحق مبعوث فرمایا تھا قیامت کے دن جب خلقِ خدا کے سب انوار جلوہ گر ہوں گے تو میرے والد کا نُور سب انوار کے لیے رہ نما نُور کا کام دے گا، سوائے انوارِ خمسہؑ کے۔ جان لو! ابوطالبؑ کا نُور ہمارا نُور ہے، جسے خدائے متعال نے تخلیقِ آدمؑ سے کئی ہزار سال پہلے خلق فرمایا تھا"۔ (ابوطالبؑ، مظلومِ تاریخ، ص ۱۱۸)

حضرت ابوطالبؑ کے بارے میں امام سجاد علیہ السلام سے منقول روایت

ایک دفعہ امام سجاد علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ کیا حضرت ابوطالبؑ ایمان لائے تھے؟

آپؑ نے فرمایا: کیوں نہیں وہ صاحبِ ایمان تھے۔

سائل نے عرض کیا: بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ کافر تھے۔

آپؑ نے جواباً فرمایا: آیا یہ کہنا خود پیغمبرِ اکرمؐ کے لیے طعنہ نہیں ہے۔ کیا قرآن میں اللہ نے آں حضرتؐ کو وحی نہیں فرمائی کہ کوئی مومنہ عورت کسی کافر کے گھر میں نہ رہے؟!

اس وحیِ قرآنی کو ایک سے زیادہ آیات میں بیان فرمایا گیا ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ حضرت علیؑ کی مادرِ گرامی حضرت فاطمہ بنتِ اسد، خداوندِ کریم اُن سے خوش ہو، ان عظیم خواتین میں سے تھیں جنھیں اسلام و ایمان قبول کرنے میں سبقت لے جانے کی توفیق نصیب ہوئی اور جب تک حضرت ابوطالبؑ زندہ رہے حضرت فاطمہ بنتِ اسد اُن کے گھر میں رہیں۔ (1)

امام محمد باقر علیہ السلام دفاعِ حضرت ابوطالبؑ میں

شرح نہج البلاغہ میں ابنِ ابی الحدید رقم طراز ہیں: ایک دفعہ کسی نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے دریافت کیا کہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ (معاذ اللہ) حضرت ابوطالبؑ جہنمی ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر حضرت ابوطالبؑ کا ایمان ترازو کے ایک پلڑے میں اور تمام مخلوق کا ایمان دوسرے پلڑے میں رکھ کر وزن کیا جائے تو ابوطالبؑ والا پلڑا پھر بھی جھکتا ہوا (بھاری) نظر آئے گا۔ (الحجہ، ص ۱۸، مقالہ "اقامتِ ایمان کی بلندی کے بارے میں" ص ۸۱)

مزید فرمایا: کیا حضرت علیؑ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں ارشاد نہیں فرمایا تھا کہ حضرت عبداللہ اور اُن کے فرزند ختمی مرتبتؐ اور ابوطالبؑ کے لیے حج بجالاؤ اور اپنی وصیت میں بھی ان ہستیوں کے لیے حج بجالانے کی تاکید فرمائی۔ (شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۳، ص ۳۱۱، در بلندی اقامتِ ایمان، ص ۵۱)

حضرت ابوطالبؑ کے بارے میں امام صادق علیہ السلام سے منقول دو روایات

(1) شیخ الفقہا والمحدثین جناب کلینی رحمۃ اللہ علیہ نے اسحاق بن جعفر سے، اُنھوں نے

---

(1) الحجہ المذاہب، ص ۲۳۔ فتونی نے ضیاء العالمین میں لکھا ہے کہ یہ حدیث متواتر ہے۔

اپنے والد اور انھوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ آپؑ سے عرض کیا گیا کہ شیعوں کے علاوہ دوسرے حضرات کا عقیدہ ہے کہ ابو طالبؑ کافر تھے۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: وہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں، وہ کس طرح کافر ہو سکتے ہیں کہ اُن کا کہنا ہے: محمدؐ کو موسیٰؑ کی طرح برحق پیغمبر سمجھتا ہوں۔ ان کا اسمِ گرامی کتبِ سلف میں موجود ہے۔ (اصول کافی، ص ۴۴۸-۴۴۹۔ کافی مترجم فارسی، ج ۲، ص ۳۴۰)

علامہ مجلسی نے مرآۃ العقول (ج ۵، ص ۲۵۳) میں اس حدیث کو صحیح السند قرار دیا ہے۔

۲ ابو الفرج اصفہانی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں: حضرت علی علیہ السلام کے سامنے جب جناب ابو طالبؑ کے شعر پڑھے جاتے تو آپؑ خوش ہو کر فرمایا کرتے، ان اشعار کو پڑھو، یاد کرو اور اپنی اولاد اور آنے والی نسلوں کو یاد کراؤ۔ چوں کہ ابو طالبؑ دینِ توحید کے پرستار اور حکمت و دانائی کا منبع تھے۔ (اصول کافی، ص ۴۴۸-۴۴۹، کافی مترجم فارسی، ج ۲، ص ۳۴۰)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول دو مزید روایات بھی ملتی ہیں۔ ایک علامہ کُلینیؒ نے اصولِ کافی میں اور علامہ مجلسیؒ نے مرآۃ العقول میں نقل فرمائی ہے، جب کہ دوسری شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے کمال الدین و تمام النعمۃ میں درج فرمائی ہے۔

۱ علامہ کُلینیؒ نے نقل کیا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے: ”حضرت ابو طالبؑ کی داستان، اصحابِ کہف کے مثل ہے، جنھوں نے ایمان کو پنہاں رکھ کر شرک کا اظہار کیا، خدا نے انھیں اس کی جزا دو مرتبہ عطا فرمائی (اصول کافی، ج ۱، ص ۴۴۸، ح ۲۸)۔ ایک دفعہ جب ایمان لائے اور دوسری مرتبہ جب تقیہ فرمایا۔ (جملۂ معترضہ، توضیح سید جواد مصطفوی، اصول کافی مترجم، ج ۲، ص ۳۳۹)

علامہ مجلسیؒ نے مرآۃ العقول میں اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

اوّلاً: یہ حدیث سند کے اعتبار سے حَسَن ہے (علمِ درایہ کے مطابق حَسَن صحیح کے

ہم پلہ ہے)۔ ثانیاً: تقیہ افضل ترین اطاعات پروردگار میں سے ہے، خصوصاً حضرت ابوطالبؑ کا تقیہ جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نصرت کا سبب بنا اور جس کے سبب سے سلطنتِ اسلامیہ کو وجود و استحکام حاصل ہوا۔ (مرآۃ العقول، ج ۵، ص ۲۵۳)

⟨۲⟩ شیخ صدوق رحمۃ اللہ علیہ نے ''کمال الدین وتمام النعمۃ'' میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت نقل فرمائی ہے۔ البتہ یہاں ایک دل چسپ نکتہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ مرحوم صدوق اور مرحوم کُلینی کے طریقِ حدیث کے درمیان یکسر اختلاف پایا جاتا ہے۔ چوں کہ شیخ صدوقؒ حدیث کی سند کا اختتام محمد بن مروان پر کرتے ہیں جب کہ شیخ کُلینیؒ اختتام حدیث ہشام بن سالم پر کر رہے ہیں۔

حدیث کا (ترجمہ) متن یہ ہے:

''درست ہے کہ حضرت ابوطالبؑ نے کفر کا اظہار کیا مگر درپردہ وہ ایمان لا چکے تھے۔ جب آپؑ کی وفات ہوئی تو حکمِ پروردگار ہوا: ''اے میرے حبیبؐ! اب یہاں سے ہجرت کر جاؤ۔ (اُخْرُجْ مِنْهَا فَلَيْسَ لَكَ بِهَا نَاصِرٌ فَهَاجِرْ إِلَى الْمَدِينَةِ) چوں کہ اب تمہارا حامی و مددگار (ابوطالبؑ) نہیں رہا، چناں چہ آں حضرتؐ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ (کمال الدین وتمام النعمۃ، ج ۱، ص ۱۷۴، گیارھواں باب، ح ۳۱)

یہاں سلطان الواعظین شیرازی مرحوم کا تجزیہ درج کرنا بھی ضروری ہے۔ موصوف حضرت ابوطالبؑ کے ایمان کو پنہاں رکھنے کا فلسفہ وعلت یوں بیان فرماتے ہیں:

''اگر ابوطالبؑ اپنے ایمان کا اظہار کر دیتے تو وہ دعوت اُدھوری رہ جاتی کیوں کہ اب پیغمبر اکرم ﷺ کا کوئی حامی اور مددگار نہ تھا۔ یوں تمام قریش اور عرب معاشرہ حضورؐ کے خلاف متحد

ہو جاتا بل کہ توحید و نبوت کی اساس مٹانے کے لیے متحدہ جدّوجہد شروع ہو جاتی۔ اس حساس موقع پر حضرت ابوطالبؑ نے اپنے ایمان کو پنہاں رکھ کر ایک عظیم سیاسی مدبّر کا کردار ادا کیا۔ ایک طرف سردارِ قریش اور کلید بردار کعبہ کے طور پر دشمنوں کے عزائم سے آگاہ رہے جب کہ مشرکینِ قریش نے آپؑ کے مقام و مرتبہ کا لحاظ کرتے ہوئے انتہائی قدم اُٹھانے سے گریز کیا۔ نتیجتاً رسولِ اکرمؐ کو اپنی دعوت کو آشکار کرنے اور آوازِ حق بلند کرنے کا بہترین موقع میّسر آیا۔ جب تک حضرت ابوطالبؑ زندہ رہے آں حضرتؐ پوری قوت اور دل جمعی کے ساتھ اپنا فریضہ انجام دیتے رہے۔ جوں ہی آپؑ کی وفات ہوئی جبرئیلؑ نے فوراً حکمِ خداوندی پہنچایا: اُخْرُجْ عَنْ مَكَّةَ فَمَا لَكَ بِهَا نَاصِرٌ بَعْدَ اَبِي طَالِبٍ، ''مکہ سے نکل جائیں ابوطالبؑ کے بعد اب آپؐ کا حامی و ناصر نہیں رہا''۔ (شب ہائے پشاور، ص ۷۹۵)

یہاں تاریخ مجاہدات پیغمبرؐ کے مصنف کا تجزیہ بھی پیش نظر رہے، وہ رقم طراز ہیں: ''یہ حضرت ابوطالبؑ کی بہترین عقل و درایت اور ذکاوت و ذہانت کا کرشمہ ہے کہ وہ اپنے اشعار (گوہربار) میں حضرت محمد مصطفیٰؐ کے متعلق اپنے ایمان کا اظہار فرماتے رہے اور آپؐ کی نبوت و رسالت پر بار بار مہرِ تصدیق ثبت کرتے رہے لیکن قریش کے سامنے کبھی آپؐ کے ساتھ مل کر نماز ادا نہ کی۔ یوں قریش سے اپنے تعلقات بھی اُستوار رکھے اور ہمیشہ صلح کی گنجائش باقی رکھی کہ (حضورؐ کی) کھلم کھلا دشمنی کا کوئی موقع ہاتھ نہ لگنے دیا۔

حضرت ابوطالبؑ نے اس طرح پیغمبرِ اکرمؐ کی ذاتِ گرامی کے تحفظ کا فریضہ احسن طریقے سے انجام دیا اور ہر ممکن حد تک مسلمانوں کے دفاع کو آسان بنایا۔

مگر افسوس ہے کہ بعض منافق قسم کے مسلمانوں نے حضرت ابوطالبؑ کی شب و روز کی جاں فشانی اور اُن کے کلام میں صراحت کے ساتھ نبوت کی تصدیق کو یک سر نظر انداز کر دیا۔ وہ صرف اور صرف آپؑ کے بیٹے حضرت علیؑ کی دشمنی کے سبب سے آپ کی تکفیر کا ڈھنڈورا پیٹنے لگے۔ در حال آں کہ جس کسی نے بھی توحید و رسالت کا بالّلسان اقرار کر لیا ہو سب اسے مسلمان کہتے ہیں۔ یہ بھی امیرِ شام کی چالوں میں سے ایک چال تھی۔

یہ درہم و دینار کی تھیلیوں کا اثر ہے جس نے حق پر پردہ ڈالا اور باطل کو اُجاگر کیا۔

(تاریخ مجاہداتِ پیغمبرِ اکرمؐ، ص ۱۵-۱۶)

حضرت ابوطالبؑ کے بارے میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا ارشاد

ثقۃ الاسلام علامہ کلینیؒ اصولِ کافی میں ابنِ ابومنصور سے ایک قول نقل کرتے ہیں کہ مَیں نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے سوال کیا: کیا حضرت ابوطالبؑ آپؐ کے نزدیک مقامِ حجت رکھتے تھے؟

آپؑ نے فرمایا: نہیں۔ اولیا اللہ اور اوصیا اللہ نے حضرت ابوطالبؑ کو چند وصیتیں ودیعت کی تھیں جو آپؑ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیں۔

مَیں نے عرض کیا: ان وصایا کے پیش کرنے کی علت یہ نہیں کہ جنابِ ابوطالبؑ رسولِؐ خدا پر حجت تھے؟

آپؑ نے فرمایا: اگر حضرت ابوطالبؑ پیغمبرِ اکرمؐ پر مقامِ حجت رکھتے تو پھر ان وصایا کو حضوؐر کی تحویل میں ہر گز نہ دیتے۔

مَیں نے سوال کیا: پھر ابوطالبؑ کیا ہوئے؟

فرمایا: حضرت ابوطالب آں حضرتؐ کی رسالت پر ایمان لائے اور جس دن وصایائے الٰہی حضوؐر کی سپرد کیں اُسی دن وفات پا گئے۔ (الغدیر، ج ۷، ص ۳۹۴۔

ابوطالبؑ مظلومِ تاریخ، ص ۱۲۲-۱۲۳)

یقیناً یہ روایت وضاحت طلب ہے۔ چناں چہ علامہ امینی اس کی تشریح اس طرح فرماتے ہیں: مقامِ وصی، خدا پر ایمان سے بھی بالاتر ایک مقام ہے جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث سے قبل امیر المومنینؑ کے کلام میں بھی اسی ولایت و حجت کی طرف اشارہ ہے۔ اُس زمانے میں یہ منصب ایمان سے ہٹ کر صرف اور صرف حضرت ابو طالبؑ کی ذاتِ گرامی کے لیے ثابت تھا۔ جب سائل نے عرض کیا کہ پیغمبرِ اکرمؐ کی بعثت سے قبل کیا حضرت ابو طالبؑ حضورؐ پر حجت تھے؟ تو امام علیہ السلام نے اس کی نفی فرمائی اور صرف وصی ہونے کو ثابت فرمایا۔ یہ گویا برملا اعلان تھا کہ حضرت ابو طالبؑ حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کے آئین پر باقی تھے کہ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمالِ عالم تاب نے طلوع فرمایا اور ابو طالبؑ نے وصایا اُن کے سپرد فرما دیں۔ اس سے قبل ابو طالبؑ وصی و ولی کے الٰہی منصب پر فائز تھے اور اُن کے بعد اس منصب پر فائز ہونے والے اُن کے فرزندِ جلیل حضرت علیؑ نے بھی اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

(الغدیر، ج ۷، ص ۳۹۳۔ ابو طالبؑ مظلومِ تاریخ، ص ۱۲۳)

ایمانِ ابو طالبؑ میں تردّد پر امام رضا علیہ السلام کی وعید

حضرت عبدالعظیم بن عبداللہ علوی حسنی حسینی (جو امام حسنؑ کے پوتے تھے) نے اپنی علالت کے دوران میں امام رضا علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں ایک خط تحریر کیا جس کا آغاز ان الفاظ سے کیا گیا:

"اے رسولِ خدا کے فرزند! اس بارے میں وضاحت فرمائیں کہ بعض حضرات کا عقیدہ ہے کہ حضرت ابو طالبؑ آتشِ جہنم میں زندگی بسر کر رہے ہیں جس کی وجہ سے آپ کا مغز ہمیشہ کھولتا رہتا ہے"۔

امام رضا علیہ السلام نے اس کا جواب تحریر فرمایا:

"امابعد! اگر ایمانِ ابو طالبؑ میں کسی قسم کے تردّد اور شک کا شکار

ہو جاؤ گے تو یہی سمجھو کہ تم نے اپنے لیے جہنم میں ٹھکانا بنالیا"۔ (1)

(الحجہ، ص ۱۶، ضیاء العالمین، بہ نقل از الغدیر، ج ۷)

حضرت ابوطالبؑ کے بارے میں امام حسن عسکری علیہ السلام کا موقف

امام حسن عسکری علیہ السلام نے اس ضمن میں اپنے آبائے طاہرینؑ سے ایک طویل حدیث نقل فرمائی ہے:

خداوندِ تبارک و تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ پر وحی نازل فرمائی کہ میں نے آپ کی دو طرح کے افراد کے ذریعے مدد فرمائی ہے: ایک وہ جنھوں نے آپؐ کی در پردہ مدد کی، دوسرے وہ جنھوں نے کھلم کھلا ساتھ دیا۔ پہلا گروہ جس نے پردے میں رہ کر نصرت پیغمبرؐ کی، اس کے سالار ابوطالب علیہ السلام ہیں جب کہ دوسرا گروہ جس نے علانیہ مدد کی اس کے سالار فرزندِ ابوطالب علی علیہ السلام ہیں۔

مزید فرمایا: حضرت ابوطالبؑ مومنِ آلِ فرعون (2) کی طرح ہیں جس نے اپنا ایمان پوشیدہ رکھا۔

(الغدیر، ج ۷، ابوطالبؑ مظلومِ تاریخ، ص ۱۲۸۔ الحجہ، ص ۱۱۵)

اَدعیہ و زیارات میں احترامِ ابوطالب علیہ السلام

زیارات اور دعاؤں کی کتابوں میں جہاں بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارات درج ہیں، حضرت ابوطالبؑ کا اسمِ گرامی پوری تکریم و تعظیم کے ساتھ موجود ہے۔ یہاں

---

(1) اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ ایمانِ ابوطالبؑ ہر مسلمان کے ایمان کو پرکھنے کے لیے ایک کسوٹی اور معیار ہے۔

(2) سورۂ مومن، (القرآن)

محض مفاتیح الجنان کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ مفاتیح کی زیارات رسولؐ اللہ سے مخصوص فصل میں حسب ذیل جملے دعوت فکر دے رہے ہیں۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَعَلٰى جَدِّكَ عَبْدِالْمُطَّلِبِ وَعَلٰى اَبِيْكَ عَبْدِاللهِ، اَلسَّلَامُ عَلٰى اُمِّكَ اٰمِنَةِ بِنْتِ وَهَبٍ، اَلسَّلَامُ عَلٰى عَمِّكَ حَمْزَةَ سَيِّدِ الشُّهَدَاءِ وَعَبَّاسِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ، اَلسَّلَامُ عَلٰى عَمِّكَ وَكَفِيْلِكَ اَبِيْ طَالِبٍ

یہاں یہ امر پیش نظر رہے کہ شیخ عباس قمی نے مفاتیح الجنان میں صرف وہ زیارات اور اَدعیہ نقل کی ہیں جنھیں فقط منابع و مدارک سے نقل کیا گیا ہے اور جو بہ لحاظ سند سب کے لیے قابل قبول ہیں۔

یہی زیارت علامہ مجلسی نے زاد المعاد میں شیخ مفید اور سید ابن طاؤس کے حوالے سے نقل کی ہے۔ سند کو صحیح تسلیم کر لینے کے بعد اس طرح کا سلام آپ کے ایمان کامل پر بالصراحت دلالت کرتا ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ پوری زیارت میں حضورؐ کے کسی دوسرے چچا، حتیٰ کہ دادا جان حضرت عبدالمطلب کے بارے میں بھی یہ خطاب نہیں ملتا۔ یعنی کسی کو بھی اس طرح مخصوص صفت اور لقب کے ساتھ یاد نہیں کیا گیا۔ ①

حضرت ابوطالب علیہ السلام کے آباؤ اجداد

حضرت ابوطالبؑ کے شجرۂ نسب اور اس شجرہ کی دین داری، پاکی و پاکیزگی اور مقام وصایت کے حامل ہونے کا بیان قبل ازیں کیا جا چکا ہے۔ یہ بزرگان اولادِ ابراہیمؑ

---

① لیکن افسوس کہ مسلمان آج بھی ان زیاراتِ رسولؐ کو ٹھکراتے ہوئے "کفیلِ محمدؐ کون، تایا زبیرؓ یا چچا ابوطالبؑ"، جیسے کتابچے لکھ کر ابوطالبؑ دشمنی مل کر رسالت دشمنی پر تلے ہوئے ہیں۔

واسماعیلؑ میں سے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ اور اُن کی والدہ کو مکۂ معظمہ چھوڑ کر خود شام چلے گئے تھے۔ حضرت اسماعیلؑ زم زم کے ظہور کے بعد، وہاں آکر آباد ہونے والے قبیلۂ جرہم کی ایک پاک باز خاتون سے شادی کی تھی۔ اس خاتون کے بطن سے آپؑ کی بارہ اولادیں ہوئیں جو آپؑ کے بعد خانۂ کعبہ کی دیکھ بھال اور انتظامی اُمور کی ذمہ دار ٹھہریں۔ یہ نسل خوب پھلی پھولی تو اس سے فہر پیدا ہوئے۔ عامہ کا کہنا ہے کہ فہر ہی قریش کہلائے اور اُن کی اولادیں قبیلۂ قریش کے نام سے مشہور ہوئیں۔

قریش کون؟

سوادِ اعظم کے علما کا یہ دعویٰ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: میرے بعد میری خلافت صرف خاندانِ قریش میں منحصر رہے گی اور خلیفہ قریش ہی سے ہوگا (فہر کی اولاد سے)۔ [1]

جب کہ علمائے امامیہ کا کہنا ہے کہ صرف قُصَیّ بن کلاب اور اُن کی نسل قریش ہے جس میں حضرت عبدِ مناف، حضرت عبدالمطّلب، حضرت عبداللہ، حضرت ابوطالبؑ، رسولِ اکرمؐ اور حضرت علیؑ وغیرہ ہیں۔ (تاریخِ اسلام المعروف بہ تفسیرِ اسلام، ص ۲۰۵)

دراصل سازش کا یہ شاخسانہ "خلافت" کے جواز میں کھڑا کیا گیا ورنہ تاریخی شواہد سے ظاہر و باہر ہے کہ قبیلۂ قریش قُصَیّ بن کلاب ہی سے شروع ہوا۔ علامہ عبدربہ کا کہنا ہے کہ قُصَیّ بن کلاب نے چوں کہ عربوں کو ایک مرکز پر جمع فرمایا، اس لیے وہ قریش کہلائے۔ قریش تقرّش سے ہے اور تقرّش کے معنی جمع کرنے والے کے ہیں۔ گویا قُصَیّ جمع کرنے والے تھے۔ (عقد الفرید، ج ۲، ص ۲۸)

ابنِ اثیر کا بھی یہی کہنا ہے کہ قُصَیّ بن کلاب متولیِ حرم ہوئے تو انھوں نے بہت

---

[1] صحیح مسلم، ج ۲، ص ۱۱۹، مصر، ترمذی، ص ۲۹۶ وغیرہ

اچھے اور نمایاں کام کیے اس لیے لوگ انھیں قرشی کہنے لگے۔ نیز یہ لفظ اجتماع سے متعلق ہے یعنی قُصَیٰ میں اچھی صفتیں جمع تھیں، اس لیے انھیں قریش کہا جاتا ہے (تاریخ میں)۔ یہ نام پہلی مرتبہ قُصَیٰ ہی کا رکھا گیا۔

طبری کا بھی یہی کہنا ہے کہ قُصَیٰ جب حرم (مکہ) میں آکر مقیم ہوئے تو انھوں نے وہاں بہت اچھے کام کیے۔ اس لیے لوگ انھیں قرشی کے نام سے پکارنے لگے اور وہی پہلے شخص ہیں جنھیں یہ نام دیا گیا۔ (تاریخ طبری، ج ۲، ص ۱۸۸، طبع مصر)

قُصَیٰ: قُصَیٰ کا نسب معتبر تواریخ سے عدنان تک ثابت ہے۔ عدنان حضرت اسماعیلؑ کے فرزند قیدار کی نسل سے تھے۔ تیسری صدی عیسوی میں عدنان کے بیٹے معد کی انیسویں پشت سے ایک بزرگ پیدا ہوئے جن کا نام فہر بن مالک تھا، انھی فہر کی نسل سے پانچویں صدی عیسوی میں قُصَیٰ متولد ہوئے۔

قُصَیٰ کا اصل نام زید اور کنیت ابوالمغیرہ تھی۔ والد کا اسمِ گرامی کلاب اور والدہ کا نام نامی فاطمہ بنتِ سعد تھا۔ آپ ایک بلند حوصلہ مرد، نیک چلن سخی اور عظیم المرتبت انسان تھے۔ آپ نے اُس دور کے مکہ کی بکھری ہوئی جھونپڑیوں اور ڈیروں کو ایک ترتیب سے بسایا اور پہاڑوں میں پھیلے ہوئے قبائل کو سمیٹ کر میدانِ بطحا میں آباد کیا۔ آپؒ کی محنت و خدمت کے صلے میں آپ کو مکہ پر اقتدار حاصل ہوگیا۔ آپ اپنی بیوی کے والد یعنی اپنے سسر سے تولیتِ کعبہ کا منصب حاصل کر چکے تھے۔ ①

آپ نے خانہ کعبہ کی مرمت اور ضروری تعمیر شروع کرائی، اس کے چاروں طرف پتھروں کے مکانات بنوائے۔ وہاں مختلف قبائل بھی آباد کیے اور اُن پر ٹیکس عائد کر کے

---

① حُبّی بنت خلیل خزاعی آپ کی بیوی تھی۔ خلیل بنو خزاعہ کے سردار اور خانہ کعبہ کے متولی تھے۔ انھوں نے یہ منصب حُبّی کے سپرد کرنا چاہا۔ حُبّی نے بوجہ عذر پیش کیا تو خلیل نے اپنے عزیز ابوغبشان کو یہ ذمہ داری سونپی۔ ابوغبشان نے اس عظیم شرف کو جناب قُصَیٰ کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔

حج کے زمانے میں آنے والے زائرین کی میزبانی کا اہتمام کیا۔ اپنے لیے ایک محل اور قبائل کے باہمی اختلافات دُور کرنے، نیز خانۂ خدا کے انتظامی معاملات پر تبادلۂ خیال کے لیے "دارالندوہ" تعمیر کروایا۔ آپ نے مکّہ میں عجول نامی پہلا کنواں کھدوایا۔

سیرت ابنِ ہشام میں ہے کہ کعب بن مالک وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے ایسی حکومت پائی کہ پوری قوم ان کے زیرِ نگیں تھی۔ حجابت، سقایت، رفادت، دارالندوہ کی صدارت اور لوا (پرچم) برداری جیسے تمام عظیم مناصب آپ سے مخصوص ہو گئے۔

طبری کا کہنا ہے کہ قُصَیّ اعلیٰ مذہبی اُمور اور دُنیوی معاملات کو اپنے ہاتھ میں لے کر دُنیوی حاکم اور مذہبی پیشوا ٹھہرے۔ آپ جو بھی کرتے تھے کسی کی مجال نہ تھی کہ مخالفت یا اعتراض کرے۔ (طبری، ج ۲، ص ۱۸۵)

قُصَیّ نے ۴۸۰ عیسوی میں انتقال فرمایا اور مقامِ حجون میں دفن کیے گئے۔ لوگ آپ کی قبرِ مبارک کی زیارت کے لیے جاتے اور اس کی بہت تعظیم کرتے تھے۔ (تاریخ کامل، ج ۲، ص ۹)

جنابِ قُصَیّ اگرچہ نبیؑ یا رسولؐ یا امام نہ تھے لیکن نُورِ محمدیؐ کے حامل ضرور تھے اس لیے آسمانِ فضیلت کے آفتاب بن گئے۔ (تفسیرِ اسلام، ص ۲۰۸)

عبدِ مَناف: جناب قُصَیّ کی چھے اولادیں تھیں۔ عبدِ مَناف اگرچہ آپ کے دوسرے بیٹے تھے لیکن فضل وکمال اور شرف و دانش میں سب سے بڑھ کر تھے۔ آپ کی والدہ کا نام حُبّیٰ تھا۔ والد نے آپ کا نام مغیرہ رکھا اور کنیت ابوشمس۔ آپ کا خاندان ہی رسولؐ خدا کا خاص خاندان ہے۔

ڈپٹی نذیر احمد کے مطابق: قُصَیّ کے یوں تو بہت سے فرزند تھے مگر بہ لحاظِ عمر سب سے بڑے عبدالدار اور بہ حیثیتِ فضل و شرف سب سے ممتاز عبدِ مَناف تھے۔ عبدِ مَناف اپنے والد کی زندگی ہی میں عظمت و بزرگی کے ساتھ مشہور ہو گئے تھے اور

اُن کے فضل و کمال کی دل چسپ داستانیں قبائلِ عرب کی زبانوں پر آنے لگی تھیں۔

(انہاۃ الائمہ، ص ۳۳)

لوگوں نے ان کے وفورِ کرم اور سخاوت کے سبب سے انھیں فیاض کا لقب دیا اور عموماً وہ اسی لقب سے پکارے جانے لگے۔ دیار بکری نے موسیٰ بن عقبہ سے روایت کی ہے کہ اس نے حجر میں ایک نوشتہ پایا جس میں تحریر تھا: "میں مُغیرہ فرزندِ قُصَیّ ہوں اور لوگوں کو حکم دیتا ہوں کہ اللہ سے ڈرتے رہا کریں اور صلہ رحم کرتے رہیں"۔

(تاریخ خمیس، ج ا، ص ۱۷۶)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خداے برحق کو اپنا معبود سمجھتے تھے اور اگر وہ کسی غیرِ خدا کو اپنا معبود سمجھتے تو اللہ سے ڈرنے یا تقویٰ اختیار کرنے کی ہدایت نہ کرتے۔

جنابِ مغیرہ المعروف بہ عبدِ مناف [1] نے غزہ کے مقام پر انتقال فرمایا، جہاں آپ بغرضِ تجارت تشریف لے گئے تھے۔ آپ کی بیوی کا نام عاتکہ بنت مرہ سلیمہ تھا۔

ہاشم بن عبدِ مناف: عبد مناف کے چار بیٹے تھے۔ ہاشم و عبدالشمس اُن میں سے بڑے اور جڑواں تھے۔ جنابِ ہاشم کی والدہ کا نام عاتکہ بنتِ مُرّہ تھا۔ آپ کے سب سے چھوٹے بھائی کا نام مطّلب تھا جو آپ سے صلبی و بطنی اتحاد رکھتے تھے۔ آپ کا اصل نام عمرو العلا تھا اور کنیت ابونضلہ تھی کیوں کہ آپ تیر اندازی میں طاق تھے اور یہ فن آپ کو حضرت اسماعیلؑ سے وراثتاً حاصل ہوا تھا۔

آپ کے اوصافِ حمیدہ نہ صرف مکہ و حجاز بل کہ پورے عرب میں مشہور تھے۔ آپ نے عربوں کی خوابیدہ معاشرت کو بیدار کیا۔ آپ کا تارِ نفس رشتۂ اسماعیلؑ کا مظہر

---

[1] سوادِ اعظم کی روایت میں ہے کہ اُن کی والدہ نے انھیں مناف نامی بت کے سامنے ڈال دیا۔ لیکن یہ سراسر غلط ہے۔ اس کی اصلی وجہ تسمیہ خود حضرت ابوطالبؑ کے نام "عبد مناف" کی وضاحت میں ہم پہلے ہی درج کر چکے ہیں کہ وہ عبدِ خدا تھے۔

تھا اور اکثر کسی بشارت دینے والے کی یہ غیبی آواز آپ کے کانوں میں پڑتی تھی:

"اے ہاشم! آپ کو مبارک ہو کہ اشرف موجودات کا ظہور آپ ہی کی نسل سے ہوگا"۔ (تفسیر اسلام، ص ۲۱۰)

تاریکی میں آپ کے جسم سے شعاعیں نکلتی تھیں۔ بے لباس لوگوں کو لباس عطا کرنا، بھوکوں کو شکم سیر کرنا، تنگ دستوں کی دست گیری کرنا اور قرض داروں کا قرضہ ادا کرنا آپ کا معمول تھا۔ آپ جب کوئی دعوت کرتے یا خوانِ کرم بچھاتے تو مہمانوں سے جو کچھ بچ جاتا وہ گھر واپس نہ جانے دیتے بلکہ غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کرا دیتے۔ آپ کے انہی اوصاف کے سبب سے قیصرِ روم اور شاہِ حبش آپ کے عقد کے اپنے یہاں خواست گار تھے لیکن عظمتِ ہاشم نے اس خواست گاری کو پست جانا۔

قریش کا جو دورِ ارتقا جناب قُصَیّ سے شروع ہوا تھا۔ حضرت ہاشم کے ہاتھوں نقطۂ کمال کو پہنچا۔ آپ نے معاملاتِ حرم کی ابتری کو دیکھتے ہوئے اپنے سب بھائیوں کو جمع کیا اور قابلِ اصلاح اُمور اُن کے سامنے رکھے۔ اس اجتماع میں عبدالدار کی اولاد سے انتظاماتِ حرم لے لیے، جانے پر اتفاق ہوا۔ جماعتِ ہاشم نے رشتۂ اتحاد میں منسلک ہو کر عبدالدار کو ان مناصب سے دست بردار ہو جانے کا پیغام بھیجا۔ آخر ان شرائط پر مصالحت ہوئی کہ سقایت، رفادت اور دارالندوہ کے مناصب جنابِ ہاشم کے پاس رہیں گے اور حجابت و لواء بنی عبدالدار کے پاس۔ جنابِ ہاشمؓ نے ان قومی خدمات کو نہایت خوش اُسلوبی سے انجام دیا اور تاریخ اسلام میں اپنی مثال چھوڑی۔ (ماخوذ از تاریخ اسلام، مصنفہ فروغ کاظمی، ص ۲۱۱)

اپنی قوم کو تجارت کی راہ پر لانے کے لیے جنابِ ہاشمؓ نے سرمایہ بھی لگایا اور ان کی منتشر جمعیت کو رشتۂ اتحاد میں منسلک کر کے گل دستۂ انسانیت تیار کیا۔ تجارتی قافلے ترتیب دینے کے بعد ان کی نقل و حرکت کے اصول مرتب کیے۔ سال میں دو بار،

دو مختلف سمتوں میں تجارتی سفر کا دستور مرتب کیا۔ یہ قافلے جاڑوں کے دنوں میں یمن وحبشہ جاتے تھے اور گرمیوں میں شام اور مضافاتِ شام میں تجارت کرتے تھے۔ اسی بنا پر ہاشمؑ کو ایلافِ قریش کہا جانے لگا یعنی ان کی کوششوں سے بے جان قوم رینگنے اور پھر دوڑنے لگی۔ جدِّ ابوطالبؑ کے اس عمل کو قرآنِ مجید نے بھی اپنا موضوع بنایا اور سورۂ قریش نازل ہوا۔ (1)

طبقات ابنِ سعد میں ہے کہ مکہ میں مسلسل کئی سال قحط پڑا، یہاں تک کہ گھروں کا اثاثہ ختم ہوگیا اور لوگ بھوکوں مرنے لگے۔ اس مصیبت کو ٹالنے کے لیے جنابِ ہاشمؑ نے سفرِ شام اختیار کیا۔ وہاں سے غلہ خریدا، روٹیاں پکوائیں اور انھیں اُونٹوں پر لاد کر مکہ کی اس مخلوق کے سامنے لائے جو موت کے سائے میں اپنی سانسیں گن رہی تھی۔ حضرت ہاشمؑ نے، جن اُونٹوں پر روٹیاں لاد کر لائی گئی تھیں، ان کو ذبح کیا اور اُن کے گوشت سے قورمہ تیار کرا کے شام سے لائی ہوئی روٹیوں کو اس میں بھگویا، اس طرح ثرید تیار ہوئی جو اہلِ مکہ کی شکم سیری کا سبب بنی۔ ہَشم کے معنی توڑنے کے ہیں چوں کہ آپ نے روٹیاں توڑ کر ثرید تیار کرائی تھی اس لیے ہاشم کہلائے۔

خدائے متعال نے آپ کی نسل کو غیر فانی بلندی عطا فرمائی، چناں چہ مسلم و ترمذی وغیرہ میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جبرئیلؑ کا کہنا ہے کہ میں نے تمام عالم چھان مارا مگر کسی کو حبیبِ خداؐ سے بہتر و افضل نہ پایا اور زمین کا چپہ چپہ دیکھ ڈالا مگر بنو ہاشم سے بہتر (و افضل) کوئی خاندان نہ ملا۔

قاضی عیاض "شفاء" میں رقم طراز ہیں کہ خدا نے اولادِ ابراہیمؑ میں اسماعیلؑ کو اولادِ اسماعیلؑ میں قریش کو اور قریش میں بنی ہاشم کو پسند فرمایا۔

---

(1) ماخوذ از تاریخ اسلام، مصنفہ فروغ کاظمی، ص ۲۱۲۔ جنابِ ہاشمؑ نے ۵۱۰ء میں دنیا کو خیر باد کہا اور غزہ کے مقام پر دفن ہوئے۔ عبدالمطلب ابھی آغوشِ مادری میں تھے۔

جنابِ ہاشمؑ نے پہلی شادی قریش میں کی تھی مگر اواخرِ حیات میں مدینہ گئے تو وہاں بنو عدی ① میں نجار کی ایک خاتون سے عقد کیا اور وہیں عبدالمطّلب (شَیبہ) کی ولادت ہوئی۔

حضرت عبدالمطّلب

آپ ۴۹۷ء میں متولّد ہوئے۔ وقتِ ولادت آپ کے سر میں جابجا سفید بال تھے (یقیناً بزرگی کی علامت)، اس لیے مادرِ گرامی نے آپ کا نام شَیبہ رکھا جو بعد میں شیبۃ الحمد ہو گیا۔ یہ اس لیے کیا گیا کہ آپ میں ممدوح ہونے کی بے انتہا علامتیں اور صلاحیتیں آشکار تھیں۔ آپ کے القاب بھی بہت زیادہ ہیں جن میں عامر، سیّدالبطحا، ساقی الحج، ساقی الغیث (ساقیِ باراں) غیث الوریٰ (مخلوق کا مددگار و غم گسار) ابوالسادۃ العشرہ (سولہ اولادوں کا باپ) اور حافرِ زم زم (زم زم کو کھودنے والا) زیادہ مشہور ہیں۔

آپ کے نام عبدالمطّلب کی وجہِ تسمیہ یہ بتائی جاتی ہے کہ آپ ابھی چھے یا سات سال کے تھے کہ خاندانِ عبدِ مَناف کا ایک شخص مدینہ آیا۔ اُس نے دیکھا کہ کچھ نوعمر بچے تیر اندازی کر رہے ہیں۔ ان میں سے ایک خوب صورت بچہ جو تیر بھی چلاتا وہ نشانے پر پڑتا اور (ساتھ ہی) وہ کہتا: میں رئیسِ بطحا کا بیٹا ہوں۔ وہ شخص حضرتؑ کے قریب آیا اور پوچھا کہ تم کون ہو؟ بچے نے جواب دیا کہ میں شَیبہ بن ہاشم بن عبدِ مَناف ہوں۔ جب وہ شخص واپس مکہ پہنچا تو اُس نے حضرت ہاشمؑ کے حقیقی بھائی مطّلب سے سارا واقعہ بیان کیا۔ مطّلب اسی وقت ایک تیز رفتار اُونٹنی پر سوار ہو کر مدینہ پہنچے اور اپنے بھائی کی یادگار کو دیکھا اور تقاضائے محبّت کے سبب بے اختیار رو پڑے۔ ایک دن وہاں قیام کیا اور دوسرے دن بھاوج کی اجازت سے شَیبہ کو ساتھ لے کر مکہ لوٹ آئے۔

---

① اس کا صحیح تلفظ عَدَی بروزنِ قُصَیّ ہے، بعض عِدی کو بھی صحیح قرار دیتے ہیں۔

اہلِ قریش نے شیبہ کو دیکھا تو کہنے لگے: مطلب مدینہ سے اپنے ہم راہ ایک غلام لے کر آئے ہیں۔ اُسی دن سے آپ کا نام عبدالمطلب مشہور ہوگیا اور لوگ آپ کے اصل نام کو بھول گئے۔ (ماخوذ از تفسیرِ اسلام، ص ۲۱۳)

جناب عبدالمطلب کی والدہ ماجدہ سلمٰی بنت عمر بن زید بھی قبیلہ بنی نجار کی ایک ممتاز اور پاک باز خاتون تھیں۔ (سیرت ابنِ ہشام، ج ۱، ص ۱۵)

عبدالمطلب سات برس تک اپنی والدہ کی آغوش میں پلے بڑھے۔ پھر اپنے چچا مطلب کے سایۂ عاطفت میں آگئے۔ عمر کی ابتدائی منزل طے کرنے کے بعد جب آپ سنِ شعور کو پہنچے تو فضائل و کمالات اور شرف و بزرگی میں اپنے باپ حضرت ہاشمؑ کا آئینہ بن گئے۔ آپ نے اپنے اُوپر تمام منشیات کو حرام رکھا۔ آپ پہلے شخص تھے جنھوں نے عبادت کے لیے کوہِ حرا کا انتخاب کیا۔ آپ ماہِ رمضان میں کوہِ حرا میں چلے جاتے اور عظمت و جلالِ خداوندی میں محو ہو جاتے۔ آپ کا مجیب الدعوات ہونا بھی مسلّم ہے۔ غربا و مساکین حتیٰ کہ پرندوں تک کو کھانا دانہ مہیا کرنے کی وجہ سے آپ کو مطعم الطیر بھی کہا جاتا ہے۔

آپ کی زندگی کا ایک بڑا واقعہ یہ بھی ہے کہ آپ کو بشارت ہوئی کہ اسماعیلؑ کی یاد کو تازہ کرو اور ان کے فیض کو پھر سے جاری کرو۔ چناں چہ چاہِ زم زم کی تجدید آپ کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ (تفسیرِ اسلام، ص ۲۱۴، ۲۱۵)

شخصیتِ عبدالمطلب

تاریخِ مکہ حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ اور چند دیگر انبیا کے بعد سے لے کر حضرت عبدالمطلب کے عہد تک کوئی ایسی شخصیت پیش نہ کرسکی جو حضرت عبدالمطلب کی طرح باکمال و باوقار ہو۔ تمام اہلِ مکہ اُنھیں بزرگِ حجاز اور سردارِ مکہ کے طور پر قبول کرتے تھے۔ وہ دورِ جاہلیت میں ایک روشن اور دُرخشاں مینارۂ نور تھے۔ اُنھیں

فیاض "مطعم الطیر السما" اور "فیض بخش" کے القاب سے یاد کیا جاتا تھا۔ خشک سالی کے دور میں جانور پالنے والے (دام دار) اور کسان آپ کی طرف آتے کہ آپ خدائے متعال سے راز و نیاز کر کے بارش طلب کریں۔ آپ کی دُعائیں قبول ہوتی تھیں اور نزولِ باراں کا باعث بنتی تھیں۔ اسی کرامت کے سبب سے لوگ آپ کو "ساقیِ باراں" کے لقب سے بھی یاد کرتے تھے۔

- حضرت ابوطالبؑ نے اپنے اشعار میں اپنے والدِ گرامی کی مدح و ستائش کی ہے، بطورِ نمونہ ایک شعر کا مفہوم ملاحظہ ہو:

"ہمارے والدِ گرامی بارش طلب کرنے کے لیے لوگوں کے شفیع بنتے تھے اور دریا اس بارش سے بہرہ مند ہو کر افراد و قبائل کی سیرابی کا باعث بنتے تھے"۔

بعض روایات کے مطابق حضرت عبدالمطلبؑ روزِ قیامت ایک علاحدہ اُمت کے ساتھ محشور ہوں گے جب کہ آپ کی شان و شوکت بادشاہوں والی اور شکل و صورت پیغمبروں والی ہوگی۔

حضرت ابوطالبؑ سے مروی ہے کہ میرے والدِ گرامی کتاب پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہماری نسل سے پیغمبرؐ آ کر رہے گا۔ مجھے اشتیاق ہے کہ وہ زمانہ دیکھوں اور اس (پیغمبرؐ) پر ایمان لاؤں۔ میرے بیٹوں میں سے بھی جو کوئی وہ زمانہ دیکھے حتماً اُس پیغمبر پر ایمان لائے۔ (پدر بزرگوار علی ابوطالبؑ، مصنفہ محمد محمدی اشتہاردی)

حضرت عبدالمطلب دینِ ابراہیمیؑ میں بہت بلند مقام پر فائز تھے اور اخلاقِ حسنہ کے بہترین درجہ کے حامل تھے۔

ابرہہ کی سربراہی میں ہاتھیوں کا جو لشکر خانۂ کعبہ کی ویرانی کے لیے مکہ آیا تھا، اُس سے متعلق حضرت عبدالمطلبؑ کا رویہ بھی حضرتؑ کی عظمت اور خدا پر اُن کے کامل

یقین و اعتقاد کی بیّن دلیل ہے ــــ اس واقعہ میں مذکور ہے کہ فیل سواروں نے حضرت عبدالمطلبؑ کا خاص احترام کیا اور جب حضرت کی ابرہہ سے ملاقات ہوئی تو ابرہہ کے تخت کو نیچے رکھا گیا۔ حضرت عبدالمطلبؑ نے اپنے ایک بیٹے سے فرمایا: کوہِ قبیس کی طرف جاؤ اور دیکھو کہ دریا کی طرف سے پرندے آرہے ہیں۔ اس بات سے بھی استفادہ ہوتا ہے کہ وہ ابابیلوں کی آمد اور ابرہہ کی ہلاکت سے باخبر اور آگاہ تھے۔ اسی طرح حضرت عبدالمطلبؑ کے بادشاہِ یمن سیف بن ذی یزن کے پاس جانے اور بادشاہ کا اُن کا شایانِ شان احترام کرنے کا واقعہ بھی حضرتؑ کی عظمت و منزلت کی واضح دلیل ہے۔

نیز زم زم کا کنواں کھودنے کے واقعہ میں حضرت عبدالمطلب کے اُونٹ کے پاؤں کے نیچے سے جلا اور جھلسا دینے والے بیابان میں شیریں پانی کا نکلنا بھی اُن کی عظمت و مرتبت پر دال ہے۔

خصوصیاتِ عبدالمطلبؑ

حضرت عبدالمطلب کی بہت سی خصوصیات ہیں۔ جب آپؑ غصے میں ہوتے تو لوگ آپ کی دہشت اور خوف و رُعب کے سبب سے سہم جاتے۔ (پدر بزرگوار علیؑ ابوطالبؑ، محمد محمدی اشتہاردی)

ابنِ عباس کا کہنا ہے کہ عبدالمطلبؑ کے لیے کعبۃ اللہ کے سایہ میں فرش بچھایا جاتا تھا۔ آپ کے احترام کے پیشِ نظر کوئی اور اس فرش پر نہ بیٹھتا تھا۔ آپ کے فرزند بھی آپ کے اطراف میں موجود ہوتے تھے۔ رسولِ خدا اُس دور میں بچے تھے جب آپ آتے تو آپ بھی فرش پر اپنے دادا عبدالمطلب کے پاس ہی بیٹھتے۔ اگر آپؐ کے چچا صاحبان آپؐ کو اس کام سے روکتے اور پکڑ کر مجلس میں بٹھاتے تو عبدالمطلبؑ اُن سے کہتے: ”میرے بچے کو چھوڑ دو، خدا کی قسم! میرا یہ بیٹا ایک عظیم مقام کا مالک ہے۔

گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ جلد ہی سیّد و سردار شمار ہوگا۔

پھر حضرت عبدالمطّلب حضور نبی کریم ﷺ کو آغوش میں لے لیتے اور اپنے ساتھ بٹھاتے تھے۔ آپؑ اپنا دایاں ہاتھ حضوؐر کی پشتِ مبارک پر پھیرتے رہتے اور آپؐ کو بوسے دیتے ہوئے فرماتے: ''میرے محمدؐ کا چہرہ اور جسم کس قدر خوش بودار ہے''۔

(ایک مرتبہ) جنابِ عبدالمطّلب جنابِ ابوطالبؑ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

> ''اے ابوطالبؑ! یہ عظیم مقام رکھنے والا فرزند ہے، اس کی حفاظت کیا کرو اور اس سے تمسک رکھو، کیوں کہ یہ ایک یگانہ ہستی ہے۔ اس کی پرورش اس کی ماں کی مثل کرو تا کہ اسے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ (زندگی پر افتخار ابوطالبؑ، ص ۳۰)

جب حضرت محمدؐ چھے سال کے ہوئے تو آپؐ کی والدہ ماجدہ بھی وفات پا گئیں۔ چناں چہ حضرت محمدؐ تنہا رہ گئے، کیوں کہ باپ پہلے ہی وفات پا چکے تھے۔ اب حضرت عبدالمطّلب کو حضرت محمدؐ پر اور بھی پیار آنے لگا۔ وہ آپؐ پر پہلے سے بھی زیادہ مہربان ہو گئے اور خصوصی نگرانی و حفاظت کرنے لگے۔ مگر افسوس کہ حضوؐر کی عمرِ مبارک آٹھ سال ہی ہوئی تھی کہ حضرت عبدالمطّلب انتقال فرما گئے۔

حضرت عبدالمطّلبؑ کی پاس داریِ رسولؐ

جب رسولِ اکرم ﷺ اس دُنیا میں جلوہ افروز ہوئے تو آپؐ کے والدِ گرامی حضرت عبداللہؑ دنیا سے پردہ فرما چکے تھے، لہٰذا (آپؐ کے دادا) حضرت عبدالمطّلب نے آپؐ کی حفاظت و نگہ داشت کی حتی الوسع ذمہ داری نبھائی۔ وہ اس وقت بھی اپنی معنوی بصارت (یعنی بصیرت) سے عظمتِ محمدیؐ، آں حضرتؐ کے روشن مستقبل اور شانِ نبوت کو دیکھ رہے تھے۔

حضرت عبدالمطلب حضور پرنورؐ کو اپنی جان سے بھی عزیز رکھتے تھے اور حضورؐ کی تربیت و پرورش میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھتے تھے، خصوصاً خدائے متعال سے راز و نیاز اور دعا کے لیے آپؐ کو وسیلہ و واسطہ قرار دیتے تھے۔ گویا حضرت عبدالمطلب کو رسولؐ اسلام کے حفظ و حفاظت اور احترام و اکرام سے شدید لگاؤ تھا اور سچ پوچھیے تو خدائے متعال کی طرف سے گویا اُن کو یہ عظیم فریضہ ودیعت کیا گیا تھا۔

مرقوم ہے کہ حضرت عبدالمطلب نوزائیدہ محمدِ مصطفیٰؐ کو خانۂ کعبہ کے نزدیک لاتے اور اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہو کر کہتے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی اَعْطَانِیْ
هٰذَا الْغُلَامَ الطَّیِّبَ الْاَرْدَانِ
قَدْ سَادَ فِی الْمَهْدِ عَلَی الْغِلْمَانِ
اُعِیْذُهٗ بِاللّٰهِ ذِی الْاَرْکَانِ

"حمد و ثنا ہے اس خدا کی کہ جس نے مجھے یہ طیّب و طاہر بچّہ عطا فرمایا ہے، جو بچپن میں تمام بچّوں کا سردار ہے، میں اسے خدائے بزرگ وار کی پناہ میں دیتا ہوں"۔

حضرت عبدالمطلبؑ کی حضرت ابوطالبؑ کو حفاظتِ رسولؐ کی وصیت

حضرت عبدالمطلبؑ کے جسم میں جب تک جان رہی حفاظتِ محمدؐ میں کوشاں رہے اور ایک لحظہ بھی سُستی یا کوتاہی نہ کی۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حضرت عبدالمطلبؑ کی رحلت کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنے حامی، مددگار اور طرف دار کی اشد ضرورت تھی۔ خصوصاً اُس وقت جب رسالتِ محمدیہؐ کو بت پرست طاغوتیوں کے مقابلے میں آنا تھا۔ (آپؑ جانتے تھے کہ) اس جستجو میں جتنا آگے جائیں گے دشمن زیادہ ہوتے جائیں گے، لہٰذا فداکاروں اور پاس داروں کی ضرورت ہوگی۔

حضرت عبدالمطلب ۱۲۰ سال یا ۱۰۲ سال یا بہ قولِ بعض ۸۵ سال کے ہوئے تو علامات مرگ ظاہر ہوئیں۔ اُس وقت بھی آپ کو صرف اور صرف حضرت محمدؐ کی حفاظت و نگہداری کی فکر تھی کہ جن کی عمر ابھی صرف آٹھ سال تھی اور سر پر باپ نہ ماں۔ حضرت عبدالمطلب کو بسترِ رحلت پر یہی فکر دامن گیر تھی کہ میرے بیٹوں میں سے کون اس (یتیم) کی حفاظت اور پاس داری کرنے کے لائق ہے، اور کون یہ اہم ذمہ داری بطریقِ احسن نبھا سکتا ہے۔ حضرتؑ اپنے تمام بیٹوں کی لیاقت وصلاحیت سے باخبر تھے، لہٰذا خوب سوچ سمجھ کر جس ہستی کو اس خطیر امانت کی سپرد داری کے لیے چُنا وہ ان کے بیٹے جنابِ ابوطالبؑ تھے۔ اس موقع پر حضرت عبدالمطلب نے حضرت ابوطالبؑ سے فرمایا:

> ”اے ابوطالبؑ! میں تمھیں اِس محمدؐ کے حریم کی حفاظت و پاس داری کی تاکید کرتا ہوں۔ یہ اپنے باپ کے بعد اکیلا ہے، لہٰذا اسے تمھارے سپرد کرتا ہوں“۔

حضرت ابوطالبؑ نے اپنے باپ کی وصیت پر پوری طرح عمل کیا اور والدِ گرامی کو اشعار میں یہ جواب دیا:

بابا جان! مجھے ان کی سفارش اور تاکید کرنا ضروری نہیں۔ میں خود ان کی عظمت سے متاثر ہوں۔ ان کی شان (یہود و نصاریٰ) جبرو کاتب نے بھی بیان کی ہے اور بہ فضلِ خدا قولِ راہب بھی ان کے حق میں آشکار ہوا ہے۔ (زندگی پر افتخار ابوطالبؑ، ص ۳۴)

عبدالمطلبؑ نے دوبارہ ابوطالبؑ کی طرف توجہ فرمائی اور ارشاد فرمایا: میرے بیٹے! اس تنِ تنہا بچے کی حفاظت کرنا کیوں کہ اس نے پدری محبت کی خوش بو تک نہیں سونگھی اور مادری محبت سے بھی محروم ہو گیا ہے۔ اسے اپنے (پارۂ) جگر کی طرح سمجھنا۔ میں اپنے بیٹوں میں سے صرف تمھیں اس قابل سمجھتا ہوں اور تمھیں یہ ذمہ داری دے

رہا ہوں۔ اگر تم نے ان کے ایّامِ رسالت کو درک کیا تو تمھیں معلوم ہوگا کہ میں محمدؐ کو تمام لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں۔ اگر تم میں ان کی پیروی کی قدرت ہو تو پیروی کرنا اور زبان، ہاتھ اور مال سے ان کی حفاظت کرنا۔ خدا کی قسم! یہ تمھیں سرداری تک پہنچائیں گے اور بہت بڑے مقام پر فائز ہوں گے۔ ایسے مقام پر ہمارے آبا میں سے بھی کوئی فائز نہ ہوا ہوگا۔ کیا تم ان باتوں کو سمجھ رہے ہو؟

حضرت ابوطالبؑ نے عرض کیا: (بابا جانؑ!) میں خدا کو گواہ ٹھہراتا ہوں کہ میں نے آپ کی سفارش وتاکید کو دل وجان سے قبول کیا ہے۔

عبدالمطّلب نے اپنا ہاتھ ابوطالبؑ کی طرف بڑھایا اور ان کے ہاتھ پر رکھا، اور ان سے عہد لیا کہ میرے دل سے نکلی باتوں پر عمل کرو گے۔ پس حضرت عبدالمطّلبؑ کی فکرمندی ختم ہوئی، حفاظتِ محمدؐ کے سلسلے میں تسکین ہوئی اور خوشی خوشی موت کا استقبال کیا۔ نیز فرمایا: ''اب موت میرے لیے مناسب ہے''۔

پھر لحظے کے بعد حضرت محمدؐ کے سر وصورت کا بوسہ لیا اور کہا: اے میرے بیٹے! میں نے تم سے زیادہ اپنے کسی بیٹے کو خوش بودار تر، زیبا تر اور لطیف تر نہیں پایا۔

(حضرتِ ابوطالبؑ، پدر بزرگ وارِ علیؑ، ص ۳۶)

دوسری وصیت پر نظر

حضرت عبدالمطّلبؑ کی وصیت کی کیفیت میں چند دیگر واقعات بھی تاریخی روایات میں آئے ہیں جن میں سے ایک کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں:

جنابِ فاطمہ بنتِ اسد فرماتی ہیں کہ جب حضرت عبدالمطّلبؑ میں موت کی علامات اور نشانیاں ظاہر ہوئیں تو اپنے بیٹوں کو بلایا اور کہا کہ تم میں کوئی ایسا ہے جو (حضرت) محمدؐ کی سرپرستی کی ذمہ داری قبول کرے؟

بیٹوں نے جواب دیا: محمدؐ تو خود ہم سے زیادہ باہوش اور باشعور ہیں، آپؑ ان سے پوچھیں کہ وہ ہم میں سے کس کی سرپرستی قبول کریں گے؟

حضرت عبدالمطلبؑ نے یہ تجویز قبول فرمائی اور حضرت محمدؐ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: آپؐ کا دادا بسترِ مرگ پر ہے، آپؐ کو آپؐ کے چچاؤں اور پھوپھیوں میں سے کس کے سپرد کر کے جائے کہ وہ آپؐ کی (بہتر) حفاظت کرے؟

حضرت محمدؐ نے ایک بار اپنے چچاؤں کو پُر معنی انداز سے دیکھا پھر اُٹھے اور حضرت ابوطالبؑ کے پاس جا کھڑے ہوئے۔

جنابِ عبدالمطلبؑ نے جنابِ ابوطالبؑ سے کہا: "میں تمھاری دین داری اور امانت داری کو جانتا ہوں، محمدؐ کے لیے اسی طرح ثابت ہونا جس طرح مَیں محمدؐ کے لیے تھا"۔

زوجِ ابوطالبؑ جنابِ فاطمہؑ بنتِ اسد فرماتی ہیں: "جب حضرت عبدالمطلب دنیا سے رخصت ہوئے تو میں حضرت محمدؐ کی خدمت گزاری کرتی تھی اور وہ مجھے ماں کہتے تھے"۔

حضرت ابوطالبؑ کو حضرت محمدؐ کا سرپرست بنانے کی تین روایات

اس ضمن میں تین روایات ذکر کی گئی ہیں:

① حضرت عبدالمطلب نے حضرت ابوطالبؑ کو حضرت محمدؐ کی سرپرستی کی وصیت کی تھی۔

② حضرت عبدالمطلب کے بیٹوں میں قرعہ اندازی ہوئی اور قرعہ حضرت ابوطالبؑ کے نام نکلا۔

③ رسولِ خدا نے خود اپنی سرپرستی کے لیے حضرت ابوطالبؑ کا انتخاب فرمایا۔

حضرت ابوطالبؑ اپنے والدِ گرامی حضرت عبدالمطلبؑ کا آئینہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر بیٹا معنوی لیاقت رکھتا ہو تو پھر اصولِ شرافت کے

مطابق اُس میں باپ کی شخصیت اور خانوادے کی اصالت کا اثر ضرور موجود ہوتا ہے۔
حضرت ابوطالبؑ حضرت عبدالمطلبؑ کے ایسے ہی فرزندِ ارجمند تھے جنھوں نے تمام صفات، کمالات، خوبیاں اور معنوی امتیازات اپنے والدِ گرامی سے وراثت میں حاصل کیے تھے۔ باپ کے بعد ابوطالبؑ گویا دوسرے عبدالمطلبؑ بن کر میدان میں آئے۔ وہ ہر لحاظ سے اپنے والد ماجد کے اوصاف کا آئینہ تھے۔ وہ اپنے والد کی طرح ہمیشہ دینِ ابراہیمیؑ کے مطابق قدم اُٹھاتے تھے۔ اُنھیں بیت اللہ کے زائرین کی سقایت کا منصب ملا تھا۔ وہ مستضعفین کی مدد کرتے تھے، اہلِ فساد سے مبارزہ فرماتے تھے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت بہت اچھے طریقے سے کرنے کی تمام تر صلاحیت رکھتے تھے۔

حضرت ابوطالبؑ نے اگرچہ بہت سے اوصاف اپنے والد سے میراث میں پائے تھے لیکن خود ان کی اپنی شخصیت بھی عظیم تر تھی۔ آپ ایک خودساز شخص تھے، لہٰذا جب یہ دونوں عوامل یک جا ہوئے تو ابوطالبؑ یکتائے روزگار قرار پائے۔

یقیناً اسی وجہ سے زمانۂ جاہلیت کے بُرے طور طریقے حضرت ابوطالبؑ پر قطعاً اثرانداز نہ ہوسکے بلکہ حضرت ابوطالبؑ ان کے خلاف مبارزہ آرا ہوگئے۔ مثلاً دورِ جاہلیت میں شراب نوشی مثلِ آب نوشی کے تھی لیکن حضرت ابوطالبؑ نے اسے اپنے اُوپر حرام قرار دیا اور جاہلیت کی ہر دیگر پلیدی مثلاً شرک و تکبر سے بھی خود کو محفوظ رکھا۔ آپؑ ہی وہ ہستی تھے جنھوں نے ''قسامہ'' (اولیاے مقتول کا اثباتِ قتل کے لیے ایک خاص کیفیت میں قسم کھانا) کو قضاوت میں رائج کیا اور بعد از اسلام بھی اسے قبول کیا گیا۔

(سیرۃ ابنِ ہشام، ج ۱، ص ۹۷۔ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۱۹۶)

حضرت حمزہ (برادرِ ابوطالبؑ)

حضرت حمزہؑ کے اسلام لانے کا موجب بھی حضرت ابوطالبؑ ہی تھے۔ حمزہؑ اَسَدُ اللهِ وَ اَسَدُ رَسُوْلِهٖ ہیں۔ آپ کا کلام ہر فصیح سے فصیح تر اور آپ کی بلاغت ہر صاحبِ بلاغت سے اعلیٰ وارفع تھی۔

حضرت حمزہ سید الشہدا تھے۔ اُن کی شہادت کے وقت (اُس شب جس کی صبح کو وہ شہید ہونے والے تھے) ختمی مرتبت ﷺ نے اُن سے کہا: آپ کی ایک طولانی غیبت ہونے والی ہے، آپ سے اگر حق تعالیٰ نے شرایطِ ایمان اور قوانینِ اسلام کے بارے میں سوال کیا تو آپ کیا جواب دیں گے؟

حضرت حمزہؑ نے گریہ کرتے ہوئے عرض کیا: آپؐ ہی میری رہ نمائی فرمایئے۔

حضورؐ نے فرمایا: آپ گواہی دیں اللہ کا کوئی شریک نہیں اور محمدؐ اس کے رسول ہیں۔ آپ اقرار فرمائیں: علیؑ اور ان کے اولادِ طاہرینؑ اللہ کے اوصیا ہیں، آپ معتقد رہیں کہ فاطمہؑ عالمین کی عورتوں کی سردار ہیں۔ آپ کے بھتیجے جعفرؑ ملائکہ کے ہم راہ جنت میں پرواز کریں گے۔ آپ شہادت دیں کہ محمدؐ و آلِ محمدؐ بہترین مخلوق ہیں۔

جنابِ حمزہؑ نے فرمایا: میں آپ کے ارشاد پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق بھی کی۔

جس کے جواب میں حضورؐ نے فرمایا: مَیں شہادت دیتا ہوں کہ آپ سید الشہدا اور اللہ و رسولؐ اللہ کے شیر ہیں۔

حضرت علیؑ، حضرت امام حسنؑ، حضرت امام حسینؑ نے آپ کو سید الشہدا کے لقب سے یاد کیا اور آپ پر فخر کیا ہے۔ (سید ابنِ طاؤس)

امیرالمومنین علی علیہ السلام سے ایک حدیث مروی ہے:

"اولادِ ابوطالبؑ (عبدالمطلب) میں سات افراد وہ ہیں جن کی

عظمت و منزلت کا منکر کافر ہے۔ ان سات فردوں سے مراد پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، امیر المومنین علی، امام حسن، امام حسین، امام مہدی اور حمزہ و جعفر سلام اللہ علیہم اجمعین ہیں"۔

(العباس، مصنفہ علامہ سید عبدالرزاق موسوی المقرم، ص ۴۷)

حضرت امام صادق علیہ السلام کے فرمان کے مطابق: حضرت حمزہؑ اور حضرت جعفر طیارؑ، انبیائے کرامؑ اور اُن کی نبوت کے شاہد ہیں۔

والدہ ماجدہ جنابِ ابوطالبؑ

حضرت ابوطالبؑ کی والدہ ماجدہ کا اسمِ گرامی فاطمہ بنت عمرو بن عائذ ہے، جو قبیلہ بنی مخزوم کی محترمہ خاتون تھیں۔ (سبحان اللہ والدہ بھی فاطمہ، بیوی بھی فاطمہ اور بہو بھی فاطمہ سلام اللہ علیہا۔)

برادران و خواہرانِ ابوطالبؑ (ماخوذ از کتبِ اہلِ تسنن)

ماں باپ کی طرف سے آپ کے دو سگے بھائی اور پانچ بہنیں تھیں جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

حضرت عبداللہ بن عبدالمطلبؑ	حضرت زبیر بن عبدالمطلبؑ	بی بی عاتکہ بنتِ عبدالمطلبؑ	بی بی برہ بنتِ عبدالمطلبؑ	بی بی امیمہ بنتِ عبدالمطلبؑ	بی بی اروی بنتِ عبدالمطلبؑ	بی بی ام حکیم بیضا بنتِ عبدالمطلبؑ

(سیرۃ حلبیہ، ج ۱، ص ۱۳۰۔ الاصابہ، ج ۱، ص ۱۱۱، طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۳۵ وغیرہم)

سوتیلے بہن بھائی

آپؑ کے سوتیلے بہن بھائی دس تھے جن میں سے نو بھائی اور ایک بہن تھی (اس طرح کُل گیارہ بھائی اور چھے بہنیں بنتی ہیں)۔ حضرتؑ کے سوتیلے بہن بھائیوں کی

تفصیل مع اُن کی والدات (ماؤں) کے حسب ذیل ہے:

- عبدالعزیٰ: جس کی کنیت ابوعتبہ تھی اور ابولہب کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی ماں کا نام لبنیٰ بنتِ حاجر تھا۔
- حضرت حمزہ، المقوم، حجل (معروف بہ مغیرہ) اور حضرت صفیہ بنتِ عبدالمطلبؒ، ان کی والدہ ہالہ بنت وہیب تھیں۔
- ضرار، قثم، عباس: ان کی والدہ کا نام نتیلہ بنت جناب تھا۔
- الغیداق: جو مصعب کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی والدہ کا نام ممعہ بنتِ عمرو تھا۔
- حارث: جن کی والدہ کا نام صفیہ بنتِ جنیدب تھا۔ (طبقات ابنِ سعد، ج ۱، ص ۸۰) بعض کتب میں عبدالکعبہ اور عوام کے نام بھی ملتے ہیں۔ (ہدی الرسول مؤلفہ ابن قیم)

❁ اولادِ اَمجاد (آلِ عمران)

تعلیماتِ آلِ محمدؐ کے مطابق آلِ عمران سے مراد نسل و اولادِ ابوطالبؑ ہے، بالخصوص اس سے ائمہ اہلِ بیتؑ مراد ہیں۔ گویا حضرت ابراہیمؑ کی ذُرّیت میں سے اُن کی دعا حضرت ابوطالبؑ کے حق میں پوری ہوئی کہ اُن کے اولادِ اَمجاد سے بارہ ہستیاں شرفِ امامت سے سرفراز ہوئیں۔

حضرت ابوطالبؑ کے چار فرزند اور دو صاحب زادیاں ① تھیں، تفصیلِ شجرہ ذیل میں ملاحظہ کیجیے:

(مکمل تفصیل کے لیے ورق اُلٹیے)

---

① ایمان المغبہ، ج ۳، ص ۱۱۹، بعض اہلِ تشیع کے مطابق حضرتؑ کی ایک ہی دختر تھیں جن کا نام اُمِ ہانی ہے۔ اہلِ سنت نے حضرتؑ کی تین بیٹیاں لکھی ہیں اور مرتب دیوان ابوطالبؑ ڈاکٹر محمد التونجی نے آپ کی اولاد کی تعداد نو (۹) لکھی ہے جو نا قابلِ فہم ہے۔

ابو طالب علیہ السلام

ولادت: ۵۵۶ شمسی　　رحلت: ۱۰ بعثت ①

حضرت طالبؑ بن ابو طالبؑ	حضرت عقیلؑ بن ابو طالبؑ	حضرت جعفرؑ بن ابو طالبؑ	حضرت علیؑ بن ابو طالبؑ	مخدومہ اُم ہانی بنتِ ابو طالبؑ	مخدومہ جُمانہ بنتِ ابو طالبؑ

حضرت علیؑ ↓

↓ حضرت امام حسنؑ

↓ حضرت امام حسینؑ

↓ حضرت امام علی بن حسین زین العابدینؑ

↓ حضرت امام محمد بن علی، باقر العلومؑ

↓ حضرت امام جعفر بن محمد، الصادقؑ

↓ حضرت امام موسیٰ بن جعفر، الکاظمؑ

↓ حضرت امام علی بن موسیٰ، الرضاؑ

↓ حضرت امام محمد بن علی، التقیؑ

↓ حضرت امام علی بن محمد، النقیؑ

↓ حضرت امام حسن بن محمد، العسکریؑ

↓ حضرت امام محمد بن حسن، المہدیؑ

ایک روایت کے مطابق آپؑ نے علّہ نامی ایک محترم خاتون سے بھی شادی کی جن کے بطن سے طلیق بن ابی طالب پیدا ہوئے، جن کے حالاتِ زندگی نامعلوم ہیں۔

یہ تفصیل طبقات ابنِ سعد، ج ۱، ص ۱۱۳ کے مطابق ہے جسے متفق علیہ بتایا جاتا ہے لیکن ایرانی علمائے عظام اور محققینِ امامیہ نے حضرت کے چار بیٹے اور دو بیٹیاں اُمِ ہانی (فاختہ) اور جُمانہ بتائی ہیں۔

نسلِ ابو طالبؑ سے حجتِ خدا ہر زمانے میں موجود رہے گی حتیٰ کہ جب تک ابو طالبؑ کا بارھواں لالِ ولایت ظہور نہیں فرماتا قیامت برپا نہیں ہو سکتی۔ گویا آلِ عمران تا قیامِ قیامت ضامنِ ہدایتِ انسانی ہیں۔

---

① بعض نے نو اور گیارہ بعثت لکھی ہے۔ آپؑ کا سنِ مبارک ۸۴، ۸۵ سال بتایا گیا ہے اور آپؑ کی وفاتِ حسرت آیات شوال (یا رجب) میں، شعبِ ابی طالب سے باہر آنے کے ۸ ماہ ۲۱ دن بعد ہوئی۔

اولادِ ابوطالبؑ کا مختصر ترین تعارف

① حضرت طالبؑ بن ابی طالبؑ

اربابِ تحقیق کے نزدیک مسلّم ہے کہ طالب ابنِ ابی طالبؑ پیغمبرؐ اسلام کی پہلی دعوت پر اسلام لائے تھے۔ محققین کا بیان ہے کہ جنابِ طالبؑ اپنی اولاد کے ساتھ شمعِ رسالتؐ کے گرد پروانہ وار پھرتے اور کسی وقت بھی آپؐ کی حمایت سے دریغ نہ کرتے تھے۔ حضورؐ کی صحبت و ہم راہی میں آپؑ نے جو معجزات دیکھے تھے اس کے بعد تو شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں رہ جاتی۔ جنابِ طالب کے یہ اشعار (بہ صورتِ ترجمہ ومفہوم) ان کے پاکیزہ باطن کے ترجمان ہیں:

"اگر لوگوں سے سوال کیا جائے کہ لوگوں میں بہترین قبیلہ اور مکرم خاندان کون سا ہے تو کہا جائے گا کہ عبدِمناف ابوطالبؑ کا ہے، جن کے والد عبدالمطلبؑ اور پھر اُن کے صاحبِ فضل وکمال والد ہاشم نے اس قبیلہ کو بلندی بخشی۔

ہاشم کی اولادوں نے وہ عروج پایا کہ نعائم ونثرہ (ستارگانِ فلک) میں اپنا مقام بنالیا اور ہاشم کی اولادوں میں سب سے زیادہ صاحبِ فضیلت احمدِ مرسلؐ ہیں جو زمانۂ فترت کے بعد مبعوث ہوئے"۔ (بحار،ج۹،ص ۳۹۔ آخر کے دوشعر" الدرجات الرفیعہ" سے لیے گئے ہیں)

حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے ایک ایسی روایت مروی ہے جس سے جناب طالبؑ اور جنابِ ابوطالبؑ کی عظمت وفضیلت کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔

جنابِ جابرؓ نے مرسلِ اعظمؐ سے سوال کیا: آقا! لوگ کہتے ہیں کہ جنابِ ابوطالبؑ دُنیا سے کافر گئے۔

حضرتؑ نے فرمایا: جابر! علمِ غیب اللہ کو ہے لیکن شبِ معراج کا واقعہ سنو۔ میں جب عرشِ الٰہی پر پہنچا تو وہاں چار نُور دیکھے۔ حضرتِ احدیت سے عرض کیا کہ یہ نُور کس کس کے ہیں؟

آوازِ قدرت آئی: عبدالمطلبؑ، ابوطالبؑ، آپ کے والد عبداللہؑ اور چچازاد بھائی طالبؑ کے ہیں۔

میں نے عرض کیا: خدایا! وہ کون سی نیکیاں تھیں جن کے عوض میں یہ حضرات ان مرتبوں پر فائز ہوئے۔

جوابِ ربّ العزت ملا: مرتے دم تک ان لوگوں نے اپنے ایمان کو چھپائے رکھا اور صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتے رہے۔ (روضۃ الواعظین، ص ۷۱)

مرحوم کلینیؒ نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے حدیث نقل فرمائی ہے کہ طالبؑ جنگِ بدر سے پہلے کے مسلمان تھے۔ قریش زبردستی اُنھیں اپنے ہم راہ جنگ میں لے گئے۔ اس وقت رجز خوانوں کی ایک ٹولی آئی اور رجز پڑھنے لگی۔ جنابِ طالبؑ بھی اُن کے ہم راہ ہو لیے اور یہ اشعار پڑھے ؎

يَا رَبِّ إِمَّا يَغْزُوَنَّ بِطَالِبٍ
فِي مِقْنَبٍ مِن هٰذِهِ الْمَقَانِبِ
فِي مِقْنَبِ الْمُحَارِبِ الْمُغَالِبِ
بِجَعْلِهِ الْمَسْلُوبَ غَيْرَ السَّالِبِ ①

---

① دیوانِ ابوطالبؑ (مرتبہ: ڈاکٹر محمد التونجی) میں ان اشعار کا متن یہ ہے:

يَارَبِّ إِمَّا تُخْرِجَنَّ طَالِبِي   فليكُنِ المغلوبُ غيرَ الغالب
فِي مِقْنَبٍ مِن تِلكُمُ المقانبِ   وليكُنِ المسلوبُ غيرَ السَّالِبِ

"خدایا! اگر قریش اس لشکر میں طالب کو میدانِ جنگ کے لیے
لائے ہیں اور اپنی کام یابی کی آرزو رکھتے ہیں تو انھیں مغلوب فرما
اور غالب نہ کر"۔ (مترجم علامہ رضی جعفر)

اس مفہوم کی ایک اور حدیث بھی ملتی ہے۔ محمد بن مثنیٰ حضرمی کا بیان ہے کہ رسولِ معظمؐ کی جنگِ بدر کے دن عباس بن عبدالمطلبؓ کے غلام ابورافع سے ملاقات ہوئی۔ آں حضرتؐ نے اس سے اپنی قوم کے حالات دریافت کیے تو اس نے جواب میں کہا: قریش آپ کے قبیلہ کو زبردستی اپنے ہم راہ لا رہے ہیں۔

ابنِ جریر طبری کا بیان بھی اس موقف کا مؤید ہے کہ آں حضرتؐ نے بدر کے روز فرمایا:

"میں بنی ہاشم اور کچھ دوسرے لوگوں کو دیکھ رہا ہوں جنھیں قریش
زبردستی اپنے ہم راہ لائے ہیں، لہٰذا ایسے افراد کو قتل نہ کیا جائے۔
اگر تم میں سے کسی کو عباس بن عبدالمطلبؓ مل جائیں تو انھیں قتل نہ
کرنا چوں کہ وہ زبردستی لائے گئے ہیں"۔ (طبری، ج۲، ص ۲۸۲)

حضرت طالبؓ کی وفات میں اختلاف ہے۔ کچھ کا خیال ہے کہ جب جنگِ بدر کے لیے نکلے تو اس وقت غائب ہو گئے۔ بعض کا خیال ہے کہ اُن کا رہوار اُنھیں دریا میں لے کر اُتر گیا اور غرقِ آب ہوئے۔ کچھ نے شُبہ ظاہر کیا کہ جب قریش کو اُن کے اشعار سے اُن کے اسلام کا پتا چل گیا تو اُن کے اشعار کو بدشگونی تصور کرتے ہوئے انھیں قتل کر دیا۔ بہ ہر حال جنابِ طالبؓ کی سرگزشت سعد بن عبادہ سے ملتی جلتی ہے جنھیں قتل کر کے کہہ دیا گیا تھا کہ جنات نے اپنے تیروں سے مار ڈالا ہے۔

۲ حضرت عقیلؓ

حضرت عقیلؓ شجرۂ طیبہ کی وہ نمایاں شخصیت ہیں جنھیں نگاہِ پیغمبرؐ میں خاص اہمیت

حاصل تھی۔ آپؑ کے بارے میں تاریخ کا یہ بھی حتمی فیصلہ ہے کہ آپؑ آغازِ اسلام کے وقت ہی مسلمان ہو گئے تھے۔ حضرت عقیلؑ نے اپنی لسانِ صدق، دلِ باصفا، اعضا اور جوارح کے ذریعے قلبِ رسالت کو جیت لیا تھا۔ اِنھی پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے حضوؐر نے فرمایا تھا:

"میں آپ کو دو وجہوں سے دوست رکھتا ہوں، ایک تو خود آپ کی خوبیوں کی وجہ سے۔ دوسرے اس لیے کہ آپ حضرت ابوطالبؑ کو عزیز تھے"۔ (سیرۃ حلبی، ج۱، ص ۳۰۴۔ خصالِ صدوق، ج۱، ص ۳۸)

حضور ﷺ کا یہ ارشاد جنابِ عقیلؑ کی باطنی خوبیوں کے سبب سے تھا ورنہ نبی اکرمؐ جیسی شخصیت کسی کو مادی اور ذاتی اغراض کے لیے دوست نہ رکھ سکتی تھی۔

جنابِ شیخ صدوق اپنی کتاب "المجالس" کی ستائیسویں مجلس میں رقم طراز ہیں:

حضرت علیؑ نے ختمی مرتبتؐ سے پوچھا: کیا آپؐ عقیلؑ سے محبت فرماتے ہیں؟

آں حضرتؐ نے فرمایا:

"خدا کی قسم! مَیں انھیں دو وجہوں سے دوست رکھتا ہوں ایک تو خود اُن کے ذاتی اوصاف کی وجہ سے اور دوسرے حضرت ابوطالبؑ کی وجہ سے کہ وہ ان سے محبت کرتے تھے، لہٰذا میں بھی ان سے محبت کرتا ہوں۔

اے علیؑ! عقیلؑ کے فرزند مسلمؑ تمھارے نورِ نظر حسینؑ کی محبت میں شہید ہوں گے۔ جن کی مظلومیت پر مومنین کی آنکھیں روئیں گی اور فرشتگانِ الٰہی اُن پر درود و سلام بھیجیں گے۔

حضوؐر یہ فرما کر اس قدر روئے کہ آپؐ کے آنسو آپؐ کے سینۂ مبارک پر ٹپک رہے تھے۔ پھر آپؐ نے سر جھکایا اور بارگاہِ احدیت میں

عرض کیا: خدایا! تجھ سے شکوہ ① ہے کہ میرے بعد میری عترت بلاؤں سے دوچار ہوگی"۔

ان ارشاداتِ نبویؐ کی روشنی میں حضرت عقیلؓ کی قدآور شخصیت ممتاز عالَم قرار پاتی ہے۔ جنابِ عقیلؓ ایک راسخ الایمان مسلمان تھے۔ اپنے راسخ ایمان ہونے ہی کے سبب سے اُنھوں نے ہمیشہ دشمنانِ علیؑ کے دانت کھٹے کیے اور اپنی حاضر جوابی سے دشمنوں کو برسرِ عام ذلیل و رُسوا کیا۔ اس سلسلے میں واقعات کی تفصیل ہماری کتاب سفیرِ حسینؑ میں ملاحظہ کیجیے۔

یہاں چوں کہ فرزند ابوطالب، جنابِ عقیلؓ کے انسانی کمالات اور خاندانی اوصاف کی محض ایک جھلک پیش کرنا مطلوب ہے، لہٰذا حضرت ابوطالبؑ کی عقیل سے اس محبت کو زیرِ بحث لاتے ہیں جس کی طرف حدیثِ رسولؐ میں بھی اشارہ ہوا ہے۔ علمائے تحقیق کے مطابق حضرت ابوطالبؑ جنابِ عقیلؓ سے اس وجہ سے محبت نہیں کرتے تھے کہ وہ خاندانِ رسالت کے فرد اور شجاع و بزرگ ہستی تھے کیوں کہ اگر یہ وجہ ہوتی تو مرکزِ محبت حضرت علیؑ اور جنابِ جعفر طیارؓ کو ہونا چاہیے تھا۔ جعفرؓ سِن کے اعتبار سے بڑے تھے اور علیؑ فضائل و مناقب کے لحاظ سے بے نظیر تھے۔ غالباً جعفرؓ و علیؑ کی موجودگی میں سید البطحا کی عقیل سے محبت ان کی ذاتی خوبیوں کے علاوہ خاندانی صفات کی وجہ سے تھی جو وَرثے میں منتقل ہوئی تھیں (اور جن کا تناسب حضرت عقیلؓ میں زیادہ تھا)۔

یہ نکتہ بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ حضرت ابوطالبؑ انبیائے مرسلینؑ کے اوصیا میں سے تھے اور وصی ہر خطا و گناہ سے منزہ و مبرا ہوتا ہے۔ اگر وہ اپنی اولادوں میں سے کسی کو بہت عزیز رکھتا ہوگا تو اس کی کوئی خاص وجہ ہوگی۔ واضح رہے کہ جنابِ عقیلؓ انسانِ کامل تھے اور شریعتِ برحق ایسوں سے دوستی کا حکم دیتی ہے۔ (ہم اس حقیقت میں یہ بات

---

① یقیناً یہ شکوہ مجبعہ ہے۔

ایزاد کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ ابوطالبؑ دینِ مبین پر نسلِ عقیلؑ کے کاملتاً قربان ہو جانے سے بھی باخبر تھے ورنہ تو اِس گھر کے اکثر افراد انسانِ کامل ہی تھے)۔

لاریب عقیلؑ اسی صراطِ مستقیم پر تھے جس پر ان کا خاندان تھا۔ اُن کے قلبِ اطہر میں شمعِ توحید اسی طرح فروزاں تھی جس طرح اُن کے خاندان کے دوسرے عظیم افراد کے دلوں میں ضو بار تھی۔ عقیلؑ اپنے خاندان کی روش سے علاحدہ ہو بھی کیسے سکتے تھے! آپ کے کفیل ابوطالبؑ تھے جنھوں نے عقیلؑ کی پرورش میں کوتاہی کی، نہ کبھی اُن کے طریقِ زندگی سکھانے میں کبیدہ خاطر ہوئے۔ جناب ابوطالبؑ، عقیلؑ سے بے پناہ محبت رکھتے تھے۔

جنابِ عقیلؑ بھی اپنے والد ماجد اور بھائی طالبؑ کی طرح حالتِ تقیہ میں پیغمبرِ اسلام کے دل و جان سے مصدِّق تھے۔ عقیلؑ کا پورا گھر قصرِ اسلام کی اساس تھا۔

۳ مخدرہ اُمِ ہانی

عقیلؑ کی بہن جنابِ اُمِ ہانی نے بھی اوروں سے پہلے پیغمبرِ اسلام کی تصدیق فرمائی تھی۔ معراج سے واپسی پر حضورؐ اُمِ ہانی کے بیت الشرف پر اُترے تھے۔

بعثت کا تیسرا سال تھا اور ابھی عمومی تبلیغ کا حکم نہ آیا تھا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اُمِ ہانی کو اپنی رسالت سے رُوشناس کرایا۔ اس معظمہ نے فوراً پیغمبرِ اسلام کی رسالت کو قبول کیا اور ایمان لے آئیں البتہ ظاہر نہ فرمایا، لہٰذا جن لوگوں نے آپ کے اسلام کا تذکرہ فتحِ مکہ کے موقع پر (آٹھ ہجری قمری میں) کیا ہے وہ حقیقت سے رُوگردانی کرنے والے ہیں۔

ابنِ شہر آشوب کا بیان ہے جناب اُمِ ہانی نے حضور نبی اکرمؐ کی حیات ہی میں وفات پائی مگر ابنِ حجر کا بیان ہے کہ آپ کی وفات امیرِ شام کے زمانۂ خلافت میں ہوئی۔

(تقریب التہذیب)۔

اس بیان کی روشنی میں یہ واضح نہیں ہے کہ یہ وہی اُم ہانی ہیں جن کا تذکرہ کامل الزیارات میں ان الفاظ میں ملتا ہے:

"امام حسینؑ کی پھوپھیوں میں سے ایک پھوپھی نے حضرتؑ سے کہا: اے حسینؑ! گواہ رہو کہ میں نے ہاتفِ غیبی کو کہتے سنا ہے کہ دشتِ کربلا کا شہید اولادِ ہاشمؑ میں سے ہوگا جو قریش کے بزرگوں کی گردنوں کو ذلّت و خواری سے جھکا دے گا"۔

۲ حضرت جعفرِ طیارؓ

حضرت جعفرِ طیارؓ کی عظمت و منزلت کا اندازہ مُرسلِ حق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد سے کیا جاسکتا ہے کہ "تم صورت و سیرت میں ہمارے ایسے ہو"۔

جب کہ ارشادِ قرآنی ہے:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (القلم، آیت ۴)

"اور تحقیق آپ خلقِ عظیم پر فائز ہیں"۔

حضورؐ کے اس بیان میں کسی ایک بات کی تخصیص ہرگز نہیں، لہٰذا یہ امر مسلّمہ ہے کہ جناب جعفرؓ پیغمبرِ اسلام سے مشابہ تھے۔ رسولِ اکرم کا خُلقِ عظیم پر فائز ہونا اور کفر و شرک کی آلودگی سے پاک و پاکیزہ ہونا آپؐ کی دو بڑی صفات ہیں، لہٰذا حضرت جعفرؓ میں بھی ان دو صفتوں کا پایا جانا تو یقینی اَمر ہے۔

حضرت جعفرؓ کی عظمت کے بیان میں بہت سے واقعات ملتے ہیں جن کے ذکر کا یہ محل نہیں۔ آپ سائے کی طرح مُرسلِ حقؐ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ آپ نے حضورؐ کو چہرہ و دل ہر دو کی آنکھوں سے دیکھا اور آپؐ کی تعلیمات اور ارشادات و حِکَم سے

استفادہ کیا۔ جب جناب خدیجہؑ اور امیرالمومنینؑ صحنِ کعبہ میں رسولِ گرامیؐ کی اقتدا[1] میں نماز پڑھتے تھے تو جناب جعفرؑ بھی ان کے ساتھ شریک ہوتے تھے۔ جناب جعفرؑ نے اپنے بابا کی طرح قریش کی مخالفت اسلام کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اس بحرانی دور میں اسلامی تعلیمات کی دل کھول کر ترویج و تبلیغ کی۔ صحبتِ رسولؐ سے حاصل ہونے والی پاکیزگیٔ نفس کی بدولت آپؑ راہِ اسلام میں اس قدر راسخ ہو چکے تھے کہ آپؑ کو کفر و شرک کی تیز و تند آندھیاں کبھی نہ جھکا سکیں۔ ہجرتِ مدینہ سے پانچ سال پہلے آپ کو کم زور و مستضعف مسلمانوں کا قائد بنا کر حبشہ بھیجا جانا اور توحید کی تبلیغ کی ذمہ داری سونپنا بھی آپ کے ایمان کی پختگی ہی کی وجہ سے تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ ابوطالبؑ کے اس فرزندِ ارجمند نے نجاشی کے دربار میں اسلام کا ایسا دل نشین تعارف کرایا کہ وہ مسلمان ہو گیا۔

جناب جعفرؑ کے بلند اوصاف کے باعث ائمہ اہلِ بیتؑ نے اپنی خاندانی شرافت و کرامت کا تذکرہ کرتے ہوئے اکثر جناب حمزہؑ کے ہم راہ جنابِ جعفرؑ کے کارناموں کو بھی فخراً پیش کیا۔ خود حضرت علیؑ نے اپنے مخالفین سے احتجاج کرتے ہوئے فرمایا تھا:

> "اصحابِ رسولؐ میں سے بہت سے لوگوں نے راہِ خدا میں اپنے ہاتھ قطع کرائے، ان میں سے ہر ایک کا مرتبہ ہے لیکن جس وقت ہمارے خاندان کا کوئی فرد اس صفت سے متصف ہوا تو اس کو طیّار کا لقب ملا"۔ (نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۲۸)

یقیناً رسولِ معظمؐ کی لسانِ وحی ترجمان نے آپ کو طیّار کا لقب عطا فرمایا تھا اور

---

[1] عربی املا اِقتداء ہے۔ اردو میں ہم شہداء اور آراء کے علاوہ الف پر ختم ہونے والے کسی عربی لفظ کے بعد ء نہیں لگاتے۔ البتہ یہاں مجبوری ہے کہ شہدا اور آرا نہ پڑھے جائیں۔

یہ بھی فرمایا تھا کہ شہادت کے بعد جعفرؑ فرشتوں کے ساتھ محوِ پرواز رہتے ہیں۔ رسولِ پاکؐ نے آپ کے دُرَخشاں ماضی اور روشن اوصاف کے سبب ہی سے جنگِ موتہ میں آپ کو مسلمانوں کا امیر مقرر فرمایا تھا (معتبر قول کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جعفر کو عبداللہ و زید سے مقدم رکھا تھا)۔

فتحِ خیبر کے روز جب جنابِ جعفر حبشہ سے واپس وطن پہنچے تو حضورؐ نے فرمایا: خیبر کی فتح پر زیادہ خوشی مناؤں یا حبشہ سے جعفرؑ کی واپسی پر۔ پھر جنابِ جعفرؑ سے فرمایا: کیا آج مجھ سے کوئی تحفہ لینا چاہتے ہو؟

جنابِ جعفر نے عرض کیا: ضرور۔

حاضرین کا خیال تھا کہ حضورؐ خیبر کے مالِ غنیمت سے جنابِ جعفر کو سونا چاندی عطا فرمائیں گے لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ حضورؐ نے جعفر کو تحفۂ نماز عطا فرمایا، جو آج بھی نمازِ جعفر طیارؑ کے نام سے مشہور ہے۔ حضورؐ کا یہ ارشاد شیعہ سُنّی کتب میں تواتر سے پایا جاتا ہے اور علامہ مجلسی نے بحارالانوار میں اس تواتر کی تصدیق فرمائی ہے۔ یقیناً یہ تحفۂ رسولؐ ایک طرف جنابِ جعفر کے پاک باطن ہونے کا اعتراف ہے اور دوسری طرف آپ کو عروجِ بشریت تک پہنچا کر خالقِ اکبر کا بندۂ خاص بنانے کا ایک ذریعہ۔

۵ حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ

أَكْرِمْ بِمَنْ يُفْضِي إِلَيْهِ بِأَمْرِهِ
نَفْسًا إِذَا عُدَّ النُّفُوسَ وَمَحْتِدًا

"کتنا لائقِ تکریم ہے میرا بیٹا، جس نے اپنی جان محمدؐ کے سپرد کر رکھی ہے، اور جب نفس و جان کا حساب کیا جائے تو علیؑ نفسِ رسولؐ ہے"۔ (دیوانِ ابوطالبؑ)

امیرالمومنین علی علیہ السلام حق کے پہلے امام اور ابوطالبؑ کے چوتھے فرزند ہیں۔

حضرت علیؑ (مشہور قول کے مطابق) رسولؐ خدا کی بعثت سے دس سال پہلے اس دنیا میں ظہور پذیر ہوئے۔ آپ ابھی چھے سال ہی کے تھے کہ شہرِ مکہ اور گردونواح میں سخت قحط پڑا، لہٰذا آپؑ پیغمبرِ اکرمؐ کی خواہش کے مطابق اپنے آبائی گھر سے اپنے چچا زاد بھائی (پیغمبرِ گرامیِ اسلامؐ) کی دولت سرا پر تشریف لے گئے اور پھر رسولؐ اسلام ہی نے آپ کی براہِ راست پرورش فرمائی۔

چند سال بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدائے متعال کی جناب سے مبعوث فرمایا گیا اور آپؐ پر غارِ حرا میں پہلی وحی نازل ہوئی۔ آپ نے غارِ حرا سے گھر کی طرف تشریف لے جاتے ہوئے حضرت علیؑ سے یہ تمام واقعہ بیان کیا تو علی علیہ السلام نے آپؐ پر ایمان کا اظہار کیا۔ اس کے بعد جب پیغمبرِ اکرمؐ نے اپنے نزدیکی رشتہ داروں کو جمع کر کے دینِ مبین کی دعوت دی تو فرمایا: ''جو شخص سب سے پہلے میری دعوتِ دین قبول کرے گا وہی میرا خلیفہ، وصی اور وزیر ہوگا۔ حضرت علیؑ سب سے پہلے اپنی جگہ سے اُٹھے اور بہ آوازِ بلند ایمان کا اظہار فرمایا۔ پیغمبرِ اکرمؐ نے بھی آپؑ کے ایمان کو قبول فرمایا اور آپؑ کے بارے میں اپنے وعدے پورے فرمائے۔ یوں آپؑ پہلی ہستی ہیں جنھوں نے علی الاعلان اسلام قبول کیا اور خدائے وحدہٗ لاشریک کے علاوہ کبھی کسی کی پرستش و عبادت نہیں کی (باطناً سب سے پہلے قبولِ اسلام کرنے والے حضرت ابوطالبؑ تھے)''۔

دعوتِ ذوالعشیرہ ہو، مکے سے مدینے ہجرت ہو یا دشمنانِ اسلام سے جنگیں، حضرت علیؑ نے کبھی فدائے پیغمبرؐ ہونے سے گریز نہ کیا۔ حضورؐ خلوت و جلوت میں کبھی آپ کو خود سے جدا نہ کرتے تھے۔ حضورِ اکرمؐ نے اپنی پیاری صاحب زادی سیدۃ النساء العالمین خاتونِ جناں حضرت فاطمہ زہراؑ بھی آپؑ کے عقد میں دے دیں۔

ختمی مرتبتؐ نے خود کو علم کا شہر قرار دیا تو علیؑ کو دروازہ۔ نیز فرمایا: حق علیؑ کے ساتھ ہے اور علیؑ حق کے ساتھ۔ دنیا میں کسی نے 'سلونی' کا دعویٰ کیا تو وہ علیؑ ہی تھے۔

یومِ غدیر آپ جانشینِ رسولؐ اور خلیفۂ بلافصل قرار پائے اور دین کی تکمیل ہوئی۔ علیؑ ہی صدیقِ اکبر ہیں اور علیؑ ہی فاروقِ اعظم۔ یہاں حضرت علیؑ کے حالاتِ زندگی بیان کرنا مقصود نہیں۔ بس یہ بتانا مقصود ہے کہ ابوطالبؑ کا بیٹا ہی حُسنِ ولایت ہے۔ وہی وجہ اللہ، عین اللہ، لسان اللہ، ید اللہ، اُذن اللہ اور سرّ اللہ ہے۔ المختصر علی " علیؑ" ہیں تو ابوطالبؑ علیؑ کے پدرِ ذی وقار۔ ①

⑥ حسنین شریفین نبیرہ ہائے ابوطالبؑ

امام حسنؑ و حسینؑ رسولِ معظمؐ کے نواسے، علیؑ و فاطمہؑ کے بیٹے اور ابوطالبؑ کے عظیم پوتے ہیں۔ انھی کے بارے میں رسولؐ معظم کا فرمان ہے:

اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّةِ

یہی ہستیاں حضرت علیؑ کے بعد بالترتیب دوسرے اور تیسرے جانشینِ رسولؐ کا درجہ رکھتی ہیں۔ حسنؑ و حسینؑ معصوم اور منصوص من اللہ امام ہیں۔

حسنین شریفینؑ انسانی کمالات کا بہترین اور کامل نمونہ تھے اور رسولؐ معظم کی نشانیاں۔ جب تک رسولؐ اکرم زندہ رہے حسنین شریفینؑ اُن کے پاس رہتے رہے۔ آں حضرتؐ اپنے ان نواسوں کو اپنے کاندھوں پر سوار فرمایا کرتے تھے۔ عید کے دن ان کے کپڑے جبرئیلؑ لے کر آیا اور خیاط الحسنینؑ کہلایا۔

پیغمبر اکرمؐ نے ان کے بارے میں بارہا فرمایا کہ حسنؑ و حسینؑ میرے بیٹے ہیں۔ حضرت علیؑ اپنے دوسرے بیٹوں سے اسی لیے فرمایا کرتے تھے: تم میرے بیٹے

---

① حدیثِ رسولؐ میں ہے کہ مبرم نامی راہب نے حضرت ابوطالبؑ کی پیشانی چوم کر انھیں اُن کے صُلب سے ولیِ خدا (علیؑ) کے پیدا ہونے کی بشارت دی تھی، جب کہ امام جعفر صادق علیہ السلام حضرت علی علیہ السلام کے زیارت نامے میں اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا سَلِیْلَ الْاَطَائِبِ "اے پاک و پاکیزہ نسل سے پیدا ہونے والے" کا جملہ بھی پڑھا کرتے تھے۔

ہو اور حسنؑ و حسینؑ رسولؐ خدا کے بیٹے ہیں۔

دینِ اسلام کی رونقیں آج حسنؑ و حسینؑ ہی کے دم سے قائم ہیں۔ حسنِ سبز قبا نے اپنی مشہور و معروف صلحِ حسنؑ سے باطل حکومت کے ڈھول کا پول کھولا اور حق و صداقت کی علم برداری کے سبب زہر سے شہید کیے گئے۔

حسینؑ وہ ہستیِ نام دار ہیں کہ جن کے بارے میں رسولِ اطہرؐ نے فرمایا: ''حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں''۔ حسینؑ کے رسولؐ سے ہونے کی سمجھ تو فوراً آجاتی ہے لیکن رسولؐ کے حسینؑ سے ہونے کی علت شہادتِ حسینؑ ہے، جس کے سبب سے آج دینِ محمدؐ زندہ ہے۔ گویا حسینؑ دین پناہ ہے اور حسینؑ کے جدِ امجد ابوطالبؑ رسالت پناہ تھے۔ ابوطالبؑ کے تربیت کردہ بھائی حمزہؑ اپنے زمانے کے سید الشہدا تھے تو پوتے حسینؑ مظلومِ کربلا، رہتی دنیا تک سید الشہداؑ ہیں۔ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ ابوطالبؑ کے یہ دونوں پوتے ایک ہی طرح کے نظریات اور مقامات رکھتے تھے۔ دونوں امام تھے اور دونوں نے جو اقدامات کیے وہ عین حق تھے۔

⑦ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام

ابوطالبؑ کے دوسرے پوتے حسین علیہ السلام کے جانشین اور اُن کے بعد امام، وصی اور ولی، علی الاوسطؑ تھے جو سید الساجدین اور زین العابدین کے القاب سے ملقب ہوئے۔ آپ ایرانی شہنشاہ یزدگرد کی بیٹی جناب شہربانو کے بطن سے پیدا ہوئے۔ آپؑ بھی اپنے والدِ گرامی کے ساتھ کربلا تشریف لائے تھے لیکن چوں کہ مصلحتِ ایزدی سے سخت بیمار تھے اور ہتھیار اُٹھا کر جنگ میں شرکت کی طاقت نہ رکھتے تھے، لہٰذا جہاد بالسیف نہ کر پائے۔ اس میں حکمتِ خداوندی تھی کیوں کہ ابوطالبؑ کے اس رشکِ غیرت فرزند نے کوفہ و شام میں جہاد کرنا تھا۔ اُسارت کے بعد آپؑ مدینہ تشریف لائے اور غمِ حسینؑ میں معراجِ گوشہ نشینی پر فائز ہوئے۔ صحیفۂ کاملہ (صحیفۂ سجادیہ) آپؑ کی دعاؤں کا

مجموعہ ہے جسے زبورِ آلِ محمدؐ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ معارفِ الٰہی کا خزینہ ہے۔

⑧ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام

ابوطالبؑ کا یہ پانچواں فرزندِ عصمت اور تاج دارِ امامت، محمدؐ ہونے کے ساتھ ساتھ باقر بھی ہے۔ سیرت میں محمدؐ تو علم میں باقر، یعنی علم کو چیر کر تحقیق کرنے والا۔ یہ لقب آپؑ کو پیغمبر اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے عطا ہوا تھا۔ حضوؐر کا فرمان ہے: ''میری پشت کے پانچویں امام کا نام میرے نام پر محمدؐ ہوگا اور اس کا لقب باقر ہوگا''۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اہلِ بیتؑ کی مظلومیت اور علوم کی فضیلت کے سبب سے مرجعِ خلائق تھے۔ آپؑ اسلامی حقائق، علمی اسرار و رموز اور تعلیماتِ اہلِ بیتؑ پیش کرنے میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ کے دور کے ہزاروں دانش جو آپ سے مختلف علوم کسب کر کے دانش ور بن گئے جن کے ناموں کی طویل فہرستیں آج بھی علمِ رجال کی کتابوں میں درج ہیں۔

⑨ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

ابوطالبؑ کے سلسلۂ صلب سے ظہور پذیر ہونے والے چھٹے امامؑ ایک ہی وقت میں جعفر بھی تھے اور صادق بھی۔ آپ کے دور میں ابومسلم خراسانی کے سیاہ پوشوں نے بنو اُمیہ کی خلافتِ باطلہ کو ختم کرنے کی تحریک چلائی اور آخرِ کار خوں ریز جنگیں بنی اُمیہ کی خلافت کو ختم کرنے کا سبب بنیں۔ اسی وجہ سے آپ کو اپنے بیس سالہ عہدِ امامت میں اسلامی حقائق بیان کرنے کا بہترین موقع ہاتھ آیا۔ آپ کی دانش گاہ سے اکتسابِ فیض کر کے عقلی و نقلی علوم و فنون میں بہت سے نام ور دانش مند پیدا ہوئے جن کی تعداد چار ہزار بتائی گئی ہے۔ حنفیوں کے امامِ اعظم اور صوفیوں کے سردار سفیان ثوری بھی آپؑ کے دسترخوانِ علم کے ریزہ چین رہے۔ المختصر صادقینؑ یعنی پانچویں اور چھٹے امامؑ سے جو اخبار (احادیث) نقل ہوئی ہیں وہ ان تمام احادیث سے بھی زیادہ ہیں جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرے دس آئمہؑ سے نقل ہوئی ہیں۔

⑩ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

ابوطالبؑ کے ساتویں فرزندِ معصوم کو موسیٰ کاظمؑ کہتے ہیں۔ اس ہستی نام دار کا ایک لقب باب الحوائج بھی ہے۔ بنوعباس کی قید میں رہنے والے اس امامؑ پر ظلم و ستم کی انتہا ہوگئی۔ ابوطالبؑ کی نسلِ نُور کی یہ فرد انتہائی مظلومیت کی حالت میں زہر سے شہید کی گئی۔ پُلِ بغداد سے جنازہ مزدوروں نے اُٹھایا۔ یہ سب ابوطالبؑ کے دشمنوں کا کیا دھرا تھا۔

⑪ حضرت امام علی رضا علیہ السلام

آلِ عمرانؑ (آلِ محمدؐ) کے اس فردِ فرید کو غریب الغرباء، معین الضعفاء والفقراء اور سلطانِ العرب والعجم کہتے ہیں۔ اپنے آباے کرام کی طرح اس ہستی کی رضا بھی خدا کی رضا ہے۔ یہ آٹھواں لالِ ولایت ارضِ طوس کے جس بُقعۂ نُور میں دفن ہے آج دُنیا اُسے (آستانِ قدس رضوی) مشہدِ مقدس کے نام سے یاد کرتی ہے اور اس کی خواہرِ نام دار معصومہ فاطمہؑ کا مقامِ تدفین قم المقدسہ ہے۔

یہ تیسرے علیؑ ہیں جس طرح پہلے علیؑ نے اپنے کلامِ گوہر بار کے ذریعے اور دوسرے علیؑ (زین العابدین) نے اپنی ادعیۂ پُرانوار کے ذریعے معرفت کے دریا بہائے بعینہٖ اس تیسرے علیؑ نے بھی ماموں کے دربار میں وہ مناظرے اور مباحثے کیے کہ دنیا دنگ رہ گئی۔ یہ ابوطالبؑ کے علمی ورثے ہی کا تسلسل تھا جس میں الٰہی وحی و الہام کی بالواسطہ کارفرمائی ہوئی ہے۔

⑫ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام

نام محمد بن علی لقب جوّاد اور ابن الرضا تھے۔ آپؑ کے بابا کو زبردستی اپنا ولی عہد بنانے والے ماموں عباسی نے اپنی بیٹی اس نُویں معصوم امامؑ کے عقد میں دے دی، جس ملعونہ نے آپ کو زہر دے کر شہید کر دیا۔ آپؑ اپنے جدِّ اَمجد کے پہلو میں کاظمیہ

(عراق) میں دفن ہیں، اس لیے اسے کاظمین بھی کہتے ہیں۔ حضرت ابوطالبؑ کے اس نویں معصوم فرزند کی دُعا "حرزِ جوادؑ" اکثر اہلِ ایمان کے لیے حرزِ مال و جان ہے۔

⑫ حضرت امام علی نقی علیہ السلام

علیؑ بن محمدؑ ملقب بہ ہادی و نقی، چوتھے علیؑ ہیں جو خاندانِ رسالتؐ کے بدترین دشمن متوکل عباسی کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے اور اس پورے سلسلۂ عصمت کی مانند منصبِ شہادت پر فائز ہوئے۔ [متوکل ملعون امیرالمومنین حضرت علیؑ کا سخت دشمن تھا اور آپؑ کے بارے میں توہین آمیز الفاظ کہا کرتا تھا۔ اسی نے امام حسینؑ کا مزار اور آس پاس کے کئی مکانات مسمار کر کے زمین ہموار کرا دی تا کہ آپؑ کا نام بالکل مٹ جائے (بحوالہ مقاتل الطالبین، ص ۳۹۵-۳۹۶)۔ متوکل لعین کے دور میں ساداتِ علویہ کے حالات ناگفتہ بہ ہو گئے تھے] لیکن ابوطالبؑ کے اس عظیم فرزند کی اولاد آج بھی "شاخِ کوثر" اور "مشعلِ نُور" کی صورت میں پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔

⑬ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام

آپؑ سلسلۂ عصمت کی تیرھویں اور سلکِ امامت کی گیارھویں فرد ہیں۔ اسے حُسنِ اتفاق کہیے یا حکمتِ خداوندی کہ آپؑ بھی حسنؑ بن علیؑ ہیں۔ خلیفہ معتمد باللہ نے امیرِ شام کی طرح زہر دلوا کر آپؑ کو شہید کروا دیا۔ آپؑ اپنی سات سالہ امامت کے دوران میں خلیفۂ ملعون کی سختیوں اور ظلم و ستم کے باعث تقیّہ کی حالت میں اپنے جدّ ابوطالبؑ کی طرح بڑی احتیاط سے قدم اُٹھاتے رہے۔ آپؑ نے زیادہ تر نظر بندی کی زندگی گزاری۔

گیارھویں امامؑ کو ان کی شہادت کے بعد ان کے گھر ہی کے اندر سامرہ شہر میں ان کے والدِ ماجد کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

⑮ حضرت امام مہدی آخرالزماں عَجَّلَ اللهُ فَرَجَهُ الشَّرِیْف

جس کے پوتے کا زمیں پر مقتدی عیسیٰؑ بنے
کیا کہوں محشر میں اُس کا مرتبہ کیا کیا بنے
(محسن نقوی)

حضرت مہدی موعود علیہ السلام جو عام طور پر امام زمان یا صاحب الزمان کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں، گیارھویں امام حسن عسکریؑ کے فرزندِ ارجمند ہیں۔ آپ کا نام پیامبرِ اسلام گرامی نبی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر محمدؑ ہے۔ اپنے والدِ محترم کی شہادت پر آپؑ پانچ سال کی عمر میں (۲۵۵ھ سے ۲۶۰ھ) منصبِ امامت پر فائز ہوئے اور پھر خدا کے حکم سے غیبت میں چلے گئے۔ اس غیبتِ صغریٰ میں آپؑ اپنے نائبین کے سوا کسی کو نظر نہ آتے تھے۔ ۳۲۹ھ میں نائبینِ اربعہ کا ساٹھ سالہ دور ختم ہو گیا اور آپؑ کی غیبتِ کبریٰ شروع ہو گئی۔ یہ غیبتِ کبریٰ اس دن تک جاری رہے گی جب اللہ تعالیٰ امامؑ کے دوبارہ ظہور کا اذن فرمائے گا۔

پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیثِ مبارکہ ہے اور اُس پر تمام اسلامی فرقوں کا اتفاق ہے کہ اگر دنیا کی زندگی ایک دن بھی باقی رہتی ہوگی تو بھی خداوند تعالیٰ اس دن کو اس قدر طویل کر دے گا کہ امام مہدیؑ جو میرے بیٹے ہیں تشریف لائیں گے اور اس دُنیا کو عدل و انصاف سے مالا مال کر دیں گے۔ اگرچہ یہ دنیا ظلم و ستم سے بھری ہوئی کیوں نہ ہو۔ (فصول المہمہ، ص ۲۷۱)

المختصر دنیا کے تمام مذاہب میں ایسے شخص کے بارے میں اشارے ملتے ہیں جو دنیا کو ظلم و ستم سے نجات دلائے گا اور ان تمام مذاہب میں کچھ اختلاف کے ساتھ اس شخص کی آمد کی خوش خبری دی گئی ہے۔ اختلاف سے قطع نظر رسولِ اکرمؐ کی متفق علیہ حدیث ہے: اَلْمَهْدِیُّ مِنْ وُلْدِیْ یعنی "مہدی (موعودؑ) میری اولاد میں سے ہوگا"۔

الغرض امام مہدیؑ حضرت ابوطالبؑ کے بارھویں معصوم فرزند ہیں جو رہتی دنیا تک حجۃ اللہ فی الارض ہیں۔

شہدائے کربلا از اولادِ ابوطالبؑ

یہاں یہ بھی مناسب معلوم ہو رہا ہے کہ امام عالی مقام حسین علیہ السلام (اور جناب امیر مسلمؑ) کے علاوہ اُن سترہ شہدا کا بھی ذکر کر دیا جائے جو اولادِ ابوطالبؑ میں سے تھے (اگرچہ ان میں سے بعض کے نام تحقیق طلب ہیں): ① حضرت عباسؑ علمدار ② جعفر بن علیؑ ③ عثمان بن علیؑ ④ عبداللہ بن علیؑ ⑤ ابوبکر بن علیؑ ⑥ شہزادہ علی اکبرؑ ⑦ شہزادہ علی اصغرؑ ⑧ شہزادہ قاسمؑ بن حسنؑ ⑨ ابوبکرؑ بن حسنؑ [1] ⑩ جعفرؑ بن عقیلؑ ⑪ عبدالرحمن بن عقیلؑ ⑫ عبداللہ بن حسنؑ ⑬ محمد بن مسلمؑ ⑭ عبداللہ بن مسلمؑ ⑮ عون بن عبداللہ ⑯ محمد بن عبداللہ [2] ⑰ محمد بن ابی سعید بن عقیلؑ۔

بیٹے ابوطالبؑ کو دیے ایسے خدا نے
جو دین کا سر بن گئے اسلام کے شانے
(ڈاکٹر ریحان اعظمی)

جہاں میں چودہ ہی معصومؑ ایسے ہیں جن کا
نبی رسولؐ بہت احترام کرتے ہیں
مگر خدا کی خدائی میں اِک ابوطالبؑ
ہے ایسا جس کو یہ چودہ سلام کرتے ہیں
(نور علی نور)

---

① ابوبکر کا اصل نام محمد تھا۔ (محشی مقدم)

② محمد بن عبداللہ جناب خوصاء کے بطن سے تھے۔ (محشی مقدم)

بابِ دُوُمّ ①

ابوطالبؑ

سخن وگفتار اور سیرت وکردار

کے آئینے میں

① اہلِ زبان دوئم (دویم) بولتے ہیں۔

تَعَلَّمُوهُ وَعَلِّمُوهُ أَوْلَادَكُمْ ، فَإِنَّهُ كَانَ عَلَى دِيْنِ اللهِ وَفِيْهِ عِلْمٌ كَثِيْرٌ

"(حضرت ابوطالبؑ کے اشعار کو) پڑھو (یاد کرو) اور اپنی اولاد کو پڑھاؤ (نیز سمجھو اور سمجھاؤ) تحقیق ابوطالبؑ دینِ خدا پر تھے اور کثیر و فراواں علم کے حامل تھے"۔

(فرمودۂ امیر المومنینؑ، الغدیر، ج ۷، ص ۳۹۴)

○

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان
(اقبالؔ)

شعرِ ابوطالبؑ کا سرسری مطالعہ [1]

أَنْتَ الرَّسُوْلُ رَسُوْلُ اللهِ نَعْلَمُهُ
عَلَيْكَ نُزِّلَ مِنْ ذِی الْعِزَّةِ الْكُتُبُ
(دیوانِ ابی طالبؑ)

مؤرخین نے حضرت ابوطالبؑ کے متعدد ایسے اشعار نقل کیے ہیں جو اُن کے اللہ اور اس کے رسولؐ پر بے مثال اور لازوال ایمان کی دلیل ہیں۔ آپؑ نہ صرف خود پختہ ایمان و ایقان کے حامل تھے بل کہ اپنے اشعار کے ذریعے دوسروں کو بھی دعوتِ اسلام دیتے تھے اور دولتِ ایمان سے بہرہ ور کرتے تھے۔ یہاں حضرتِ ابوطالبؑ کی حیات و الاصفات اور اُن کے خطبات و نصائح سے قطع نظر محض ان کے چند اشعار کا متن و ترجمہ اور کچھ کا صرف ترجمہ پیش خدمت ہے، کیوں کہ زیادہ اشعار کے اِندراج سے اس مضمون کے اَدَق اور ثقیل ہوجانے کا خدشہ ہے۔ ویسے بھی آپؑ کا کلام مع اُردو ترجمہ ''دیوانِ ابوطالبؑ'' کے نام سے شائع ہوچکا ہے اور اُردو زبان کے قارئین اس کے مطالعہ سے مستفیض ہورہے ہیں۔

جنابِ ابوطالبؑ نے اپنی قوم کو ابوجہل کی غنڈہ گردی اور گم راہ کن پروپیگنڈہ سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:

> ''اے میرے عم زادو! خوابِ غفلت سے بیدار ہوجاؤ، گم راہی اور گم راہ کن باتوں سے باز رہو، کفر و شرک کو چھوڑ دو، ورنہ مجھے ڈر ہے کہ تمھارے گھروں میں مصیبت داخل ہوجائے گی، ویسے ہی

[1] یہ خصوصی مضمون ۲۰۱۳ء میں ماہ نامہ ''نمود'' کے لیے لکھا گیا اور اپریل ۲۰۱۵ء میں اشاعت پذیر ہوا، جب کہ کتاب ہٰذا کی ابتدائے تالیف ۱۲/۲۰۱۱ء میں ہوئی۔ اور اشاعت ۲۰۱۷ء میں ہورہی ہے۔ لہٰذا شاملِ کتاب کرلیا گیا ہے۔

جیسے تم سے پہلے عاد و ثمود نے اس کا مزا چکھا"۔

آپؑ نے اپنے بعض اشعار میں حضرت حمزہؓ کو رسولؐ خدا کی نصرت پر آمادہ کیا، بعض اشعار میں ابولہب کو نبیؐ خدا کی طرف دعوت دی اور بعض اشعار میں رسولؐ خدا کو اظہارِ دعوت کے لیے کہا۔ آپؑ نے مرتے دم تک رسول اللہؐ کی نصرت کی اور حضورؐ کی نبوت کی گواہی اس طرح دی:

اَنْتَ النَّبِیُّ مُحَمَّدٌ قَرْمٌ اَغَرُّ مُسَوَّدٌ ①

"اے محمدؐ! آپؐ نبی ہیں، حسین چہرے والے سید و سردار ہیں"۔

آپؑ نے بحیرا نامی راہب کے سوالوں کے جواب بھی اشعار میں دیے اور اُن میں سے ایک شعر میں حضرت محمد ﷺ سے اپنی شدید محبت کا اظہار کچھ یوں فرمایا:

"بے شک نبی محمدؐ میرے نزدیک میری اولاد کی مانند ہیں"۔ (ایمانِ ابوطالبؑ، مولفہ صایم چشتی)

(جب کہ آپؑ کے عمل نے یہ ثابت کر دیا کہ محمدؐ آپؑ کو اپنی اولاد سے بھی بڑھ کر پیارے ہیں)۔

آپؑ سے قریش کی ایک جماعت نے حضرت محمد ﷺ کی شکایت کی کہ وہ ہمارے عقل مندوں کو بے وقوف بنا رہے ہیں اور ہمارے جوانوں کو گم راہ کر رہے ہیں، لہٰذا آپؑ محمدؐ کی مدد نہ کریں، تو آپؑ نے اُن کے جواب میں فرمایا:

"لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ میں اس کی مدد نہ کروں، جو ہادی ہے، اور کہتے ہیں کہ ہم سب غالبوں پر غالب ہیں لیکن تم ہم سب پر غالب ہو"۔

آپؑ نے نبیِ معظمؐ کے دشمنوں کو دھمکاتے ہوئے فرمایا:

"اس اَمر کے سبب سے جس کے ذریعے وہ منصوب ہوا، میری

① حضرت ابوطالبؑ کی شاعری کے سب سے قدیم نسخے مرتبہ اِبنِ مہزم (؟) البکروی کے بعد جدید تحقیق دیوانِ ابی طالب (مرتبہ ڈاکٹر محمد التونجی) میں بھی اعراب کا کامل اہتمام نہیں کیا گیا، یہ ہماری اپنی محنت اور ذوق استفادہ ہے۔

رات لمبی ہوگئی اور آنکھ سے آنسو ٹپکنے لگے جس طرح مشک سے پانی ٹپکتا ہے"۔

یوں تو حضرت ابوطالبؑ نے بہت سے قصائد رقم فرمائے لیکن ان قصیدوں میں سے قصیدہ لامیہ سب پر فوقیت رکھتا ہے۔ بعض نے اس قصیدے کے ایک سو گیارہ ابیات بتائے ہیں۔ ابن ابی الحدید نے اس کے ایک سو عشرہ ابیات کا تذکرہ کیا ہے۔ ابن ہشام نے "السیرۃ" میں نوے ابیات نقل کیے ہیں۔ عسقلانی نے ایک سو بیس ابیات اور علامہ امینیؒ نے ایک سو اکیس ابیات نقل کیے ہیں۔ اس قصیدے کا مطلع مع ترجمہ ملاحظہ کیجیے:

خَلِيلَيَّ مَا أُذْنِي لِأَوَّلِ عَاذِلِ
بِصَغْوَاءَ فِي حَقٍّ وَلَا عِنْدَ بَاطِلِ

"اے میرے دوستو! ایسا (ہرگز) نہیں ہے کہ حق و باطل کے معاملے میں پہلی ملامت سنتے ہی میرے کان منحرف ہونے لگیں"۔ (سید البطحا، ص ۱۲۵، دیوانِ ابوطالب، ص ۱۱۸)

حضرت ابوطالبؑ اپنے بیٹوں کو نصرتِ نبیؐ پر اکساتے تھے۔ اس ضمن میں حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میرے والدِ محترم نے مجھ سے فرمایا: اے میرے بیٹے اپنے عم زاد محمدؐ کے بارے میں ہوشیار رہو، اُسے ہر مشکل اور پریشانی سے محفوظ رکھو۔ نیز فرمایا:

إِنَّ الْوَثِيقَةَ فِي لُزُومِ مُحَمَّدٍ
فَاشْدُدْ بِصُحْبَتِهِ عَلَى يَدَيْكَا

"بے شک مضبوطی محمدؐ کے ساتھ ثابت قدمی ہی میں ہے، تم مجھ سے وعدہ کرو کہ ہمیشہ اُس کے ساتھ رہو گے"۔ (الحجہ، ص ۲۴۲)

فخار ابنِ معد کا بیان ہے کہ بہ تحقیق شیخ ابوالحسن علی بن ابی المجد واعظ واسطی نے

۵۹۹ ہجری کے ماہِ رمضان میں ایک حکایت بیان کی تھی، جو طبع بھی ہو چکی ہے۔ وہ کہتا ہے: مجھ سے میرے والد ابوالمجد واعظ نے بیان کیا کہ میں ابوطالبؑ کے ابیات کو اس قافیہ کے ساتھ نقل کرتا تھا اور ان کے ابیات میں ایک بیت کو اس طرح پڑھتا تھا:

بِكَفِّ الَّذِيْ قَامَ فِيْ جَنْبِهٖ ①

اِلَى الضَّائِنِ الصَّادِقِ الْمُتَّقِيْ

مَیں نے ایک شب خواب میں رسولِؐ خدا کو ایک کرسی پر تشریف فرما دیکھا، اُن کے پہلو میں ایک حسین وجمیل اور ظریف بزرگ تشریف فرما تھے، ایسے بزرگ کہ جن کی ظرافت دل کے ریشے ریشے میں جاگزیں ہوجائے۔ میں رسولِؐ خدا کے نزدیک گیا اور سلام عرض کیا۔ حضورؐ نے جوابِ سلام دیا اور پھر اس بزرگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھ سے فرمایا: میرے چچا کے قریب آؤ اور انھیں سلام کرو۔

میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! یہ آپؐ کے کون سے چچا ہیں؟

فرمایا: یہ میرے چچا ابوطالبؑ ہیں۔

میں حضرتؑ کے قریب گیا، سلام کیا اور عرض گزار ہوا: اے عمِ رسولؐ! میں نے آپؑ کے کچھ اشعار نقل کیے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپؑ مجھ سے یہ اشعار سنیں۔

آپؑ نے فرمایا: سناؤ۔

میں نے اشعار پڑھنا شروع کیے، جب میں اس (مذکورہ قبل) شعر پر پہنچا تو آپؑ نے فرمایا: میں نے اس طرح کہا تھا: اِلَى الضَّائِرِ الصَّادِقِ الْمُتَّقِيْ۔ میں نے راء کے ساتھ کہا ہے، نون کے ساتھ نہیں۔ پھر میں خواب سے بیدار ہوگیا اور اپنے پاس موجود نسخے میں لکھا: "مجھ سے حضرت ابوطالبؑ نے رسولِؐ خدا کی موجودگی میں بیان فرمایا: اِلَى الضَّائِرِ الصَّادِقِ الْمُتَّقِيْ۔ (الغدیر، ج ۷، ص ۳۶۸)

---

① دیوانِ ابوطالبؑ میں فی جَنْبِهٖ کے بجائے مَنْ عِنْدَهٗ ہے۔

یہاں راقم کی بھی حوصلہ افزائی ہو رہی ہے کہ اس خواب کی طرف اشارہ کرتا چلے جو فقیر نے "عرفانِ ابوطالبؑ" کی تالیف کے دوران میں دیکھا ہے: "ایک رات میں اس کتاب پر کام کرتے کرتے سو گیا تو خواب میں ایک نہایت وسیع اور خوب صورت خطۂ ارضی دیکھا، جس میں تاحدِ نظر پھیلے ہوئے قطعاتِ زمیں تھے۔ جن کے چاروں جانب درختوں کی قطاریں تھیں۔ اس سرسبز و شاداب اور وسیع و عریض خطۂ ارضی میں مختلف شوخ اور دل کش رنگوں کے جانور پھر رہے تھے جن کی شکلیں بکروں کی سی تھیں لیکن قد گھوڑوں کے برابر تھے اور اُن کے جسموں پر موجود نرم و ملائم اور چمک دار بال ہَوا میں اس طرح لہراتے تھے جیسے رنگین اور چمک دار ریشم کے باریک باریک ریشے ہوں...... علاوہ ازیں ایک فارم ہاؤس اور بڑے بڑے زرعی آلات بھی دکھائی دیے۔ حال آں کہ اس رات سے کئی دن پہلے ذہن میں ایسا کوئی خیال تک بھی نہ آیا تھا۔ ہاں البتہ دورانِ تالیف میں شانِ ابوطالبؑ میں دو تین مناقب تخلیق کر چکا تھا اور کتاب ہٰذا میں (کئی ماہ قبل) اپنے مرحوم والدِ گرامی کے مرحوم زمین دار دوستوں کے لیے التماسِ فاتحہ کا اِندراج کیا تھا، جو تاحیات خاندانِ رسالتؐ کی محبت کا دم بھرتے رہے۔

آمدم برسرِ مطلب حضرت ابوطالبؑ ایسے محافظِ رسولؐ تھے کہ دل کی گہرائیوں سے اپنے کلام کے ذریعے نیز عملی طور پر ہر مشکل وقت میں حفاظتِ رسولؐ فرمائی۔ یہاں حفاظتِ رسولؐ کے لیے آپؑ کے اِقدامات گنوانا مقصود نہیں، لہٰذا واقعات نگاری سے حذر کرتے ہوئے چند مزید اشعار کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے:

"بخدا وہ ہرگز آپؐ تک نہیں پہنچ سکیں گے حتیٰ کہ مَیں انھیں خاک میں ملا دوں گا۔ آپؐ اپنا کام کرو، آپؐ کو کوئی روکنے والا نہیں، بشارت دو اور اس سے آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان کرو۔ جو دین آپؐ نے پیش کیا ہے وہ کائنات میں سب ادیان سے برتر ہے"۔

ایک مرتبہ اس نگہ بانِ رسالتؑ نے رسولِ اکرمؐ کو اپنے ساتھ لیا اور عباس و ابولہب کے پاس آئے اور اُن سے فرمایا: تم کیا چاہتے ہو، اپنے ہاتھ کھینچ لو، خدا کی قسم! یہ سچے ہیں۔ پھر کچھ اشعار پڑھے (جن کا ترجمہ یہ ہے:)

"اے محمدؐ! آپؐ اللہ کے امین ہیں، قول کے سچے ہیں، جھوٹے ہرگز نہیں۔ آپؐ اللہ کے رسولؐ ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ آپؐ پر اللہ کی طرف سے کتاب نازل ہوئی ہے"۔ (یہ روایت حضرت ابوایوب انصاری، المناقب، ج۱، ص۵۶)

آپؑ نے اپنے ایک شعر میں یہ بھی فرمایا:

"اے مجھ پر اللہ کے شاہد! یہ گواہی دے کہ بے شک میں نبیِ احمدؐ کے دین پر ہوں"۔

ابوطالبؑ خود بھی محافظِ اسلام اور محافظِ رسولؐ تھے اور اپنے بیٹوں کو بھی حفاظتِ اسلام اور حفاظتِ رسولِ اسلام کے لیے مستعد رہنے کا حکم دیتے تھے:

آپؑ کا ایک شعر ہے:

وَاللهِ لَا اَخْذُلُ النَّبِیَّ وَلَا
یَخْذُلُهٗ مِنْ بَنِیَّ ذُوْحَسَبٍ

"خدا کی قسم! میں ہرگز خود نبیؐ کا ساتھ چھوڑوں گا نہ میری اولاد میں سے کوئی صاحبِ حسب ونسب (ایسا کرے گا)۔ (شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج۱۴، ص۷۳)

آخر میں حضرت ابوطالبؑ کے قول وفعل کی یک جائی پر مبنی چند اشعار کا ترجمہ بطورِ تبرک پیش ہے جسے پڑھ کر اس نثارِ نبیؐ کے نثار جانے کو جی چاہتا ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ علیؑ کے والد محافظتِ رسولؐ میں کسی طور علیؑ سے کم نہ تھے۔ نیز آپؑ کی تربیت ونصیحت

ہی کی وجہ سے ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک اولادِ ابوطالبؑ قربانِ راہِ خدا ہے:

"میں نے بجلی کی طرح چمکتی ہوئی تلوار سے رسول الملیک ① کی
نصرت کی اور میں اللہ کے رسولؐ کا دفاع اور ان کی حمایت ایک
مہربان حامی کی طرح کروں گا۔ میں ان کے دشمنوں کے لیے نہ تو
اس نر اونٹ کی مانند چلتا ہوں کہ جسے اس کی شرافت کے سبب
سے نہ سواری کے کام میں لاتے ہیں اور نہ اذیت پہنچاتے ہیں۔
میں ان کے لیے بلند مقام پر ایسے دھاڑتا ہوں جیسے شیر کچھار میں
دھاڑتا ہے"۔

(شرح نہج البلاغہ، ج ۱۴، ص ۷۴)

جنابِ ابوطالبؑ اور حُسنِ توحید

سیدالشعرا، فخرالادبا، مبلغِ توحید اپنے منظوم کلام میں بارگاہِ خداوندِ کریم سے دشمنوں کے شر اور آشوب و فساد سے پناہ طلب کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ مِنْ كُلِّ طَاعِنٍ
عَلَيْنَا بِسُوءٍ أَوْ مُلِحٍّ بِبَاطِلِ

"میں رب الناس کی پناہ طلب کرتا ہوں، ان لوگوں کے شر سے جو ہمیں
برائیوں کا طعنہ دیتے اور کسی باطل اور غلط بات پر اصرار کرتے ہیں"۔

وَمِنْ كَاشِحٍ يَسْعٰى لَنَا بِمَعِيبَةٍ
وَمِنْ مُلْحِقٍ فِي الدِّيْنِ مَالَمْ نُحَاوِلِ

"اور میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس دشمن سے جو ہماری عیب جوئی

---

① بعض نے اس کا ترجمہ بادشاہوں کا رسول اور بعض نے رسولوں کا بادشاہ کیا ہے۔ الغرض اس سے مراد اللہ کا رسولؐ ہی ہے۔

کرتا ہے اور ہماری خواہش کے برخلاف دین میں نئے اُمور شامل کرنے کے درپے ہے، یعنی دینِ الٰہی میں بدعت اور ملاوٹ کر کے دین کا چہرہ بگاڑنا چاہتا ہے"۔

وَثَوْرٍ وَمَنْ أَرْسٰی ثَبِیْرًا مَکَانَهٗ
وَ عَیْرٍ وَرَاقٍ فِی حِرَاءٍ وَ نَازِلِ

"اور مَیں اُس ذات (ربّ الارباب) کی پناہ مانگتا جس نے ثور، ثبیر اور عیر نامی پہاڑوں کو اپنی جگہ پر قائم فرمایا اور (پناہ مانگتا ہوں) غارِحرا میں تشریف لے جانے کے لیے جبلِ ثور پر چڑھنے اور اُترنے والی عظیم ہستی کی"۔

وَبِالْبَیْتِ رُکْنِ الْبَیْتِ مِنْ بَطْنِ مَکَّةَ
وَبِاللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِغَافِلِ

"اور پناہ بطنِ مکہ میں واقع بیت اللہ شریف اور رکنِ بیت (و مقام) کی، میں (اپنے) اللہ کی پناہ مانگتا ہوں جو ہمارے حالات سے (ہرگز) بے خبر نہیں"۔

وَبِالْحَجَرِ الْمُسْوَدِّ اِذْ یَمْسَحُوْنَهٗ
اِذَا اكْتَنَفُوْهُ بِالضُّحٰی وَالْاَصَائِلِ

"اور پناہ حجرِ اسود کی، جسے لوگ طلوعِ آفتاب اور نصف النہار کے اوقات میں اپنے ہاتھوں کے حلقے میں لے کر مَس کرتے اور اپنے لبوں سے بوسے دیتے ہیں"۔

وَمَوْطِئِ اِبْرَاهِیْمَ فِی الصَّخْرِ رَطْبَةً
عَلٰی قَدَمَیْهِ حَافِیًا غَیْرَ نَاعِلِ

"اور مقامِ ابراہیمؑ کی (یعنی) وہ پتھر جو (اللہ کے حکم سے) اتنا نرم ہو گیا کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے کھلے ہوئے پاؤں کو اُس پر رکھا تو آپؑ کے قدموں کے نشان اس میں جذب ہو گئے"۔

اس کے بعد کچھ اشعار حج بیت اللہ، مقامِ عرفات، منیٰ و مزدلفہ کے پناہ گاہ ہونے کے بارے میں ہیں اور پھر حج کے دنوں میں قریش کو دو قبیلوں کے عہد و پیمان کی یاد دہانی کرائی گئی ہے۔

پھر آپؑ قریش کو انتباہ کرتے ہوئے خوفِ خدا دلاتے ہیں اور فرماتے ہیں:

فَهَلْ فَوْقَ هٰذَا مِنْ مَعَاذٍ لِعَائِذٍ

وَهَلْ مِنْ مُعِيْذٍ يَتَّقِي اللّٰهَ عَادِلٍ

"کیا اس کے بعد بھی (کوئی عذر باقی رہتا ہے، اور دُنیاوی طور پر) کسی پناہ لینے والے کے لیے پناہ کی کوئی جگہ رہ گئی ہے؟ کیا کوئی انصاف پسند ایسا نہیں رہ گیا ہے جو خدا سے ڈرے؟! (اور ان لوگوں کو سمجھائے کہ رسولؐ خدا کو اذیت نہ پہنچائیں)"۔

دراصل جنابِ ابوطالبؑ اپنے فہم و فراست سے دشمنوں کے ارادوں کو بھانپ چکے تھے کہ یہ محبوبِ خدا کو قتل کرنا چاہتے ہیں، لہٰذا آپؑ انھیں سمجھانا چاہتے تھے کہ خدا ہمارے ساتھ ہے اور ہم کسی صورت تمھاری دھمکیوں سے مرعوب نہیں ہو سکتے۔ ہمارا ان حرمتوں کا واسطہ دینے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ہم تمھارے دباؤ میں آ کر اپنی محبوب ہستی کو چھوڑ دیں گے بل کہ ہمیں خدائے متعال کی مضبوط ترین پناہ حاصل ہے۔ چناں چہ فرماتے ہیں:

يُطَاعُ بِنَا الْأَعْدَا وَوَدُّوا لَوْ أَنَّنَا

تُسَدُّ بِنَا أَبْوَابُ تُرْكٍ وَكَابُلِ

”ہم اس امر کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ قریش ہمارے مقابلے میں (خدا کے بجائے) اعدا کا اِتباع کرتے ہیں اور انھیں ہم پر ترجیح دیتے ہیں مل کہ یہ لوگ تو چاہتے ہیں کہ اب ہم پر ترکستان اور کابل کے دروازے بھی بند کردیں (یعنی نزدیک و دُور کی ہر جگہ ہمارے لیے تنگ کردی جائے)“۔

كَذَبْتُمْ وَبَيْتِ اللهِ نَتْرُكَ مَكَّةً

وَنَظْعَنَ إِلَّا أَمْرُكُمْ فِي بَلَابِلِ

”(مگر اے قریش!) تم جھوٹے ہو اور اللہ تعالیٰ کے مقدس گھر کی قسم! تمھارا یہ گمان قطعی طور پر غلط ہے کہ ہم تمھاری دھمکیوں سے مرعوب ہوکر مکہ مکرمہ چھوڑ دیں گے۔ (اہلِ قریش!) تمھارے تمام ارادے لغو اور بے کار ہیں۔ (یاد رکھو! ہم اس وقت تک یہاں سے نہیں جائیں گے جب تک تم بھی بلاؤں اور مصیبتوں میں گرفتار نہ ہوجاؤ)“۔

كَذَبْتُمْ وَبَيْتِ اللهِ نُبْزَىٰ مُحَمَّدًا

وَلَمَّا نُطَاعِنْ دُوْنَهُ وَنُنَاضِلِ

”اور اللہ رب العزت کے مقدس گھر کی قسم! تم نے یہ بھی جھوٹ کہا ہے کہ ہم محمدؐ (رسولِ خدا) کا ساتھ چھوڑ دیں گے (اور تم ہم سے محمد (مصطفیٰؐ) کو چھین لو گے)۔ ہم اُن کی حمایت میں تم سے نیزوں اور تلواروں کے ذریعے مقابلہ کریں گے اور تم اپنے مذموم ارادوں میں اس وقت تک کام یاب نہیں ہوسکتے جب تک ہم نیزے اور تیر چلاتے چلاتے انؐ پر قربان نہ ہوجائیں“۔

وَنُسْلِمُهُ حَتّٰى نُصَرَّعَ حَوْلَهُ
وَنَذْهَلَ عَنْ اَبْنَائِنَا وَالْحَلَائِلِ

"اور تمھارا یہ گمان بھی سراسر غلط ہے کہ ہم محمد (مصطفیٰ) کو تمھارے حوالے کر دیں گے۔ ہم اُن کی مدد و نصرت کرتے رہیں گے یہاں تک کہ اُن کے سامنے جان دے دیں اور اپنے اہل و عیال سے جدا ہو جائیں"۔ [یاد رکھو! تمھاری یہ (ناپاک) خواہش اُس وقت تک پوری نہیں ہو سکتی جب تک کہ ہم ان کے گرد گھیرا بنائے لڑتے لڑتے گرا نہ دیے جائیں اور ہمارے حواس اس قدر معطل نہ ہو جائیں کہ ہم اپنی اولادوں اور بیویوں تک کو بھول جائیں]۔

وَيَنْهَضَ قَوْمٌ فِي الْحَدِيْدِ اِلَيْكُمْ
نُهُوْضَ الرَّوَايَا تَحْتَ ذَاتِ الصَّلَاصِلِ

"اور یہ بھی یاد رہے کہ محمدؐ کی حفاظت کے لیے بنو ہاشم کا ہر فرد آہنی ہتھیاروں سے لیس، اسلحہ کی جھنکار میں تمھاری طرف اس طرح بڑھے گا جیسے پانی لانے والے اُونٹ پانی کی چھنکار میں چلتے ہیں"۔ [بہ مطابق مترجم دیوان: (اور ہمارے مرنے کے بعد بھی) ایسے لوگ اُٹھیں گے جو اسلحوں سے لیس ہوں گے اور سیلِ رواں کی طرح چھا جائیں گے]۔ (1)

وَحَتّٰى يُرٰى ذُو الضِّغْنِ يَرْكَبُ رَدْعَهُ
مِنَ الطَّعْنِ فِعْلَ الْاَنْكَبِ الْمُتَحَامِلِ

"حتیٰ کہ لوگ دیکھیں گے کہ ہمارا کینہ توز دشمن نیزے کی ضرب

---

(1) مترجم کی مراد بہائے "بہالے جائیں گے" ہوگی۔

کھا کر لڑکھڑاتا ہوا اس طرح منھ کے بل گر رہا ہے جیسے کوئی شخص ایک جانب کو جھک جھک کر اُٹھتا ہے"۔ [بہ مطابق علامہ رضی جعفر: یہاں تک کہ کینہ پرور لوگوں کے کینوں کو اپنے نیزوں کے ذریعے ختم کر دیں گے اور دشمن منھ کے بل زمین پر گر پڑیں گے۔

وَاَنِّیْ لَعَمْرُ اللّٰہِ اِنْ جَدَّ مَا اَرٰی
لَتَلْتَبِسَنْ اَسْیَافُنَا بِالْاَمَاثِلِ

"اور جو کچھ میں اس وقت دیکھ رہا ہوں اگر یہی ہوا تو اللہ رب العزت کی قسم! ہماری تلواریں بڑے بڑے دشمن سرداروں کے جسموں کو چیر ڈالیں گی"۔ [بہ مطابق دیوانِ مترجم (اُردو): اور خدا کی قسم میری نگاہیں دیکھ رہی ہیں کہ (عن قریب) ہماری تلواریں قریش کے بزرگان کے ساتھ ٹکرانے والی ہیں]۔

بِکَفِّ امْرِیءٍ مِثْلِ الشِّھَابِ سَمَیْدَعٍ
اَخِیْ ثِقَۃٍ حَامِی الْحَقِیْقَۃِ بَاسِلِ

"ہماری تلواریں ان جواں مردوں کے ہاتھوں میں ہوں گی جو قابلِ اعتماد بھائی، حقیقی حامی، شجاعت کے پیکر اور شہابِ ثاقب کی طرح روشن اور چمکنے والے ہیں"۔

شُھُوْرًا وَ اَیَّامًا وَ حَوْلًا مُّجَرَّمًا
عَلَیْنَا وَتَاْتِیْ حِجَّۃٌ بَعْدَ قَابِلِ

"اور پھر یہ سلسلہ مہینوں اور دنوں تک جاری رہے گا حتیٰ کہ پورا سال گزرنے کے بعد دوسرا سال آئے گا اور پھر اس کے بعد ایک

اور سال آئے گا"۔ [یعنی صنادید عرب کے ساتھ یہ مقابلے اتنے طویل ہوں گے کہ دن مہینوں میں اور مہینے سالوں میں بدل جائیں گے اور ایک سال کے بعد دوسرا سال آجائے گا]۔

مذکرہ اشعار میں جناب ابوطالبؑ کا معبودِ حقیقی، خدائے لم یزل پر بھروسا اور دشمنانِ خدا و رسولؐ کو مجاہدانہ چیلنج آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ حضرت ابوطالبؑ مؤحد اور صاحب ایمان ہی نہیں حسنِ ایمان و اسلام تھے۔ آپ "ترکیب میں خاص" قوم رسولؐ ہاشمی کے پہلے تربیت گر تھے۔ اس متولیِ کعبہ، سردارِ بطحا اور سربراہِ خاندانِ ہاشمی نے اپنے اشعار میں تحفظِ اسلام اور حفاظتِ رسولؐ اسلام کے لیے اپنے جن وسائل کو بروئے کار لانے کا اعلان اپنے اشعار میں کیا۔ ان کا بیان چند نکات میں ملاحظہ کیجیے اور ابوطالبؑ کے عشقِ خدا، محبتِ رسولؐ، شعائر اللہ کی حفاظت اور ہاشمی شجاعت کا جائزہ لیجیے:

① حاجت براری کے لیے باطل خداؤں اور بتوں سے استعانت و حمایت طلب کرنے کے بجائے حرم کعبہ کے پردوں کو تھام کر عالمین کے رب کو الٰہ و معبود کے نام سے پکارتے ہوئے کفر و شرک کے شر و فساد سے پناہ طلب کرنا۔

② انتہائی مدبرانہ انداز میں ایک طرف کفار و مشرکین کو حرمتِ کعبہ اور دیگر شعائر اللہ کے تحفظ کے سلسلے میں پیدا ہونے والے خطرات سے متنبہ کرنا اور دوسری طرف دودمانِ ہاشمیہ کو ان شعائر کی حفاظت کے سلسلے میں مخصوص ذمہ داریوں کا احساس دلانا۔

③ بنی ہاشم کو بابِ ملتزم کے سامنے کھڑا کر کے رسولؐ ہاشمی کی حفاظت کا حلف اٹھوانا کہ یہاں کیے گئے ہر عہد کو پورا کرنا بہرحال ① ضروری سمجھا جائے گا خواہ اس سلسلے میں جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔

④ کفار مکہ کو نہایت بہادری اور جواں مردی سے انتباہ کرنا کہ اگر تم لوگ اپنی چالوں اور شرانگیزیوں سے باز نہ آئے تو پھر ہماری تلواریں مدتِ مدید تک بے نیام رہیں گی۔

---

① حقیقی تلفظ بہ ہر حال ہے البتہ اہلِ زبان بہرحال ہی بولتے ہیں۔

جنابِ ابوطالبؑ کا قصیدۂ لامیہ اور مدحِ مصطفیٰؐ

(ذکرِ توحید کے ساتھ ساتھ) عاشقانِ مصطفیٰؐ کے امام جناب ابوطالبؑ کفارِ مکہ کو اپنی شمشیرِ آب دار کی کاٹ اور تیز ترین دھار کا تعارف کروانے کے بعد رطب اللسان ہیں۔

وَمَا تَرْكُ قَوْمٍ لَا أَبَالَكَ سَيِّداً
يَحُوطُ الذِّمَارَ غَيْرَ ذَرْبٍ مَوَاكِلِ؟

"(وائے ہو تم پر!) کیا کوئی قوم ایسے سیّد و سردار (محمدؐ رسول اللہ) سے لاتعلق ہو سکتی ہے جو اپنے وعدوں کو مکمل طور پر نبھانے والے ہیں، نیز وہ بدزبانی کرتے ہیں نہ مفت کا مال کھاتے ہیں؟"۔

مترجم دیوانِ ابی طالبؑ اس شعر کے ترجمے میں رقم طراز ہیں:

"یاد رکھو! چاہے کچھ بھی ہو جائے ہم لوگ اپنے نبیؐ کو کبھی نہیں چھوڑ سکتے، کیوں کہ قوم کا اپنے عالی وقار سیّد و سردار کو چھوڑنا تو نہایت بُری بات ہے۔ (اور سیّد و سردار بھی ایسا ہی مکرمؐ) ہم اُسے کیسے چھوڑ سکتے ہیں"۔

وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ
ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِلْأَرَامِلِ

"وہ حسین اور روشن چہرہ سردار جن کے رُخِ انور کے وسیلے سے بارش طلب کی جاتی ہے اور جو یتیموں کی جائے پناہ اور بیواؤں کے نگہ بان ہیں"۔

يَلُوذُ بِهِ الْهُلَّاكُ مِنْ اٰلِ هَاشِمٍ
فَهُمْ عِنْدَهٗ فِيْ نِعْمَةٍ وَفَوَاضِلِ

"اور سردار بھی وہ جو اِس شان کے مالک ہیں کہ بنو ہاشم کے نادار اور ستم رسیدہ افراد اُن کے دامنِ شفقت میں پناہ لیتے ہیں (اور اُن کے فضل و رحمت کے سائے میں خوش حالی پاتے ہیں)۔ کیوں کہ وہ اُن کے لیے ایک بڑی نعمت اور عظیم احسان ہیں"۔

لَعَمْرِي لَقَدْ كُلِفْتُ وَجْداً بِأَحْمَدٍ
وَإِخْوَتِهِ دَأْبَ الْمُحِبِّ الْمُوَاصِلِ

"مجھے اپنی جان کی قسم! محمدِ مصطفیٰ احمدِ مجتبیٰ اور ان کے (چچازاد) بھائیوں (علیؓ و جعفرؓ) کی محبت میرے دل میں یوں رچ بس گئی ہے جیسے کوئی کسی کا دیوانہ ہوتا ہے" (کیوں کہ یہ دونوں ہر وقت حضورؐ پر اپنی جان فدا کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں)۔

أُقِيمُ عَلَى نَصْرِ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ
أُقَاتِلُ عَنْهُ بِالْقَنَا وَالْقَنَابِلِ
فَلَا زَالَ فِي الدُّنْيَا جَمَالاً لِأَهْلِهَا
وَزَيْناً لِمَنْ وَلَاهُ رَبُّ الْمَشَاكِلِ

"(اور دُنیا والوں کو ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ) میں محمد رسولُ اللہ کی مدد و نصرت میں ثابت قدم ہوں اور (جب ضرورت ہوگی ان کی حمایت کرتے ہوئے) اُن کے دُشمنوں سے نیزوں اور دیگر سامانِ حرب کے ساتھ مقابلہ کروں گا۔ پروردگار کی قسم! اُن کی ذات ہمیشہ سے سرچشمۂ جمال و کمال رہی ہے اور وہ ہر محبت کرنے والے کے لیے زینت کا باعث ہیں"۔

فَمَنْ مِثْلُهُ فِي النَّاسِ اَیُّ مُؤَمَّلٍ
اِذَا قَاسَهُ الْحُكَّامُ عِنْدَ التَّفَاضُلِ

""پس تمام دنیا کے لوگوں میں سے کون ہے جو آپ کی مثال و نظیر ہو سکے اور جس سے لوگوں کی اُمیدیں وابستہ ہوں۔ اگر اہلِ انصاف ہر قسم کے مختلف لوگوں کے فضائل کا اندازہ لگا کر (آپ سے موازنے کے بعد) فیصلہ کریں تو محمد مصطفیٰ ہی تمام انسانوں کی اُمیدوں کا مرکز قرار پائیں گے"۔

حَلِيْمٌ رَشِيْدٌ عَادِلٌ غَيْرُ طَائِشٍ
يُوَالِيْ اِلٰهًا لَيْسَ عَنْهُ بِغَافِلِ

""محمد بُردبار، ہدایت یافتہ، عدل و انصاف فرمانے والے اور غصے میں نہ آنے والے ہیں وہ اس معبودِ حقیقی سے محبت کرتے ہیں جو اُن سے کبھی غافل نہیں ہوتا"۔

ذکرِ توحید اور مدحِ مصطفیٰ پر مبنی یہ اشعار حضرت ابوطالبؑ کی ایک طویل نظم سے لیے گئے ہیں جسے مشاہیر علما نے قصیدۂ لامیہ کے نام سے یاد کیا ہے۔ یہ قصیدہ تمام ثقہ مصنفین کے نزدیک ایک مسلّمہ حقیقت کی حیثیت رکھتا ہے۔ (متفق علیہ بحوالہ دیوانِ ابوطالبؑ، سیرۃ ابنِ ہشام، خصائصِ کبریٰ، تاریخ کامل، سیرت حلبیہ، مواہب اللدنیہ ① وغیرہم)

حضرت ابوطالبؑ بہ طورِ ناصرِ نبیؐ

قبل ازیں خداوندِ قدوس کی توحیدِ خالص کے ساتھ ساتھ آپؑ نے نبیِ معظمؐ کی

---

① ترجمۂ قرآن حافظ فرمان علی کے حواشی میں اس کتاب کا نام مواہب لدنیہ لکھا ہوا ہے جو غالباً فارسی ترکیب ہے البتہ ب کے نیچے اضافت کا اہتمام ضروری ہے یعنی مواہبِ لدّنیہ۔

مدحِ صادق بھی ملاحظہ فرمائی۔ حضرت ابوطالبؓ کا اکثر کلام نعتِ نبیؐ پر مبنی ہے۔ یہاں چند مزید نعتیہ اشعار پیش کیے جا رہے ہیں جن سے آں حضرتؐ کی نبوت و رسالت و ختمیِ مرتبتؐ کی تصدیق بالقلب اور اقرار باللسان (دونوں) اظہر من الشمس ہیں:

وَلَقَدْ عَلِمْتُ بِاَنَّ دِیْنَ مُحَمَّدٍ
مِنْ خَیْرِ اَدْیَانِ الْبَرِیَّةِ دِیْنًا

"میں نے کامل یقین سے جان لیا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دین تمام ادیان سے افضل و برتر ہے"۔

اَنْتَ الرَّسُوْلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَعْلَمُهٗ
عَلَیْكَ نُزِّلَ مِنْ ذِی الْعِزَّةِ الْكُتُبُ

"ہم یہ جانتے ہیں کہ آپؐ ہی رسولِ برحق ہیں، جنھیں خدائے مُتعال نے مبعوث بہ رسالت فرمایا ہے اور اس ربّ العزت کی طرف سے آپ پر کتاب (قرآنِ مجید) نازل ہوئی ہے"۔

اَلَمْ تَعْلَمُوْا اَنَّا وَجَدْنَا مُحَمَّدًا نَبِیًّا
كَمُوْسٰی صَحَّ ذٰلِكَ فِی الْكُتُبِ

"تم سب جانتے ہو کہ محمد مصطفیٰؐ اسی طرح رسولِ خدا ہیں جیسے حضرت موسیٰؑ تھے اور یہ امر کتبِ آسمانی سے ثابت ہے"۔

وَشَقَّ لَهٗ مِنْ اِسْمِهٖ لِیُجِلَّهٗ
فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَهٰذَا مُحَمَّدٌ

"اللہ جل شانہ نے آپ کا نامِ نامی اسمِ گرامی (محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اپنے اسمِ مبارک ومحترم سے مشتق فرمایا ہے۔ پس وہ صاحبِ عرش محمود ہے اور یہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں۔

(بعض لوگ اس شعر کو حسان بن ثابت کا قرار دیتے ہیں جو یقیناً توارد کے

زُمرے میں آتا ہے، درحقیقت یہ شعر حضرت ابو طالبؑ ہی کا ہے)۔

حضرتِ ابو طالبؑ کے خطبات سے چند اقتباسات:

حضرت ابو طالبؑ نے نہ صرف شعر و سخن میں بل کہ نثر میں بھی خطبات کی صورت میں نبیِ اکرمؐ کی تعریف و توصیف فرمائی ہے۔ آپ کے خطبات سے چند اقتباسات بہ طور نمونہ پیش ہیں:

وَاللهِ لَكَاَنِّي بِهٖ وَقَدْ غَلَبَ لَهُ الْعَرَبُ وَالْعَجَمُ فَلَا يَسْبِقُنْكُمْ اِلَيْهِ سَائِرُ الْعَرَبِ فَيَكُوْنُوْا اَسْعَدَ بِهٖ مِنْكُمْ

"خدا کی قسم! میں نُورِ فراست سے دیکھ رہا ہوں کہ محمدؐ غالب ہیں اور عرب و عجم ان کے مُطیع ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ دوسرے عرب سعادتِ ایمانی میں تم پر سبقت لے جائیں"۔

يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ كُوْنُوْا لَهُ وُلَاةً وَلِحِزْبِهٖ حَمَلَةً وَاللهِ لَا يَسْلُكُ اَحَدٌ سَبِيْلَهُ اِلَّا رُشْدٌ وَلَا يَاخُذُ اَحَدٌ بِهَدْيِهٖ اِلَّا سَعْدٌ ا

"اے گروہِ قریش! آں حضرتؐ سے محبّت کرو اور ان کے قریب ہو جاؤ نیز ان کے گروہ کے مددگار بنو۔ خدا کی قسم جو آپ کا راستا اختیار کرے گا وہی ہدایت پائے گا اور جو آپ کی سیرتِ طیبہ پر عمل پیرا ہوگا وہ نیک بخت ہوگا"۔

لَنْ تَزَالُوْا بِخَيْرٍ مَا سَمِعْتُمْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَمَا اتَّبَعْتُمْ اَمْرَهٗ فَاَطِيْعُوْا تَرْشُدُوْا

"جب تک تم لوگ حضرت محمد ﷺ کی بات سنو گے اور اُن کے اَمر کا اِتباع کرو گے، تم ہمیشہ ہدایت یافتہ رہو گے"۔

(بحوالہ اسنی المطالب، مصنفہ علامہ برزنجی)

مُن درجہ صدر اشعار اور خطبات (کی سُطور) کے لفظ لفظ سے یہ بات عیاں ہے کہ حضرت ابوطالبؑ مصدِق اور مُقِرّ (تصدیق کرنے والے اور اقرار کرنے والے) مومن تھے۔ آپ دوسروں کو بھی ختمی مرتبتؐ پر ایمان لانے اور اسلام قبول کرنے کی ترغیب وتشویق دلاتے تھے بلکہ اس میں سبقت حاصل کرنے کا سبق دیتے تھے۔ نیز رسولِ خاتمؐ کی محبت ہی کو ہدایت اور سعادت کے حصول کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ گویا:

بمُصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبیست
(اقبالؒ)

شانِ رسولؐ میں ایک معروف قصیدہ:

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت ابوطالبؑ کی محبت، فداکاری اور جاں نثاری پر مبنی ایک معروف قصیدے کے یہ اشعار بھی ملاحظہ فرمایئے اور ان سے آپؑ کے عشقِ رسولؐ کا اندازہ کیجیے:

وَاَنْتَ النَّبِیُّ مُحَمَّدٌ
قَرْمٌ اَغَرُّ مُسَوَّدٌ

لِمسوَّدِیْنَ اَکارِمٍ
طَابُوْا وَطَابَ الْمَوْلِدُ

نَعَمَ الْاَرُوْمَۃُ اَصْلُھَا
عَمْرُو الْخِضَمُّ الْاَوْحَدُ

ھَشَمَ الرَّبِیْکَۃَ فِی الْجِفَا
وَعَیْشُ مَکَّۃَ اَنْکَدُ

فَجَرَتْ بِذَالِكَ سُنَّةٌ
فِيْهَا الْخَبِيْزَةُ تُسْرَدُ

وَلَنَا السِّقَايَةُ لِلْحَجِيجِ
بِهَا يُمَاثُ الْعُنْجُدُ

وَالمَأْ زَمانٍ وَمَا حَوتْ
عَرَفَاتُهَا وَالْمَسْجِدُ

أَنّٰى تُضَامُ وَلَمْ أَمُتْ
وَأَنَا الشُّجَاعُ الْعَرْبَدُ

وَبِطَاحُ مَكَّةَ لَا يُرىٰ
فِيْهَا نَجِيْعٌ أَسْوَدُ

وبنو أَبِيْكَ كَأَنَّهُمْ
أُسْدٌ الْعَرِيْنِ تُوَقَّدُ

وَلَقَدْ عَهِدْتُكَ صَادِقاً
فِي الْقَوْلِ لَا تَتَزَيَّدُ

(دیوانِ ابوطالبؑ، ص ۲۱ عربی متن)

"اے محمدؐ! آپؐ (ہی وہ صاحبِ شرف، سیّد و سردار) نبی ہیں، جنھیں قوم کی قیادت کے لیے چُن لیا گیا ہے۔ اے محمدؐ! آپؐ ان صاحبِ عزت سرداروں کی اولاد میں سے ہیں جو پاک تھے اور اے محمدؐ! آپؐ کی ولادت پاک و پاکیزہ ہے۔ (مترجم دیوان ہذا کے مطابق: آپ ان بلند مرتبہ صاحبانِ فضل و کرم کے آقا و

مخدوم ہیں جو اپنی خلقت و طینت میں پاک ہیں اور عادت و خصلت میں بھی۔

آپؐ کے خاندان کی عظمت کا کیا کہنا، وہ (بہترین) خاندان کہ جس کے مورثِ اعلیٰ عمرو (جناب ہاشم) جیسے سخی فیاض اور منفرد و ممتاز انسان تھے جنھوں نے قحط کے زمانے میں اہلِ مکہ کی ثرید سے متواتر دعوت کی۔ اور اس خاندان (بنو ہاشم) میں یہ رواج ہوگیا کہ لوگوں کو پیالوں میں دودھ اور سالن میں بھگوئی ہوئی روٹیوں کے ٹکڑے کھلاتے ہیں۔

اور ہمارے اس خاندان کے پاس حُجاج کو پانی پلانے (سقایت) کا منصب بھی ہے اور ہم لوگوں کو انگور بھی کھلاتے ہیں اور مازمان و ماحوت (مکہ مکرمہ کے دو مقام) اور عرفات کا میدان اور مسجد (بیت اللہ) سب کچھ ہماری تولیت میں ہے۔

(اے محمدؐ! آپ قطعاً مطمئن رہیں آپؐ پر ظلم ہرگز نہیں ہوسکتا) میں بے باک بہادر ہوں۔ جب تک کہ میں زندہ ہوں، کون آپؐ پر ظلم کرسکتا ہے جب تک کہ مکہ معظمہ کی وادیوں میں سیاہی مائل خون بہتا ہوا نظر نہ آئے، آپؐ پر کوئی ظلم نہیں کرسکتا (اور مکہ کی وادیوں میں خون ریزی نہیں دیکھی جاسکتی)۔ آپؐ کے خاندان والے ایسے بہادر ہیں جیسے بیشوں میں رہنے والے مشتعل شیر، جو (دشمنوں پر) اُچھل کر حملہ کرسکتے ہیں۔ اور اے محمدؐ! ہم نے ہمیشہ آپ کو صادق القول ہی پایا۔ آپ کی زبان سے کبھی خلافِ حقیقت بات سنی نہ مبالغہ آرائی۔ (اس کے بعد ایک اور شعر میں فرمایا جب

آپ انتہائی کم سن تھے۔ اُس وقت بھی آپؑ نے ہمیشہ سچی اور
اچھی بات کہی)"۔

واہ واہ! کیا کہنا جنابِ ابوطالبؑ کا! ابوطالبؑ کی پناہ کو اللہ رب العزت نے اپنی پناہ بے سبب نہیں کہا۔ ① ایسی پناہ گاہ ہی پناہ گاہِ خدا ہو سکتی ہے۔ رسولؐ خدا محمد مصطفیٰؐ کی حفاظت کے لیے ابوطالبؑ کے ضرغام ہر وقت تیار رہتے تھے۔

زمانہ بھر مخالف ہو محمدؐ کو نہیں پروا
ابوطالبؑ کے بیٹے ساتھ ہوں تو پھر بھلا کیا غم
ابوطالبؑ کے بیٹوں نے یہ ثابت کر دیا مظہرؔ
محمدؐ کی حفاظت کے لیے پیدا ہوئے ہیں ہم

مِشعلِ مَشعلِ ② رسالتؐ کا ایک اور نعتیہ قصیدہ

یہاں منبعِ فصاحت، سرچشمۂ بلاغت، نعت خوانِ اوّل، نگہ بانِ رسالت کا ایک اور قصیدہ بھی پیش کرنے کو دل چاہ رہا ہے جو علمائے حدیث کی تحقیق کے مطابق رسولؐ پاک کی ایک حدیث کی صورت اختیار کر گیا۔ (یہ قصیدہ دیوانِ ابوطالبؑ مطبوعہ مصر کے صفحہ ۱۵ اور شرح نہج البلاغہ، مصنفہ ابنِ ابی الحدید، مطبوعہ مصر، جلد ۳، ص ۳۱۵ پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے)۔

إِذَا اجْتَمَعَتْ يَوْماً قُرَيْشٌ لِمَفْخَرٍ
فَعَبْدُ مَنَافٍ سِرُّهَا وَصَمِيمُهَا

فَإِنْ حُصِّلَتْ أَشْرَافُ عَبْدِ مَنَافِهَا
فَفِي هَاشِمٍ أَشْرَافُهَا وَقَدِيمُهَا

---

① أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيماً فَآوَىٰ (سورۂ والضحیٰ)

② مشعلِ رسالت ابوطالبؑ ہیں جب کہ مشعلِ رسالت خود رسولِ معظم جو رسولِ اعظم و خاتم ہیں۔

فَإِنْ فَخَرَتْ يَوْماً ، فَإِنَّ مُحَمَّداً
هُوَ الْمُصْطَفَى مِنْ سِرِّهَا وَكَرِيمُهَا

تَدَاعَتْ قُرَيْشٌ غَثُّهَا وَسَمِينُهَا
عَلَيْنَا فَلَمْ تَظْفَرُوا طَاشَتْ حُلُومُهَا

وَكُنَّا قَدِيماً لَا نُقِرُّ ظُلَامَةً
إِذَا مَا ثَنَوْا صُعْرَ الْخُدُودِ نُقِيمُهَا

وَنَحْمِي حِمَاهَا كُلَّ يَوْمِ كَرِيهَةٍ
وَنَضْرِبُ عَنْ أَحْجَارِهَا مَنْ يَرُومُهَا

بِنَا انْتَعَشَ الْعُودُ الذَّوَاءُ ، وَإِنَّمَا
بِأَكْنَافِنَا تَنْدَى وَتَنْمَى أَرُومُهَا

"اگر خاندانِ قریش کے افراد فخر ومباہات کے لیے جمع ہوں تو ان کے تمام مفاخر اور فضائل کا راز عبدِ مناف ہوں گے۔ اور اگر تمام اولادِ عبدِ مناف کے اشراف کو جمع کیا جائے تو اُن میں فضل وشرف اور قدامت کا راز جنابِ ہاشمؑ ہوں گے اور اگر حضرت ہاشمؑ کی اولاد فخر ومباہات کرے تو یقیناً حضرت محمد مصطفیؐ ان میں پسندیدہ (ترین، لائقِ فخر) اور شرف وکرامت کا باعث قرار پائیں گے۔

(یہ ہے پہلے تین شعروں کا بامحاورہ ترجمہ)

[حضرت محمدؐ کی تعریف وتوصیف کے بعد جنابِ ابوطالبؑ نے (چوتھے شعر میں) دشمنانِ رسولؐ کی حقیقت کو کچھ اس طرح فاش کیا] قریش کے نیک وبد اور کم زور وتوانا سب لوگ مل کر اُن کی

مخالفت پر کمربستہ ہو گئے ہیں مگر پھر بھی وہ اپنے ناپاک مقاصد میں کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔ ان کی عقلیں زائل ہو کر رہ گئی ہیں۔

(پھر آپؑ نے بنی ہاشم کی طاقت وعظمت کا اظہار اس طرح فرمایا:)

اور ہم تو زمانہ قدیم ہی سے ظالم کو ظلم کا مزہ چکھانے والے ہیں جب لوگ سخت ناراض (غضب ناک اور غصے) ہو کر ہماری طرف مڑتے ہیں تو ہم اُن کے کس بل نکال کر انھیں (بالکل) سیدھا کر دیتے ہیں۔ [یہ ترجمہ بھی مناسب ہے کہ اگر کوئی شخص ہمارے خلاف اپنا جبڑا ٹیڑھا کرے (یعنی منھ چڑھائے) تو ہم اُسے سیدھا کرنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں]۔

پانچویں شعر میں فرماتے ہیں:

اور ہم ہی مصیبت کے وقت قریش کی حمایت کرنے والوں میں پیش پیش رہے ہیں اور ان پر حملہ کرنے والوں کو مار بھگاتے رہے ہیں۔ (بعض کے مطابق اس شعر میں مقصودِ حمایت حضور نبی کریمؐ ہیں، لہٰذا ترجمہ یہ ہوگا: ''ہم لوگ ہر روز (رسولؐ خدا کی حفاظت کے لیے) میدانِ جنگ میں کود پڑنے کے لیے تیار ہیں، اور پتھر جس طرف سے آئے اسی طرف پلٹا دیں گے''۔

(نیز) ہمارے وسیلے ہی سے قریش کی جڑیں تروتازہ ہو کر بڑھ رہی ہیں اور ہماری قوت ہی کے ذریعے سے اُن کی جھکی ہوئی شاخیں بلند ہوئی ہیں''۔

(بعض کے مطابق سوکھے پتوں میں بھی ہماری نصرت وحمایت کی

بنا پر شادابی نظر آتی ہے اور وہ ہرے بھرے ہوجاتے ہیں۔

اس کے بعد کے دو شعروں کا (محض) ترجمہ یہ ہے:

- ہمارے ہی خاندان کے لوگ ہر دور میں سیّد و سردار ہیں جن کی عظمت کو کوئی للکار نہیں سکتا۔
- (مستقبل میں) ساری دُنیا ان کی اطاعت میں سرنگوں ہوگی اور زمین کے چپے چپے پر اُن کے نشانات کرامت رقم ہوں گے۔

خاندانِ قریش میں حضرت عبدِ مناف جناب ہاشمؑ اور محمد مصطفیٰؐ کے عظیم مقامات اور قریش پر اُن کے احسانات کو آپ نے ملاحظہ کیا۔ انھی محسنین میں حضرت ابوطالب خود بھی شامل تھے لیکن اکثر قریش نے نمک حرامی اور احسان فراموشی کی اور خاندا عبدِ منافؑ و ہاشمؑ کے چشم و چراغ (محمد مصطفیٰؐ) کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔

محسن کشی کی رسم بہت ہی قدیم ہے
احمدؐ کے دشمنوں سے توقع اسی کی تھی
(ابوالعلی والحسن)

لیکن حضرت ابوطالبؑ بھی اپنی اور اپنے اہلِ خاندان کی طرف جذبۂ فداکاری کا اظہار کرتے ہوئے نبیِ معظمؐ کو زبان دے چکے تھے:

مُحَمَّدُ تَفْدِ نَفْسَكَ كُلُّ نَفْسٍ
إِذَا مَا خِفْتَ مِنْ شَيْءٍ تَبَالًا

''اے محمدؐ آپؐ پر اگر کسی قسم کے خطرے یا مصیبت و پریشانی کا اندیشہ ہوا تو ہر شخص کو اپنی جان آپؐ کے قدموں میں نثار کر دینی چاہیے''۔

تاریخِ اسلام کے پہلے نعتیہ کلام (قصیدۂ لامیہ) کا منظوم اُردو ترجمہ ①

کھلا جب سے مجھ پہ یہ رازِ حقیقت　　کہ باقی رہی قوم میں کچھ نہ اُلفت
ستم ڈھائے ہم پر، تھی ایسی شقاوت　　کہ پوشیدہ تھی ہر اذیت میں نُدرت
زمانے میں جو لوگ بدنام تھے　　وہی لوگ ان کے مقرب بنے
تحفظ وہ شے تھی جو درکار تھی　　مری ساتھی بس میری تلوار تھی
درِ کعبہ پر بھائیوں کو بلا کر　　پکڑ لی ردائے حرم ہاتھ اُٹھا کر
بڑی اہمیت کا یہ دروازہ حامل　　قسم کھاتے ہیں لوگ اس کے مقابل
بٹھاتے ہیں اپنے شتر اس کے پاس　　اُساف اور نائل کو دینے سپاس
مگر اِن بتوں سے نہیں مجھ کو کام　　پنہ مانگتا ہوں میں رب سے مدام
میں ان بت پرستوں سے رہتا ہوں دُور　　بلاتے ہیں جو مجھ کو بت کے حضور
میں اس کی تاسّی میں ہوں بخدا　　کہ شاہد ہے خود جس کا کوہِ حرا
قسم ربِ کعبہ کی اور اس کے گھر کی　　وہی ہے دوا جس نے دل پر اثر کی
قسم حجرِ اسود کی وہ پاک پتھر　　جسے چومتے لوگ ہیں دن میں اکثر
وہ سنگِ براہیمؑ ، اُس کی قسم　　وہ اَسلاف تھے میرے ہے یہ رقم
قسم ہے سعی کی جو ہے بے مثال　　زمانے میں اس کو نہ ہوگا زوال
ہے سوگند ان حاجیوں کی مجھے　　جو پیدل سفر سے کبھی نہ تھکے
قسم مجھ کو میدانِ عرفات کی　　خدا کے حضور اس مناجات کی
قسم اس کی جو ہے منیٰ والی شب　　ٹھہر جاتے ہیں حاجی یاں سب کے سب
اور اب میں رمی کی طرف آتا ہوں　　میں اس رُکن کی بھی قسم کھاتا ہوں
یہی بالحقیقت ہیں جائے پنہ　　نہیں کوئی معبد خدا کے سوا

① از پروفیسر سیّد غلام عباس مرحوم

یہ مکہ کے باسی بہت خوب ہیں ‏ ‏ ہمارے عدو ان کو محبوب ہیں
یہ احمق سمجھتے ہیں ڈر جائیں گے ہم ‏ ‏ اور اپنے وطن سے نکل جائیں گے ہم
یہ جاہل اس حسرت میں مر جائیں گے ‏ ‏ نہ مغلوب احمدؐ کو کر پائیں گے
ہے ان جاہلوں کو یہ ہم سے گماں ‏ ‏ محمدؐ کو دے دیں گے ہوکر پریشاں ①
عداوت محمدؐ سے جو بھی کرے گا ‏ ‏ وہ مٹ جائے گا نام لیوا نہ ہوگا
ہے ہمت کسی میں تو آئے مقابل ‏ ‏ قسم ربِ اکبر کی، ہوں اس کا قاتل
لڑیں گے مرے ساتھ ایسے جواں ‏ ‏ شجاعت کے پیکر فتح کے نشاں
اسی طرح ہم لوگ لڑتے رہیں گے ‏ ‏ برس حج کے پیہم گزرتے رہیں گے
بلاشک محمدؐ ہی سردار ہیں ‏ ‏ جہاں میں وہ عظمت کا مینار ہیں
یتیم اور بیواؤں کے ہیں وہ آقا ‏ ‏ ہے اِک پیکرِ نُور ان کا سراپا
مربی ہیں نادار و مجبور کے ‏ ‏ وہ والی ہیں ہر ایک مقہور ② کے
ہمارے عدو کی نہیں کوئی حد ‏ ‏ اُسید اور ابنِ اُسید ہیں اشد
اور عثمان و قُنفذ بھی بے کار ہیں ‏ ‏ وہ اپنے قبیلوں سے لاچار ہیں
سبیع اور نوفل بھی ہیں بے ضمیر ‏ ‏ ہیں کفر و جہالت کے وہ بھی اسیر
ابوعَمرو کی تو عجب ہے شقاوت ‏ ‏ ہے ایمان اس کا ہماری عداوت
دغابازی میں ہے وحید و فرید ‏ ‏ جسے لوگ کہتے ہیں ابوالولید
اور عتبہ تو ان سب کا سردار ہے ‏ ‏ جفاکار ہے، وہ خطاکار ہے
وہ بدمست بالکل ہی حیوان ہے ‏ ‏ وہ اجہل جو بابائے سُفیان ہے
وہ بزدل بھگوڑا ٹھہرتا نہیں ‏ ‏ کسی ایک جا پہ وہ رُکتا نہیں
ہے مُطعِم بھی ان سب میں اِک کم نَسب ‏ ‏ وہ احساں فراموش اور بے اَدب

① مصرع بے وزن ہے۔
② یہاں مقہور سے مظلوم مراد لی جائے۔

پُجاری ہیں ان سب کے جو خود ہیں باطل
بنی خلف ہوں یا کہ ہوں وہ عُزیا طِل①

عرب میں قبیلے ہی دو محترم ہیں
بنی قصی②، ہاشم ہی وجہِ حشم ہیں

بنی سہم و مخزوم عزت سے عاری
لگاتے ہیں چھپ چھپ کے وہ ضربِ کاری

بنی عبد ہوتے تھے عربوں کی جان
نہ باقی رہی ان میں ماضی کی شان

بنی لُوئی③ بھی ہوگئے بدخصال
ہیں مفقود اب ان میں تھے جو کمال

بنی مَعد ہیں دو جہاں میں رذیل
اور اُن سے ہیں بدتر بہ درجہ نفیل

بنی قصی کو دو یہ میرا پیام
ہماری کمک ہے اب اُن پہ حرام

کسی وقت بھی گر مصیبت میں ہوں
تو طالب ہماری مدد کے نہ ہوں

نہیں ہیں بنی جَمح کے فرد بچے
ہیں ایک ہندی رقاصہ کے سارے بچے

اور ہم ہیں کہ شرفا کی اولاد ہیں
ہم اطوار میں مثلِ فولاد ہیں

وہ لختِ جگر میری ہم شیر کا
دَھنی بات کا، مردِ شمشیر کا

وہ عزّ و شرافت کا سرتاج ہے
جہانِ بشریت کی معراج ہے

ملے زندگی گر مجھے یک سَو بار
تو احمدؐ پہ کر دوں میں یہ سب نثار④

بر آئے خدا میرے دل کی مُراد
محمدؐ ہمیشہ رہیں شادباد⑤

کہ سیرت میں ان سے نہیں کوئی افضل
محمدؐ ہیں آخر، محمدؐ ہیں اوّل

نہیں عدل میں کوئی اُن سے سِوا
بزرگ اور برتر ہیں بعدِ خدا

مِرا دل منوّر ہے اسلام سے
نہیں خوف دشمن کے اِلزام سے

زمانے کا ہو خواہ کچھ بھی چلن
نبیؐ کی ثنائی میں ہوں میں مگن

وہ صادق ہیں یہ ہے حقیقت جَلی
مِرا بیٹا لاریب حق کا ولی

جن اَسلاف کے ہیں نبیؐ ارجمند
نہ پہنچے گی اُن کو کبھی بھی گزند

میں ان کے لیے ہر خطر سے لڑا
حفاظت کا ہر حق ادا کردیا

خدا نے بھی ہم سب کی امداد کی
بالآخر فتح دینِ حق کو ملی

کمالات کے ہیں مرقّع محمدؐ
ہیں اپنے سلف میں معلّیٰ محمدؐ

نہیں خونیں رشتے کی اب قدر و قیمت
ہے ایماں سے بڑھ کر نہیں کوئی دولت

① بنی حنظلہ مراد ہے۔ ② صحیح تلفظ قُصَیّ ہے قصی غلط العام تصور کیا جائے۔ ③ صحیح تلفظ لُؤَیّ ہے، لوئی غلط العام! ④ و ⑤ دونوں مصرعے ممکنہ اصلاح کے بعد درج کیے گئے ہیں (مظہر)۔

جنابِ ابوطالبؑ کا (متولّیِ کعبہ کی حیثیت سے) منظوم مخطوط ①

ہجرتِ حبشہ کے اسباب و واقعات سے کون واقف نہیں۔ نجاشی کے دربار میں ایک طرف پسرِ ابوطالبؑ (جنابِ جعفر طیارؑ) کی سفارت کائناتِ عالم میں بے مثل و بے مثال ہے تو دوسری طرف پدرِ جعفرِ طیار (جنابِ ابوطالبؑ) کا تاریخی کردار بھی تا قیامِ قیامت لوحِ عالم پر جلوہ افروز رہے گا۔ آپؑ نے عمرو بن عاص وغیرہ کے ناپاک مقاصد میں کامیابی کے خدشے کے پیشِ نظر متولّیِ کعبہ اور ملّتِ ابراہیمی کے نمائندۂ حقیقی کی حیثیت سے نجاشی (بادشاہِ حبشہ) کو ایک منظوم مخطوطہ ارسال فرمایا، اس کے چند اشعار نظر نواز ہیں:

أَلَا لَیْتَ شِعْرِیْ کَیْفَ فِی النَّاْیِ جَعْفَرٌ
وَعَمْرٌو وَ اَعْدَاءُ النَّبِیِّ الْاَقَارِبُ

فَهَلْ نَالَ اَفْعَالَ النَّجَاشِیِّ جَعْفَراً
وَاَصْحَابُهُ اَوْ عَاقَ ذٰلِكَ شَاغِبُ

تَعَلَّمْ اَبَیْتَ اللَّعْنَ اَنَّكَ مَاجِدٌ
کَرِیْمٌ . فَلَا یَشْقٰی لَدَیْكَ الْمُجَانِبُ

تَعَلَّمْ بِاَنَّ اللّٰهَ زَادَكَ بَسْطَةً
وَاَفْعَالَ خَیْرٍ کُلُّهَا بِكَ لَازِبُ

وَاَنَّكَ فَیْضٌ ذُوْسِجَالٍ غَزِیْرَةٍ

---

① اردو میں مخطوط بھی مستعمل ہے۔

يَنَالُ الْأَعَادِيْ نَفْعَهَا وَالْأَقَارِبُ

حضرتؑ نے نجاشی کو حضور نبی کریمؐ کے بارے میں درج ذیل اشعار لکھے:

اَتَعْلَمُ مَلِكَ الْحُبْشِ اَنَّ مُحَمَّداً
نَبِيٌّ كَمُوْسٰى وَالْمَسِيْحِ ابْنِ مَرْيَمِ

اَتٰى بِهُدًى مِثْلَ الَّذِيْ اَتَيَابِهٖ
كُلٌّ بِاَمْرِ اللّٰهِ يَهْدِيْ وَيَعْصِمُ

وَاِنَّكُمْ تَتْلُوْنَهٗ فِيْ كِتَابِكُمْ
بِصِدْقِ حَدِيْثٍ لَا بِصِدْقِ التَّرَجُّمِ

فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ نِدًّا وَاَسْلِمُوْا
وَ اِنَّ طَرِيْقَ الْحَقِّ لَيْسَ بِمُظْلِمِ

(دیوانِ ابوطالبؑ)

کاش مجھے معلوم ہو سکتا کہ میرا غریب الدّیار بیٹا جعفرؑ کس حال میں ہے۔ کاش مجھے اطلاع مل جاتی کہ دشمنانِ نبیؐ، عمرو بن عاص وغیرہ، نے وہاں کیا کردار ادا کیا ہے؟ اور کتنے تعجب کی بات ہے کہ نبی اکرمؐ کی مخالفت وہ کر رہے ہیں جو اُن کے قرابت دار بھی ہیں۔

اور کاش مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ نجاشی نے جعفرؑ اور اُن کے ساتھیوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا۔ کہیں وہ (عمرو جیسے شرپسندوں کی باتوں میں آ کر) غلط رویہ نہ اختیار کر چکا ہو؟ (کہیں کوئی بدسرشت نجاشی کے اچھے سلوک میں رکاوٹ نہ بن گیا ہو)۔

(پھر عیسائی مذہب کے اہلِ کتاب نجاشی بادشاہ کو براہِ راست مخاطب کر کے فرمایا:) اے نجاشی تم ایک ذی عزت اور کریم النفس انسان ہو، تمھاری پناہ میں آنے والے کہیں مصائب کی زد میں نہ آجائیں (اس امر کا خیال رکھنا)۔

تمھیں اس بات کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ اللہ جلّ شانہ نے تمھیں فراواں مال و دولت عطا کر رکھا ہے اور تمھیں ایسے وسائل بھی میسّر ہیں جنھیں بہ رُوے کار لا کر تم نیکی اور بھلائی کے کام کر سکتے ہو (نجاشی کو اُسے میسّر مال و دولت کے خزانوں کی یاد دلانے کا مقصد یہ تھا کہ بادشاہِ حبشہ کہیں قریش کے قیمتی تحائف سے متاثر ہو کر اُن کی بات نہ مان جائے، لہٰذا ابوطالبؑ مزید فرماتے ہیں:)

(اے شاہِ حبشہ! تمھیں ان تحائف کی کیا ضرورت) تم تو خود انتہائی فیاض و جوّاد ہو اور لوگوں کو کثیر عطیات دینے والے ہو حتیٰ کہ تمھاری جود و سخا تو دوستوں اور دشمنوں (دونوں) کے لیے فائدہ مند ہے۔

حضرتؑ نے نجاشی کو رقم فرمایا:

(اے نیکوکار انسان!) تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ (ہمارے نبیؐ) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی مانند نبی ہیں۔ آپؐ ہمارے پاس اُسی طرح رُشد و ہدایت کا پیغام لے کر آئے ہیں جس طرح کا موسیٰ و مسیح علیہما السلام لے کر آئے تھے

اور ظاہر ہے کہ ہر ایک نبی امرِ الٰہی سے (لوگوں کو) راہِ ہدایت پر چلانے والا اور گم راہی کے راستے سے بچانے والا ہے۔

اور تم لوگ تو ان کے بارے میں اپنی کتبِ سماوی میں سچی باتیں (پیش گوئیاں) پڑھ ہی چکے ہو۔ لہٰذا دیکھ کر کسی کو خدا کا شریک نہ ٹھہراؤ بل کہ اسلام قبول کرلو اور حق کا راستہ تو اتنا روشن ہے کہ اس میں کوئی تاریکی (موجود ہی) نہیں ہے۔

(اور اے نجاشی! تم تو ایسے نیک فطرت اور عالی ظرف انسان ہو کہ جب بھی کوئی گروہ تمھارے پاس کوئی اُمید لے کر آتا ہے وہ مایوس نہیں لوٹتا بل کہ تم اُسے نہایت تکریم سے لوٹاتے ہو")۔

یہ ترجمہ دیوانِ ابوطالبؑ جدید سے ہٹ کر ایک دیگر شعر کا (اضافی) ترجمہ ہے، جس کا قافیہ بِالتَّکَرُّمِ ہے اور اکثر کتب میں موجود ہے۔

ملاحظہ کیجیے جنابِ ابوطالبؑ کی بصیرت و فراست کہ ایک طرف نجاشی کے اوصاف کو بلا مبالغہ بیان فرما کر اُس کی عزت افزائی کر رہے ہیں جب کہ دوسری طرف اُسے اہلِ حق کا ساتھ دینے کی تحریک دے رہے ہیں کہ ہم ایک ہی سلسلۂ رُسُل کے پیرو ہیں، لہٰذا مسلمانوں کی حمایت تم پر فرض ہے۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ نجاشی کے لیے اسلام کو قبول کرنے کی ایک دعوت بھی ہے۔ (جسے اُس نے قبول کیا اور مسلمان ہوگیا۔ گویا اس ضمن میں ابوطالبؑ داعیِ اسلام بھی ہیں)۔

جنابِ ابوطالبؑ کا (شعبِ ابی طالبؑ میں) بنو ہاشم سے منظوم خطاب

شعبِ ابی طالبؑ میں محصور کیے جانے کے دوران میں نگہ بانِ اسلام

ناصرِ سیدالانام جنابِ ابوطالبؑ نے خاندانِ بنی ہاشم کو مخاطب کرتے ہوئے سرکار رسالت مآب ﷺ کی مدح سرائی کرتے ہوئے اور قریش کے لوگوں کو ان کی مخالفت سے روکتے ہوئے فرمایا:

اَلَا اَبْلِغَا عَنِّی عَلٰی ذَاتِ بَیْنِنَا
لُؤَیًّا وَخُصَّا مِنْ لُؤَیٍّ بَنِی کَعْبِ
اَلَمْ تَعْلَمُوْا اَنَّا وَجَدْنَا مُحَمَّدًا
نَبِیًّا کَمُوْسٰی خُطَّ فِی اَوَّلِ الْکُتُبِ
وَاَنَّ عَلَیْهِ فِی الْعِبَادِ مَحَبَّةً
وَلَا خَیْرَ مِمَّنْ خَصَّهُ اللّٰهُ بِالْحُبِّ

"(عزیزانِ من! اگرچہ اُن (قریش) کے اور ہمارے درمیان اس وقت سخت رنجشیں موجود ہیں لیکن پھر بھی) تم جنابِ لُوَیّ کے تمام خاندان کو بالعموم اور ان کے بیٹے جنابِ کعب کی اولاد کو بالخصوص میرا یہ پیغام پہنچا دو: کیا تم لوگ ابھی تک یہ نہیں جان سکے کہ ہم نے حضرت محمدؐ کو ویسے ہی نبی پایا جیسے حضرت موسیٰؑ (اللہ کے) نبی تھے، جن کا ذکر پہلی (آسمانی) کتابوں میں موجود ہے اور اُنھیں یہ بھی بتا دو کہ محمدؐ ہی وہ خاص ہستی ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنی خصوصی مہر و محبت کا نزول فرمایا ہے۔ بتاؤ تو بھلا اس ذات سے بالا و برتر کون ہو سکتا ہے جسے خود اللہ سبحانہٗ نے اپنی محبت کے لیے مختص فرمایا ہو"۔ [اور تم لوگ یہ بات بھی اچھی طرح یاد رکھو کہ اُنؐ کی محبت لوگوں کے دلوں میں راسخ ہو کر رہے گی، (بمطابق ترجمۂ دیگر احباب)]۔

وَاَنَّ الَّذِیْ اَلصَقْتُمُوْا مِنْ کِتَابِکُمْ
لَکُمْ کَائِنٌ نَحْساً کَرَاغِیَۃِ السَّقْبِ
اَفِیْقُوْا اَفِیْقُوْا ، قَبْلَ اَنْ یُحْفَرَ الثَّرٰی
وَیُصْبِحَ مَنْ لَمْ یَجْنِ ذَنْباً کَذِی الذَّنْبِ
وَلَا تَتْبَعُوْا اَمْرَ الْوُشَاۃِ وَتَقْطَعُوْا
اَوَاصِرَنَا بَعْدَ الْمَوَدَّۃِ وَالْقُرْبِ

"اور ہاں یہ بھی یاد رکھو کہ تم نے جو ہمارے بائیکاٹ کا معاہدہ (حلف نامہ) تحریر کر کے لٹکا رکھا ہے وہ تمھارے لیے اسی طرح ہلاکت اور بربادی کا باعث ثابت ہوگا جس طرح اونٹنی کا بچہ قومِ ثمود کی ہلاکت کا سبب بنا تھا۔ لہٰذا اے لؤی اور کعب کے اہلِ خاندان! ہوش کے ناخن لو (سردارانِ قریش بیدار ہوجاؤ، بیدار ہوجاؤ) اور اس سے پہلے سنبھل جاؤ کہ جب زمین میں تمھاری قبریں کھودی جائیں اور بے گناہ بھی گناہ گاروں پر آنے والے عذاب کی لپیٹ میں آجائیں (گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جائے)۔

(میں تمھیں خبردار کرتا ہوں کہ) غیبت کرنے والے چغل خوروں اور جھوٹی باتیں بنانے والے لوگوں کے دام میں نہ آؤ اور ہمارے ساتھ محبت و قربت کے بعد تعلقات مت توڑو (یعنی ہمارے ساتھ اپنے روابط کو منقطع نہ کرو)"۔

وَتَسْتَجْلِبُوْا حَرْباً عَوَاناً وَرُبَّمَا
اَمَرَّ عَلٰی مَنْ ذَاقَہٗ جَلَبُ الْحَرْبِ

فَلَسْنَا وَرَبِّ الْبَيْتِ نُسْلِمُ اَحْمَداً
لِعَزَّاءِ مِنْ عَضِّ الزَّمَانِ وَلَا كَرْبِ
وَلَمَّا تَبِنْ مِنَّا وَمِنْكُمْ سَوَالِفُ
وَاَيْدٍ اُتِرَّتْ بِالْقُسَاسِيَّةِ الشُّهْبِ
بِمُعْتَرَكٍ ضَنْكٍ تُرَى كِسَرُ الْقَنَا
بِهِ وَالنُّسُوْرُ الطُّخْمِ يَعْكِفْنَ كَالشَّرْبِ
كَاَنَّ صُهَالَ الْخَيْلِ فِي حَجَرَاتِهِ
وَمَعْمَعَةَ الْاَبْطَالِ مَعْرِكَةُ الْحَرْبِ

"اور (خبردار) ایسی جنگ کو آواز نہ دو، جو دیر تک جاری رہنے والی ہے (یعنی کھلی جارحیت نہ کرو اور معرکۂ کارزار گرم نہ کرو)۔ کیوں کہ جو جنگ کی ابتدا کرتے ہیں یا جنگ کو آواز دیتے ہیں ان کے لیے جنگ کا ذائقہ اکثر تلخ ہوتا ہے۔

(اور یہ بات بھی ذہن نشین کرلو کہ) ربِ کعبہ کی قسم! ہم احمدِ مجتبیٰ کو شدائدِ زمانہ کے سبب سے چھوڑ سکتے ہیں نہ کسی (اور) بڑی سے بڑی مصیبت کی سختی کے خوف سے۔

نیز جان لو کہ ہم آں حضرتؐ کو اُس وقت تک خود سے کبھی الگ نہیں ہونے دیں گے جب تک کہ "قاسی اقساسیہ" کی چمکتی تلواروں سے ہماری گردنیں کاٹ نہ دی جائیں اور ہمارے ہاتھ قلم نہ کردیے جائیں (یہ الفاظ ترجمۂ معکوس جب تمہاری گردنیں ہماری تلواروں کے سامنے نکلیں گی اور ہاتھ اُٹھیں گے تو دھاردار شمشیریں اُنھیں اُڑا کر رکھ دیں گی)۔

اور یاد رکھو ہماری گردنیں یوں ہی نہیں کٹ سکتیں بل کہ یہ کام تو زبردست قسم کے میدانِ کارزار کا متقاضی ہے۔ایسے میدانِ کارزار کا جس میں سیاہ گردنوں والے گدھ شرابیوں کی مانند حلقہ بنائے بیٹھے بیٹھے جھوم رہے ہوں گے۔[مراد بڑے بڑے سردار (میدانِ جنگ میں زخموں سے چور ہو کر) زمین پر گرتے ہوئے نظر آئیں گے] اور جس دن یہ معرکہ بپا ہوگا اُس دن گھوڑوں کی بھاگ دوڑ نیز ہنہناہٹ اور جنگ بازوں کی آوازوں سے قیامت کا سماں ہوگا'' [بعض کے مطابق (اس جنگ میں) بڑے بڑے سورماؤں کی کھوپڑیاں (شمشیرزنی کی شدت کی بنا پر گویا) اُڑ رہی ہوں گی]۔

أَلَيْسَ أَبُونَا هَاشِمٌ شَدَّ أَزْرَهُ
وَأَوْصَى بَنِيهِ بِالطِّعَانِ وَبِالضَّرْبِ
وَلَسْنَا نَمَلُّ الْحَرْبَ حَتَّى تَمَلَّنَا
وَلَا نَشْتَكِيْ مَا قَدْ يَنُوبُ مِنَ النَّكْبِ
وَلٰكِنَّنَا أَهْلُ الْحَفَائِظِ وَالنُّهٰى
إِذَا طَارَ أَرْوَاحُ الْكُمَاةِ مِنَ الرُّعْبِ

''اچھا تو یہ بتاؤ کہ کیا ہمارے جد ہاشمؓ نے جنگ کے لیے کمر نہ باندھی تھی (یا پشت مضبوط نہ کی تھی؟) اور کیا اُنھوں نے اپنی اولاد کو نیزہ بازی و شمشیرزنی کی وصیت نہ کی تھی۔

تم جانتے ہو کہ ہم اس وقت تک جنگ سے تنگ نہیں آتے جب تک جنگ خود ہم سے تنگ نہ آجائے اور نہ ہم خود پر آنے والے مصائب کا شکوہ کرتے ہیں۔

مگر اس کے علی الرغم، یہ بات ضروری ہے کہ ہم غیرت اور عقل دونوں کے مالک ہیں اور ایسے مشکل ترین اوقات میں بھی ہمارے ہوش و حواس قائم رہتے ہیں (اور ہم صاحبِ حمیت و غیرت اور اہلِ عقل و دانش ثابت ہوتے ہیں) جب مناظرِ جنگ سے مرعوب ہو کر زرہ پوش بہادروں کی روحیں پرواز کرنے لگتی ہیں"۔

(سیرۃ ابن ہشام، ج ا، ص ۱۶۵۔ البدایہ والنہایہ، ج ۳، ص ۶۷۔ روض الانف، ج ا، ص ۱۶۵۔ اسنی المطالب، ص ۹)

متذکرہ صدر قصیدے میں حضرت عمرانؑ والدِ کلِ ایمان کے اعلانِ حق عرفان سے اُن کے زینتِ گلستانِ ہاشمی اور حاملِ حُسنِ نبویؐ ہونے کا صاف پتا چل رہا ہے۔ لاریب عمِ سلطانِ انبیاءؑ، والدِ امامِ اولیاءؑ، نبوت پناہ اور ولایت نگاہ تھے۔ آپؑ کا جینا مرنا دینِ محمدیؐ کی بقا کے لیے تھا۔ اس قصیدے میں آپؑ نے قریش سے صلہ رحم کا حق نبھایا ہے اور بنوہاشم کے دلوں میں حُبِ رسالت کا جذبہ بھی اُبھارا ہے۔ آپؑ نے تحفظِ رسالتؐ کے لیے ایسا پیغامِ شجاعت دیا جو آپؑ کی تربیت سے حیدرِ کرار کی صورت میں مجسم ہو کر فصیلِ اسلام بن گیا۔

یہ تو ہے بس ابوطالبؑ کے پسر کی ہمت
ایک انگلی پہ اُٹھا سکتا ہے خیبر کوئی

(وحیدؔ)

شعب ابی طالبؑ سے رہائی کے بعد حمد و نعت

سردارِ قریش، رئیسِ مکہ، شیخ بطحا حضرت ابوطالبؑ نے بنوہاشم کی شعب ابی طالبؑ سے رہائی کے بعد ایک عظیم مبلّغِ دین کی طرح فریضۂ تبلیغ ادا کرتے ہوئے کفار کے سامنے ختمی مرتبتؐ کی شان و عظمت کا اظہار یوں فرمایا ہے کہ آپؐ کے حسب و نسب میں بہترین ہونے، اللہ کا نبی ہونے، شجاع و جری ہونے صاحبِ اکرام ہونے، مبارک رُخ ہونے، سیّد ابنِ سیّد ہونے، بنی نوعِ انسان کا بہترین محافظ ہونے اور عالمین کا امام ہونے کی پُرخلوص اور پختہ گواہی کا حق ادا کر دیا ہے:

أَلَا اَنَّ خَيْرَ النَّاسِ نَفْساً وَوَلَداً
إِذَاعُدَّ سَادَاتُ الْبَرِيَّةِ أَحْمَدُ
نَبِيُّ الْإِلٰهِ وَالْكَرِيْمُ بِأَصْلِهٖ
وَأَخْلَاقُهٗ وَهُوَ الرَّشِيْدُ الْمُؤَيَّدُ ①
جَرِيْءٌ عَلٰى جُلِّ الْخُطُوبِ كَأَنَّهٗ
شِهَابٌ بِكَفَّيْ قَابِسٍ يَتَوَقَّدُ
مِنَ الْأَكْرَمِيْنَ فِي لُؤَيِّ بْنِ غَالِبٍ
إِذَا سِيْمَ خَسْفًا وَجْهُهٗ يَتَرَبَّدُ
طَوِيْلُ النِّجَادِ خَارِجٌ نِصْفُ سَاقِهٖ
عَلٰى وَجْهِهٖ يُسْقَى الْغَمَامُ وَيُسْعَدُ
عَظِيْمُ الرَّمَادِ سَيِّدٌ وَ ابْنُ سَيِّدٍ
يَحُضُّ عَلٰى مَقْرَى الضُّيُوْفِ وَيُحْشِدُ

① یہ پہلے دو شعر دیوانِ ابوطالب کے بجائے دیگر منابع سے لیے گئے ہیں۔

وَيَبْنِي الْأَبْنَاءِ الْعَشِيْرَةِ صَالِحاً
إِذَا نَحْنُ طُفْنَا فِي الْبِلَادِ وَيُمْهِدُ
أَلَظَّ بِهٰذَا الصُّلْحِ كُلُّ مُبَرَّأٍ
عَظِيْمِ اللِّوَاءِ أَمْرُهُ ثُمَّ يُحْمَدُ
قَضَوا مَا قَضَوا فِي لَيْلِهِمْ ثُمَّ أَصْبَحُوْا
عَلَى مَهَلٍ وَسَائِرُ النَّاسِ رُقَّدُ
هُمُو رَجَعُوْا سَهْلَ بْنَ بَيْضَاءَ رَاضِياً
وَسُرَّ إِمَامُ الْعَالَمِيْنَ مُحَمَّدُ①

''آگاہ ہو جاؤ کہ جب تم تمام سرداروں کا شمار کرو گے تو جناب احمد مجتبیٰ اپنی ذات والاصفات اور اپنے حسب نسب کے اعتبار سے تمام انسانوں سے بہتر ثابت ہوں گے۔

آپؐ اللہ کے نبی اور کریم الاصل انسان ہیں۔ آپؐ صاحب اخلاق اور صاحب رُشد و ہدایت ہیں اور آپ کو اللہ کی تائید حاصل ہے۔

آپ بڑے بڑے معاملات میں بھی بہادر اور جری ہیں۔ آپؐ اس طرح دُرخشاں و تاباں ہیں جیسے مشعل بردار کے ہاتھ میں شعاعیں بکھیرتا ہوا چراغ۔

آپؐ لوئی بن غالب کی اولاد سے صاحب اکرام لوگوں میں ہیں۔

---

① دیوان ابوطالبؑ جدید میں اس مصرع کا متن ذرا مختلف ہے۔ البتہ مفہوم قریباً یہی ہے۔ نیز ترتیب کے لحاظ سے یہ متعلقہ نظم کے اشعار ۱۵ تا ۲۲ ہیں، بقیہ شعر بعد میں آئیں گے۔ اس کے بعد دیوان میں موجود ان شعروں کا مختلف ترجمہ بھی درج کیا جائے گا۔

اگر آپؐ کو کوئی معرکہ درپیش ہو تو آپؐ کے چہرے پر جاہ و جلال نمایاں ہو جاتا ہے۔

آپؐ اس قدر وجیہ اور دراز قامت ہیں کہ عبا آپ کی نصف ساق مبارک تک پہنچتی ہے اور آپ کا رُخِ انور تو اس قدر بابرکت ہے کہ اس کے طفیل بادل پانی برسا کر لوگوں کو نامساعد حالات سے بچاتے ہیں۔

آپ اتنے مہمان نواز ہیں کہ آپ کے گھر کا چولہا ہمیشہ گرم رہتا ہے اور لکڑیوں کے جلنے سے راکھ کا ڈھیر لگ جاتا ہے۔ آپ ایسے سردار کے سوار بیٹے ہیں کہ مہمانوں کو ضیافت پر بلا کر انھیں اپنے پاس ٹھہراتے بھی ہیں (یعنی طعام مع قیام کی سہولت دیتے ہیں)۔

جب ہم تجارت کی غرض سے دوسرے شہروں میں جاتے ہیں تو آپ خاندان کے بچوں کی بہترین طریقے سے حفاظت کرتے ہیں۔

ہمارے مقاطعہ کے بعد ہر اُس (اچھے) شخص نے صلح کے لیے اصرار کیا ہے جو ظلم سے بچنے والا لائق تعریف اور عظیم امر والا ہے۔ ان لوگوں نے جو فیصلہ کرنا تھا وہ رات ہی کو کر لیا تھا اور صبح سویرے جب لوگ ابھی سو رہے تھے وہ اُٹھ کر چل دیے۔

ان لوگوں نے عہد نامے کو باطل قرار دے کر سہل ابنِ بیضا کو خوش کر لیا اور اس بات سے امام العالمین حضرت محمدؐ بھی بہت خوش

ہوئے"۔ ①

مذکورہ قبل عربی اشعار کا ترجمہ آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ مزید عربی اشعار درج کرنے کے بجائے یہاں (محض) ان کے ترجمے پر ہی اکتفا کیا جارہا ہے:

"اس عہد نامے سے پیش تر تو ہم ہمیشہ باہم میل جول رکھا کرتے تھے اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہمارے ذاتی معاملات میں دوسری قوموں نے مداخلت یا شرکت کی ہو۔

---

① اُردو مترجم دیوان ہذا کا ترجمہ ذرا مختلف ہے۔ (جو دیوان کے ص ۵۹ تا ۶۰ پر درج ہے، ملاحظہ کیجیے) یہ لوگ بڑے بڑے کارناموں کو انجام دینے کی پوری ہمت رکھتے ہیں اور شہاب ثاقب کی مانند روشن اور درخشندہ ہیں۔
خاندانِ لوئی (لوی) بن غالب کے وہ معزز افراد جن کی حالت یہ ہے کہ جب کوئی بڑا معرکہ درپیش ہو تو اُن کے چہروں پر جاہ و جلال نمایاں ہو جاتا ہے۔
یہ بلند قامت اور لمبی تلواروں والے ہیں، ان کے چہرے اتنے مبارک ہیں کہ انھیں دیکھ کر اَبرِ بہاراں جھومنے لگتا ہے اور قوم سعادتوں سے بہرہ ور ہوتی ہے۔
سخی اور فیاض خود بھی سید و سردار ہیں اور سید و سردار کے فرزند ہیں، مہمانوں کی مہمان نوازی میں خود بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں اور دوسروں کو بھی ترغیب دلاتے ہیں۔ ہم اگر شہروں کا جائزہ لیں تو (نظر آئے گا کہ) یہی وہ لوگ ہیں جو اہلِ خاندان کے لیے صالح خدمات انجام دینے والے اور اس کے لیے اسباب فراہم کرنے والے ہیں۔ (مقاطعہ کو ختم کرانے اور) آشتی کی فضا کو قائم کرنے میں ہر نیک نفس اور بلند مرتبہ شخص نے بھرپور حصہ لیا اور لائقِ تعریف قرار پایا۔
وہ ظلم و جور کی ایک رات تھی جس میں (کفار و مشرکین نے ہمارے بائے کاٹ کرنے کے لیے) جو چاہا فیصلہ کر ڈالا، مگر پھر (جلد ہی) صبح نمودار ہو گئی۔ مقاطعہ ختم ہو گیا اور فیصلہ کرنے والے سوتے ہی رہے۔
سہل ابنِ بیضا نے جب ان لوگوں کے پاس جا کر کہا کہ یہ مقاطعہ ختم ہونا چاہیے تو ان لوگوں نے اُن کی بات مان لی۔ چناں چہ وہ خوشی اور مسرت کے ساتھ واپس آئے جس سے حضرت محمد مصطفی ﷺ بھی مسرور ہوئے اور ان کے ساتھی بھی۔

اور ہم تو زمانہ قدیم ہی سے کسی (ظالم کا) ظلم برداشت نہیں کرتے اور خود بھی کسی پر ظلم وستم کیے بغیر اپنا مقصد پورا کر لیتے ہیں۔

اور اے آلِ قُصَی! کیا تم اپنی جانوں کے بارے میں اور آیندہ آنے والے وقت کے بارے میں کچھ نہیں سوچو گے؟ اس لیے کہ ہمارا اور تمھارا معاملہ ویسا ہی ہے کہ جیسے کسی نے حجرِ اسود سے کہا تھا: اگرچہ تمھیں سب حال معلوم ہے مگر کاش تم گفتگو کر سکتے۔

(دیوانِ ابی طالبؑ کے اُردو ترجمہ میں بھی قریب قریب یہی مفہوم موجود ہے......)

کیا بحری سفر پر جانے والوں (مہاجرین حبشہ) کو (دُور دراز سے) یہ خبر پہنچ گئی کہ ہمارے پروردگار نے ہم پر کتنا عظیم احسان فرمایا ہے اور اللہ رب العزت تو لوگوں پر بہت زیادہ احسان فرمانے والا ہے۔ کاش! انھیں یہ خبر پہنچ جاتی کہ کفّار کا تحریر کردہ (ہم سے مقاطعہ کا وہ دستاویزی) معاہدہ برباد ہو گیا ہے اور اس کا وہ تمام حصہ جو ناراضیِ خدا کا باعث تھا، ضائع ہو گیا ہے۔

مزید چار اشعار (۳ تا ۶) کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے:

وہ دستاویز کیا تھی؟! بہتان طرازی، الزام تراشی اور جادوگری کا شعبدہ تھا اور جادو کو ہمیشہ کے لیے تو تسلط اور عروج وکمال نصیب نہیں ہوتا۔

اس دستاویز کے لیے ان (قریش) کے بڑے بڑے لوگوں نے ایک دوسرے کو خوب ورغلایا تھا، لیکن بالآخر وہ انھی کے لیے نحوست (شرمندگی اور رُسوائی) کا سبب بنا اور سب پر یہ بات

واضح ہوگئی کہ ہمارے نبی ؑ جو کچھ کہتے ہیں وہ برحق ہے۔ یہ لوگ (کفار و مشرکین) ایسے جرم اور گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں، جو کھلی جنگ کے مترادف تھا، جس کے عوض (یہ چاہیے کہ) ان کے بازو کاٹ دیے جائیں اور گردنیں اُڑا دی جائیں۔

دیمک نے ان لوگوں کی دستاویز کو چاٹ کر یہ واضح کر دیا ہے کہ نبی کا فرمان برحق ہے جس کی تائید اللہ کے اس انتقام سے ہوگئی۔

اسے دیکھ کر لوگوں پر خوف و ہراس مسلط ہوگیا ہے، ان کے اعضا پر کپکپی طاری ہے اور عذاب کے خوف سے وہ کانپ رہے ہیں۔

مزید چار اشعار (۷ تا ۱۰) کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

کسانوں (اور تجار) کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوگیا ہے کہ وہ لوگ تہامہ جائیں یا نجد۔

اور (یہ محسوس ہو رہا ہے) اس عہدنامے کے سبب سے عن قریب مکہ کے پہاڑوں کے درمیان سے ایک ایسا لشکر نمودار ہوگا جس کے سپاہی تیروں، نیزوں اور خون آشام تلواروں سے مسلح ہوں گے۔ (جو شہر میں داخل ہو کر اہل مکہ سے اس مقاطعہ کا انتقام لیں گے)۔

اہل مکہ میں سے کون ہے جو عزوشرف میں ہمارے مقابل ہو (کیوں کہ یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ) وادیِ بطحا میں ہماری عزت و عظمت سب سے قدیم (اور مقدم) ہے۔

ہم اس شہر میں اس وقت پروان چڑھے (اور عزت و کرامت پائی) جب یہاں کی آبادی مختصر سی تھی اور پھر اس شرف میں (روز بہ روز) اضافہ ہوتا چلا گیا۔

رواں نظم کے اشعار ۱۱ تا ۱۴ کا ترجمہ بھی دیکھیے:

اُس زمانے میں کہ جب مہمان نواز اور اہلِ سخا افراد کی یہ حالت تھی کہ کسی کو کچھ عطا کرتے ہوئے اُن کے ہاتھ کانپتے تھے۔ ہم (اُس وقت بھی) لوگوں کو (اتنے کھلے دل سے) کھلاتے پلاتے تھے کہ اُن کے سیر ہونے کے بعد بھی کھانا باقی بچ جاتا تھا)۔

اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے جنھوں نے دامنِ حجون میں بیٹھ کر صلح کے بارے میں محتاط طریقے سے بات کی، جو (باتِ اہلِ حجاز کو) سیدھے راستے پر لانے والی تھی (یعنی وہ بنی ہاشم کا مقاطعہ ختم کر دیں)۔

وہ فیصلہ کرتے وقت حجون نامی پہاڑی پر اس انداز سے بیٹھے تھے کہ جیسے بادشاہ ہوں، بل کہ وہ اس سے بھی زیادہ عزت و وقار اور شان و شوکت کے حامل تھے۔

(اور پھر) اُن کے ساتھ تمام بہادر شیروں نے تعاون کیا، گویا یہ سب جنگی آلات (اسلحہ) سے لدے ہوئے ہوں۔

اس نظم کے مزید بارہ شعروں میں سے چار کا بیان اور ترجمہ درج ذیل ہے:

میری زندگی میں کس کی یہ جرأت... ! تاج دارِ انبیا، باعثِ تخلیقِ کائنات وشش جہات سرورِ دوعالم ﷺ کا اسلام کی تبلیغ سے متعلق اٹل فیصلہ سننے کے بعد کفارِ مکہ کی اجتماعی قوتوں سے یکسر بے نیاز ہو کر جنابِ ابوطالبؑ نے ختمی مرتبتؐ کو ہر صورت اور ہر حال میں اپنے غیر مشروط تعاون کی پیش کش کرتے ہوئے فرمایا:

وَاللّٰهِ لَنْ يَصِلُوْا اِلَيْكَ بِجَمْعِهِمْ
حَتّٰى اُوَسَّدَ فِي التُّرَابِ دَفِيْنَا

فَاصْدَعْ بِأَمْرِكَ مَا عَلَيْكَ غَضَاضَةٌ
وَابْشِرْ بِذَاكَ ، وَقَرَّ مِنْهُ عُيُونَا
وَدَعَوْتَنِي ، وَزَعَمْتَ إِنَّكَ نَاصِحٌ
وَلَقَدْ صَدَقْتَ وَ كُنْتَ ثَمَّ اَمِينَا
عَرَضْتَ دِيناً قَدْ عَلِمْتُ بِأَنَّهُ
مِنْ خَيْرِ اَدْيَانِ الْبَرِيَّةِ دِينَا

"(اے محمدؐ!) خدا کی قسم! کفار اپنی تمام تر اجتماعی قوتوں کے باوجود اس وقت تک آپ کے قریب نہ پھٹک سکیں گے جب تک کہ میں زمین کے اندر دفن نہ کر دیا جاؤں۔
آپ جس طرح چاہیں (کفارِ مکہ سے) قطعاً بے خوف ہو کر اپنی بات (اُمورِ دین کی تبلیغ) علی الاعلان کریں۔ اس سلسلے میں آپؐ پر کسی قسم کی کوئی پابندی (برداشت) نہیں (کی جائے گی اور آپؐ کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا)۔ خوش ہو جائیے اور (تبلیغِ اسلام) سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کیجیے۔
(میرے محبوب!) آپؐ نے مجھے قبولِ اسلام کی دعوت دی اور میں جانتا ہوں کہ آپؐ میرے ساتھ انتہائی مخلص ہیں اور ہمدردی کا اظہار فرماتے ہیں۔ میں (یہ بھی) جانتا ہوں کہ جب آپ نے مجھے یہ دعوت دی تو آپ اس سلسلۂ دعوت میں صادق و امین ہیں۔
نیز میں اس امر کو بھی (علم الیقین کی حد تک) جان چکا ہوں کہ آپؐ کا مقدس دین تمام ادیانِ عالم میں سے بہترین ہے"۔
اس قصیدے کا آخری شعر الحاقی ہے اور بعض کی نظر میں تحفظ رسالتؐ کے لیے

مصلحت یا تقیہ پر مبنی ہے، لہٰذا اُسے یہاں درج کرنا غیر ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علم الیقین کی حد تک عظمتِ اسلام اور قبولیتِ اسلام کا اقرار کرنے کے بعد آپؑ کے اس قصیدۂ اقدس میں ایسے شعر کا شمول بنی اُمیہ کی جعل سازیوں اور خاندانِ عصمت وطہارت کے خلاف سازشوں کے شاخسانے کے علاوہ کچھ نہیں ہوسکتا۔

بقول بعضے اس شعر کا مفہوم یہ ہے کہ اگر مجھے لوگوں کے طعنوں اور سب وشتم کا خوف نہ ہوتا تو آپ مجھے اس دین کو کھلم کھلا ظاہر کردینے والوں میں پاتے۔

ملاحظہ کیجیے کہ خود یہ شعر بھی اگرچہ باطناً ایمانِ ابوطالبؑ پر دلیل ہے لیکن اُس ہستی کو بھلا زمانے کے طعنوں اور سب وشتم کی کیا پروا کہ جس کے بیٹے پر بنی اُمیہ کے دورِ حکومت میں ہزار مہینوں تک اور نمازِ جمعہ کے منبروں پر کھلے عام سب وشتم کی جاتی رہی ہو اور جس کے بارے میں قرآن کی واضح گواہی موجود ہے: لَیْلَۃُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَہْرٍ۔

(موقفِ خود بہ حوالہ البدایہ والنہایہ، سیرۃ ابنِ ہشام، دیوانِ ابوطالبؑ، عمدۃ القاری، فتح الباری)

یہاں یہ اَمر بھی قابلِ ذکر ہے کہ علامہ سیّد رضی جعفر نقوی اور اُن کے معاون طیب حیدر جعفری نے اس شعر کا ترجمہ (اور مفہوم یوں واضح کیا ہے: "(مجھے کسی ملامت یا بے عزّتی کا خوف نہیں ہے۔ کیوں کہ میرے آباؤاجداد کی سخاوت و فیاضی واضح ہے۔ (بہ حوالہ دیوانِ مترجم، ص ۱۷۹)

والیِ بطحا جنابِ ابوطالبؑ کا کفارِ مکہ کو اِنتباہ

جنابِ ابوطالبؑ وادیِ بطحا کے نہایت مدبّر سردار تھے۔ وہ خاندانِ قریش کی بالعموم اور بنوہاشم کی بالخصوص بھلائی چاہتے تھے، لہٰذا لوگوں کو بعثتِ نبویؐ پر پیدا ہونے والی 'تصادم کی صورت حال' سے بچانے کے لیے قریش کو اِنتباہ کرتے ہیں کہ ماضی کی جنگ وجدل کو پیشِ نظر رکھو اور (دیگر) اہلِ عرب کے لیے اپنے بلند مقام کے

بُھن جانے کا اہتمام اپنے ہاتھوں نہ کرو۔ کیوں کہ جب ہمارے درمیان جنگ کی صورت پیدا ہوجائے گی تو پھر اُس کا انجام وہی ہوگا جو ماضی میں عرب قبائل کی جنگوں میں ہوتا رہا ہے۔ گویا حضرتؓ نے اپنے تدبّر اور فہم و فراست سے حکمتِ عملی کا ایک نیا باب کھولا اور بہ یک وقت اپنے اہلِ خاندان (بنو ہاشم) اور مخالفین خاندان (کفارِ قریش) کو درپیش حالات کے انجام سے خبردار کیا۔ اس طرح آپ تبلیغِ اسلام کے لیے بہترین ماحول پیدا کرنے کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں کہ امن و آشتی سے فروغِ اسلام کا فریضہ نبھایا جاسکے۔ [اُردو جاننے والے قارئین کے استفادے کے لیے یہاں حضرتؓ کے عربی اشعار کے محض اُردو ترجمے پر اکتفا کیا جارہا ہے، ان کا منظوم ترجمہ بھی قبل ازیں بھی درج کیا جاچکا ہے]۔

''حجرِ اسود کی حرمت کے لیے جسے لوگ طلوعِ آفتاب اور نصف النہار کے اوقات میں اپنے حلقے میں لے کر ہاتھوں سے چھوتے ہیں اور لبوں سے بوسہ دیتے ہیں اور مقامِ ابراہیمؑ کی حرمت کے لیے جہاں حضرت ابراہیمؑ ایک سنگِ تر پر کھڑے ہوگئے تھے اور تمام حجاج کے لیے جو بیت اللہ کا حج کرنے کے لیے سواریوں پر یا ایفائے نذر کے لیے پیدل چل کر آتے ہیں اور مقامِ عرفات کی حفاظت کے لیے جبلِ رحمت کی طرف بڑھتے ہیں اور پورے میدان میں پھیل جاتے ہیں اور پہاڑ پر حاجیوں کے رات کو ٹھہرنے کے لیے، جب وہ اپنی جھکی ماندی سواریوں کے سینوں کو اپنے ہاتھوں سے اُوپر اُٹھا کر سیدھا کرتے ہیں، نیز رات کے وقت حُجاج کے مزدلفہ میں جمع ہونے کے لیے اور منیٰ کی منزلوں (کے طے) کی خاطر، تو کیا ان حرمتوں اور منزلوں سے بڑھ کر بھی

کوئی چیز ہے؟ اور حاجیوں کی پیدل چلنے والی جماعت کی خاطر
جس کے سامنے سے اعلیٰ قسم کے گھوڑے یوں تیزی سے گزر
جاتے ہیں کہ جیسے وہ بارش کے موٹے موٹے قطرات گرنے کی
وجہ سے بھاگ اُٹھے ہوں۔

اور قبیلہ کندہ کے لوگ جب غروب آفتاب کے بعد مقام جمرات
پر کھڑے تھے تو بکر بن وائل کے قبیلے کے حاجی وہاں سے
گزرے چوں کہ وہ دونوں قبیلے باہم حلیف تھے، اس لیے انھوں
نے اپنے حلفیہ اقرار کو مزید مستحکم کرتے ہوئے اپنے وسائل کا رُخ
دوستی کی طرف موڑ دیا۔

اور تم غور کرو کہ وہ لوگ بغیر ایک دوسرے سے کسی قسم کا تعرض
کیے پہاڑوں کے دامن میں چھوٹی بڑی جھاڑیوں کو چوپایوں کی
طرح روندتے ہوئے تیزی سے گزر گئے"۔

ان اشعار کے ترجمے سے واضح ہے کہ حضرت ابوطالبؑ نے کفارِ قریش اور بنوہاشم کے درمیان جنگ کو ٹالنے کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ آپؑ نے قبیلۂ کندہ اور بکر بن وائل نامی قبیلے کی مثال دے کر دوستی اور بھائی چارے کا آفاقی پیغام دیا ہے۔ دورِ حاضر میں ہمارے لیے بھی ان اشعار گوہر بار میں صلح پسندی کا بہترین درس مضمر ہے۔

شیخ الاباطح جناب ابوطالبؑ کا منظوم رَجز اور اعلانِ جہاد

جب قریش اپنی معاندانہ چالوں سے باز نہ آئے تو بنوہاشم نے کپڑوں میں لپٹی ہوئی تلواروں کو ظاہر کرتے ہوئے قریشِ مکہ کو للکارا۔ اس موقع پر خانۂ کعبہ کے پاس کھڑے لوگوں کو مخاطب کر کے جناب ابوطالبؑ نے نہایت واضح انداز میں رَجز پڑھا

جس میں قریش کے خلاف غیر مبہم اعلانِ جہاد کرتے ہوئے فرمایا:

أَلَا أَبْلِغْ قُرَيْشًا حَيْثُ حَلَّتْ
وَكُلُّ سَرَائِرٍ مِنْهَا غُرُوْرُ

"اے لوگو! دیگر اہلِ قریش جہاں بھی ہیں اُنھیں میرا پیغام پہنچا دو کہ تمھاری تمام تر خفیہ سازشیں صرف اور صرف تمھاری خودنمائی اور خودفریبی ہیں"۔

فَإِنِّي وَالضَّوَابِحُ عَادِيَاتٍ[1]
وَمَا تَتْلُوْا السَّفَاسِرَةُ الشُّهُوْرُ
لِآلِ مُحَمَّدٍ ﷺ رَاعٍ حَفِيْظٌ
وَدُوْا الصَّدْرِ مِنِّي وَالضَّمِيْرُ

"میں اُن تیز رفتار گھوڑوں اور ان کے آثار کی قسم کھا کر کہتا ہوں جن کا تذکرہ کتبِ قدیمہ کے پڑھنے اور جاننے والے علما نے بھی کیا ہے کہ میں محمد مصطفیٰ (احمد مجتبیٰ) کے خاندان (آلِ محمدؐ) کا نگران ہوں اور میرے سینے میں ان کی محبت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے"۔

(دیوانِ ابوطالبؑ، مترجم بہ اُردو میں ترجمہ کچھ یوں ہے: میں دھیمی آواز والے تیز رفتار گھوڑوں کے ساتھ (نکل رہا ہوں) اور ان کی دیکھ بھال کرنے والے بھی پیچھے آ رہے ہیں۔ میں دلی محبت اور ضمیر کی آواز پر حفاظت کرنے والا ہوں۔

تیسرے شعر کا مفہوم ہمارے ترجمہ کے قریب تر ہے۔ گویا مراد ایک ہی ہے البتہ لفظ آلِ محمدؐ توجہ طلب ہے جو خاندانِ رسولؐ کے

---

[1] دیوانِ جدید میں "عادیات" کو "غادیات" لکھا گیا ہے۔

لیے سب سے پہلے حضرت ابوطالبؑ نے استعمال فرمایا۔

فَلَسْتُ بِقَاطِعٍ رَحِمِیْ وَ وُلْدِیْ
وَلَوْ جَرَّتْ مَظَالِمَهَا الْجَزُوْرُ
اَیَاْمُرُ جَمْعُهُمْ اَفْنَاءَ فِهْرٍ
لِقَتْلِ مُحَمَّدٍ وَالْاَمْرُ زُوْرُ

"میں اپنے ارحام و اولاد کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں (اپنے پارۂ جگر) محمد مصطفیٰؐ سے اپنے خونی رشتے کو ہرگز منقطع نہیں کرسکتا، خواہ قریش کے مظالم کا سلسلہ کتنا ہی شدید اور طویل کیوں نہ ہو جائے اور مجھ پر ہول ناک جنگ ہی کیوں نہ مسلط کردی جائے۔
اور کیا سردارانِ قریش اپنے جوانوں کو محمد مصطفیٰؐ کے قتل پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ (اگر یہ درست ہے تو انھیں جان لینا چاہیے کہ اُن کی یہ کوشش ناکام ہوگی کیوں کہ اُن کی یہ سوچ سراسر غلط ہے)۔

فَلَا اَبِیْكَ لَا ظَفِرَتْ قُرَیْشٌ
وَلَا لَقِیَتْ رَشَاداً اِذَا تُشِیْرُ
بَنِیْ اَخِیْ وَنُوْطَ قَلْبِیْ مِنِّیْ
وَاَبْیَضُ مَاؤُهُ غَدَقٌ كَثِیْرُ
وَیَشْرَبُ بَعْدَهُ الْوِلْدَانِ رِیًّا
وَاَحْمَدُ قَدْ تَضَمَّنَهُ الْقُبُوْرُ
اَیَا ابْنَ لَاَنْفِ اَنْفِ بَنِیْ قُصَیٍّ
كَاَنَّ جَبِیْنَكَ الْقَمَرُ الْمُنِیْرُ

نہیں! آپ کی اور آپ کے باپ کی قسم! ایسا کبھی نہیں ہوگا اور قریش اپنے ناپاک منصوبے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ (اُن کی یہ بات کسی طرح درست نہیں) ان کا یہ مشورہ سلامت روی کے منافی ہے۔

اور عزیز بھائی حضرت عبداللہؑ کی نشانی اور پیارا فرزند اور میرے لیے قلب و جان کی رگ (جگر کا ٹکڑا ہے، کون اُنھیں نقصان پہنچا سکتا ہے) اور وہ دُرَخشاں و منور چہرے والے ایسے فیاض شخص ہیں جن کا چشمۂ فیض ہمیشہ جاری ہے (اُن کی آبرو بہت بڑی ہے)۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ میرے پیارے بھائی کی پیاری نشانی زیرِ زمین چلی جائے اور میرے بیٹے اس کے بعد سیراب ہو کر (کھا) پی سکیں (یعنی میرا تو ہر فرزند حضورؐ کی حفاظت میں جان کی بازی لگا دے گا)۔

حضرت محمدؐ تو اس سردار کے فرزندِ دل بند ہیں جو قُصَیّ کے خاندان کی آبرو تھے اور آپؐ کی پیشانی انور تو منور چاند کی طرح روشن اور تاباں ہے"۔ (بحوالہ دیوانِ ابوطالبؑ (غیر مترجم)، ص ۲۳، مترجم ص ۸۲ (البتہ یہ ترجمہ علامہ مترجم کا نہیں ہمارا اپنا ہے)

والیِ عرب جنابِ ابوطالبؑ کی حضرت حمزہؓ کو نصیحت

حضرتِ ابوطالبؑ چوں کہ خدائے متعال کی طرف سے حصارِ اسلام مقرر ہوئے تھے، لہٰذا دینِ اسلام کے فروغ پر دل و جان سے خوش ہوتے تھے اور بعض بہادروں اور شجاعوں کے قبولِ اسلام پر تو آپؑ نے اس قدر مسرت کا اظہار فرمایا کہ شعر انشا فرما

دیے۔ جناب حمزہؓ تو ان شخصیات کے سرخیل تھے جن کے قبولِ اسلام کی حضور نبیِ کریمؐ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی۔

اس موقع پر حضرت حمزہؓ کے برادر بزرگ جنابِ ابوطالبؑ کا شعری اظہار مسرت ملاحظہ کیجیے:

صَبْرًا اَبَا یَعْلٰی عَلٰی دِیْنِ اَحْمَدَ
وَکُنْ مُظْهِراً لِلدِّیْنِ وُفِّقْتَ صَابِراً
وَحُطْ مَنْ اَتٰی بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِ رَبِّهٖ
بِصِدْقٍ وَعَزْمٍ لَا تَکُنْ حَمْزَ کَافِرا

"اے ابویعلیٰ (حمزہؓ) احمدِ مجتبیٰؐ کے دین پر نہایت مضبوطی اور استقامت سے قائم رہنا اور صبر کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑنا، بلکہ اس دینِ متین کے اظہار یعنی دین کو دوسروں پر ظاہر کرنے میں بھی کوتاہی نہ کرنا۔ اللہ تمھیں صبر و استقامت کی توفیق عطا فرمائے گا۔ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ کے پاس سے حق و صداقت کے ساتھ دینِ برحق لے کر آئے ہیں، تم ان کی مکمل طور پر حفاظت کرنا اور اے میرے بھائی حمزہ! وہ دینِ حق جس کے تم پیرو بنے ہو، اس سے کبھی نہ پھرنا (اور نہ حالتِ کفر کا کوئی شمہ خود میں رہنے دینا)"۔

ابوطالبؑ نے سمجھایا یہ اپنے چھوٹے بھائی کو
نبیؐ کے دین میں تم جان و دل سے بھائی کھو جاؤ
حفاظت اس طرح کرنا خدا کے دین کی حمزہؓ
زمانے کے شہیدوں کے تمھی سردار ہو جاؤ
(ابوالعلی والحسن)

وَقَدْ سَرَّنِی اِذْ قُلْتَ اِنَّكَ مُؤْمِنٌ
فَكُنْ لِرَسُوْلِ اللهِ فِی اللهِ نَاصِرًا
وَنَادِ قُرَیْشًا بِالَّذِیْ قَدْ اَتَیْتَهٗ
جِهَارًا وَقُلْ: مَا كَانَ اَحْمَدُ سَاحِرًا

"اے میرے بھائی! جب تم نے مجھے اپنے ایمان کی خبر سنائی تو مجھے اس قدر خوشی ہوئی کہ بیان سے باہر ہے۔ اب تم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری طرح مدد اور خیر خواہی کرتے رہو اور جس دین کو تم نے قبول کرلیا ہے اس کے متعلق کفار قریش کو خبردار کردو اور (مجمع عام میں) علانیہ بتادو کہ حضرت محمدؐ جادوگر (ہرگز) نہیں"۔ (دیوان ابوطالبؑ، مطبوعہ مصر، ص ۱۵، شرح ابن ابی الحدید، مطبوعہ مصر، ج ۳، ص ۳۱۵)

یہ تھے حضرت ابوطالبؑ کے وہ اشعار زرنگار جو نہ صرف اُن کے عقیدۂ توحید ورسالت و آخرت پر قائم و اُستوار ہونے اور دینِ اسلام پر مر مٹنے کے آئینہ دار ہیں بلکہ دوسروں کے جذبۂ ایمانی کو بھی مہمیز کرنے کا بیّن ثبوت ہیں۔ جن کے ہر ہر لفظ سے نورِ ایمان پھوٹتا ہے۔ اگر کوئی آپؑ کے ان اشعار سے اپنے قلب و ذہن کو پوری طرح سیراب نہ کرسکے تو کم سے کم ایک دو گھونٹ ضرور پیے، اسے توحید و رسالت سے لبریز صراحی کی خوش بُو قیامت تک محسوس ہوتی رہے گی۔ جن لوگوں نے اس شرابِ طہور سے پیاس بجھائی اور روشنی پائی اُن میں باقر شریف القرشی، ڈاکٹر محمود شہابی خراسانی، علامہ امینی، اُستاد جعفر سبحانی اور ابنِ ابی الحدید کے علاوہ بہت سے اہلِ علم وادب شامل ہیں۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ اس تابانیِ خورشید کے باوجود بھی کچھ عقل کے اندھے ان واضح اور مسلّمہ تاریخی اشعار کو مشکوک گردانتے ہیں۔ اور تو اور اس جدید دور میں

"انسائیکلو پیڈیا آف اسلام" کے مؤلف نے سید ہو کر بھی اُن کے ایمان کی حقیقت اور اُن کے کلام کی صداقت کو تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے۔

کسی نے سچ کہا ہے:؎

میں نہیں مانتا کاغذ پہ لکھا شجرہ نسب
بات کرنے سے قبیلے کا پتا چلتا ہے

اور یہ بھی یاد رہے کہ:

ع اجل بھی چاہے تو سچائی مر نہیں سکتی

(نورؔ)

نعتِ سرورؐ کا سلیقہ ابوطالبؑ سے ملا
یعنی یہ خاص طریقہ ابوطالبؑ سے ملا
ہم ثنا خوانِ محمدؐ ہیں بہ فضلِ داور
اپنا شجرۂ رفیقہ ابوطالبؑ سے ملا
ہم کو کیا فکر شفاعت کا بہ روزِ محشر
ہم کو بخشش کا وثیقہ ابوطالبؑ سے ملا

(ابوالعلی والحسن)

سیرت و کردارِ ابوطالبؑ

حضرت ابوطالبؑ کے سیرت و کردار کی وضاحت وصراحت کے لیے اگرچہ اُن کے مذکورہ قصائد ہی کافی ہیں کہ وہ کس طرح رسولؐ خدا اور دینِ خدا پر دل و جان سے قربان تھے۔ یہ قصائد محض شاعرانہ تخیل پر مبنی نہیں، بل کہ ایسا فکری سرمایہ لیے ہوئے ہیں کہ اپنے ممدوح کی اعلیٰ و ارفع سیرت کے ترجمان نظر آتے ہیں۔ خلوے ذہن اور علوے فکر کے حامل ان قصائد سے حضرت ابوطالبؑ کے تاریخچۂ حیات کو مرتب کیا جاسکتا ہے، وہ حیاتِ والاصفات جو آپ نے ملّتِ ابراہیمؑ کے اِحیا اور دینِ محمدیؐ کی نُصرت وحمایت میں بسر کی۔ آپ نہ صرف توحید، رسالت، معاد وغیرہ جیسے اُلوہی عقائد پر کامل یقین رکھتے تھے بل کہ ان کے زبردست داعی اور پرچارک بھی تھے۔

ان قصائد کے علاوہ تاریخِ اسلام حضرت ابوطالبؑ کی استعانتِ اسلام پر مبنی عملی خدمات سے بھی معمور ہے۔ گویا آپؑ کے فکروعمل دونوں سے دینِ اسلام، رسولؐ اسلام اور اہلِ اسلام کو طاقت وتقویت حاصل ہوئی۔

فکروعمل کی یک جائی اور دشمن دوست سب کا اعتراف

عمِ رسولِ مقبولؐ اور والدِ وصیِ رسولؐ کے سیرت و کردار کا تاریخ کے آئینے میں جائزہ لینے کے لیے ضخیم دفاتر درکار ہیں (زیرِ کار مکمل کتاب بھی آپ کے سیرت و کردار کی عظمت ہی کا بیان لیے ہوئے ہے)۔ تاہم فکروعمل کی یک جائی اور باہم جلوہ نمائی کے لیے ہم یہاں نہایت اِختصار کے ساتھ آپؑ کے اوصافِ حمیدہ کا تذکرہ کرتے ہیں،

وہ اوصاف کہ جو دوست دشمن سبھی تسلیم کرتے ہیں۔ فرزندانِ ابوطالبؑ (ائمۂ اِثنا عشر علیہم السلام) کے پیرو تو آپؑ کو کُلِ ایمان کا بھی صاحب و فیضان جانتے ہیں جب کہ فرزندانِ ابوطالبؑ کے روحانی و سیاسی حریفوں کے پیرو بھی آپؑ کے پاک و پاکیزہ کردار اور رفیع و بلند سیرت پر آپؑ کو اپنے انداز میں خراجِ عقیدت پیش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

؎ حسنؔ اب تک کوئی خامی بتائی جا سکی ہے!
ابوطالبؑ پہ کیا اُنگلی اُٹھائی جا سکی ہے؟!

(محسن شایگان)

دیوانِ ابوطالبؑ کے محقق و مرتب ڈاکٹر محمد التنوجی نے اس کے مقدمے میں لکھا ہے: ''اس امر میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ حضرت ابوطالبؑ نے مال کے بجائے اپنے کریمانہ اَخلاق سے قریش کے دلوں پر حکومت کی اور جانوروں کی قربانی کے ذریعے لوگوں کا دل خوش کرنے کے بجائے اپنی بلند سیرت اور مضبوط کردار سے اپنی عظمت کا لوہا منوایا جس کے سبب سے قریش کے حاکمِ اعلیٰ کی حیثیت سے زندگی گزاری۔ تنگ دستوں، غریبوں، مسکینوں اور پریشان حال مسافروں کے جو وفود آتے تھے، آپ اُن کی ضیافت کرتے اور اُن کے ساتھ فیاضی سے پیش آتے تھے۔ عقل و دانش کے اعتبار سے انتہائے کمال آپؑ کی حکمت و بصیرت نہایت ممتاز تھی۔ اسلام کی آمد سے قبل آپؑ ہی نے شراب کو حرام قرار دیا۔ آپؑ جب خطبہ دیتے تھے تو الفاظ ایسے شیریں اور مطالب اتنے بلند ہوتے تھے کہ دل پر نقش ہو جاتے تھے۔

صورت و وجاہت

طبقات ابنِ سعد میں مرقوم ہے کہ تمام عرب میں فرزندانِ عبدالمطلبؑ کی طرح کی کسی باپ کی بھی اولاد نہ تھی۔ دنیا میں کوئی ایسا نہ تھا جو ان سے زیادہ شریف و نجیب، جسیم و حسین، وجیہ و وسیم، بلند بینی اور روشن پیشانی والا ہو۔

اوصافِ ابوطالبؑ، مثالِ عبدالمطلبؑ

حضرت ابوطالبؑ اپنے والدِ گرامی حضرت عبدالمطلبؑ ہی کی طرح خوش خُلق، معاملہ فہم، مدبّر و فہیم، بردبار روشن اور نکتہ دان و فصیح البیان تھے۔ آپؑ فی البدیہہ شاعر اور بے نظیر ادیب تھے۔ آپؑ حلیم الطبع، منکسر المزاج، جواں مرد، طاقت ور اور عزمِ صمیم کے مالک تھے۔ آپ نہایت غریب پرور اور ساقیِ حُجاج تھے۔ حضرت عبدالمطلبؑ کی طرح لوگ آپ کو شیخ بطحا ہی کے لقب سے پکارتے تھے اور ہر مشکل اور مصیبت میں آپؑ کی طرف رجوع کرتے تھے۔

آپ کا فیصلہ حرفِ آخر کی حیثیت رکھتا تھا۔ صحن حرم میں بیٹھ کر کیے ہوئے آپؑ کے فیصلے کو چیلنج کرنے کی کسی میں جرأت نہ تھی۔ آپ کی بلند و بالا شخصیت تمام عربوں میں ممتاز تھی۔ بنی عبدالمطلبؑ اور بنوہاشم کے علاوہ دیگر قریش بھی آپ کا احترام کرتے تھے۔

عبداللہؑ و ابوطالبؑ میں ارتباطِ محبت

حضرت عبدالمطلبؑ کے فرزندوں میں جنابِ عبداللہ اور جنابِ ابوطالبؑ کی باہمی محبت، بے مثال، بے عبدالمطلب پناہ اور لازوال تھی۔ جب حضرت عبدالمطلبؑ نے اپنی منت پوری ہونے پر راہِ خدا میں اپنا ایک بیٹا قربان کرنے کی ٹھان لی تو قرعہ حضرت عبداللہ کے نام نکلا۔ حضرت عبداللہ نے رضائے الٰہی کے پیشِ نظر قربان ہونا قبول کرلیا تو حضرت ابوطالبؑ کی حالت دیدنی تھی۔ آپؑ اپنے بھائی کی محبت میں بے قرار تھے۔ آپؑ نے اپنے فی البدیہہ اشعار میں حضرت عبدالمطلبؑ سے درخواست کی کہ کسی نہ کسی طرح حضرت عبداللہ کو بچالیا جائے۔ چناں چہ وہ قرعہ بعد میں اُونٹوں پر ڈالا گیا۔

جنابِ عبداللہ اور جنابِ ابوطالبؑ کی باہم محبت کے ضمن میں اہلِ تسنّن کے معروف عالمِ دین شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ رقم طراز ہیں:

ابوطالب که عمِّ اعیانی آں حضرت بود در عهدهٔ کفالتِ آں حضرت درآوردہ و اگرچه زبیر بن عبدالمطّب نیز اعیانی آن حضرت بود لیکن میان عبداللہ و ابوطالب زیاد محبت و ارتباط بود

"حضرت ابوطالبؑ حضور نبی کریمؐ کے سگے چچا تھے، اسی لیے آپؐ کو کفالت کے لیے لائے اور اگرچہ زبیر بن عبدالمطّبؑ بھی آپؐ کے سگے چچا تھے لیکن حضرت عبداللہ اور حضرت ابوطالبؑ کے درمیان ربط محبت و اُلفت بہت زیادہ تھا"۔ (مدارج النبوۃ، ج ۲، ص ۲۴)

جبھی تو جنابِ ابوطالبؑ نے اپنے بھائی جنابِ عبداللہ کی وفات پر اپنے مرثیے میں فرمایا تھا:

"آنسوؤں کا سیلِ رواں آنکھوں سے نکل کر رخساروں پر بہ رہا ہے، کیوں کہ بھائی کی وفات کا غم بہت بھاری ہے جس نے اس سیلِ رواں کو جاری کر رکھا ہے۔ اس بھائی کے لیے جو سیّد و سردار تھا، نہایت شریف النفس تھا، عظیم الشان انسان تھا اور سادات کی ذرّیت میں سے ایک بلند مرتبہ سیّد تھا"۔

جشنِ ظہورِ مصطفیؐ اور ابوطالبؑ

کتاب دلائل النبوۃ میں ایک روایت درج ہے:

عَنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ..... قَالَ سَمِعْتُ اَبَا طَالِبٍ یُحَدِّثُ اَنَّ آمِنَةَ بِنْتَ وَهْبٍ لَمَّا وَلَدَتِ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جَاءَهُ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ فَاَخَذَهُ وَقَبَّلَهُ ثُمَّ دَفَعَهُ اِلٰی اَبِیْ طَالِبٍ فَقَالَ هُوَ وَدِیْعَتِیْ عِنْدَكَ لَیَكُوْنَنَّ لِابْنِیْ هٰذَا شَانٌ ثُمَّ اَمَرَ نَحْرَةً

اَلْجَزَآئِرِ وَذِبْحَۃَ الشَّاۃِ وَاَطْعَمَ اَھْلَ الْمَکَّۃَ ثَلَاثًا ثُمَّ مَنْحَرَ فِیْ کُلِّ شُعْبٍ مِنْ شِعَابِ مَکَّۃَ جَزُوْرًا، لَایُمْنَعُ مِنْہُ اِنْسَانٌ وَّلَا سَبُعٌ وَّلَا طَائِرٌ۔ (ج اوّل، ص ۳۱)

''حضرت علی علیہ السلام اپنے والدِ گرامی جناب ابوطالبؑ سے روایت کرتے ہیں کہ جب سیّدہ آمنہ (سلام اللہ علیہا) کے گھر رسولؐ خدا کی ولادت باسعادت ہوئی تو حضرت عبدالمطلبؑ آپؐ کے پاس تشریف لائے اور حضور نبی کریمؐ کو اُٹھا کر (آغوش میں لے کر) بوسہ دیا۔ پھر اُنھوں نے حضور نبی کریمؐ کو حضرت ابوطالبؑ کی گود میں دے کر فرمایا: میں اپنی یہ امانت تمھارے سپرد کرتا ہوں۔ میرا یہ بیٹا بڑی شان والا ہوگا۔

پھر حضرت ابوطالبؑ کو قربانی کرنے کا حکم دیا اور اُونٹوں کو نحر کرکے ذبیحوں سے تین دن تک اہلِ مکہ کی دعوت کی گئی۔ پھر مکہ معظمہ کے تمام راستوں پر اُونٹ نحر کیے گئے اور انسانوں کے علاوہ وُحوش وطُیور کو بھی کھانے سے نہ روکا گیا''۔

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عبدالمطلبؑ کے بعد جس ہستی کو محبوبؐ خدا کو آغوش میں لینے کا شرف حاصل ہوا وہ جناب ابوطالبؑ تھے۔ حضرت عبدالمطلبؑ نے آپؑ ہی کو دعوت کے انتظام وانصرام کا حکم دیا۔ نیز یہ بھی بتایا کہ یہ بچہ عام بچہ ہرگز نہیں بلکہ بہت بلند مرتبہ کا حامل ہے۔

اب اس باعثِ تخلیقِ کائنات مولود کے ظہورِ پُرنور، ولادتِ باسعادت اور میلادِ ذِمن آباد کے سلسلے میں ۱۷ ربیع الاوّل، ۱۲ ربیع الاوّل، ۹ ربیع الاوّل یا پھر بہ یادِ آمدِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جتنے بھی جشنِ سرور وشادمانی، جب بھی اور جہاں بھی منعقد

ہوتے ہیں وہ سنتِ ابوطالبؑ ہیں۔

یہ اور بات کہ ۔

ابوطالبؑ کی سنت کو مناتے ہیں نبیؐ والے
ابوطالبؑ کو لیکن بھول جاتے ہیں نبیؐ والے
(ابوالعلی والحسن)

کفالتِ مصطفیؐ اور انتخابِ ابوطالبؑ

اہلِ سنت کے شیخ، نامور محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی اپنی مشہور زمانہ کتاب مدارج النبوۃ میں لکھتے ہیں:

در روایت آمدہ کہ آں حضرت را مخیّر ساختند کہ کفالتِ اکرامِ یکے از اعمامِ خود را می خواہی آں حضرت ابوطالب را اختیار کرد (ج ۲، ص ۲۴)

"روایت میں وارد ہوا ہے کہ آں حضرت ﷺ کو اختیار دیا گیا کہ آپؐ اپنے چچاؤں میں سے کس کی کفالت میں رہنا پسند کریں گے تو آں حضرتؐ نے حضرت ابوطالبؑ کو اختیار فرمایا"۔

ڈاکٹر التونجی کا کہنا ہے: "حضورِ اکرم ﷺ کی سیرت جب بھی بیان کی جائے گی تو ان کی کفالت کرنے والے، اُن کے عمِ محترم حضرت ابوطالبؑ کی استقامت، بصیرت اور جراتِ مندانہ نصرتِ رسولؐ، پہلو بہ پہلو نظر آئے گی۔ ①

---

① افسوس صد افسوس کہ حال ہی میں ایک معاصر غلام نبی مسلم نے پنجاب یونی ورسٹی کے شعبۂ تاریخ کے اُستاد ڈاکٹر محمد اسلم کے زیرِ نگرانی اور زیرِ سرپرستی "کفیلِ محمد تایا ابوطاہر زبیر بن عبدالمطلبؑ......" نامی ایک مقالہ لکھ کر حضرت ابوطالبؑ کو غریب، محتاج اور اپاہج ثابت کرنے کی انتہائی بے دلیل کوشش کی ہے۔

خمر سے کاملتاً اجتناب

کتبِ اہلِ تسنّن میں علمائے تسنّن رقم طراز ہیں کہ حضرت ابوطالبؑ زمانۂ جاہلیت میں بھی ہر نشہ آور شے سے کاملتاً پرہیز فرماتے تھے۔ (سیرت حلبیہ، ج ا، ص ۱۲۴، طبقات مترجمہ اُردو، ج ا، ص ۱۸۰)

اور اسی طرح دیگر کتب میں تحریر ہے:

وَكَانَ اَبُوطَالِبٍ مِمَّنْ حَرَّمَ الْخَمْرَ عَلٰى نَفْسِهٖ فِى الْجَاهِلِيَّةِ كَاَبِيْهِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ

"حضرت ابوطالبؑ نے زمانۂ جاہلیت میں بھی ہر نشہ آور شے کو اپنے والد عبدالمطلبؑ کی طرح خود پر حرام کر رکھا تھا"۔

یہ قدرت کا وہ خصوصی اہتمام تھا جس کے تحت پاک و پاکیزہ ہستیوں کی پرورش پاک و پاکیزہ ہاتھوں میں ہوتی آئی ہے۔ لاریب نورِ نبوت پاکیزہ صُلبوں سے پاکیزہ اَرحام میں منتقل ہوتا رہا اور عبدالمطلبؑ و ابوطالبؑ کی پاکیزہ آغوش ہائے رحمت و رافت ہی میں پروان چڑھا۔

ابوطالبؑ کی زوجہ بھی ابوطالب نُما تھیں

حضور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پرورش و پرداخت میں حضرت ابوطالبؑ اور ان کی زوجۂ محترمہ جناب فاطمہؑ بنت اسد کا بہت بڑا کردار ہے۔ اسی لیے سرکارِ دوعالمؐ نے حضرت ابوطالبؑ کی وفاتِ حسرت آیات کے سال کو عام الحزن قرار دیا تو بی بی فاطمہؑ زوجۂ ابوطالبؑ کی (بعد از ہجرت) مدینہ منورہ میں رحلت پر انھیں اپنا کُرتا بطورِ کفن عطا فرمایا اور انھیں لحد میں اُتارے جانے کے بعد اُن کے ساتھ لیٹ کر دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ انھیں جنت کا خلعہ عطا فرمائے اور قبر کی وحشت سے محفوظ فرمائے۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے

کہ میری ماں (مخدومہ) آمنہؑ کے بعد یہ میری ماں ہیں اور یہ بھی اکثر و بیشتر فرمایا کرتے تھے کہ ابوطالبؑ کے بعد میرے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا ان کے علاوہ کوئی نہ تھا۔

ابوطالبؑ کی زوجہ بھی ابوطالبؑ سے کیا کم تھیں
سلوک فاطمہؑ بنت اسد دیکھو محمدؐ سے

ابوطالبؑ کے بیٹے حفظِ ناموسِ رسالتؐ میں

متفق علیہ روایات میں آتا ہے کہ شعبِ ابی طالب میں حضرت ابوطالبؑ، حضرت محمدؐ (رسولِ مکرمؐ) کی سوتے میں جگہ بدلتے رہتے تھے۔ آپؑ رسولِ مکرمؐ کو اُٹھاتے اور اُن کی جگہ اپنے بیٹے کو لٹا دیتے تاکہ اگر دشمن حملہ آور ہوں تو محمدؐ بچ جائیں اور اُن کے عوض میرا اپنا بیٹا شہید ہو جائے۔ جنابِ ابوطالبؑ کی اسی تربیت کا اثر تھا کہ حضرت عقیلؑ، حضرت جعفر طیارؑ اور حضرت علیؑ ہر لحہ نثارِ مصطفیٰؐ نظر آتے ہیں۔

o......حضرت عقیلؑ کی پوری نسل آلِ مصطفیٰؐ پر قربان ہوئی۔

o......حضرت جعفر طیارؑ نے چالیس سال کی عمر میں جنگ موتہ میں دینِ مصطفیٰؐ کی سربلندی کے لیے اپنے جسم پر تلواروں اور نیزوں کے نوے زخم کھائے، حتیٰ کہ اپنے بازو بھی قربانِ مصطفیٰؐ کر دیے۔

o......حضرت علیؑ بچپن سے لے کر اپنی حیاتِ مبارکہ کے آخری لمحے تک فدائے مصطفیٰؐ رہے۔ جنگ ہائے بدر و اُحد، حنین و خندق اور خیبر وغیرہم میں اللہ کے حکم سے علیؑ سے بڑھ کر کوئی حصارِ مصطفیٰؐ نہ تھا۔

اسے کہتے ہیں "آفتاب آمد دلیلِ آفتاب" اور اسے کہتے ہیں: "Like father like son"۔ ابوطالبؑ کے پوتے بھی انھی کے نقشِ قدم پر چلے اور شہید راہِ خدا ہوئے۔ یہ سب ابوطالبؑ پر گئے اور ابوطالبؑ کے نقشِ قدم پر چلے۔ موقع محل کی مناسبت سے

افتخار عارف کی ایک نظم کی چند سطور نظر نواز ہیں جو ہم زحمتِ انتساب بھی بتا چکے ہیں:

ابو طالبؑ کے بیٹے! حفظِ ناموسِ رسالتؐ کی روایت کے امیں تھے
جان دینا جانتے تھے
وہ مسلمؑ ہوں کہ وہ عباسؑ ہوں، عونؑ و محمدؑ ہوں
علی اکبرؑ ہوں، قاسمؑ ہوں، علی اصغرؑ ہوں
حق پہچانتے تھے
لشکرِ باطل کو کب گردانتے تھے
ابو طالبؑ کے بیٹے، سر بریدہ ہو کے بھی اعلانِ حق کرتے رہے ہیں
ابو طالبؑ کے بیٹے، پابہ جولاں ہو کے بھی اعلانِ حق کرتے رہے ہیں
ابو طالبؑ کے بیٹے، صَرفِ زنداں ہو کے بھی اعلانِ حق کرتے رہے ہیں
مدینہ ہو، نجف ہو، کربلا ہو، کاظمین و سامرہ ہو، مشہد و بغداد ہو
آلِ ابو طالبؑ کے قدموں کے نشاں
انسانیت کو اس کی منزل کا پتا دیتے رہے ہیں، تا ابد دیتے رہیں گے"

علاوہ ازیں مسندِ ابو طالبؑ، شام کا سفر، بحیرہ راہب سے ملاقات، تقریر و شمشیر اور شعب ابی طالب کے سے جیسیوں مقام و موارد، عام الحزن کا تعین، ہجرت کا حکم نیز فرمودات رسولِ معظمؐ کا وجود ایمان ابو طالبؑ کی عظمت اور کردار ابو طالبؑ کی منزلت کے بیّن ثبوت ہیں۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ

؎ جس کی خاطر سے بنائی گئی دنیا ساری
اہلِ دنیا سے وہی گھر نہیں دیکھا جاتا
(شبنم شکیل)

اس باب کے اختتام میں ابو طالب محسنِ ایمان کے مولف حجۃ الاسلام آقائے

سیّد مجید پور طباطبائی کے چند جملے اور ہمارے دو شعر بہ طور پرسہ قبول کیجیے:

"ابوطالبؑ کی اپنی قسمت اور مقدر کہ ہمیشہ سے ابوطالبؑ اور آلِ ابوطالبؑ کے خلاف بنی اُمیہ اور بنی عباس کی حکومتی اور سیاسی مشنریاں فعال رہی ہیں۔ ان کی ہمیشہ سے سرتوڑ کوشش رہی ہے کہ ابوطالبؑ کو یہ عظیم مقام اور بلند فضائل نصیب نہ ہونے پائیں"۔ ①

ابوطالبؑ عجب مظلومیت کا نام ہیں مظہرؔ
کہ محسن ہو کے بھی بہتان کا مورد بنے ہیں
مسلماں کیسے تحفے دے رہے ہیں
نبیؐ محسنؑ ② کو صدمے دے رہے ہیں

① تاریخ اسلام کو مسخ اور تبدیل کرنے والی یہ جھوٹ کی مشنریاں آج بھی سرگرمِ عمل ہیں، جو نئے نئے شوشے چھوڑ رہی ہیں، مثلاً یہ کہ:
- حضرت عبدالمطلبؑ نے اپنے بیٹوں کے نام بتوں کے ناموں پر عبد مناف اور عبدالعزیٰ رکھے۔
- نابینا ہونے کی وجہ سے جناب عبدالمطلبؑ نے اپنے خاندان کی تمام ذمہ داریاں زبیرؓ کو سونپ رکھی تھیں جو توحید پرست، شاعر و خطیب اور امیر کبیر تاجر تھے، وہی کفیلِ محمدؐ بنے۔
- حضرت ابوطالبؑ لنگڑے اور اپاہج تھے۔ وہ اور اُن کے دو بڑے بیٹے طالب اور عقیل مشرک رہے۔ طالب جنگِ بدر میں (نعوذ باللہ) جہنم رسید ہوئے اور عقیل فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے۔ مکہ میں عقیل نے حضور نبی کریمؐ کا والد کی طرف سے ملنے والا گھر بیچ کھایا وغیرہم (نقلِ کفر کفر نباشد)

؏ شرم تم کو مگر نہیں آتی

② محسن نبی کی مظلومی حالت

بابِ سِوُمّ ①

ابوطالبؑ تفسیر، حدیث

اور

تاریخ کی روشنی میں

① اُردو اہلِ زبان سوئم بھی لکھتے اور بولتے ہیں جب کہ اردو اور فارسی اہلِ لغات نے بوئم ہی درج کیا ہے

○

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ○ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ○
وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ○ (سورۂ الضحیٰ، آیہ ۶، ۷، ۸)

"کیا اس نے تمھیں یتیم پا کر (ابوطالبؑ کی) پناہ نہیں دی۔ اور اس نے تم کو (اپنی قوم میں) غیر معروف پایا تو تمھاری معرفت کی طرف سب کی رہبری کی اور تم کو تنگ دست دیکھ کر مستغنی کر دیا۔

(ترجمہ حافظ فرمان علی قبلہ)

○

لَوْلَا اَبُوْ طَالِبٍ وَابْنُهٗ
لَمَا مَثَّلَ الدِّیْنُ شَخْصاً فَقَامَا

"اگر ابوطالبؑ اور ان کے فرزند علیؑ نہ ہوتے، تو دینِ اسلام کا نام ونشان بھی نہ ہوتا"۔ (ابنِ ابی الحدید)

پاک ہے دامن ابوطالبؑ کا دُنیا دیکھ لے
گود میں اُن کی کبھی احمدؐ کبھی حیدرؑ پلے
(عزادار رضوی زید پوری)

تفاسیر:

تفسیرِ ابنِ عباسؓ

ابنِ عباس حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی علیہ السلام کے چچا حضرت عباسؓ کے صاحب زادے تھے۔ آپ حضور پرنورؐ کے صحابہ میں شامل رہے اور پھر حضرت علی علیہ السلام کی صحابیت کا شرف بھی حاصل کیا۔ ابنِ عباسؓ حضرت علیؑ کے شاگرد بھی تھے۔ تفسیر کی تاریخ پر کام کرنے والوں نے انھیں پہلا مفسرِ قرآن قرار دیا ہے۔ آپؓ کو حبر الامۃ اور مفسرِ اعظم بھی کہا جاتا ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ ابنِ عباسؓ تفسیرِ قرآن کے معاملے میں متفق علیہ مابینِ فریقین ہیں۔

ابن عباسؓ نے یَتِیْمًا کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ بغیر ماں باپ کے اور فَاٰوٰی کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا کہ آپؐ کو آپؐ کے چچا ابوطالبؑ کی آغوشِ رحمت و رافت عطا فرما دی گئی۔

یَتِیْمًا بِلَا اَبٍ وَبِلَا اُمٍّ فَاٰوٰی فَاٰوٰکَ اِلٰی عَمِّکَ اَبِیْ طَالِبٍ

(تنویر المقباس، تفسیر ابنِ عباس، مطبوعہ مصر، ص ۳۶۷)

واضح رہے کہ ابوطالبؑ کی آغوش کو اللہ رب العزت نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پناہ گاہ اور تربیت گاہ قرار دے دیا ہے۔

ایک عام یتیم کی پرورش کا کس قدر اجر و ثواب ہے۔ سب اچھی طرح جانتے ہیں۔ جب کہ یہاں یتیم وہ ہے جو وجہِ تخلیقِ کائنات اور باعثِ ایجادِ شش جہات ہے،

لہٰذا ایسی ہستی کی نگہداشت کی کیا ہی بات ہے۔

تفسیرِ کبیر

زیرِ تفسیر آیہ مبارکہ کی شرح میں امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ اپنی مشہورِ زمانہ تفسیر، تفسیرِ کبیر میں رقم طراز ہیں:

وَكَانَ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ يُوْصِي اَبَا طَالِبٍ لِاَنَّ عَبْدَ اللهِ وَاَبَا طَالِبٍ كَانَ مِنْ اُمٍّ وَاحِدَةٍ فَكَانَ اَبُوْ طَالِبٍ هُوَ الَّذِي يَكْفُلُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ بَعْدَ جَدِّهٖ (تفسیر کبیر، ج ۱۳، ص ۱۲۴)

"اور حضرت عبدالمطلبؑ نے حضرت ابوطالبؑ کو (حضور نبی کریمؐ کی) کفالت کی وصیت فرمائی تھی۔ کیوں کہ حضرت ابوطالبؑ اور حضرت عبداللہ (والدِ گرامیِ ختمی مرتبتؐ) دونوں ایک ماں کے بطنِ مبارک سے تولد ہوئے تھے"۔

صاف ظاہر ہے کہ یہ وصیت بے سبب نہ تھی۔ حضرت عبدالمطلبؑ ولیِ خدا تھے اور اُن کا وصی بھی ولیِ خدا ہی ہوسکتا ہے اور پھر ولایت وسرپرستی بھی اُس ذات کی کہ جو اولیاے اوّلین وآخرین اور سیدالاولیا علی ولی اللہ کا بھی ولی جلی ہے۔

تفسیر ابنِ کثیرؒ

زیرِ بحث آیہ مبارکہ کے ضمن میں حافظ عماد الدین ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وَلَهُ الْعُمْرُ ثَمَانُ سِنِيْنَ فَكَفَلَهُ عَمُّهُ اَبُوْ طَالِبٍ لَمْ يَزَلْ يَحُوْطُهُ وَيَنْصُرُهُ وَالْاَحْوَى وَيَرْفَعُ مِنْ قَدْرِهٖ وَيُوَقِّرُهُ بِكَفِّ عَنْهُ اَذٰى قَوْمِهٖ (تفسیر ابن کثیر مع فتح البیان، ص ۲۳۶)

"جب آپ اپنے چچا حضرت ابوطالبؑ کی کفالت میں آئے تو اُس وقت رسولِ معظمؐ کی عمرِ مبارک آٹھ سال تھی۔ بعدازاں حضرت ابوطالبؑ ہمیشہ آپؐ کا احاطہ کیے رہے اور آپؐ کی نُصرت وحمایت فرماتے رہے نیز آپؐ کو ہر اُس شے سے بچاتے رہے جس سے آپؐ کی عزت وتوقیر پر حرف آنے کا خدشہ تھا اور آپ کو ہر حال میں کفارِ مکہ کی اذیتوں سے بچاتے رہے"۔

گویا۔

اہلِ سنت کے یہ مفسر واقعی ابنِ کثیر ہیں اور یہ اعتراف حق ہی اُنھیں کثرتِ خیر کا وارث بناتا ہے۔ اس تفسیرِ جلیلہ میں حضورؐ کا احاطہ کیے رکھنے، آپ کی نُصرت وحمایت فرمانے، آپؐ کی عزت وتوقیر کو بچانے اور آپ کو اذیتوں سے محفوظ رکھنے کے احسانات ابوطالبؑ کا ذکر واعتراف نہایت لائقِ تحسین ہے اور (نَعُوذُ بِاللهِ مِنْ ذٰلِكَ) حضرت ابوطالبؑ کو کافر کہنے والے نام نہاد مسلمانوں کے منہ پر ایک زبردست طمانچہ بھی ہے۔

تفسیرِ کشاف

تفسیرِ کشاف اہلِ سنت کی ایک اور معتبر تفسیرِ قرآن ہے جس کے مصنف علامہ محمود بن زمخشری ہیں۔ علامہ موصوف اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"جب رسول اللہ ﷺ کے جدِ امجد حضرت عبدالمطلبؑ کا وصالِ (پُرملال ہوا) تو اُس وقت آپؐ کی عمرِ مبارک آٹھ سال تھی۔ پھر آپؐ اپنے چچا ابوطالبؑ کی کفالت میں گئے۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابوطالبؑ کے زیرِ کفالت ہی بہترین تربیت سے مشرف فرمایا"۔

؎ وہ جس کی تربیت سے سیدالکونینؐ بنتے ہیں
اُسے عمرانؑ کہتے ہیں، اُسے عمران کہتے ہیں

تفسیر غرائب القرآن

علامہ نظام الدین حسن محمد اہلِ سنّت کے عظیم مفسرِ قرآن ہوئے ہیں۔ اُن کی مشہورِ زمانہ تفسیر غرائب القرآن، تفسیر نیشاپوری کے نام سے معروف ہے۔ موصوف زیرِ تفسیر آیہ مبارکہ کے ضمن میں رقم طراز ہیں:

فَكَفَلَ اَبُوْطَالِبٍ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اِلٰى اَنْ اَمَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَاَحْسَنَ تَرْبِيَتَهٗ (تفسیر نیشاپوری، ج۱۰، ص۳۲۷)

"رسول اللہ ﷺ حضرت ابوطالبؑ کے زیرِ کفالت ہی رہے حتیٰ کہ آپؐ کی بعثتِ مبارکہ کا وقت قریب آیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو منصبِ رسالت پر متمکن فرمادیا۔ اس طویل تر عرصہ میں حضرت ابوطالبؑ آپؐ کی نصرت وحمایت کا فریضہ پوری تن دہی سے سرانجام دیتے رہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ اُن کے زیرِ کفالت اپنے محبوب ﷺ کی بہترین سے بہترین تربیت فرماتا رہا"۔

؎ کیسا سامان یتیمی میں خدا کرتا ہے
سائباں باپ سے بہتر وہ عطا کرتا ہے

تفسیر فتح البیان

نواب صدیق حسن بھوپالی جو کہ غیر مقلد وہابی فرقہ کے لیے امام کا درجہ رکھتے ہیں۔ اپنی معروف تفسیر قرآن فتح البیان میں وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى کے ذیل میں

رطب اللسان ہیں۔

وَقِيْلَ بِمَالِ خَدِيْجَةَ بِنْتِ خُوَيْلَدٍ وَ تَرْبِيَةِ اَبِي طَالِبٍ

"اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حضرت خدیجہ الکبریٰ کے مال و دولت اور حضرت ابوطالبؑ کی تربیت (مبارکہ) کی وجہ سے غنی کر دیا"۔

(واہ صدیق حسن صاحب! آپ واقعی صدیق بھی لگے اور حسن بھی)۔

تفسیرِ خازن

صاحبِ تفسیرِ خازن علامہ خازن علیہ الرحمہ کا بیان ہے:

فَلَمَّا مَاتَ عَبْدُ الْمُطَّلِب كَفَلَهُ عَمُّهُ اَبُوْ طَالِبٍ اِلٰى اَنْ اَقْوٰى وَاشْتَدَّ وَتَزَوَّجَ خَدِيْجَةَ (تفسیرِ خازن، ج ۴، ص ۲۱۶، مطبوعہ مصر)

"جب حضرت عبدالمطلبؑ کا انتقال ہو گیا تو رسول اکرم ﷺ اپنے چچا حضرت ابوطالبؑ کی کفالت میں آ گئے۔ حضرت ابوطالبؑ آپ ﷺ کی کفالت و حفاظت کے سلسلہ میں بہت مضبوط و مستعد تھے اور ابوطالبؑ ہی نے آپ ﷺ کا نکاح حضرت خدیجہؑ سے کیا"۔

عقدِ احمد ﷺ پڑھانے والے کو
تم نے کافر کہا معاذ اللہ
(ابوالعلی والحسن)

تفسیر معالم التنزیل

امام بغوی اہلِ سنت کے ثقہ اور معتبر مفسر اور محدث تھے۔ اُن کی تفسیر معالم التنزیل میں زیرِ بحث آیۂ مبارکہ کی تفسیر کے ضمن میں رقم ہے:

وَضَمَّكَ اِلٰى عَمِّكَ اَبِیْ طَالِبٍ حَتّٰی اَحْسَنَ تَرْبِیَّتَكَ وَكَفَاكَ
الْمَؤُنَةَ (تفسیر معالم التنزیل، ج ۴، ص ۳۱۶، مطبوعہ مصر)

"رسول اللہ ﷺ اپنے چچا ابوطالبؑ کی آغوشِ رحمت و رافت میں آگئے یہاں تک کہ حضرت ابوطالبؑ نے آں حضرتؐ کی بہترین تربیت کا فریضہ ادا کیا اور ہر معاملے میں آپؐ کے کفیل رہے"۔

کفیل سید غالبؐ
ابوطالبؑ ، ابوطالبؑ

تفسیر جلالین

صاحبِ تفسیرِ جلالین بھی اہلِ سنت کے بڑے مشہور و معروف مفسر گزرے ہیں۔ وہ اپنی تفسیر میں اَلَمْ یَجِدْكَ... کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

بِاَنْ ضَمَّكَ اِلٰى عَمِّكَ اَبِیْ طَالِبٍ

"اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کا اپنے چچا ابوطالبؑ کی آغوشِ رافت میں آنا ہے"۔

اب آپ ہی انصاف فرمایئے کہ آخر اللہ کو کیا مجبوری تھی کہ اپنے حبیبؐ کی پرورش کے لیے حضرت ابوطالبؑ کا انتخاب فرمایا جو ضالین (گم راہوں) کی نظر میں نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ کافر تھے اور ابوطالبؑ کی کیا مجبوری تھی کہ "نقلِ کفر کفر نباشد"، کافر ہوتے ہوئے رسولؐ خدا پر اپنی جان حتیٰ کہ اولاد تک قربان رہے۔

کچھ تو انصاف کیجیو لوگو!
کوئی دشمن پہ جان دیتا ہے
(ابواعلی والحسن)

تفسیرِ عزیزی

شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ المعروف بہ محدث دہلوی نے آیۂ مذکور کی تفسیر شرح وبسط کے ساتھ ساتھ انتہائی لطیف انداز میں کی ہے، المختصر وہ فرماتے ہیں:

"اللہ نے آپ کو یتیم پایا اور پھر جگہ دی۔ اس نعمت کا بیان یہ ہے کہ آمنہ کے دُرِ یتیم رسول اللہ ﷺ ابھی شکمِ مادر ہی میں تھے کہ آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہؑ وصال فرما گئے۔ جب آپؐ کی ولادت مبارکہ ہوئی اور ابھی آپ چھے برس ہی کے تھے تو آپؐ کی والدہ مکرمہ کا انتقال ہوگیا۔ اس واقعہ کو ابھی دو سال ہی کا عرصہ گزرا تھا کہ آپؐ کے جد حضرت عبدالمطلبؑ کا بھی انتقال ہوگیا۔ اس طرح حضوؐر کو تین طرح کی یتیمی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس دُرِ یتیم کی آب و تاب کو بچانے کے لیے آپؐ کے جدِ امجد کے ذریعے آپؐ کے حقیقی چچا ابوطالبؑ کو آپؐ کی سپردگی کی گئی۔ ابوطالبؑ اپنے والد کی وصیت کے مطابق آپ کی حفاظت اور خدمت گزاری میں ہمہ وقت سرگرم رہتے تھے۔ اسی کفالت کے دوران میں تعلیماتِ الٰہیہ پوشیدہ طور پر آپ کی باطنی تربیت یعنی بہترین آداب و اُخلاق سکھانے کا فریضہ سرانجام دیتی رہیں حتیٰ کہ آپ حدِ بلوغ کو پہنچ گئے اور اپنی قوم کا کمال بن گئے"۔

الغرض ابوطالبؑ کے گھر میں جس جس کی بھی پرورش ہوئی اور جس جس پر بھی ابوطالبؑ کا رزقِ حلال صَرف ہوا، اُس کی عظمتِ کردار کا اعتراف خود خدا نے قرآن میں کیا۔ یہ ابوطالبؑ کی تربیت کا اعتراف ہی تھا:

ہے جس کی اپنی جیب سے اسلام پر خرچے ہوئے
جس کے گھر کی روٹیوں کے دہر میں چرچے ہوئے
(صفدر ڈوگر کربلائی)

تفسیر روح المعانی

"پھر جب آپ کی عمرِ مبارک آٹھ سال کی ہوئی تو آپ اپنے جدِ امجد سیدنا عبدالمطلبؑ کی وصیتِ مبارکہ کے مطابق اپنے شفیق اور سگے چچا سیدنا ابوطالبؑ کی آغوشِ کفالت میں تشریف لے آئے۔ چناں چہ حضرت ابوطالبؑ نے آپؐ کی بہترین تربیت فرمائی"۔ (روح المعانی، ج ۱۵، ص ۱۸۶)

تفسیر حقانی

"اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی کہ کیا اس نے تمھیں یتیم نہیں پایا، پھر تم کو جگہ دی۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ آں حضرت ﷺ حملِ مادر میں تھے کہ حضرتؐ کے والد ماجد عبداللہ کا عین جوانی میں انتقال ہوگیا اور کوئی جایداد یا مال نہ چھوڑا کہ جس سے پس ماندگان کی پرورش ہوتی۔ پھر حق تعالیٰ نے یہ انعام کیا کہ آپؐ کے دادا حضرت عبدالمطلبؑ کو آپ پر مہربان کردیا جو آپ کے آگے تمام اولاد کو بھول گئے۔ دراں حال کہ عبدالمطلبؑ کثیر العیال تھے۔ اِدھر یہ حال کہ جب آں حضرتؐ دو برس کے تھے تو والدہ ماجدہ بھی دنیا سے رخصت ہوگئی تھیں۔ قدرتِ خداوندی دیکھیے کہ ماں ہے نہ باپ اور دادا کو فریفتہ کر رکھا ہے۔ جب چھے برس کے ہوئے تو عبدالمطلبؑ بھی چل بسے۔ اب نہ جانے کون کون سی مصیبتوں کا اندیشہ تھا مگر ان کی جگہ آں حضرتؐ کے چچا حضرت ابوطالبؑ سرپرستی کرنے لگے اور (وہ بھی) ایسی کہ کوئی اپنی حقیقی اولاد کی بھی ایسی نہ کرے گا"۔ (تفسیر حقانی، ج ۸، ص ۱۶۶)

یہ اور بات کہ ابوطالبؑ نے جس کی بھی تربیت کی وہ محمدؐ نما ہو گیا:

؎ وہ بھتیجا ہو کہ بیٹا ہو کہ اس کی نسل ہو
سب محمدؐ جس میں ہیں وہ گھر ابوطالبؑ کا ہے
(تفسیر باقری)

مزید تفاسیر

علاوہ ازیں تفسیر صاوی، تفسیر جمل اور تفسیر سراج المنیر وغیرہ بھی انہی بیانات کی مظہر ہیں۔ ①

---

① تفسیر العمران (آلِ عمرانؑ):

معاصر امامیہ خطبا اور بعض علما کا کہنا ہے تاریخ عالم میں ہمیں تین عمران ملتے ہیں: ایک حضرت موسیٰؑ کے باپ مگر موسیٰؑ نے شادی کی تو اولاد نہ ہوئی تو پھر آلِ عمران کہاں سے آتی۔ دوسرے حضرت عیسیٰؑ کے نانا یعنی حضرت مریم کے والد۔ لیکن حضرت عیسیٰؑ نے شادی ہی نہ کی، ایسے میں آلِ عمران کو اُن سے جوڑنا چہ معنی دارد۔ تیسرے علی علیہ السلام کے والد گرامی عمرانؑ ہیں جو ختم الانبیاؐ کے نگہبان ہیں اور جن کی آل میں علیؑ سے لے کر مہدیؑ تک محافظانِ اسلام ہیں، یہی مقصود آلِ عمران ہیں۔

دینِ اسلام کے تحفظ کے لیے سفر کیے تو ابوطالبؑ کی اولاد نے، ظلم سہے تو ابوطالبؑ کی اولاد نے، گھر سے بے گھر ہوئیں تو ابوطالبؑ کی بیٹیاں اور خون میں غلطان ہوئے تو ابوطالبؑ کے بیٹے، لہٰذا آلِ عمران اولادِ ابوطالبؑ کا انعام اور عنوان ہے۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْۤا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ (سورہ توبہ، آیت ۱۱۳)

""نبیؐ اور مومنین پر جب ظاہر ہو چکا کہ مشرکین جہنمی ہیں تو اس کے بعد مناسب نہیں کہ ان کے لیے مغفرت کی دعائیں مانگیں اگرچہ وہ مشرکین ان کے قرابت دار ہی (کیوں نہ) ہوں"۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ (سورہ قصص، آیت ۵۶)

""(اے رسولؐ) بے شک تم جسے چاہو منزلِ مقصود تک نہیں پہنچا سکتے مگر ہاں خدا جسے چاہے منزلِ مقصود تک پہنچائے (اور وہی ہدایت یافتہ لوگوں سے خوب واقف ہے)"۔

۹۶ حضرت ابوطالبؑ پر ٹھونسی گئی آیت کی اصل حقیقت

زاد المسیر فی علم التفسیر

کتاب ہذا میں ابن جوزی اس آیت (آیہ ۱۱۳، سورہ توبہ) کی تفسیر یوں نقل کرتے ہیں: ""جب حضرت ابوطالبؑ کا انتقال ہوا تو نبی ﷺ نے اُن کے لیے استغفار کرنا مقرر فرمایا۔ اس پر مسلمانوں نے کہا کہ ہمارے آباؤ اجداد اور اقربا کے لیے استغفار کرنا منع ہے اور بے شک استغفار کی ابراہیمؑ نے اپنے چچا کے لیے اور

محمد ﷺ اپنے چچا کے لیے اِستغفار کرتے ہیں۔ پس مشرکین کے لیے استغفار سے منع کرنے کے لیے یہ آیہ نازل ہوا"۔

ابوالحسین منادی رقم طراز ہیں کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ رسولِ خدا ﷺ نے اپنے چچا سے کہا تھا کہ میں آپؑ کے لیے استغفار کروں گا جب تک مجھے روکا نہ جائے گا اور یہ اُن کی موت سے پہلے کی بات ہے۔

علامہ ابن جوزی کا بھی خیال ہے کہ آپؑ کا اِستغفار فرمانا حضرت ابوطالبؑ کی موت سے پہلے کا ہے۔ بہرصورت بخاری و مسلم کی روایت میں بھی یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ آیہ حضرت ابوطالبؑ کی وفات کے فوراً بعد نازل ہوا۔ ناصبیوں کے خیال میں حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ جب مَیں نے رسولِ خدا ﷺ کو حضرت ابوطالبؑ کی وفات کی خبر دی تو آپؑ رونے لگے اور مجھ سے فرمایا کہ اُن کی تجہیز و تکفین کا انتظام کرو۔ اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرمائے اور اُن پر رحم کرے اور حضور ﷺ اُن کے لیے چند یوم گھر ہی میں اِستغفار کرتے رہے حتیٰ کہ جبرئیلؑ یہ آیہ لے کر نازل ہوئے۔ مشرکین کے لیے اِستغفار کرنا نبیؐ اور مومنوں کی شان کے لائق نہیں۔

(طبقات ابنِ سعد، ج ۱، ص ۱۲۱، دُرِ منثور، ج ۳، ص ۲۸۳)

یہ مصنوعہ روایت کئی دیگر کتبِ اہلِ تسنن میں بھی موجود ہے حال آں کہ یہ حقیقت بالاتفاق تسلیم شدہ ہے کہ یہ آیت حضرت ابوطالبؑ کے انتقال کے دس بارہ سال بعد نازل ہوئی۔ اس بات سے آپ بُغضِ علیؑ و ابوطالبؑ کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ راوی بیٹے کو بنا دیا اور اِتہام باپ پر لگا دیا۔ ایسے مظلوم باپ بیٹا تاریخ اسلام میں (کوئی اور) کہیں بھی دکھائی نہیں دیتے۔

مفسرین کا اِجماع ہے کہ یہ آیہ قرآنِ پاک کے آخری (نازل ہونے والے) سورہ کی ہے اور اس بات کا بھی کہیں کھوج نہیں ملتا کہ ایک سو انتیس آیات کے سورۂ توبہ

(مدنی) میں یہ ایک آیہ مکی ہو اور یہ بھی مسلمہ ہے کہ یہ آیہ دو دفعہ نازل نہیں ہوا اور نہ ہی اس کا کوئی جواز بنتا ہے۔

○ تفسیرِ کشاف (ج۲، ص ۳۱۵، مطبوعہ بیروت) کے مطابق: ''......صحیح یہی ہے کہ حضرت ابوطالبؑ کی وفات ہجرت سے پہلے ہوئی ہے اور یہ آیہ مدینہ منورہ میں آخر میں نازل ہوا ہے''۔

○ تفسیرِ قرطبی (ج۸، ص ۲۷۳، مطبوعہ مصر) کے مطابق: ''یہ آیہ رسولِ خدا ﷺ کی استغفار کا ناسخ ہے کیوں کہ آپؐ نے ان کی موت کے بعد ان کے لیے استغفار کی تھی جیسا کہ مذکورہ روایت ہے۔ حسین بن فضل کا قول ہے کہ یہ بعید ہے کیوں کہ یہ سورہ قرآن کے آخر میں نازل ہوا اور حضرت ابوطالبؑ کی وفات مکہ میں آغازِ اسلام کے وقت ہوئی ہے۔

○ تفسیر روح البیان (ج۲، ص ۵۵۲) کے مطابق: ''بعض کہتے ہیں کہ تکرارِ نزول کے سبب میں کوئی چیز مانع نہیں ہے۔ پس جائز ہے کہ آیات نازل ہوں جب (بالعموم) استغفار کریں اور جب اپنے چچا کے لیے (بالخصوص) استغفار کریں۔ فقیر (صاحبِ تفسیر) کہتا ہے کہ اگر (اس آیت کا) نزول اور والدہ کے لیے استغفار سابق ہو تو رسولؐ خدا نے اپنے چچا کے لیے استغفار کو کیسے برقرار رکھا حال آں کہ یہ ثابت ہے کہ نزول کے اعتبار سے یہ سورت قرآن کا آخری سورہ ہے اور ایسا برعکس نہیں ہے کہ جس نے دونوں استغفاروں کے درمیان رعایت بیان کی ہو''۔

○ تفسیر مراح لبید (ج۱، ص ۳۵۷، مطبوعہ مصر) کے مطابق: ''پس اس آیہ کریمہ کے متعلق یہ ظاہر اخبار (موجود) ہیں کہ یہ اُن مسلمانوں کے لیے نازل ہوا ہے جو اپنے مشرک اقربا کے لیے استغفار کرتے تھے اور حضرت ابوطالبؑ کے حق میں نازل نہیں ہُوا کیوں کہ یہ پورے کا پورا مدنی سورہ ہے اور جنگِ تبوک کے بعد نازل ہوا ہے اور اس

کے نزول اور حضرت ابوطالبؑ کی وفات کے درمیان بارہ سال کا وقفہ ہے“۔

○ تفسیر روح المعانی (جز و دہم، ص ۹۲، مطبوعہ تہران) کے مطابق: ”تحقیق یہ سورۂ مبارکہ قرآنِ مجید کے آخر میں نازل ہوئی ہے اور حضرت ابوطالبؑ کی وفات آغازِ اسلام کے وقت مکہ معظمہ میں ہوئی“۔

○ تفسیر کبیر (جز ۱۶، ص ۲۰۸، مطبوعہ تہران) کے مطابق: ”واحدی کہتے ہیں کہ حسین بن فضل نے اس کو بعید جانا ہے، اس لیے کہ یہ سورت نزول کے اعتبار سے آخری سورہ ہے اور حضرت ابوطالبؑ کی وفات مکہ میں ہو چکی تھی“۔

آخر میں صاحب تفسیر ہذا مزید فرماتے ہیں: ”یہ اُن مسلمانوں کے حق میں ہے جو اپنے مشرک والدین کے لیے اِستغفار کو جائز سمجھتے تھے“۔

○ تفسیر کمالین علی الجلالین (ج ۱، ص ۳۱۰) کے مطابق: ”واحدی کا قول ہے کہ بے شک حسین بن فضل نے اسے بعید جانا ہے کیوں کہ یہ سورہ قرآن کے آخر میں نازل ہوا ہے اور حضرت ابوطالبؑ کا انتقال مکہ میں آغازِ اسلام کے وقت ہوا“۔

○ ارشاد الساری شرح بخاری (ج ۷، ص ۲۳۶) کے مطابق: ”اور یہ مشکل ہے کیوں کہ حضرت ابوطالبؑ کی وفات کا واقعہ ہجرت سے پہلے کا اور بغیر اختلاف کے مکہ معظمہ کا ہے اور اس میں وفاتِ ابوطالبؑ آیہ کے نزول کے تاخر پر دلالت کرتی ہے۔ اور اصل یہ ہے کہ عدم تکرارِ نزول ہے یعنی دوبارہ نازل نہیں ہوئی“۔

○ الرّوض الانف مؤلفہ امام سہیلی (ج ۱، ص ۲۵۸) کے مطابق: ”بے شک اُحد کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعائے اِستغفار فرمائی کہ یا اللہ! میری قوم کو معاف فرما دے کہ یہ نہیں جانتی اور یہ اس وقت فرمایا جب مشرکین نے آپؐ کے چہرۂ انور کو زخمی کیا، آپؐ کے چچا حضرت حمزہ اور کثیر صحابہ کو شہید کیا اور یہ صحیح نہیں کہ آپؐ کے چچا کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو اُحد کے دن کے اِستغفار کی تاریخ ہے۔ کیوں کہ آپؐ

کے چچا (حضرت ابوطالبؑ) کی وفات اس سے پہلے مکہ میں ہو چکی تھی اور مقدم موخر کا ناسخ نہیں ہوتا۔ اس سوال کے کئی جواب ہیں۔ بعض نے کہا کہ آپ کی قوم کے لیے دعاے استغفار ان کی شرک سے توبہ کے ساتھ مشروط ہے۔ گویا ان کی توبہ کے لیے دعا کا ارادہ کیا تا کہ اللہ تعالیٰ انھیں بخش دے، اس خیال کو یہ قول قوی کرتا ہے کہ ابنِ اسحاق نے کہا کہ اس آیہ کریمہ کا نزول متاخر ہے اور یہ مدینہ منورہ میں نازل ہوا ہے"۔

○ کتاب اسنی المطالب (مؤلفہ قاضی دحلان مکی، مطبوعہ مصر) کی تلخیص میں بھی اس آیہ کو مشرکین کے آبا سے متخص کیا جاچکا ہے۔ یوں دسیوں کتبِ اہلِ سنت کے مطابق اس افسانے کی قلعی کھل جاتی ہے اور حقیقت طشت از بام ہو جاتی ہے کہ یہ آیہ حضرت ابوطالبؑ کے بارے میں ہرگز ہرگز نازل نہیں ہوا۔

یہی قول صحیح تر ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے کسی شخص سے سنا کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار کر رہا تھا۔ (تفسیر جامع البیان، ج ۱، ص ۱۷۲، مصنفہ سید معین الدینؒ)

اس آیت کی بحث میں یہ بھی ذہن نشین رہے کہ آزر اور حضرت ابوطالبؑ میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ آزر بت گر و بت پرست تھا جب کہ ابوطالبؑ بتوں سے نفرت کرنے والے تھے اور بت شکن کے باپ تھے۔ آزر حضرت ابراہیمؑ سے سخت عداوت رکھتا تھا جب کہ حضرت ابوطالبؑ کا سب کچھ نثارِ رسولؐ تھا۔ ①

✿ روایات، اخبار و احادیث

روایات زُہری جھوٹ کے طومار

خود علماے عامہ کی تحقیق کے مطابق بخاری شریف میں چھے روایات ایسی موجود

---

① یہ بحث اور الزام اور ردِّ الزام عامہ کے عقیدے کے مطابق ہے ورنہ خاصہ کے یہاں تو اس کا کوئی جواز ہی نہیں۔

ہیں جن میں حضرت ابوطالبؑ کے عدم ایمان کی بات ہوئی ہے اور ان سب کی سب روایات کو نشر کرنے (پھیلانے) والے کا نام ابن شہاب زُہری ہے۔

زُہری کی بیان کردہ دیگر بے شمار روایات پر، جو کتبِ حدیث میں موجود ہیں، محدثین نے اپنے موقف کے مطابق جرح و تعدیل کر لینا ضروری جانا ہے، خصوصاً زُہری کا سعید بن مسیب سے روایت کرنا محدثین کے نزدیک قطعی طور پر محلِ نظر ہے، کیوں کہ زُہری کی سعید بن مسیب سے کبھی ملاقات ہی نہیں ہوئی۔ گویا زُہری کی سعید بن مسیب سے بیان کردہ روایات منقطع ہیں حتیٰ کہ سعید بن مسیب نے بھی رسولؐ خدا سے یہ مرفوع حدیث روایت نہیں کی بل کہ یہ ان کے اپنے والد مسیب کے زمانہ کفر کا قول ہے، جسے علیؑ اور پدرِ علیؑ حضرت ابوطالبؑ کے دشمنوں نے اس قدر اہمیت دی ہے۔

علامہ عینی اور علامہ کرمانی (علمائے اہلِ سنّت) نے اپنی اپنی شرح بخاری میں واضح طور پر تحریر کیا ہے کہ عسکری کے قول کے مطابق مسیب نے بیعتِ رضوان کے وقت اسلام قبول کیا اور حضرت ابوطالبؑ کی وفات کے وقت اُن کے پاس موجود تک نہ تھے۔ چناں چہ علمائے مذکور کے مطابق پوری بخاری شریف میں یہ ایک ایسی روایت ہے جو امام بخاری نے اپنی شرط کو توڑتے ہوئے دو ابتدائی غیر صحابی راویوں کے بجائے صرف ایک راوی سے قبول کرلی ہے نیز یہ کہ مسیب کا یہ قول اس کے بیٹے سعید کے علاوہ کسی اور نے بیان نہیں کیا۔ اب آپ ہی فیصلہ کیجیے کہ ان منقطع اور مرسل روایات کو حضورؐ کے عمِ گرامی کے عدمِ ایمان کے ثبوت کے لیے استعمال کرنا کتنی بڑی زیادتی اور سوچی سمجھی سازش ہے۔ یہ بھی ذہن میں رہے احمد رضا خان بریلوی صاحب رسائلِ رضویہ (جلد دوم، ص ۱۶۹ پر) رقم طراز ہیں:

"اور مرسَل بھی زُہری کی، جسے محدث پا بَرْ ہوا کہتے ہیں"۔ گویا:

؎ محدث اس طرح کے بھی ہوئے ہیں

جنھیں پا بَرْ ہوا کہتے ہیں اپنے

ما کان للنبی والذین آمنوا علی آخر الآیۃ کو انک لا تھدی الی آخرہ کے ساتھ جوڑ کر بیان کرنے والے صحابی مسیب ہیں لیکن حقیقت میں ان دونوں آیات کے نازل ہونے میں قریب قریب بارہ سال کا طویل وقفہ ہے۔ اس بُعدِ زمانی کی صورت میں معاملہ قرینِ صحت نہیں۔ سچ کہا تھا (عامہ کے مطابق) عشرہ مُبشرہ میں شامل سعد بن ابی وقاص نے کہ قرآن مجید مسیب اور آلِ مسیب پر نہیں اُترا۔

(دیکھیے تفسیر دُرِ منثور، جلد اوّل، ص ۱۰۳، مصنفہ جلال الدین سیوطی)

اگر ایک آیت کسی شخص کے قبولِ اسلام سے کئی سال پہلے نازل شدہ ہو اور دوسری اس کے قبولِ اسلام کے کئی سال بعد کی، اور ان دونوں کو یک جا کر کے کوئی شخص کسی جلیل القدر ہستی کے ایمان کے خلاف استعمال کرے تو یہ ستم روایت سازی نہیں تو اور کیا ہے۔

نیز یہ بھی ذہن میں رہے کہ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ اور دیگر کتب کے مطابق:
"زُہری تابعی ہیں لیکن بہت چھوٹی عمر کے (یعنی انھوں نے کسی صحابی کو دیکھا تو ہوگا مگر اس سے روایت لینے یا روایت محفوظ کرنے کی اُس وقت صلاحیت نہ رکھتے تھے)۔ اس لیے ان کے بہ طریق مرسل آنے والے رجال تو قوی اور مضبوط ہوتے ہیں لیکن متصل اسناد سے بیان کردہ روایتوں کے راوی ضعیف ہوتے ہیں۔

مقدمہ شرح بخاری مصنفہ علامہ وحید الزمان میں اس بات کا انکشاف بھی ہے کہ ابتدا میں بخاری کے قلمی نسخے ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ نیز امام بخاری نے احادیث صحیحہ کی کثیر تعداد محض طوالت کی وجہ سے نقل نہیں کی۔

رہے زُہری سے روایت لینے والے اور خصوصاً مذکورہ بحث میں روایت لینے والے تو ان سلسلہ وار ناموں میں مَعْمَر بن راشد، محمود ابنِ غیلان، اسحاق بن ابراہیم (ابنِ نصر)، عبدالرزّاق، ابوالیمان (الحکم بن نافع)، محمد بن حفصہ، سلیمان بن عبدالرحمٰن

اور یونس وغیرہ ہیں جن کے کذب وافترا، ضعفِ عقلی اور خللِ دماغ کی عالمِ اہلِ تسنّن حضرت علامہ صایم چشتیؒ نے (ایمانِ ابوطالبؑ میں) ائمہ محققین کے حوالے سے خوب خوب خبر لی ہے۔

لکھتا ہوں اسدؔ سوزشِ دل سے سخنِ گرم
تا رکھ نہ سکے میرے حرف پہ کوئی انگشت

(اللہ رب العزت مرحوم موصوف کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور جوارِ محمدؐ وآلِ محمدؐ میں جگہ عطا کرے)۔

زُجاج سے احتجاج

تحقیقِ عمیق کے مطابق زُجاج نامی کسی شخص کا قول ہے کہ یہ آیہ حضرت ابوطالبؑ کے حق میں ہے جس پر مفسرین کا اجماع ہے حال آں کہ یہ غلط ہے۔ اس میں صحت و صداقت صرف اس حد تک ہے کہ عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرؓ سے ایسے قول مروی ہیں جو حضرت ابوطالبؑ کی وفات کے وقت بالترتیب تین اور سات سال کے تھے۔ کیا ان کے اجماع کو اجماع کہا جائے گا؟! جب کہ اُس وقت حضرت علی علیہ السلام اور حضرت عبداللہ بن مسعود جیسے مفسرینِ قرآن بھی موجود تھے جن کا اجتہاد اور قرآنِ مجید کے ظاہر و باطن سے واقفیت اہلِ سنّت کے نزدیک بھی مسلّم ہے۔ ان حضرات سے ایسا کوئی قول بھی نہیں ملتا۔ لہٰذا ہم کہنے پہ مجبور ہیں:

؎ دینِ فطرت پہ جو نہیں ہوتے
ایسے شوشے تو چھوڑتے ہیں وہی

اہلِ بیتؑ کا اِجماع

مفسرین کے اس طرح کے اجماعِ صحابہ کے دعوے کی بحث کے بعد اب

اہلِ بیتِ اطہارؑ کے اجماع کی طرف رجوع کرنا بھی ضروری ہے جن کے بارے میں رسولِ اعظم و خاتم ﷺ نے فرمایا: میں تمھارے درمیان دو ایسی چیزیں، قرآن و اہلِ بیتؑ، چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم انھیں مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو کبھی گم راہ نہیں ہو گے۔ یہ ایک دوسرے سے کبھی جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر اکٹھے میرے پاس پہنچیں گے۔ نیز فرمایا: پس یہ دیکھا جائے گا کہ تم میرے بعد ان سے کیسا سلوک کرتے رہے ہو (مفہوماً)۔

اس حدیثِ مبارکہ کی موجودگی میں اہلِ بیتِؑ عظام کے اجماع کی صورت میں باقی تمام اہلِ اسلام کا اجماع بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اس ضمن میں شاہ عبدالحق دہلوی معارج النبوۃ کے رکنِ دوم ص ۶۹ پر رقم طراز ہیں:

از اہلِ بیتؑ ایشان کہ اِتّفاق دارند بر آن کہ ابوطالبؑ با ایمان رفتہ

"اہلِ بیتؑ کا اس پر اتفاق واجماع ہے کہ حضرت ابوطالبؑ نے ایمان کے ساتھ انتقال فرمایا"۔

اہلِ تسنن کی بڑی بڑی تفاسیر میں سے مفسرین کے نقطہ ہائے نظر پیش کر کے اُن کے عظمتِ ابوطالبؑ میں کھلے اعترافات پیش کیے جا چکے ہیں۔ اب محمود احمد عباسی (جو اپنے نام سے پہلے السید بھی لکھتا ہے یا پھر ڈاکٹر محمد اسلم اور غلام نبی مسلم اوٹ پٹانگ باتیں کریں تو وہ نقار خانے میں طوطی کی آواز ہی ہو گی۔ وہ اپنی کذب بیانی اور گندگی کو دوسروں کی کذب بیانی اور گندگی (خامی) قرار دیتے ہیں۔ علی والوں کو سبائی کہتے ہیں اور نصابی کتابوں میں حضرت علی علیہ السلام کو مرحب کا قاتل بتانے کے بجائے محمد بن مسلمہ انصاری کو یہ کریڈٹ دلوانا چاہتے ہیں، تو اُن کی کبھی بار آور نہ ہونے والی یہ کوششیں اُن کی حقیقت کا پتا دیتی ہیں، نیز اُن

کے ڈھول کا پول کھولتی ہیں کہ وہ اہلِ سنّت سے قطعاً تعلق نہیں رکھتے بل کہ اشرفیوں کی چھنکار پر ایمان فروشی کرنے والے دین دشمن عناصر میں سے ہیں، جو اہلِ اسلام میں انتشار پیدا کر کے اتحادِ ملّت کو پارہ پارہ کرنا چاہتے ہیں۔ شان و ایمان ابوطالبؑ میں ایسی خیانتیں پہلے بھی ہوتی رہی ہیں۔ دُور نہ جائیے رضا شاہ پہلوی کے دورِ حکومت کے ایک خیانت کار ایرانی سینیٹر علی دشتی نے بھی یہ جسارت کی تھی کہ: ابوطالبؑ بغیر ایمان لائے دُنیا سے چل بسے۔

ایسے خائنوں کی فہرست بھی طویل ہے جو حضرت ابوطالبؑ کو کفیلِ رسولؐ، سرپرستِ اعلیٰ اور اپنے زمانے کا عظیم دانش ور تو تسلیم کرتے ہیں مگر آپؑ کے ایمان پر حملہ آور ہو کر اپنا ایمان گنوا بیٹھے ہیں، ان میں ہاشم خطیب، زرکلی، طٰہٰ حسین اور ہیکل وغیرہ شامل ہیں۔

اسی طرح ایک دُشمنِ اسلام مشرقی یہودی مونٹگمری واٹ نے بھی حضرت ابوطالبؑ کی حمایتِ رسولؐ کو حمایتِ اسلام نہیں جانا بل کہ اسے محض قبائلی محبت اور خاندانی اُلفت سمجھا ہے لیکن اس مکّار کا یہ وار بھی دیکھیے، کہتا ہے کہ محمدؐ آئینِ یہودیت پر کاربند تھے۔ اس طرح وہ اسلام کو بھی آپؐ کی ذہنی اختراع ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ چہ بوالعجبی!

ابوطالبؑ کی تاریخِ حمایت

جسے چاہیں گے اُس کو بخشوا لیں گے یقیناً وہ
نظرؔ معلوم بھی ہے حدِ امکانِ ابوطالبؑ
(نظرؔ امروہوی)

آپ نے جنابِ ابوطالبؑ کی عظیم شخصیت کو تفسیر و حدیث کے آئینے میں ملاحظہ فرمایا اور اب آخر میں تاریخ کے آئینے میں آپؑ کے چہرۂ دُرخشاں کی جھلک دیکھتے ہیں۔

علامہ مجلسیؒ کا بیان

حضرت علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں: (طولِ تاریخ میں) تمام امامیہ کا اتفاق ہے کہ حضرت ابوطالبؑ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان لائے تھے۔ آپؑ نے عمر بھر کسی بت کی پوجا نہ کی، بل کہ آپ تو حضرت ابراہیمؑ کے اوصیا میں سے ایک وصی تھے۔ امامیہ علما نے ایمانِ ابوطالبؑ کے ثبوت میں کافی کتابیں رقم کی ہیں۔

(کاش ہمارے علما ان کا اُردو میں ترجمہ ہی کر دیں، مؤلف)۔

شیخ صدوقؒ کا فرمان

(اور علامہ مجلسی سے بہت پہلے شیخ صدوق فرما چکے ہیں:) جنابِ عبدالمطلبؑ حجتِ الٰہی تھے اور حضرت ابوطالبؑ اُن کے وصی تھے۔ ایک روایت کے مطابق: برکاتِ انبیا، حضرت موسیٰؑ کا عصا، حضرت سُلیمانؑ کی انگوٹھی اور اسی طرح دوسرے انبیاؑ

کے تبرکات حضرت عبدالمطلبؑ کے توسط سے حضرت ابوطالبؑ کے سپرد ہوئے۔ آپؑ نے یہ تمام تبرکات خاتم الانبیاءؐ کے حوالے کیے۔ (تقویم شیعہ، ص ۱۸۶)

ابنِ جزری شافعی کا قول

ابنِ جزری شافعی کہتے ہیں: اہلِ بیتِ رسولؐ کا ایمانِ ابوطالبؑ پر اجماع ہے اور اجماعِ اہلِ بیتؑ حجت ہے۔ (منتخب التواریخ، ص ۱۱۳-۱۱۴، وقائع الایام، ج ۱، ص ۲۸۶-۳۰۶، شرح ابن ابی الحدید، ج ۱۴، ص ۶۵-۶۶)

ایمانِ ابوطالبؑ میزانِ ایمان

ایمانِ ابوطالبؑ پر بہت زیادہ کتابیں لکھی گئی ہیں۔ سب سے پہلی کتاب ۹۳۰ ہجری قمری میں لکھی گئی۔ اُس زمانے سے آج تک اس موضوع پر بہت زیادہ کتابیں تالیف ہوئیں جو اہلِ تحقیق سے مخفی نہیں ہیں۔ (قلائد الخورج، ج ۲۸۴، منتخب التواریخ، ص ۱۱۳، وقائع الایام، ج ۱، ص ۳۰۱)

حضرت امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں: "جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضرت ابوطالبؑ اس دُنیا سے حالتِ کفر کے ساتھ گئے وہ کافر ہے"۔ (تقویم شیعہ، ص ۱۸۷)

حضرت ابوطالبؑ کے تاریخی اشعار

حضرت ابوطالبؑ کے وہ اشعار جو آپؑ نے پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح وستائش میں انشا فرمائے، تاریخ کے سینے میں محفوظ ہیں (جنھیں ہم علاحدہ باب کی صورت میں جزواً پیش کر چکے ہیں)۔

اشعارِ علیؑ اور عظمتِ ابوطالبؑ کا بیان

اشعار جو علیہ السلام کی طرف منسوب کر کے آپؑ گرامی

کی وفات حسرت آیات پر موزوں فرمائے تھے، اس امر کے گواہ ہیں کہ ابوطالبؑ ایمان کی کس بلندی پر فائز تھے۔ مولا امیرؑ کے ان اشعار سے ظاہر و باہر ہے کہ:

- حضرت ابوطالب پاک فطرت اور مہذب انسان تھے۔
- حضرت ابوطالبؑ حامل برکات تھے۔
- حضرت ابوطالبؑ کی فضیلت خود خدائے متعال نے بیان فرمائی ہے۔
- حضرت ابوطالبؑ نے کفار سے راہِ خدا میں جہاد فرمایا۔
- حضرت ابوطالبؑ نے (رسولِ معظم کے ساتھ) اپنے عہد و پیمان کو پورا فرمایا۔

ناصرِ رسولؐ (حضرت ابوطالبؑ) کے وہ کلمات بھی تاریخ میں محفوظ ہیں جو آپ نے مسجد الحرام میں قریشِ مکہ سے کہے تھے کہ جب انھوں نے پیغمبر گرامیؐ کو اذیت پہنچانے کا قصد کیا تھا (بابِ دیگر میں ملاحظہ کیجیے، یہاں تکرار سے بچنا مقصود ہے)۔

صفحاتِ تاریخ میں آپ کے وہ کلمات بھی ثبت ہیں جو آپ نے بارانِ رحمت طلب کرنے کے لیے صادر فرمائے تھے۔ آپؑ کی رحلت کے وقت رسولِ اسلام کی گفتگو بھی سرمایۂ تاریخ ہے (جو مقالۂ افتتاحیہ کے حرفِ آخر کے طور پر درج کی جا چکی ہے)۔

آپؑ کے ایمان کو اصحابِ کہف کے ایمان سے نسبت دی گئی ہے۔ امیرالمومنینؑ نے آپؑ کے انتقالِ پُرملال پر جو مرثیہ کہا تھا وہ اس امر پر دلیل ہے کہ آپؑ سید الشہدا حمزہؓ پر بھی فضیلت رکھتے تھے۔

اصبغ بن نباتہؓ کا تاریخی قول

اصبغ بن نباتہ کے ایک تاریخی قول کے مطابق جنابِ امیر علیہ السلام نے فرمایا: بخدا میرے والد اور میرے دادا حضرت عبدالمطلب، ہاشم و عبد مناف (علیہم السلام) نے کبھی بتوں کی پوجا نہ کی تھی۔ آپؑ سے پوچھا گیا کہ پھر وہ کس کی عبادت کرتے تھے؟ تو جواباً فرمایا: وہ قبلہ رُخ ہو کر عبادتِ خدا کیا کرتے تھے اور دینِ ابراہیم خلیل اللہ پر تھے۔

ابنِ ابی الحدید کے اشعار کا ترجمہ

ابنِ ابی الحدید (اہلِ سنّت کے ایک بزرگ عالم) اپنے اشعار میں کہتے ہیں: اگر حضرت ابوطالبؑ اور اُن کے بیٹے نہ ہوتے تو دین اس صورت میں مستحکم نہ ہوتا جس صورت میں آج ہے۔ حضرت ابوطالبؑ نے مکہ معظمہ میں اور آپؑ کے بیٹوں نے مدینہ منورہ میں پیغمبرِ اکرمؐ کی بے دریغ مدد و نصرت کی۔ (شرح ابن ابی حدید، ج ۱۴، ص ۸۵)

روایت سازی کے کارخانے

تاریخ اسلام بالخصوص وقایع الایام میں (ص ۲۸۹ پر) سیوطی کے حوالے سے موجود ہے کہ جنابِ ابوطالبؑ کے ایمان کے بارے میں تردّد پیدا کرنے والی جھوٹی روایات امیرِ شام کے دور میں گھڑی گئیں اور ان روایات کا بانی مغیرہ بن شُعبہ ہے۔

ابوطالبؑ سے محرومی بنی ہے باعثِ ہجرت

جب امام علی علیہ السلام نے اپنے والد ماجد کی رحلت کی خبر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دی تو حضورؐ بہت غمگین ہوئے اور فرمایا: اے علیؑ! جاؤ انھیں غسل دو، حنوط کرو اور کفن پہناؤ اور جب ان کا جنازہ تیار ہو جائے تو مجھے اس امر کی خبر دو"۔

جب حضرت علیؑ پیغمبر گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کی تعمیل سے فارغ ہو چکے تو آپؐ کو اطلاع دی۔ پیغمبر اکرمؐ اپنے چچا کے بدنِ مطہر پر پہنچے تو سخت غم زدہ و اَلم گرفتہ خاطر ہوئے اور فرمایا: "اے عمِ محترم! آپؑ نے مجھ سے صلہ رحم فرمایا، مجھ پر رحم و کرم کیا۔ آپؑ نے میرے بچپن میں میری کفالت فرمائی اور جوانی میں میری نصرت فرمائی"۔

بعدازاں اپنے صحابہ کی طرف رُخ کر کے فرمایا: "بخدا! میں روزِ قیامت (مزید بلندیِ درجات کے لیے) اپنے چچا کی شفاعت کروں گا اور وہ شفاعت ایسی ہو گی کہ جسے دیکھ کر جن وانس حیران و ششدر رہوں گے"۔

پھر جبرئیلؑ امین، پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئے اور عرض کیا: "آپؐ کے حامی وناصر اس دنیا سے کوچ کر گئے ہیں اب آپؐ ہجرت کریں"۔ (بحارالانوار، ج ۱۹، ص ۶۹)

سنتِ امیرالمومنینؑ

عظمتِ ابوطالبؑ پر اس حرفِ آخر کے ہم راہ جنابِ امیرؑ کی ایک سنت بھی، ملاحظہ فرمائیے: "جنابِ امیرالمومنینؑ کا معمول تھا کہ آپؑ حضرت عبداللہ (رسولؐ خدا کے والدِ گرامی) اور حضرت ابوطالبؑ کی نیابت میں بیت اللہ کا حج کرواتے تھے اور وقتِ شہادت آپؑ نے اپنے اولاد و امجاد کو یہ وصیت فرمائی کہ یہ سلسلہ (اسی طرح) جاری رہے"۔ [1] (وقائع الایام، ج ۱، ص ۳۰۳)

یہ تھے تفسیر و حدیث کی بحث کے بعد تاریخ کے وہ چند ذیلات جو اس باب کو عظمتِ ابوطالبؑ کی مکمل کتاب بنانے کے لیے درج کیے گئے ورنہ تو یہ پوری کتاب ہی سوانحِ ابوطالبؑ میں تاریخ کی شرحِ صدر ہے۔

ابوطالبؑ کی تاریخ حمایت
مقدر بن گئی کتنا کرم ہے
یہی اب دنیا و عقبیٰ میں مظہر
ہماری زندگانی کا بھرم ہے

[1] لیکن دوسری طرف علیؑ دشمنوں نے علیؑ کے بابا سے بدلہ لینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی حتی کہ اجماعِ اُمت کے ساتھ حضرت علی علیہ السلام کے امامِ حق ہونے کے باوجود اُن سے بغاوت کرنے والے امیرِ شام کو تو امیرالمومنین لکھا گیا لیکن حضرتِ ابوطالبؑ کو کافر۔ ایک عالم عبدالجلیل قزوینی نہایت افسوس سے کہتے ہیں کہ ابوطالبؑ کو علیہ السلام کہنے پر اعتراض کرنے والوں کے نزدیک قاتلِ حسینؑ (یزید لعین) امیرالمومنین ہے لیکن علیؑ کا باپ کافر۔

بابِ چہارم

ابوطالبؑ اور محافظت و دفاعِ اسلام

و

رسولِؐ اسلام

○

کعبے کے لیے کعبۂ حُرمت ہے تری ذات
تطہیر کی چادر کی طہارت ہے تری ذات
تسکینِ گہِ ذاتِ رسالتؐ ہے تری ذات
ہاں کارِ خدائی کی ضرورت ہے تری ذات
اِک تو جو محمدؐ کا نگہ بان نہ ہوتا
دُنیا میں کہیں کوئی مسلمان نہ ہوتا
(نوّر)

حضرتِ ابوطالبؑ اور دشمنانِ خدا و رسولؐ کی سرکوبی

جن دنوں مشرکین و کفار، پیغمبرِ اکرم ﷺ کے پیچھے پڑے ہوئے تھے اور آپؐ کو ہر ممکن اذیت پہنچانے کے درپے تھے، ایک دن آپؐ کہیں نظر سے اوجھل ہو گئے اور آپؐ کا کچھ پتا نہ چل رہا تھا۔ حضرتِ ابوطالبؑ کو خطرہ لاحق ہو گیا اور احتمال ہوا کہ مشرکین نے آپؐ کو قتل کر دیا ہے یا اغوا کر لیا ہوگا۔ چناں چہ ابوطالبؑ نے قریش کو مزا چکھانے کے لیے اپنے حمایتیوں کو بلایا اور تمام بنوہاشم کو بلا کر اُن سے یوں گفتگو فرمائی:

"تم میں سے ہر ایک لباس کے نیچے چھپا کر اپنے ساتھ اسلحہ لے جائے اور کفار میں سے ایک ایک کے ساتھ بیٹھ جائے۔ جب میں تمھارے پاس آؤں اور حضرت محمدؐ سے مُطّلع نہ کروں (یعنی اگر وہ نہ ملیں اور کفار نے انھیں گزند پہنچائی ہو) تو تم میں سے ہر ایک اچانک حملہ کر کے اپنے اپنے قریب بیٹھے مشرک کا خاتمہ کر دے"۔

بنوہاشم (حضرت ابوطالبؑ کے) اس حکم پر عمل کر رہے تھے جب کہ پیغمبرِ اکرم ﷺ کوہِ صفا کے گوشہ و کنار میں (بہ خیریت) موجود تھے۔ جب انھیں اس صورتِ حال سے آگاہی ہوئی تو مسجد الحرام میں حضرت ابوطالبؑ کے پاس پہنچے۔ جب حضرت ابوطالبؑ نے انھیں دیکھا تو ہاتھ سے پکڑا اور قریش کے پاس لے آئے اور اُن سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"اے مشرکینِ قریش! میں نے محمدؐ کو نہ پایا تو خیال کیا کہ شاید تم نے کوئی منصوبہ بندی کی ہے، لہٰذا میں نے بنوہاشم کو اپنے پاس بلایا اور ایک تدبیر سکھائی جس سے تم سب کو قتل کیا جا سکتا تھا"۔

پھر حضرت ابوطالبؑ نے جوانانِ ہاشم سے فرمایا کہ اپنا اپنا اسلحہ اِن پر آشکار کرو۔ اُنھوں نے اسلحہ ظاہر کیا تو مشرکین دیکھ کر وحشت زدہ ہو گئے۔ پھر ابوطالبؑ نے اُن کی سخت مذمت پر مبنی تہدیدی اشعار پڑھے۔

مذکورہ بالا واقعہ ایک اور طریق سے بھی منقول ہے۔ مشہور و معروف مورخ واقدی روایت کرتا ہے کہ ابوطالبؑ شب و روز میں کبھی رسولِؐ پاک سے جدا نہ ہوتے تھے۔ اُنھیں خوف لاحق ہوتا تھا کہ دشمن ان کی غفلت سے فائدہ اُٹھا کر کوئی سازش نہ کریں اور حضرت محمدؐ کو قتل نہ کردیں۔ ایک دن (حضرت) ابوطالبؑ نے حضرت محمدؐ کو نہ پایا تو آپؐ کی تلاش شروع کی اور جب آپؐ دو دن تک نہ ملے تو ابوطالبؑ کا دل فراقِ محمدؐ سے تڑپ اُٹھا، اُن کے دل سے آہِ سوزاں بلند ہوئی اور نہایت دُکھی حالت میں فرمایا: اے میرے بیٹے کہاں ہو؟

بالآخر حضرت ابوطالبؑ نے اپنے ساتھیوں، حمایتیوں اور غلاموں کو اکٹھا کیا اور کہا کہ محمدؐ نظر نہیں آرہے ہیں، مجھے شک ہے کہ اُنھیں مشرکین نے قتل کردیا ہے یا اِغوا کرلیا ہے۔ پھر اپنے بیس غلاموں کو چُنا اور اُنھیں حکم دیا کہ تم میں سے ہر ایک اپنا اپنا خنجر اُٹھائے اور لباس کے نیچے چھپالے اور ہر ایک، ایک مشرک کے پاس جا بیٹھے۔ اگر مَیں تمھارے پاس محمدؐ کے ہم راہ آؤں تو کوئی قدم نہ اُٹھانا اور اگر میں محمدؐ کے بغیر چلا آؤں تو تم فوراً اپنے اپنے پاس بیٹھے مشرک پر حملہ کر کے اُسے قتل کردینا۔

حضرت ابوطالبؑ کے غلاموں نے اس پر عمل کیا اور پوشیدہ بیٹھ گئے، جب کہ خود حضرت ابوطالبؑ پیغمبرِ اکرمؐ کی تلاش میں ہر طرف گئے۔ آپؑ نے حضرت محمدؐ کو کعبہ کے نزدیک ایک پتھر کے پاس نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو اپنی آغوش میں لے لیا اور اَشک شوئی کی، نیز اپنا منصوبہ پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ پھر حضوؐر کا ہاتھ پکڑا اور مسجد کے قریب پہنچے، جہاں مشرکین کھڑے تھے۔ مشرکوں نے جب ابوطالبؑ

کو دیکھا تو کہا: ابوطالبؑ! محمدؐ کو اپنے ہم راہ لا رہے ہیں لیکن عجیب حالت میں آ رہے ہیں گویا کوئی خاص بات ہے۔ جب ابوطالبؑ وہاں پہنچے تو قریش کے نزدیک کھڑے ہو گئے، آپؑ کے چہرے پر خشم وغضب کے آثار تھے۔ آپؑ نے غلاموں کو اپنے خنجر ظاہر کرنے کا حکم دیا، غلاموں کے خنجر نکلے تو مشرکین انھیں دیکھ کر گھبرا گئے اور کہا: اے ابوطالبؑ! یہ کیا منظر ہے جو ہم دیکھ رہے ہیں؟!

حضرت ابوطالبؑ نے کہا: جو تم دیکھ رہے ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ محمدؐ میری نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے، اور دو روز تک مجھے نہ ملے تو میرا گمان پختہ ہو گیا کہ مشرکین کے ایما پر قتل ہو گئے ہیں، جب میں نے اپنے غلاموں سے کہا کہ ہر ایک مشرک کے پاس پہنچ جاؤ۔ اگر میں محمدؐ کو اپنے ہم راہ لاؤں تو کچھ نہ کہنا اور اگر نہ لاؤں یعنی محمدؐ نہ ملیں اور میرے ہم راہ نہ ہوں تو اپنے اپنے ساتھ بیٹھے مشرک کی گردن پر خنجر چلا دینا۔

مشرکین نے کہا: اگر واقعاً محمدؐ نہ ملتے تو کیا یہ غلام ایسا ہی کرتے!

ابوطالبؑ نے فرمایا: خدا کی قسم! یہ ایسا ہی کرتے۔

مُطعم بن عَدی جو ابوطالبؑ سے عہدوپیمان کیے ہوئے تھا، نے کہا: پھر اس صورت میں آپؑ اپنے خاندان کی بربادی کا اِقدام کر لیتے۔

ابوطالبؑ نے فرمایا: مَیں یہی کام کرتا خواہ میرا خاندان بھی مارا جاتا۔

پھر ابوطالبؑ وہاں سے پلٹے تو پیغمبرِ اکرمؐ سے کچھ اشعار پڑھ کر خطاب کیا، ترجمہ ملاحظہ کیجیے:

"اے میرے بیٹے! آپؐ اپنا کام جاری رکھیں، آپؐ پر کوئی اعتراض نہیں۔ ہماری آنکھیں روشن ہیں۔ خدا کی قسم! سارے مشرک اپنی تمام تر طاقت وصلاحیت کے باوجود بھی آپؐ کو ہاتھ نہیں ڈال سکتے، سوائے اس کے کہ مَیں فوت ہو جاؤں اور زیرِ خاک چلا

جاؤں۔

اے محمدؐ! آپؐ نے مجھے اپنے دین کی طرف بلایا ہے۔ میں جانتا
ہوں کہ آپؐ نے میرا بھلا چاہا ہے۔ میں آپؐ کی تصدیق کرتا ہوں
کیوں کہ آپؐ سے پہلے بھی امین شخص (خدائی وحی کے امانت دار)
آتے رہے"۔

ابوطالبؑ مشرکین کے قاطعِ کلام

مشرکین نے کئی طریقے اختیار کر کے کوشش کی کہ ابوطالبؑ کو پیغمبر اکرمؐ کی حمایت سے دست بردار کرائیں لیکن اُن کے تمام اِقدامات ناکام ہوئے۔ ایک دفعہ مشرکین نے ولید بن مغیرہ کے بیٹے عُمارہ کو اپنے ہم راہ لیا اور حضرت ابوطالبؑ کے پاس پہنچ کر کہا:

اے خواجۂ عرب! ہم آپؑ کے پاس یہ باشعور جوان لائے ہیں جو آپؑ کے محمدؐ سے زیادہ خوب صورت ہے اور محمدؐ سے زیادہ جوان، نیز زیادہ ہوش یار اور چالاک ہے۔ یہ آپؑ کے لیے زورِ بازو اور بہتر مددگار ثابت ہوگا۔ آپؑ اس کے بدلے محمدؐ کو ہمارے حوالے کر دیں، جو ہمیں بے وقوف و نادان کہتا ہے اور جس نے ہماری روِش پر غلطی کی لکیر کھینچ دی ہے۔ یوں ہمارے درمیان اختلاف ڈال دیا ہے، اسے ہمارے حوالے کر دیں تا کہ ہم اسے قتل کر دیں۔ فَاِنَّمَا رَجُلٌ بِرَجُلٍ "ہم ایک فرد کے بدلے ایک فرد آپؑ کے حوالے کر رہے ہیں"۔

حضرت ابوطالبؑ نے ان کی اس جاہلانہ، غلیظ اور مکارانہ تجویز پر فرمایا: میں تمھارا لڑکا پالنے پوسنے اور کھلانے پلانے کے لیے لے لوں اور اپنا بیٹا قتل کرنے کے لیے تمھیں دے دوں؟! خدا کی قسم! ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔

ایک بڑے مشرک مُطعم بن عدی نے کہا: اے ابوطالبؑ! (سیّد العرب) قوم

آپؑ کے پاس انصاف کی بنیاد پر مسئلہ حل کرنے آئی ہے۔

حضرتِ ابوطالبؑ نے فرمایا: خدا کی قسم! یہ قوم سراسر ناانصافی (کے مطمعِ نظر) سے میرے پاس آئی ہے کہ مجھے دباؤ میں لائے لیکن یہ جان لو کہ میں محمدؐ کو کسی صورت تمھارے حوالے کرنے کو تیار نہیں اور تمھاری تجویز یکسر مسترد کرتا ہوں۔

قریش کا شدید دباؤ اور کلامِ ابوطالبؑ

جب مشرکین نے دیکھا کہ حضرت محمدؐ اپنے مشن پر قایم ہیں اور اُن کا عظیم سلسلۂ سعادت ترقی کر رہا ہے تو زُعمائے قریش پھر ابوطالبؑ کے پاس آئے اور کہا: آپؑ ہمارے درمیان بزرگ اور صاحبِ شرف ہیں۔ ہم نے آپ سے چاہا تھا کہ اپنے بھتیجے کو روک لیں لیکن آپ نے اسے نہ روکا۔ اب ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا ہے اور ہماری برداشت سے یہ باہر ہے کہ محمدؐ ہمارے نیک بزرگوں کی روش کو غلط کہیں اور ہمیں پاگل اور نادان گردانیں، نیز ہمارے خداؤں کے بارے میں بدگوئی کریں۔ ہم اب بھی آپ کو موقع دیتے ہیں کہ انھیں روک لیں ورنہ ہماری آپؑ کی سخت جنگ ہوگی اور نتیجتاً ایک گروہ ہلاک ہوجائے گا۔ یہ کہ کر وہ اپنے گھروں کو چل دیے۔

حضرتِ ابوطالبؑ کے لیے اپنی قوم سے (انسانی فطرت کے مطابق) جنگ، جدائی اور دشمنی سنگین و گراں تھی جب کہ آپ حضرت محمدؐ کو کسی صورت میں بھی تنہا نہ چھوڑ سکتے تھے۔ لہٰذا آپ نے پیغمبرِ اکرمؐ کو بلایا اور عرض کیا: ہماری قوم نے یہ یہ کہا ہے۔ پس آپؐ سے گزارش ہے کہ اپنی اور میری جان بچائیں اور اس حد تک نہ جائیں کہ جس کا میں متحمل نہ ہوسکوں۔

پیغمبرِ اکرمؐ نے فرمایا: چچا جان! اگر مشرکین میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند لاکر رکھ دیں اور کہیں کہ میں تبلیغِ حق سے ہٹ جاؤں تو میں ہرگز ایسا نہ کروں گا حتیٰ

کہ اسلام کام یاب ہو جائے اور میں شہید ہو جاؤں۔ یہ کہتے ہوئے نبی اکرمؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور آپؐ رو پڑے، پھر اُٹھے اور چل دیے۔ ابھی آپؐ جنابِ ابوطالبؑ سے چند قدم ہی دُور گئے تھے کہ ابوطالبؑ نے کہا: اے میرے بھتیجے! واپس آ جاؤ۔

پیغمبر اکرمؐ واپس آئے تو حضرت ابوطالبؑ نے فرمایا:

اِذْهَبْ يَابْنَ اَخِي فَقُلْ مَا اَحْبَبْتَ ، فَوَ اللهِ لَا اُسْلِمُكَ لِشَيْءٍ اَبَدًا (سیرۃ ابن ہشام، ج۱، ص ۲۸۴، ۲۸۵)

"اے بھتیجے! جاؤ اور جیسے چاہو اسلام کی تبلیغ کرو۔ خدا کی قسم! میں ان (کفّار) کی کوئی بات ہرگز تسلیم نہ کروں گا"۔

پھر مشرکین سے کہا: خدا کی قسم! محمدؐ کبھی جھوٹ نہیں بولتے، لہٰذا میں تمھاری کوئی بات درخورِ اعتنا نہیں سمجھتا۔ چلے جاؤ۔۔۔ یہ جملہ حضرت ابوطالبؑ کے (محمدؐ، ربِّ محمدؐ اور دینِ محمدؐ پر کامل) ایمان کا واضح ثبوت ہے۔

حضرتِ ابوطالبؑ کا ایثار

حضرت ابوطالبؑ کا پیغمبرِ اکرم ﷺ سے بہت گہرا ربط تھا۔ آپؑ جیسے ہی پیغمبرِ اکرمؐ کو دیکھتے، بے اختیار آپؑ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے اور فرماتے: جب میں محمدؐ کو دیکھتا ہوں تو مجھے اپنے بھائی عبداللہ یاد آ جاتے ہیں۔

حضرت ابوطالبؑ، حضرت محمدؐ سے اپنے والدِ گرامی کی طرح شدید محبت کرتے تھے۔ آپؑ ہمیشہ فکرمند رہتے کہ کہیں رات کو دشمن شب خون نہ مارے، لہٰذا رات میں علیؑ کو اُٹھا کر پیغمبرِ اکرمؐ کے بستر پر لٹا دیتے اور پیغمبرِ اکرمؐ کو علیؑ کے بستر پر سُلا دیتے۔ ایک رات حضرت علیؑ نے اپنے والد حضرت ابوطالبؑ سے عرض کیا: کیا میں دشمن کے حملے سے قتل ہو جاؤں گا؟ تو حضرت ابوطالبؑ نے (بہ زبانِ شعر) حضرت علیؑ کو صبر

واستقامت (اور ایثار وقربانی) کی تلقین فرمائی۔

حضرت علیؑ نے (بہ زبانِ شعر ہی) عرض کیا: (والدِ گرامی!) آپؑ پیغمبرِ اکرمؐ کی مدد کے لیے مجھے استقامت کا درس دیتے ہیں؟ خدا کی قسم! میں نے جو کہا ہے وہ بے صبری کی وجہ سے ہرگز نہیں کہا بل کہ میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں آپؑ کا ہمیشہ کے لیے فرماں بردار رہا ہوں کیوں کہ میری کوشش اللہ اور اس کے رسولؐ (کے دین) کے لیے ہے۔

ابوطالبؑ کا "قتلِ پیغمبرؐ" کی تجویز کو قطعیت سے رد کر دینا

اسلام کے بحران کے دور میں ایک دن مشرکینِ مکہ حضرتِ ابوطالبؑ کے پاس آئے اور کہنے لگے: آپؑ ہمارے بزرگ ہیں، آپؑ محمدؐ کو ہماری تحویل میں دے دیں تاکہ ہم اسے قتل کر دیں، اس کے عوض ہم آپ کو اپنی (کامل) سرداری اور حکومت (کا حق) دیتے ہیں۔

حضرتِ ابوطالبؑ نے اُن مکاروں کی اس تجویز کو قطعیت کے ساتھ رد کر دیا اور کہا: اے مشرکو! ہمارا بیٹا جھوٹا نہیں۔ وہ سچ کہتا ہے اور ہم اس کے ساتھ ہیں۔

جنگِ بدر میں جب عُبیدہ بن حارثؓ کا پاؤں زخمی ہوا علیؑ اور حمزہ اُن کو میدان سے اُٹھا کر لائے اور حضورؐ کی خدمت میں حاضر کیا تو اُنھوں نے پیغمبرِ اکرمؐ سے عرض کیا: کیا میں شہید نہیں ہوں؟ آپؐ نے فرمایا: کیوں نہیں! تم شہید ہو۔

انھوں نے کہا: اگر آج ابوطالبؑ زندہ ہوتے تو مجھے شاباش دیتے اور دیکھتے کہ اُنھوں نے جو یہ شعر کہا تھا میں اُس کا دوسروں سے زیادہ سزاوار ہوں:

وَنُسْلِمُهُ[1] حَتّٰى نُصَرَّعَ حَوْلَهُ
وَنَذْهَلَ عَنْ أَبْنَائِنَا وَالْحَلَائِلِ

---

[1] کئی کتب میں وَنَنْصُرُهُ ہے، البتہ ہم نے دیوانِ ابوطالبؑ کو ترجیح دی ہے۔

"ہم اس کی مدد کریں گے یہاں تک کہ اس کے اردگرد شہید ہو جائیں
اور ہم اس کی راہ میں اپنے بیٹوں اور خواتین یعنی اہل و عیال (کی
قربانی) سے بھی چشم پوشی نہیں کریں گے۔ (بحار، ج ۱۹، ص ۳۱۵)

یہ خیالات بتا رہے ہیں کہ حضرت ابوطالبؑ کے اشعار مسلمانوں کے لیے تقویتِ روحانی کا باعث تھے اور بہت زیادہ اثر رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت ابوطالبؑ کی وفات کے کئی سال بعد بھی ان کے اشعار شدید بحرانوں میں صبر و تحمل کا باعث ثابت ہوئے اور دلوں کے استحکام کا موجب بنے۔

حضرت ابوطالبؑ کی رسولِ معظمؐ سے وفا کے واقعات

حضرت ابوطالبؑ کی شانِ وفا اور جواں مردی و شجاعت بے مثیل و بے عدیل تھی۔ یہاں بہ طورِ نمونہ چند تاریخی اقتباسات پیش کیے جا رہے ہیں تاکہ اہلِ ایمان اور عشاقِ رسولؐ کے لیے تازگیٔ ایمان کا باعث بنیں۔

[۱] حضرت ابوطالبؑ اور حضرت حمزہؓ رسولِ پاکؐ کے دو ناصر: جنگِ اُحد میں حضرت حمزہؓ نے بہادری اور شجاعت کے جوہر دکھاتے ہوئے تین ملعون سورماؤں کو فی النار کر کے جامِ شہادت نوش کیا جب کہ ابوطالبؑ کے اس سیّد الشہداء بھائی کے ہم راہ اُن کے مشکل کشا فرزند علی مرتضیٰؑ دو تلواروں سے دشمن کو فی النار کر رہے تھے۔ علیؑ مولا جنگ کے دوران میں نعرہ زن تھے: اَنَا اَسَدُ اللّٰہ، اور ہاتفِ غیبی ندا بلند کر رہا تھا:

لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار لَا فَتٰی اِلَّا عَلِیْ وَاِذَا نَدَبْتُمْ........

"تلوار ہے تو صرف ذوالفقار اور جوان ہے تو صرف علیؑ۔ جب
تم کسی مقتول پر گریہ کرنا چاہو تو بھائی کے وفادار پر گریہ کرو"۔

علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں بھائی کے وفادار سے مراد حضرت حمزہؓ ہیں

یعنی وہ ابوطالبؑ جیسے وفادار رسولؐ کے وفادار بھائی ہیں۔ گویا ان ملکوتی شعروں میں تین ہستیوں کو یاد کیا گیا ہے۔ علی، حمزہ اور ابوطالب علیہم السلام۔

۲ حفاظتِ پیغمبرؐ کے لیے حضرتِ ابوطالبؑ کی تیکنیک

ختمی مرتبتؐ کا چچا ابولہب تبلیغ و اشاعتِ اسلام میں بڑا مانع اور آپؐ کا شدید مخالف تھا۔ اس سے جس قدر ہو سکتا تھا اسلام اور رسولؐ اسلام کی مخالفت کرتا تھا لیکن رشتہ دار ہونے کی وجہ سے آپؐ کے قتل پر راضی نہ ہوتا تھا۔ ایک دن قریش نے سازش کی ابولہب کی بیوی اُمِ جمیل (ابوسفیان کی بہن) نے ابولہب کو گھر میں روکے رکھے تاکہ اس کی غیر موجودگی میں رسولؐ پاک کو قتل کیا جا سکے۔ اُمِ جمیل نے قریش کی اس سازش کی تعمیل کی اور عملاً ابولہب کو کمرے میں بند اور مشغول رکھا۔ وہ ابولہب سے (کمرے کے) دروازے سے بات کرتی تھی تاکہ اُسے گھر سے باہر کی اطلاع نہ ہو سکے۔

حضرت ابوطالبؑ کو قریش اور اُمِ جمیل کی اس سازش کا علم ہو گیا۔ آپؑ نے اس سے بچاؤ کے لیے خوب تدبیر فرمائی اور وہ یہ کہ اپنے فرزندِ ارجمند علی علیہ السلام سے فرمایا کہ اپنے چچا ابولہب کے گھر جاؤ اور اگر دروازہ بند ہو تو دق الباب کرنا تاکہ وہ دروازہ کھول دے لیکن اگر نہ کھولے تو دروازہ توڑ دینا اور ابولہب کے پاس پہنچ کر کہنا: میرے بابا ابوطالبؑ کہہ رہے ہیں: ''جس شخص کا چچا تم جیسا برادرِ قوم ہو وہ کبھی ذلیل نہیں ہو سکتا''۔

حضرت علیؑ ابولہب کے گھر گئے، دق الباب کرنے پر دروازہ نہ کھلا تو آپؑ نے دروازہ توڑ دیا اور ابولہب کو اپنے پدرِ گرامی کا پیغام پہنچایا۔

ابولہب نے کہا: تمھارے باپ نے ٹھیک کہا ہے، مگر ہُوا کیا ہے؟!

حضرت علیؑ نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کی سازش بے نقاب فرمائی تو ابولہب غصّے سے اُٹھا، ہاتھ میں تلوار لی اور چل پڑا۔ اُمِ جمیل نے اُسے راستے سے

واپس لانے کی کوشش کی، لیکن وہ اس قدر غضب ناک تھا کہ ایک زوردار طمانچا اپنی بیوی کے منھ پر مارا جس سے اُس کی آنکھ زخمی ہوگئی اور بعد میں بینائی جاتی رہی۔

اُم جمیل کو ہٹا کر ابولَہَب اپنی قوم کے پاس پہنچا۔ جب قریش نے اُسے اس حالتِ غیظ و غضب میں دیکھا تو گھبرا گئے۔

ابولَہَب نے قریش کو جھڑکتے ہوئے کہا: میں نے تمھارے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ اسلام قبول نہیں کروں گا اور اسے پھیلنے سے روکوں گا مگر تم نے میری عدم موجودگی میں میرے بھتیجے کو قتل کرنے کی سازش کی ہے۔ مجھے لات و عُزّیٰ کی قسم! اگر تم اس سازش سے باز نہ آئے تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔

قریش جانتے تھے کہ ابولَہَب کا مسلمان ہونا ہمارے لیے بہت سے خطرات پیدا کرسکتا ہے، لہٰذا فوراً معذرت کی اور اپنی سازش پر شرمندگی کا اظہار کیا (ملاحظہ کیجیے ابوطالبؑ کا تدبّر اور حفاظتِ رسولؐ کے لیے اُٹھایا گیا یہ قدم، جو رسولِ معظمؐ کے لیے باعثِ عافیت بنا)۔

[۲] حضرتِ ابوطالبؑ کی دفاعِ پیغمبرؐ کے لیے موقع شناسی

بعثتِ رسولؐ کے پانچویں سال دشمن کی طرف سے لاحق خطرات سے بچنے کے لیے چند مسلمانوں نے ملکِ حبشہ کی طرف ہجرت کی (پھر اسی سال کچھ مدت بعد قریب قریب ستر آدمی حضرت جعفر طیارؑ کی سرپرستی میں حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے)۔

ان مُہاجرینِ حبشہ نے کچھ مدت بعد سنا کہ مکّہ میں اسلام پھیل رہا ہے تو انھوں نے مکّہ کی طرف مُراجعت کی لیکن مکّہ کے باہر اُنھیں معلوم ہوا کہ جو سنا تھا وہ غلط تھا۔ چناں چہ اُن میں سے کچھ دوبارہ حبشہ چلے گئے اور کچھ مکّہ کے زُعما کے پاس پناہ گزین ہوئے۔

ان میں سے ایک پناہ گزین ابوسلمہ بھی تھے جو بنی مخزوم میں سے تھے، انھوں نے حضرت ابوطالبؑ کے پاس پناہ لی۔ بنی مخزوم نے حضرت ابوطالبؑ سے کہا کہ آپ نے

اپنے بھتیجے کی حفاظت اپنے ذمّے لے رکھی ہے اور اُسے پناہ دی ہوئی ہے جس پر ہم نے کبھی اعتراض نہیں کیا لیکن اب ہمارے فرد کو بھی اپنے پاس پناہ دے دی ہے۔

جنابِ ابوطالبؑ نے جواب میں فرمایا: ابوسلمہ میرا بھانجا ہے اور میرے پاس پناہ لیے ہوئے ہے۔ کیا میں اپنے بھانجے کو پناہ نہ دوں اور اُس کا دفاع نہ کروں؟!

اس موقع پر ابولہب جو اگرچہ دشمنِ اسلام تھا، اپنے بھائی ابوطالبؑ کی حمایت میں کھڑا ہوگیا اور قریش سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: تم اِن شیخ پر اعتراض کر رہے ہو اور انھیں (اپنے بھانجے کو) پناہ دینے پر پریشان کر رہے ہو، اس حرکت سے باز آؤ ورنہ میں بھی ان کے ساتھ ہو جاؤں گا اور تمام اہداف میں ان کا ساتھ دوں گا۔

مشرکین نے سوچا کہ ابولہب کا ابوطالبؑ سے مل جانا بہت نقصان دہ ہوگا، لہٰذا معذرت طلب کر لی۔

ظاہر ہے کہ ابوطالبؑ نے حکمتِ عملی سے کام لیتے ہوئے ابولہب کے عواطف کو اُبھارا اور چند شعر اس کے بارے میں پڑھے تاکہ اُسے اپنی طرف راغب کر کے پیغمبرِ اسلام کے دفاع کے لیے ہم مورچہ بنا سکیں۔

یہاں اُن اشعار کے محض ترجمہ پر اکتفا کیا جا رہا ہے:

"وہ شخص جس کا چچا ابوعتیبہ وعتبہ (ابولہب) ہو، وہ راحت و آسایش کے باغ میں ہوتا ہے اور اس پر کوئی ظلم وستم نہیں کر سکتا۔ کعبہ کی قسم! وہ لوگ جھوٹے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم محمد ﷺ کی مدد سے ہاتھ روک لیں گے۔ نہیں ہرگز نہیں! تم انھیں کسی مقام پر تنہا کھڑا نہیں دیکھو گے"۔

غور کیجیے ابوطالبؑ کتنے عظیم محافظِ رسولؐ ہیں کہ نہ صرف خود فداکاری پر مستعد ہیں بلکہ ایک دشمنِ اسلام کو بھی مخالفت اسلام سے روکے ہوئے ہیں۔ یوں آپؑ (اللہ

اور اُس کے رسولؐ سے) تولاّ اور (دشمنانِ دین پر) تبرّا کے ساتھ ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بھی ادا فرما رہے ہیں۔ نیز جو دفاعی حکمتِ عملی ابوطالبؑ نے اپنائی آج بھی وہ عالمی سطح پر بڑے بڑے معاملات میں مسلمانوں کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

۴ حضرت علیؑ کو رسولؐ پاک سے پیوستہ ہونے کی اجازت دینا

آغازِ بعثت میں رسولؐ اسلام پر وحیِ الٰہی نازل ہوئی تو آپؐ مسجد الحرام میں تشریف لائے اور نماز پڑھی۔ حضرت علیؑ اُس وقت نو سال کے تھے۔ آپؐ وہاں سے گزرے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آپ کو دیکھ کر اپنے پاس بلایا۔ علیؑ فوراً حضورؐ کے پاس پہنچے تو رسولؐ اکرم نے فرمایا: مَیں اللہ کا رسول ہوں، تمھارے لیے خصوصاً اور عام لوگوں کے لیے عموماً، میرے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور میری اِقتدا میں نماز پڑھو۔

حضرت علیؑ نے (اپنے باپ کا ایک فرماں بردار فرزند ہونے کی وجہ سے) عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے والد سے پوچھ لوں۔

پیغمبرِ اکرمؐ نے فرمایا: ہاں! جاؤ اور اُن سے اجازت لے لو، وہ تمھیں فوراً اجازت دے دیں گے۔

حضرت علیؑ اپنے والدِ گرامی حضرت ابوطالبؑ کے پاس آئے اور اجازت طلب کی۔ حضرت ابوطالبؑ نے فرمایا:

> ''اے میرے بیٹے! یہ جان لو کہ جب سے محمدؐ پیدا ہوئے ہیں وہ اللہ کے امین ہیں۔ (فوراً) اُن کے پاس جاؤ اور ان کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت اور کامیابی حاصل کر سکو''۔

حضرت علیؑ، جنابِ رسالت مآبؐ کے پاس آئے اور حضورؐ کی داہنی جانب کھڑے ہو کر نماز میں مشغول ہو گئے۔ حضرت ابوطالبؑ وہاں سے گزرے تو دیکھا کہ علیؑ پیغمبرِ اکرمؐ کے ساتھ نماز

حضرتؑ نے بہ وجوہ حضور نبی کریم ﷺ سے پوچھا: آپؐ یہ کیا کر رہے ہیں؟

حضورؐ نے فرمایا: آسمانوں اور زمینوں کے خدا کی عبادت کر رہا ہوں اور میرے بھائی علیؑ میرے ساتھ ہیں۔ جس خدا کی میں عبادت کر رہا ہوں علیؑ بھی اُس کی عبادت کر رہے ہیں اور میں آپؑ کو بھی اُس کی عبادت کی دعوت دیتا ہوں۔

حضرت ابوطالبؑ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور چند اشعار پڑھے، جن میں سے دو شعروں کا ترجمہ حسبِ ذیل ہے: (یہ اشعار کسی اور مقام پر درج ہو چکے ہیں)

"خدا کی قسم! جب تک میری جان میں جان ہے تمام کافر جمع ہو کر بھی آپؐ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے البتہ اگر میں مرجاؤں اور دفن کر دیا جاؤں تو پھر اور بات ہے۔ نیز میں قطعی طور پر یہ جانتا ہوں کہ محمدؐ کا دین تمام ادیانِ عالم سے بہتر دین ہے"۔

حضرت ابوطالبؑ کے لیے الٰہی بشارت اور ان کی نیابت میں طوافِ کعبہ

عبدالرحمٰن بن کثیر کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ ابوطالبؑ کچھ پانی میں اور کچھ آگ میں ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ جھوٹ بولتے اور تہمت لگاتے ہیں، جبرئیلؑ حضرت محمدؐ پر اس چیز پر نازل نہیں ہوئے۔

عرض کیا: جبرئیلؑ! (حضورؐ پر) کس چیز پر نازل ہوئے؟

فرمایا: جبرئیلؑ پیغمبر اکرم ﷺ کے پاس آئے اور کہا: اے محمدؐ! اصحابِ کہف نے اپنا ایمان چھپایا اور (تقیہ کے طور پر) ① شرک ظاہر کیا۔ خدا نے (ان کے اس عمل پر) انھیں دو اجر عطا فرمائے۔

---

① بعض اہلِ ولا کا کہنا ہے کہ حضرت ابوطالبؑ کا تقیہ محض اپنے منصب کے اظہار میں تھا نہ کہ ایمان میں۔

جب حضرت ابوطالبؑ کی وفات ہوئی تو جبرئیلؑ نے خدائے متعال کی طرف سے بہشت کی بشارت دی۔

پھر فرمایا: یہ لوگ ابوطالبؑ کی طرف ایسی نسبت کیوں دیتے ہیں؟ حال آں کہ ابوطالبؑ کے انتقال کی رات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جبرئیلؑ نازل ہوئے اور کہا:

"اے محمدؐ! اب مکہ سے چلے جائیں کیوں کہ ابوطالبؑ کے بعد مکے میں آپ کا کوئی ناصر و مددگار نہیں رہا"۔

حضرت ابوطالبؑ کی عظمت کے مزید ثبوت کے طور پر صادقِ آلِ محمدؐ کے ایک صحابی داؤد رقی کا واقعہ بھی پیشِ خدمت ہے۔ داؤد کہتے ہیں کہ میں نے کسی شخص سے کچھ رقم لینا تھی، مجھے ڈر تھا کہ میری یہ رقم کہیں ضائع نہ ہو جائے۔ چناں چہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا ماجرا عرض کیا: نیز اس کی چارہ جوئی دریافت کی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا کہ جاؤ حضرت ابوطالبؑ کی نیابت میں بیت اللہ کا طواف کرو اور دو رکعت نمازِ طواف پڑھو۔ پھر حضرت عبداللہؑ (رسولؐ اسلام کے والدِ گرامی) کی نیابت میں طواف کرو اور دو رکعت نمازِ طواف پڑھو۔ پھر حضرت آمنہؑ کی نیابت میں طواف کرو اور دو رکعت نمازِ طواف پڑھو۔ پھر جنابِ فاطمہؑ بنتِ اسد کی نیابت میں طواف کرو اور دو رکعت نمازِ طواف پڑھو۔ پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ تمھیں تمھاری رقم واپس مل جائے۔

راوی کہتا ہے: میں نے ایسا ہی کیا۔ جب میں بابِ حطہ سے باہر آیا تو میں نے اُس شخص کو وہاں کھڑے دیکھا جس سے میں نے رقم لینا تھی۔ اس نے مجھے آواز دی اور کہا: اے داؤد! کہاں جا رہے ہو، آؤ مجھ سے اپنا مال لے لو۔ پس مجھے اپنی رقم وصول ہو گئی۔

یہ روایت اس امر پر بیّن دلیل ہے کہ رسولؐ خدا کے والدینِ کریمین اور حضرت علیؑ کے والدین محترمین بھی اہلِ ایمان بل کہ معیارِ ایمان تھے کہ جن کی نیابت میں طواف

کرنا مقبول و مستحب ہے اور جن کے وسیلے سے دعائیں مستجاب ہوتی ہیں۔

حفاظتِ پیغمبرؐ کے لیے حضرت ابوطالبؑ کی انقلابی وصیت

تاریخ اسلام میں ہے کہ مشرکینِ قریش نے آپس میں عہد کیا کہ جوں ہی ابوطالبؑ اس دنیا سے چل بسیں گے ہم محمدؐ کو قتل کردیں گے۔ ابوطالبؑ کو اس بات کی خبر ہوئی تو فوراً بنوہاشم اور اپنے ہم فکر لوگوں کو بلایا اور فرمایا: میرا بھتیجا محمدؐ صادق و امین اور بہت بلند مقام کا مالک ہے۔ خدائے متعال کے نزدیک ان کا مرتبہ بہت بڑا ہے۔ ان کی دعوت کو قبول کرو اور دل جمعی سے ان کی مدد کرو۔ نیز دشمن کو ان کے حریم سے دُور رکھو کیوں کہ محمد ﷺ تمھارے لیے ہمیشہ کے لیے باعثِ شرافت ہوں گے۔ پھر اپنے اقربا کے عواطف کو مہمیز کرنے کے لیے کچھ شعر کہے: (یہاں اُن کے ترجمے پر اکتفا کیا جارہا ہے)

"میں تمھیں پیغمبرؐ کی حمایت کی وصیت کرتا ہوں اور اپنے بیٹے علیؑ اور بھائی (رسولِؐ اکرم کے چچوں) عباسؓ اور حمزہؓ سے بھی کہتا ہوں نیز اپنے بیٹے جعفر کو وصیت کرتا ہوں اور تمام بنی ہاشم کو وصیت کرتا ہوں کہ جنگ کی صورت میں محمدؐ کی حمایت میں لڑو اور ہمیشہ اُن کی مدد کے لیے تیار رہو۔ میری جان اور میری اولاد تم اُن پر قربان! خطرات کے وقت محمدؐ کے لیے محفوظ اور مضبوط ڈھال بن جاؤ اور اپنی چمک دار تلواروں سے ظلمت اور شرک و کفر کو حریمِ محمدؐ سے دُور رکھو"۔

پیغمبرِ اکرمؐ کا حضرت ابوطالبؑ کے احسانات کا صلہ دینا

حمایتِ پیغمبرؐ میں ابوطالبؑ کی قربانیاں اس قدر واضح اور مسلّمہ تھیں کہ پیغمبرِ اکرمؐ ہر فرصت میں اُنھیں یاد فرمایا کرتے تھے۔

فتحِ حنین کے وقت آپؐ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: تمھاری طرح کوئی شخص

مجھ سے نزدیک نہیں، کیوں کہ:

○......تم سب سے پہلے مسلمان ہوئے۔

○......تم میرے قریب (ترین) ہو۔

○......اب میرے داماد اور میری دو جہانوں کی سردار بیٹی کے شوہر ہو۔

○......اور اس سے پہلے تمھارے باپ حضرت ابوطالبؑ نے نزولِ قرآن (اور بعثت کے وقت) میری وجہ سے بہت سی تکالیف اُٹھائیں اور مجھے امرِ خدا سے یہ پسند ہے کہ جنابِ ابوطالبؑ کی فداکاریوں کا صلہ ان کے بیٹے کو دوں۔

حتیٰ کہ حضرت علیؑ کے مخالف امیرِ شام نے ایک دن کسی محفل میں کہا کہ پیغمبرؐ نے اپنی بیٹی کا عقد علیؑ سے محبت کی وجہ سے نہیں کیا بل کہ ابوطالبؑ (والدِ علیؑ) کے احسانات کے ازالے کے لیے کیا تھا۔

اس بات سے امیرِ شام کا مقصد اگر چہ یہ ثابت کرنا تھا کہ رسولِ خدا حضرت علیؑ سے زیادہ محبت نہ رکھتے تھے لیکن اس سے واضح ہے کہ یہ امر عوام میں قطعی اور حتمی امر تھا کہ حضرت علیؑ کے والد ابوطالبؑ نے رسالت مآبؐ پر بہت بڑے بڑے احسانات کر رکھے تھے کیے اور پیغمبرِ اکرمؐ ہمیشہ ان احسانات کو چکانے کی فکر میں رہتے تھے۔

چکا ڈالا نبیؐ نے سب کے احسانات کا بدلہ
ابھی تک دین پر باقی ہے احسانِ ابوطالبؑ

باب پنجم

شعبِ ابوطالبؑ پر ایک نظر ①

① ماخوذ از ابوطالبؑ محسن

شعبِ ابی طالبؑ

اسلام کی عظمت ہے شعبِ ابی طالبؑ میں
قرآن کی رفعت ہے شعبِ ابی طالبؑ میں

پھلوں پہ گزارا ہے عمرانؑ کے بچوں کا
"ایمان" کی لذت ہے شعبِ ابی طالبؑ میں

مختار کی ملکہ نے دیکھے ہیں عجب منظر
سرتاج کی نصرت ہے شعبِ ابی طالبؑ میں

شہ زادیٔ عالم بھی ہم راہِ ملیکہ☆ ہے
کاشانۂ عترت ہے شعبِ ابی طالبؑ میں

بستر کے بدلنے پر ہے ذاتِ خدا شاہد
شدت کی محبت ہے شعبِ ابی طالبؑ میں

رحمت کو رکھا رب نے رحمت ہی کے سائے میں
اللہ کی رحمت ہے شعبِ ابی طالبؑ میں

(مظہر)

O

اترا تھا جو شعبِ ابی طالبؑ میں قبیلہ
معراج پہ پہنچا ہے وہی کرب و بلا میں

(مظہر)

☆ ملیکۂ عرب سیدہ خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا

○

تَطَاوَلَ لَيْلِيْ بِهَمٍّ وَصِبْ ۔۔۔ وَدَمْعٍ كَسَحِّ السِّقَاءِ السَّرِبْ
لِلَعْبِ قُصَيٍّ بِأَحلامِهَا ۔۔۔ وَهَل يَرجِعُ الْحِلْمُ بَعْدَ اللَّعِبْ
وَنَفْيِ قُصَيٍّ بَنِى هَاشِمٍ ۔۔۔ كَنَفْيِ الطُّهَاةِ لِطَافَ الْخَشَبْ
وَقَوْلٍ لِأَحْمَدَ: اَنْتَ امرؤٌ ۔۔۔ خَلُوفِ الْحَدِيْثِ، ضَعِيفُ السَّبَبْ

"پے در پے رنج وغم اور تفکرات کے سبب سے میری راتیں طویل ہوتی جارہی ہیں، اور میرے آنسو اس طرح بہتے رہتے ہیں، جیسے مشکیزے سے پانی بہ رہا ہو۔

کیوں کہ قُصَیّ کی اولاد اپنی عقلوں سے کھیل رہی ہے، اور کیا ایسے کھیل کے بعد دانش مندی واپس آسکتی ہے؟؟

قُصَیّ کے خاندان والوں نے خاندانِ بنی ہاشم کو اس طرح الگ کر رکھا ہے، جیسے تندور والے چھوٹی چھوٹی لکڑیوں کو چُن کر الگ کر دیتے ہیں۔ اور یہ لوگ (میرے بیٹے) احمدؐ سے کہہ رہے ہیں کہ: "تمھاری باتیں غلط ہیں۔ یہ کتنی واہیات بات ہے"۔

شعبِ ابی طالبؑ میں چوں کہ حضرت ابوطالبؑ کی حفاظتِ رسولؐ کی فکر اپنی معراج پر نظر آتی ہے، لہٰذا اس واقعہ کے علل، عوامل اور اثرات کو جاننے کے لیے اسے ایک مکمل بحث کی صورت میں پیش کیا جارہا ہے۔

شعب ابی طالبؑ کی جغرافیائی حیثیت

شعب کے لغوی معنی دَرّہ یا گھاٹی کے ہیں اور شعب ابی طالبؑ وہ درّہ ہے جو مکہ کے پہاڑوں کے درمیان واقع ہے، اُس دور میں (شعب ابی طالبؑ میں) چھوٹے چھوٹے گھر اور سائبان بنے ہوئے تھے۔ اس کے گرد اُونچے اُونچے مقامات تھے جہاں سے اردگرد کے ماحول کا بہ خوبی نظارہ کیا جاسکتا تھا۔ (فروغ ابدیت، ج ۱، ص ۳۵۳)

شعب ابی طالبؑ میں پناہ لینے کی علت

جب قریش کی دھمکیاں اور لالچ کچھ بھی سودمند نہ رہا تو انھوں نے بنی ہاشم کے ساتھ سماجی تعلقات منقطع کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس سماجی مقاطعہ (Social boycot) کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ مخالفین کو یقین ہو گیا تھا کہ ابوطالبؑ کسی صورت میں پیغمبرِ اکرمؐ کی حمایت سے دست بردار نہیں ہوں گے۔ جنابِ ابوطالبؑ کی چھاؤں چھتر میں دینِ خدا کے بازارِ ملکوتی کی رونق میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا اور چاروں جانب سے (حسنِ ملکوتی کے) خریدار کھنچے چلے آرہے تھے۔ (تاریخ مجاہداتِ پیغمبرِ اکرمؐ، ص ۵۶)

اس صورتِ حال نے متعدد جہات سے قریش کی پریشانی میں کئی گنا اضافہ کردیا تھا۔ ان پریشانیوں میں سے ایک وجہ حبشہ کے مہاجرین کا کفّار کی دسترس سے کوسوں دُور سکون سے جاکر آباد ہو رہنا تھا اور مسلمانوں کی اس آبادی، آزادی اور خوشی کے برعکس قریش کے بھیجے ہوئے افراد کو نجاشی کے دربار میں رُسوائی اور ذلّت کا سامنا کرنا تھا اور بُرے حالات میں واپس پلٹنا تھا۔

- دوسری وجہ یہ تھی کہ اسلام عرب قبائل میں تیزی سے پھیل رہا تھا اور روز بہ روز مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ آئے دن یہ خبر سنائی دیتی تھی کہ رسولِ اکرم ﷺ کا ایک بدترین دشمن مسلمان ہوگیا (مثلاً حضرت عمر بن خطاب کا

اسلام قبول کرنا، جو رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کے ارادے سے تلوار لے کر نکلے تھے)۔(تاریخ اسلام فارسی، ص ۱۳۹۔ سیرۃ النبویہ، ج ۱، ص ۳۶۵)

بعثت کے دوسرے سال ① بنی ہاشم کی ایک بڑی شجاع اور بہادر شخصیت حضرت حمزہؓ نے اسلام کی حمایت کا اعلان کر دیا۔

اس قسم کی کئی وجوہات قریش کے غصّے کو مزید بھڑکا رہی تھیں اور دوسری طرف کئی مسلمانوں نے قریش کی محافل میں بھی علانیہ قرآن کریم کی تلاوت شروع کر دی تھی، ان میں سرفہرست عبداللہ بن مسعودؓ تھے۔

حضرت مسعودؓ مسلمانوں کی رائے پر عمل کرتے ہوئے مسجد الحرام میں برپا قریش کی مجلس میں کھڑے ہو گئے اور بہ آوازِ بلند تلاوتِ قرآن شروع کر دی۔ تفصیل یہ ہے کہ وہ ''مقام'' کے نزدیک کھڑے ہو گئے اور بہ آوازِ بلند سورۂ رحمٰن پڑھنا شروع کر دیا۔ قریش نے انھیں پکڑ لیا اور بہت مارا پیٹا لیکن اُنھوں نے جہاں تک خدا کو منظور تھا تلاوت کی اور پھر مسلمانوں کے پاس لوٹ آئے۔ نیز خود کو اس کام کی تکرار کے لیے مکمل طور پر تیار رکھا اور اسے بار بار انجام دینے کا اہتمام بھی کیا۔

اُدھر جب عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ مُلکِ حبشہ سے بے نیل و مَرام لوٹے تو قریش نے پروگرام بنایا کہ وہ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطّلبؑ کے ساتھ ایک عہد نامہ لکھیں گے جس میں دونوں مذکورہ گروہوں سے قطعِ تعلقات (سماجی مقاطعہ) کا اعلان ہوگا۔ اس عہد نامے کا متن یہ تھا:

○...... محمدؐ کے حامیوں سے ہر قسم کی خرید و فروخت حرام ہوگی۔

○...... ان سے رابطہ رکھنا یعنی معاشرتی تعلقات تاکید کے ساتھ ممنوع قرار

---

① حضرت حمزہ کے بارے میں مشہور کر دیا گیا ہے کہ اُنھوں نے بعثت کے پانچویں سال اسلام قبول کیا جو سراسر غلط ہے۔

دیے جاتے ہیں۔

○.....تمام حالات میں سب مل کر محمدؐ کے مخالفوں کی حمایت کریں گے۔

مذکورہ متن پر قریش کی تمام بااثر شخصیات نے دستخط کیے، سوائے مطعم بن عدی کے، اور ساتھ ہی اعلان کیا گیا کہ یہ عہد نامہ فوری طور پر نافذ العمل سمجھا جائے۔ (فروغ ہدایت، ج ۲، ص ۳۵۹)

پیغمبرِ اکرمؐ کے قتل کا حتمی فیصلہ

جب قریش کے بعض افراد نے پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کا حتمی فیصلہ کرلیا تو یہ خبر حضرت ابوطالب تک پہنچی۔

آپؑ نے فرمایا: اے محمدؐ! خدا کی قسم! جب تک میں مٹی کے نیچے سو نہیں جاتا اس وقت تک قریش آپ کو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ آپؐ مجھے خیر خواہی اور ہدایت کی دعوت دیں اور بے شک آپ سچ کہتے ہیں۔ آپؐ اپنی دعوت و تبلیغ میں امین واقع ہوئے ہیں۔ آپؐ نے وہ دین پیش کیا ہے جو (تمام) لوگوں کے لیے بہترین دین ہے۔

(تاریخ پیغمبرِ اسلام، ص ۱۳۰-۱۳۱)

حضرت ابوطالبؑ کی طرف سے اِقدامات

جب حضرت ابوطالبؑ نے قریش کے عہد نامے اور رسولِ اکرمؐ کے قتل کے حتمی فیصلے کی خبر سنی تو اولادِ ہاشم اور عبدالمطلب کو جن میں قریب قریب چالیس مرد تھے، سوائے ابولہب کے، سب کو جمع کیا اور سب سے رسولِ اکرمؐ کی یقینی نصرت و حمایت کی درخواست کی۔ اس اجتماع میں حضرت ابوطالبؑ نے بلاتخصیصِ مذہب و ملت تمام اولادِ ہاشم و عبدالمطلبؑ کو دعوت دی اور فرمایا:

"اگر محمدؐ کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھا تو میں اُسے تمھاری آنکھوں

سے دیکھوں (چنوں) گا"۔

مذکورہ افراد کو چھوٹے چھوٹے چند سائبانوں (جھونپڑیوں) اور چند چھوٹے چھوٹے گھروں میں قیام کرنا پڑا۔ پینے کا پانی کنوؤں اور جوہڑوں میں جمع ہوتا تھا اور وہیں سے لایا جاتا تھا۔ ①

دراصل حضرت ابوطالبؑ کی ان احتیاطی تدابیر کی وجہ یہ تھی کہ آپؑ اولادِ ہاشمؑ اور اولادِ عبدالمطلبؑ کو ایک جگہ اکٹھا کر کے اپنی طاقت کو متحد رکھنا چاہتے تھے۔ اس طرح اپنے گروہ اور قبیلے کے دفاع کے ساتھ ساتھ پیغمبرِ اکرمؐ کی حفاظت یقینی ہو گئی تھی۔ (تاریخ مجاہدات پیغمبرِ اکرمؐ، ص ۶۶-۶۷)

حضرت ابوطالبؑ نے اس محصوری کو دفاعی حکمتِ عملی کے تحت قرار دے رکھا تھا ورنہ قریش نے انھیں پناہ لینے کے لیے مجبور ہرگز نہ کیا تھا۔

حکیمِ عرب حضرت ابوطالبؑ کے اس اقدام سے ایک طرف تو ان کی اپنی طاقت ضائع ہونے سے بچ گئی اور دوسری طرف ان کا قبیلہ اختلاف اور گروہ بندی کا شکار ہونے سے محفوظ رہا کیوں کہ یہ افراد اس عہدنامے کے بعد اگر مکہ میں مقیم رہتے تو یقیناً انھیں عہدنامے کے بُرے اثرات سے نبرد آزما ہونا پڑتا۔ یوں وہ لوگ قریش کو ابوطالبؑ اور بنی ہاشم پر غالب اور فاتح گردانتے اور رسولِ معظمؐ بھی شدید خطرات سے دوچار ہوتے۔ آج چودہ سو سال گزر جانے کے بعد بھی ہم لوگ تحقیق کرتے ہیں اور مختلف امکانات اور احتمالات کو پیشِ نظر رکھتے ہیں تو جب قریش بنی ہاشم سے سوشل مقاطعہ کر چکے تھے اور خانگی، سماجی اور اقتصادی ہر طرح کے روابط منقطع ہو چکے تھے اور اس پر مستزاد وہ رسولؐ خدا کے قتل کا بھی حتمی فیصلہ کر چکے تھے، ہمیں حضرت ابوطالبؑ کا یہ فیصلہ اور اس پر کامیابی سے عمل انتہائی دانش مندانہ محسوس ہوتا ہے۔ آپؑ کی اس

---

① یہ بارشوں کا پانی ہوتا تھا۔

دماغی کاوش سے حریم اسلام اور اس کی شخصیات کی حفاظت یقینی ہوگئی۔ حضرت علی علیہ السلام کا قول مبارک اس تجزیہ و تحلیل پر ایک بہترین مؤید ہے۔

واقعۂ شعب ابی طالبؑ پر حضرت علیؑ کا افتخار

حضرت علی علیہ السلام نہج البلاغہ میں موجود ایک خط میں معاویہ بن ابوسفیان کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

"قبیلۂ قریش رسولؐ خدا کو قتل کرنا چاہتا تھا تاکہ ہمیں جڑ سے اُکھاڑ پھینکے۔ اُنھوں نے ہمارے لیے غم و اندوہ کے (تمام) اسباب تیار کیے، ہم سے جتنا بُرا سلوک وہ کر سکتے تھے کیا اور ہمیں راحت و آرام سے محروم کیا۔ ہمیں مختلف طریقوں سے خوف زدہ کرنے کا اہتمام کیا۔ کبھی ہمیں ناہموار پہاڑوں میں پناہ لینے پر مجبور کیا، کبھی ہمارے لیے جنگ کی آگ بھڑکائی لیکن پروردگار نے ہمیں طاقت دی کہ دین کی حفاظت کریں اور اس کی حرمت کا ہر طرح سے دفاع کریں۔ ہم میں موجود صاحبانِ ایمان آخرت کے طلب گار تھے اور غیر مسلم اپنی اصل کی حمایت کر رہے تھے۔ قریش کے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے، وہ ان مشکلات سے آزاد تھے۔ اس لیے کہ اُنھوں نے کوئی حفاظتی معاہدہ کر لیا تھا یا ان کا قبیلہ ان کی حمایت میں ان کے آگے آ کھڑا ہوتا تھا اور وہ قتل ہونے سے محفوظ رہتے تھے"۔

نہج البلاغہ میں موجود کلام علیؑ (متعلق بہ امیرِ شام) کا تجزیہ

اب ہم ان کلمات پر خصوصی غور کرتے ہیں جو حضرت علیؑ نے معاویہ بن ابی سفیان

کو مخاطب کر کے کہے۔ ان کے ذریعے بنی ہاشم کا شعب ابی طالبؑ میں پناہ لینے کا فلسفہ بہ خوبی سمجھ میں آجاتا ہے، جہاں بنی ہاشم میٹھے پانی سے بھی محروم تھے۔ وہ مکہ میں موجود میٹھے پانی کے کنوؤں اور چشموں سے پانی تک نہ لاسکتے تھے۔ شاید اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت علیؑ فرماتے ہیں: ہمیں خوف زدہ کرنے کے تمام اسباب مہیا کیے گئے۔ اس فرمان سے دو باتیں سامنے آتی ہیں:

① بنی ہاشم خوف زدہ تھے اور انھیں کہیں بھی جائے پناہ میسّر نہ تھی۔

② لباس کے طور پر بدن ڈھانپنے کے لیے کپڑے خریدنے تک کی پابندی تھی اور وَهَمُّوا بِنَا الْهُمُومَ وَفَعَلُوا بِنَا الْأَفَاعِيلَ "ہم پر اس قدر غم و اندوہ مسلّط کیے گئے کہ جتنا برداشت کر سکتے تھے کیا"۔

مولاؑ نے یہاں صرف اپنے غم اور مصائب کی انتہا اور شدّت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اپنی تمام مصیبتوں کو ایک ایک کر کے بیان نہیں کیا کیوں کہ ان سب کا تذکرہ حضرتؑ کے عزت و وقار کے منافی تھا۔ حقیقت امر یہ ہے کہ مشرکینِ مکہ نے بنو ہاشم پر اس سے کہیں زیادہ مظالم ڈھائے اور ہر شے پر پابندی لگا دی۔ ان تمام اذیتوں سے وہ بنو ہاشم سے ہار منوانا چاہے تھے یا پھر اُنھیں جان سے مارنا چاہتے تھے۔ مزید تفصیل تاریخ کی کتابوں میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ یہاں بنی ہاشم پر ٹوٹنے والے مصائب کا اندازہ کرنے کے لیے محض ہشام بن عمرو دی کے اشعار کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے جو اس نے زُہیر بن ابی اُمیہ بن المغیرہ مخزومی کو مخاطب کر کے کہے تھے (جب عہدنامے کو دیمک چاٹ چکی تھی)۔

"اے زُہیر! تم کس طرح چاہو گے کہ کھانا کھاؤ، اچھا لباس پہنو، شادی کرو درحالی کہ تمھارے ماموں نے لوگوں سے مقاطعہ کر رکھا ہے اور ان سے خرید و فروخت تک ترک کر دی ہے۔ انھیں کوئی رشتہ دیتا ہے نہ ان کی بیٹیوں سے کوئی شادی کرنے کو

تیار ہے"۔

ہشام نے جو لباس پہننے کی طرف اشارہ کیا ہے اس سے وہ بتانا چاہتا ہے کہ بنی ہاشم پر لباس تک خریدنے کی پابندی تھی۔ (تاریخ مجاہدات پیغمبر اکرمؐ، ص ۶۸-۶۹)

عہدنامہ تحریر کرنے والے کا انجام

اکثر مؤرخین نے لکھا ہے کہ عہدنامہ منصور بن عکرمہ بن عامر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار نے تحریر کیا تھا۔ (۱) بعض کا خیال ہے کہ یہ عہدنامہ نضر بن حارث کے ہاتھوں تحریر کیا گیا تھا۔ (۲) البتہ بعض حضرات نے بغیض بن عامر بن ہاشم کا نام بھی لکھا ہے۔ (۳)

بہرحال وہ جو بھی ہو، ان تینوں میں سے ایک کے ہاتھ ہی سے یہ عہدنامہ تحریر کیا گیا اور یہ عہدنامہ تحریر کرنے کے بعد وہ بیمار پڑ گیا اور اس کا وہ ہاتھ مفلوج ہو گیا جس سے اس نے یہ تحریر لکھی تھی۔

عہدنامہ تحریر کر کے کعبہ کے اندر آویزاں کر دیا گیا۔ (۴) البتہ بعض کی رائے ہے کہ ابوجہل کی خالہ امّ الجلاس بنت مخربہ بن حنظلیہ کے سپرد کیا گیا۔ (۵) البتہ صاحب سیرۃ حلبیہ کا نظریہ دوسرے مؤرخین سے یکسر مختلف ہے۔ ان کے بہ قول عہدنامہ کو قول بند (رول) کر کے ایک خاص صندوقچے میں محفوظ کر دیا گیا۔

---

(۱) فروغ ابدیت، ج ۱، ص ۳۵۳۔ تاریخ پیغمبر اسلامؐ، ص ۱۳۰

(۲) تاریخ پیغمبر اسلامؐ، ص ۱۳۰

(۳) تاریخ پیغمبر اسلامؐ، ص ۱۳۰، الغدیر، ج ۷، ص ۳۶۲

(۴) بعض کے نزدیک ہشام بن عبد العزیٰ کے سپرد کر دیا گیا۔ (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۲۰۹)

(۵) امتاع الاسماع، ص ۲۵، بہ نقل از تاریخ پیغمبر اسلامؐ، ص ۱۳۰

محاصرے کی مدّت

شعب ابی طالبؑ میں آپؐ اور بنی ہاشم کے محاصرے کا آغاز بعثت کے ساتویں سال سے ہوا۔ البتہ اس کی دقیق مدت اور تاریخ استاد جعفر سبحانی نے ابنِ ہشام ① اور طبری سے نقل کر کے یوں تحریر کی ہے۔ ②

یہ عہد و پیمان بعثت کے ساتویں سال کی پہلی رات ہوا جب حضرت ابوطالبؑ کو قریش کے اس اقتصادی مقاطعہ کا علم ہوا تو ایک قصیدہ بھی تحریر کیا گیا جس کا پہلا شعر یہ ہے:

أَلَمْ تَعْلَمُوْا أَنَّا وَجَدْنَا مُحَمَّدًا
نَبِيًّا كَمُوسٰى خُطَّ فِي أَوَّلِ الْكُتُبِ

[فروغ ابدیت، ص ۳۵۳، طبع ۱۳۹۳ھ]

اکثر مؤرخین نے محاصرے کی مدت تین سال ③ تحریر کی ہے، جب کہ علامہ طبرسی ④ نے مذکورہ مدت چار سال تک تحریر کی ہے اور مسعودی ⑤ نے محاصرے کا آغاز بعثت کا ساتواں سال اور اختتام گیارہواں سالِ بعثت لکھا ہے۔ اس اعتبار سے یہ مدت پانچ سال بنتی ہے۔

تاریخ شخصیت[۱] کے مؤلف نے بھی محاصرے کی مدت پانچ سال کے قریب تحریر کی ہے۔

---

① سیرۃ ابنِ ہشام، ج ۱، ص ۳۵۰

② تاریخ طبری، ج ۲، ص ۷۸

③ اس نظریے کے قائل طبری، ابنِ ہشام اور استاد جعفر سبحانی کے علاوہ دوسرے مؤرخین بھی ہیں۔

④ اعلام الوریٰ

⑤ صاحب مروج الذہب

۱ تاریخ شخصیت پیغمبر، ج ۱، ص ۱۳۶

ابنِ سعد نے اپنی کتاب طبقات میں محاصرے کا آغاز بعثت کے ساتویں سال اور ماہِ محرم کی پہلی شب لکھا ہے اور اختتام بعثت کے دسویں سال کو قرار دیا ہے، البتہ واقدی نے دو واسطوں کے ذریعے حضرت جابر بن عبداللہ سے اور انھوں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے حامی دو سال تک شعب ابی طالبؑ میں محصور رہے جب کہ واقدی نے بھی یہی نقل کیا ہے کہ محاصرے کی مدت کئی سال تھی۔ ایک خیال یہ ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ والی روایت میں بھی لفظ سنین ہی ہوگا جو مرورِ زمانہ کے ساتھ سنتین میں تبدیل ہوگیا۔

جب کہ سیوطی خصائص الکبریٰ میں زُہری سے نقل کرتے ہیں کہ تین برس کے بعد بعض قریش اس قطع رحم اور مقاطعہ پر پشیمان ہوئے۔

جب کہ مسعودی نے مروج الذہب میں لکھا ہے کہ محاصرے کا آغاز واقعۂ عام الفیل کے ۴۵ سال بعد اور اختتام عام الفیل کے پچاس سال بعد ہوا۔ بہ ہر حال مسعودی کے کلام کے مطابق پانچویں سال محاصرہ اُٹھالیا گیا۔

شیخ طبرسیؒ نے اعلام الوریٰ میں صراحت سے لکھا ہے کہ محاصرے کی مدت چار سال سے کچھ زیادہ ہے۔ یہ صراحت مسعودی اور ابنِ سعد کے نظریے سے مطابقت رکھتی ہے کہ محاصرے کا آغاز عام الفیل کے چھیالیس سال بعد اور اختتام پچاسویں سال ہوا۔ بہ ہر حال یہ صحیح ہے کہ محاصرہ کئی سال جاری رہا۔ اس کا اختتام چار برس بعد ہوا یا پانچ برس بعد۔ جن لوگوں نے مدت کم لکھی ہے ان کا مقصد دشمنانِ علیؑ، (معاویہ اور اس کے دوستوں) کی خوش نودی حاصل کرنا تھا۔ (تاریخ مجاہدات پیامبرؐ ص ۷۸ تا ۸۰)

البتہ محاصرے کی مدت پانچ سال ہونے کی تائید علامہ کلینیؒ کے نظریے سے بھی ہوتی ہے، وہ اُصولِ کافی میں تحریر کرتے ہیں:

''حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے ہجرت سے ایک سال

قبل شعب ابی طالب سے باہر آکر انتقال فرمایا"۔

[کافی، کتاب الحجہ، باب مولد النبی مقدمہ (چاپ دار الکتب الاسلامیہ)، ص ۴۴۰]

شعب ابوطالبؑ میں غذائی امداد

قریش اس معاہدے کے نتیجے میں اقتصادی دباؤ اور اجتماعی محرومیت کی فضا پیدا کر کے آں حضرتؐ اور ان کے حامیوں کو کم زور و ناتواں بنانا یا ہلاک کرنا چاہتے تھے جیسا کہ حضرت علیؑ کے فرمان میں بھی ہے کہ ان کا مقصدِ اصلی حقائق اسلام کی بیخ کنی تھی (نیز نورِ حق و ہدایت کو خاموش کرنا تھا)۔ (تاریخ مجاہدات پیامبرؐ، ص ۶۷)

جب حضرت ابوطالبؑ کو قریش کی اس ناروا حرکت کا علم ہوا تو اس کے سدِ باب کے لیے ان کے پاس چالیس کے قریب خاندانوں کے لیے پانچ سال تک طعام و خوراک کا انتظام نہ تھا۔ نتیجتاً محصورین نے انتہائی عسرت و کس مپرسی کی زندگی بسر کی۔ سختیوں اور مصیبتوں نے عجیب صورت حال پیدا کر دی تھی۔ بنی ہاشم کے جگر پاش نالہ و فریاد نے مکہ کے سنگ دلوں کے دل پاش پاش کر کے رکھ دیے۔ مگر نالہ و فریاد کی یہ صدائیں مطلوبہ اثر نہ دکھا سکیں۔ ایک جوان کو دن رات میں صرف ایک دانہ خرمہ پر گزارا کرنا پڑتا تھا۔ کبھی کبھی تو اس کو ایک دانے کے بھی دو ٹکڑے کرنا پڑتے تھے۔ یہ سلسلہ سوائے حرام مہینوں کے ایک عرصہ تک چلتا رہا۔ چوں کہ اس دوران میں پورے جزیرۂ عرب میں امن و آشتی کا دور دورہ ہوتا۔ چناں چہ بنی ہاشم شعب ابی طالبؑ سے باہر آتے اور مختصر سامانِ رسدِ خوراک و طعام کا انتظام کرنے کے بعد دوبارہ اپنی اپنی پناہ گاہ کی طرف پلٹ جاتے۔ پیغمبر اکرمؐ کو بھی انھی مہینوں میں دعوت حق اور پیغام الٰہی لوگوں تک پہنچانے کا موقع ملتا۔ البتہ اس عرصے میں بھی قریش کی اذیت رسانی کا سلسلہ بند نہ ہوتا۔ وہ اپنا اقتصادی دباؤ برقرار رکھتے ہوئے کوئی موقع ضائع نہ ہونے دیتے۔ جوں ہی مسلمان کوئی چیز خریدنا چاہتے مشرک تجار فوراً اس کی قیمت دگنی کر دیتے۔ یوں مسلمانوں

کی قوتِ خرید گویا سلب کر لی جاتی۔

اس سارے عمل میں ابولہب نے کلیدی کردار ادا کیا۔ وہ سرِ عام بازار میں آواز لگاتا۔ لوگو! اجناس کی قیمت بڑھا دو، تا کہ محمدؐ کے پیرو کوئی چیز نہ خرید سکیں۔

مجبوراً دگنی قیمت میں چیزیں خریدنا پڑتیں، لہٰذا مہنگائی کا خوف ہمیشہ دامن گیر رہتا۔[فروغِ ابدیت (چاپ ۱۳۶۳ھ)، ص ۳۵۴]

بنی ہاشم، شعبِ ابی طالبؑ میں، مشکل ترین حالات میں

فقر و افلاس کے سبب سے بھوک اور گرسنگی اس قدر بڑھ گئی کہ بہ قول سعد بن وقاص میں ایک رات درّہ سے باہر آیا۔ نزدیک تھا کہ میری قوتِ ارادی جواب دے جائے میں نے اُونٹ کے چمڑے کا خشک ٹکڑا دیکھا اُسے اُٹھایا اور دھو کر آگ پر بھونا۔ پھر کوٹ کر اس کا آٹا بنایا اور اسے تھوڑے سے پانی میں ملا کر خمیر تیار کر کے تین دن تک اس پر گزر بسر کی۔

قریش کے جاسوس تمام راستوں پر تعینات تھے، مبادا کہ کسی طرف سے کوئی سامان شعبِ ابی طالبؑ میں نہ پہنچ پائے۔ اتنی شدید ناکابندی کے باوجود حضرت خدیجہؑ کے بھتیجے حکیم بن حزام اور ابوالعاص بن ربیع اور ہشام بن عمر آدھی رات کو گندم اور کھجوریں اُونٹ پر لاد کر لاتے اور شعب کے نزدیک پہنچ کر اس کی مہار اس کی گردن پر ڈال کر چھوڑ دیتے۔ بعض اوقات یہ تعاون کرنے پر اُنھیں مشکلات و مصائب کا سامنا بھی کرنا پڑتا تھا۔ (فروغِ ابدیت، ج ۱، ص ۳۵۴)

عجیب پیش کش

شعب ابی طالبؑ میں بنی ہاشم کو محصور ہوئے تھوڑی مدت ہی گزری تھی کہ قریش نے حضرت ابوطالبؑ کی خدمت میں پیغام بھیجا: ”اگر محمدؐ کو قتل کرنے کے لیے

ہمارے حوالے کردو تو ہم تمھیں اپنا بادشاہ تسلیم کرلیں گے“۔

حضرت ابوطالبؑ نے ان کی پیش کش کے جواب میں اپنا مشہور قصیدہ لامیہ کہا اور ساتھ ہی اعلان کیا کہ بنی ہاشم خون کے آخری قطرے تک محمدِ مصطفیؐ کا دفاع جاری رکھیں گے (گویا قصیدۂ لامیہ شعب ابی طالبؑ میں کہا گیا)۔ [دیوانِ ابوطالبؑ، ص ۱۰۰، ۱۳۴ (بہ نقل از شرح ابن ابی الحدید، ج ۱۴، ص ۷۹]

خدائی امداد

حضرت محمدؐ، حضرت ابوطالبؑ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ دیگر بنی ہاشم کے ہم راہ کئی سال تک محبوس رہے۔ اس دوران میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ اور حضرت ابوطالبؑ کو اپنی ساری دولت قربان کرنا پڑی۔ مگر اس قدر مشکلات کے باوجود وفا میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آیا کہ جبرئیلؑ آں حضرتؐ کے پاس آئے اور کہا: خدا نے ایک ایسی دیمک خلق کی ہے جس نے جا کر پورا عہد نامہ سوائے نام کے چاٹ لیا ہے، لہٰذا اب مصیبت ٹل گئی ہے۔ رسولؐ خدا نے حضرت ابوطالبؑ کو اس امر سے آگاہ کیا تو حضرت ابوطالبؑ آں حضرتؐ کے ہم راہ شعب سے باہر تشریف لائے اور آ کر بیت الحرام کے پاس بیٹھ گئے۔ قریش ان کے اطراف میں جمع ہو کر کہنے لگے: اے ابوطالبؑ! اب وقت آپہنچا ہے کہ تمھیں اپنے خاندان والوں کی یاد آئے، لہٰذا اپنی قوم سے دوبارہ ملنے کی آرزو کرو اور اپنے بھتیجے کی مدد سے ہاتھ کھینچ لو۔

حضرت ابوطالبؑ نے فرمایا: جاؤ اپنا عہد نامہ تو لے آؤ، شاید اس میں صلہ رحم یا جان بخشی کی کوئی صورت نظر آئے۔

عہد نامہ لایا گیا۔ اس پر مہریں باقی تھیں۔ ① ابوطالبؑ نے کہا: یہ وہی عہد نامہ

① اس سے ایسی مہریں مراد ہیں جو قریش عہد ناموں پر لگایا کرتے تھے۔

ہے نا، جو تم نے خود تحریر کیا تھا۔ اسے پہچانتے ہو؟!

سب نے کہا: ہاں۔

پھر آپؐ نے سوال کیا: کیا تم نے اسے کبھی ہاتھ سے چھوا بھی ہے؟

سب نے قسم اُٹھا کر کہا: ہم نے کبھی اسے ہاتھ تک نہیں لگایا۔

حضرت ابوطالبؑ نے کہا: محمدؐ اپنے پروردگار کی طرف سے کہہ رہے ہیں کہ خدا نے ایک دیمک بھیجی ہے جس نے سوائے اسمِ مبارکِ خدا کے ہر چیز کو چاٹ ڈالا ہے۔ اگر "محمدؐ" کا یہ کہنا سچ ہے تو تمھارا کیا خیال ہے؟

سب نے کہا: ہم ہاتھ اُٹھالیں گے اور کوئی سردار نہیں رکھیں گے (یعنی اپنے کسی سردار کا حکم نہیں مانیں گے)۔

ابوطالبؑ جو آں حضرتؐ پر پختہ ایمان لاچکے تھے اور آپؐ کی پیش گوئیوں کو بارگاہِ احدیت کی جانب سے سمجھتے تھے۔ انھیں عہدنامے کو دیمک کے چاٹ جانے پر مکمل اطمینان تھا، لہٰذا کہا: "اگر میرے بھتیجے محمدؐ کی بات سچ نہ ہوئی تو اسے تمھارے حوالے کردوں گا، تاکہ تم اُسے قتل کرسکو"۔

قریش نے کہا: ابوطالبؑ! تم نے واقعاً انصاف کیا ہے۔

پس جب عہدنامے کی مہر (قفل) کو توڑا گیا تو دیمک نے سوائے نامِ خدا[1] کے ہر چیز چاٹ ڈالی تھی مگر پھر بھی اُن (کاذبین) کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوا اور بنی ہاشم کو دوبارہ شعب میں جانا پڑا۔ (ترجمہ تاریخ یعقوبی، ص ۳۸۹، ۳۹۰۔ طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۲۰۸-۲۱۰)

مذکورہ واقعہ اور بیہقی کی روایت

بیہقی نے مذکورہ واقعہ کو وحیِ الٰہی کے نازل ہونے اور اعلانِ ابوطالبؑ کے بعد

---

① بعض کتب کے مطابق نامِ خدا اور نامِ محمدؐ کے سوا۔

اس طرح تحریر کیا ہے:

ابوطالبؑ نے فرمایا: تم نے ہمارے بارے میں ایسے کام انجام دیے ہیں جو قابلِ بحث و مذاکرہ نہیں تھے، لہٰذا ایسا کرو تم وہ عہد نامہ لاؤ، اسے دیکھتے ہیں۔ ہوسکتا ہے صلح کی کوئی راہ نکل آئے۔ یہ بات حضرت ابوطالبؑ نے اس خدشے سے کہی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ عہد نامہ لانے سے قبل ہی وہ اس کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ وہ گئے اور خوشی خوشی عہد نامہ لے آئے۔ انھیں اور کیا چاہیے تھا، گویا پیغمبرِ اکرمؐ ان سے صلح کر رہے تھے۔ عہد نامہ لا کر وہ حضرت ابوطالبؑ اور دیگر بنی ہاشم کو مخاطب کر کے کہنے لگے:

اب وقت آگیا ہے کہ تم اپنے نظریے سے رُوگردانی کرو اور متفق علیہ مسئلے کے لیے ہمارے ساتھ موافقت و ہم کاری کرو۔ ایک فرد کی وجہ سے ہمارے اور تمھارے درمیان روابط منقطع ہو کر رہ گئے تھے۔ تم نے اس کی طرف داری کرتے ہوئے اپنے اور اپنے خاندان کو مشکلات میں ڈالا اور آخر اس کا نتیجہ تمھارے حق میں بہتر نہیں نکلا۔

حضرت ابوطالبؑ نے فرمایا: ہم تم سے انصاف چاہتے ہیں۔ میرا بھتیجا کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ اس نے مجھے خبر دی ہے کہ خداوندِ کریم تمھارے اس عہد نامے سے سخت ناخوش ہے اور اس میں موجود عبارت سوائے نامِ خدا کے محو ہو چکی ہے۔ تم نے ہمارے لیے جن مشکلات و مصائب، مکر و فریب اور دغا بازی کو تحریر کیا تھا وہ صفحۂ قرطاس سے مٹ چکے ہیں، لہٰذا اسے کھول کر دیکھو...... اگر میرے بھتیجے کا کہنا سچ ہے تو پھر تم اپنے ہتھکنڈوں سے باز آجاؤ۔ جب تک ہماری رگوں میں لہو کی ایک بوند بھی باقی ہے ہم اس کی حفاظت کریں گے اور اگر میرے بھتیجے کا کہنا سچ نہ ہوا تو میں اسے تمھارے حوالے کر دوں گا، پھر تمھاری مرضی، اسے زندہ چھوڑنا یا قتل کر ڈالنا۔

سب نے کہا: ہم راضی ہیں۔

جب عہد نامہ کھولا گیا تو صادق و امین محمدؐ کی پیش گوئی سچ ثابت ہوئی۔

مشرکین نے دیکھ کر فوراً کہا: یہ بھی محمدؐ کی جادوگری کا ایک کرشمہ ہے اور پھر بجائے درسِ عبرت حاصل کرنے کے نئے عزم اور ولولہ کے ساتھ آں حضرتؐ اور مسلمانوں کو اذیت پہنچانے کا کام شروع کر دیا اور اپنے عہد نامہ پر سختی سے عمل پیرا رہے۔ (دلائل النبوۃ، ج ۲، ص ۶۷)

اس داستان کو دیگر منابع و مدارک نے بھی اس سے ملتے جلتے مضمون کے ساتھ نقل کیا ہے۔

حضرت ابو طالبؑ نے پیغمبرِ گرامیؐ کی دی ہوئی خبر کی روشنی میں مشرکین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: تم نے کس دلیل سے کہا ہے کہ ہم محاصرے اور حصیں بے جا کی وجہ سے شکست ماننے کو تیار ہو گئے ہیں، جب کہ صورتِ حال واضح ہو چکی ہے کہ تم ستم گر اور ظالم ہو۔ اس کے بعد آپؑ کے ہم راہ آنے والوں اور مشرکین کے درمیان حجابِ کعبہ حائل ہو گیا۔

ابو طالبؑ نے دُعا کی: اے میرے رب! ہمیں ان لوگوں کے مقابلے میں جنھوں نے ہم پر ستم کیا اور ناشایستہ ترین چیزوں کو ہماری نسبت حلال کیا نیز خاندانی وقار اور رشتوں کے تقدس کو پامال کیا، کامیابی عطا فرما۔

اس موقع پر حضرت ابو طالبؑ نے چند اشعار بھی کہے جن کا ترجمہ پیش خدمت ہے:

کیا دریائی مہاجرین تک بھی شاہ کارِ الٰہی کی کچھ خبر پہنچی ہے؟ ①

ایسا شاہ کار جوان کا دفاع کر رہا ہے۔

چوں کہ خدا اپنے بندوں پر مہربان ہے۔

---

① دریائی مہاجرین سے مراد مہاجرین حبشہ ہیں جنھوں نے دریائی سفر کیا تھا۔

وہ (عظیم) خبر یا شاہ کار یہ ہے کہ قریش کا عہد نامہ پارہ پارہ ہو گیا

ہے۔

جو چیز بھی خدا کی ذات کو ناپسند ہو وہ تباہ ہو جاتی ہے۔

یہ عہد نامہ جھوٹ فریب کاری اور سحر و جادو کا ایک مرکب تھا،

ایسا جادو جو مقصد تک پہنچنے سے قبل ہی نقش برآب ہو گیا۔

تمام لوگوں کا جب شخصیت کے لحاظ سے اور حسب نسب کے لحاظ

سے شمار کیا جائے گا تو احمدؐ سرفہرست ہوں گے۔

آپؐ خداوند کریم کے پیغمبر ہیں۔

آپؐ اَخلاقِ حسنہ کا مرکز، منبعِ رُشد و ہدایت اور موردِ تائیدِ الٰہی

ہیں۔

عظیم مقصد کے حصول میں بے نظیر شجاعت رکھتے ہیں۔

کبھی نہ سرد ہونے والی آگ کے شعلے کی مانند ہیں۔

دوسری اقوام نے کس وقت اس عظیم مقصد میں ہمارا ساتھ دیا،

ہم اس سے قبل ہی ان سے پیمانِ اُلفت باندھ چکے ہیں۔

جبھی اب تک انھیں اذیت نہیں دی۔

ہم بغیر سختی اور کسی پریشانی کے جو چاہتے ہیں کر گزرتے ہیں۔

اے قُصَی [1] کے باقی ماندہ افراد! کیا تم بھی صاحبِ اختیار ہو؟

جو کل تمھارے ساتھ پیش آئے گا اس میں دخل اندازی کا حق

رکھتے ہو؟

میں اور تم کہنے والے کے اس قول کے مصداق ہیں:

---

[1] قُصَی بن کلاب: پیغمبر اکرمؐ کے اجداد میں سے ایک۔

اے کوہِ اُسود [1] اگر بول سکتے ہو تو وضاحت تمہارے ذمے ہے۔ [2]

ابنِ اثیر کی الکامل میں داستانِ عہد نامہ

حضرت ابوطالبؑ نے عہد نامہ کے اُس حصے کے، جس پر ظلم وستم پر مبنی مضمون رقم تھا، مٹ جانے کے واقعہ کے متعلق چند خوب صورت اشعار کہے ہیں:

"سچ ہے کہ عہد نامہ والا واقعہ باعثِ مسرت اور سبق آموز ہے۔ جس جس کو پتا چلا اس نے تعجب کا اظہار کیا۔ خداوندِ کریم نے ان کے کفر اور کفریہ کلمات کو نابود فرمایا۔ اہلِ حق کے متعلق انھوں نے جتنی بھی مُلحدانہ اور ستم گرانہ پیش گوئیاں کی تھیں وہ باطل قرار دیں۔ جس نے کوئی ناحق بات کہی اس نے جھوٹ کہا"۔

(الکامل، ج ۲، ص ۳۶)

کفار و مشرکین کے درمیان تفرقہ

سردارانِ قریش کی دشمنانہ روش، جو پانچ برس کی مدت کو محیط تھی، کو مشرکین کی ایک جماعت نے رد کر دیا اور اس کی مخالفت کی۔ سب سے پہلے ہشام بن عمرو بن ربیعہ بن حارث جس کا تعلق قبیلہ بنی عامر بن لوئی سے تھا۔ زُہیر بن اُمیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر مخزومی [3] کے پاس آیا اور اسے بڑے موثر انداز میں قریش کے پیمان کو توڑنے پر قائل کیا۔

---

[1] اسود: ایک پہاڑی کا نام ہے جس میں ایک آدمی قتل کیا گیا۔ مگر قاتل نامعلوم تھا۔ مقتول کے ورثا نے کہا تھا کہ اے کوہِ اسود! اگر تم بول سکتے ہو تو قاتل کا انکشاف کرو۔ اس کے بعد یہ ضرب المثل بن گئی۔

[2] طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۷۳، ۱۹۲۔ سیرۃ ابن ہشام، ج ۱، ص ۳۹۹ - ۴۰۲

[3] آں حضرت کی پھوپھی عاتکہ بنتِ عبدالمطلب کا بیٹا۔

یہ دونوں آپس میں ہم آہنگ ہو کر مُطعم بن عدی (۱) کے پاس گئے اور اسے بھی اپنا ہم خیال بنانے میں کام یاب ہو گئے۔ پھر اس تین رکنی وفد نے ابوالبختری (۲) سے ملاقات کر کے اسے بھی اپنا ہم خیال بنا لیا۔ پھر ان چار افراد نے مل کر زمعۃ بن اسود بن مطلب بن اسد کے سامنے اپنا مدعا بیان کیا اور اس کی رضا حاصل کر کے ٹلے۔ رات کو اُن کی آخری ملاقات خطم الحجون (۳) کے مقام پر ہوئی، جس میں فیصلہ ہوا کہ صبح اس پیمان کے نقض کے لیے کوئی حتمی قدم اُٹھایا جائے۔ (۴)

طے یہ پایا کہ زُہیر سب سے پہلے گفتگو کا آغاز کرے گا۔ صبح یہ اپنی محفل میں حاضر ہوئے۔ زُہیر نے طواف کعبہ کرنے کے بعد قریش سے مخاطب ہو کر انھیں ان کی بے مہری اور ستم گری پر سرزنش کی اور کہا: جب تک یہ پیمان ٹوٹ نہیں جاتا میں چین سے نہیں بیٹھوں گا۔ ابوجہل اسے جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ یکے بعد دیگرے چار دوسرے افراد نے اُٹھ کر اس کی تائید کی۔

ابوجہل نے کہا: یہ سب کچھ رات کی میٹنگ میں طے ہوا ہے۔

اس کے بعد مطعم بن عدی، عدی بن قیس، زمعہ بن اسود، ابوالبختری اور زُہیر مسلح ہو کر بنی ہاشم کے پاس گئے اور کہا: شعب سے باہر نکلو اور اپنے گھروں کو واپس آ جاؤ۔

چناں چہ بنی ہاشم نے ایسے ہی کیا۔ یہ واقعہ ۱۵ رجب کو بعثت کے دسویں سال رُونما ہوا۔

---

(۱) یہ وہ شخص تھا جس نے اس پیمان پر دستخط نہیں کیے تھے۔

(۲) عاص بن ہشام بن حارث بن اسد بن عبدالعزی

(۳) حجون مکہ کے بلند پہاڑی سلسلے میں پہلا پہاڑ ہے۔ صاحب قاموس قلمداد تاج العروس نے تاریخ پیغمبر اسلام ص ۱۳۹ سے نقل کیا ہے۔

(۴) کہتے ہیں کہ سہل بن بیضا فہری نے انھیں موقع فراہم کیا، تاکہ کوئی حتمی فیصلہ کرلیں۔ امتاع الاسماع، ص ۳۶، اسد الغابہ، ج ۲، ص ۶۲ ۳۔ بنا بر نقل تاریخ پیغمبر اسلام، ص ۱۳۹، مصباح المتجد، ص ۵۶۰

شعبِ ابوطالبؑ میں حفاظتِ رسولؐ

ہم شعبِ ابی طالبؑ کے متعلق تفصیلی تحقیق پیش کر چکے ہیں۔ اب ان سُطور میں حضرتِ ابوطالبؑ کی طرف سے آں حضرتؐ کے خصوصی حفاظتی اقدامات کے متعلق اپنی چند معروضات پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ جناب علامہ امینیؒ ابن کثیر سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

شعبِ ابوطالبؑ میں قیام کے دوران میں حضرتِ ابوطالبؑ کو ہمیشہ آں حضرتؐ کی حفاظت و نگرانی کی فکر دامن گیر رہتی تھی۔ ہر رات آپ کی خواب گاہ میں حاضری دیتے تاکہ ہر قسم کے خطرات کا تدارک کر سکیں اور کسی قسم کی ہنگامی صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے بندوبست کر سکیں۔ ہمیشہ اپنے کسی بیٹے، بھائی یا بھتیجے کو بسترِ محمدؐ پر اور آپؐ کو اس کے بستر پر سُلاتے تھے۔

یہی مطلب بیہقی نے بھی نقل کیا ہے۔ وہ تحریر کرتے ہیں: رات کو جب سونے کا وقت ہوتا تو حضرتِ ابوطالبؑ انتظار کرتے کہ سب لوگ سو جائیں اور حضرت محمدؐ کو اپنے بستر پر سوتا ہوا نہ دیکھیں۔ جب سب محوِ خواب ہو جاتے تو چپکے سے اُٹھ کر آں حضرتؐ کو اپنے کسی بھائی، بیٹے یا بھتیجے کے بستر پر سُلا دیتے اور اسے آپؐ کے بستر پر سُلا دیتے۔ (دلائل النبوۃ، ج ۲، ص ۶۳)

ابن ابی الحدید اور ابوعلی الموح العمری العلوی نے بھی اپنی اپنی کتاب میں یوں ہی نقل کیا ہے: ابوجعفر محمد بن حبیب نے اپنی کتاب امالی میں تحریر کیا ہے:

حضرتِ ابوطالبؑ جب بھی آں حضرتؐ کو دیکھتے فرطِ جذباتِ محبت سے گریہ شروع کر دیتے اور کہتے: مَیں جب بھی انھیں دیکھتا ہوں مجھے اپنے بھائی عبداللہؑ یاد آ جاتے ہیں۔ حضرت عبداللہؑ اور حضرتِ ابوطالبؑ سگے بھائی تھے، اسی وجہ سے حضرت عبدالمطلبؑ اور حضرت ابوطالبؑ آں حضرتؐ سے اتنی شدید محبت کرتے تھے۔

حضرت ابوطالبؑ ہمیشہ پریشان رہتے کہ کہیں لوگ محمدؐ کے بستر سے آگاہ نہ ہوجائیں اوران پر شب خون نہ ماردیں اسی لیے حضرت علیؑ کوان کے بستر پر سلادیتے۔

ایک رات حضرت علیؑ نے (لطفاً) عرض کیا: اے باباجان! اگر میں قتل ہوگیا تو؟!

حضرت ابوطالبؑ نے جواباً چند اشعار کہے جن کا ترجمہ یہ ہے:

"بیٹے صبر کرو، صبر تمہارے لیے شایستہ تر ہے۔ ہر زندہ نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ ہم نے تجھے جس راستے پر ڈالا ہے وہ آزمائش ومصائب والا ہے۔ یہ آزمائش کا راستا محمد بن عبداللہ کی محبت کا راستا ہے۔ کوئی جتنا بھی جی لے بالآخر انجام موت ہے"۔

حضرت علیؑ بھی تو فرزندِ ابوطالبؑ تھے لہٰذا منظوم جواب دیا جس کا ترجمہ یہ ہے:

"آپ مجھے (احمد) مجتبیٰؐ کی محبت ونصرت پر صبر کی تلقین فرمارہے ہیں؟ خدا کی قسم! میں نے جو کہا وہ ترس وخوف کی وجہ سے نہیں کہا۔ میری تو خواہش ہے کہ آپ مجھے محمدؐ کی مدد اور اطاعت کرتے ہوئے دیکھیں، ان شاء اللہ میں وفا کا ایک نیا باب رقم کروں گا۔ کاش! مجھے احمدؐ کی اطاعت میں جلد موت آجائے"۔ (ابوطالبؑ، مظلومِ تاریخ، ص ۶۹)

بابِ ششُم

والدِ کُلِ ایمان (اَبُوالایمان)

کے

دلائلِ ایمانِ عالی شان

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ○ (الحدیث)

"تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک اُسے اپنے ماں باپ، اپنی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ مجھ سے محبّت نہ ہو (یعنی میں اسے سب سے زیادہ عزیز نہ ہوں)۔

○

؎ بہ مصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ اُو نہ رسیدی تمام بولہبیست
(اقبالؔ)

(حد تو یہ ہے کہ)

○

؎ اسلام کی قسمت کا سہارا ابو طالبؑ
مشکل میں محمدؐ نے پکارا ابو طالبؑ
(عمران نقوی)

دلائل

تمہید

وہ علیؑ جن کی محبت عبادت ہے جن کا ذکر عبادت، جن کے چہرے کو دیکھنا عبادت، جو محمدؐ سے ہیں اور محمدؐ اُن سے ہیں، جن کا نُور محمدؐ کا نور ہے۔ جو جانِ محمدؐ، نفسِ محمدؐ اور جانشینِ محمدؐ ہیں۔ جن کا گوشت محمدؐ کا گوشت، جن کا خون محمدؐ کا خون اور جن کا وجود محمدؐ کا وجود ہے۔

وہ علیؑ جو ساقیِ کوثر بھی ہیں، ستونِ دین بھی ہیں، مینارِ ایمان بھی ہیں، تمام انبیاؑ کے اوصاف کا گُل دستہ بھی ہیں، دوزخ اور جنّت کو تقسیم کرنے والے بھی ہیں، جنّت کے سرداروں کے سردار بھی ہیں، امام الاولیاء بھی ہیں، مشکل کشا بھی ہیں، بابِ شہرِ علمِ نبیؐ بھی ہیں، وصی و وارثِ پیغمبرؐ بھی ہیں، دامادِ رسولؐ و زوجِ بتولؑ بھی ہیں، مولودِ کعبہ بھی ہیں، اوّل المسلمین بھی ہیں، امام الاجمعین بھی ہیں، یعسوب الدین بھی ہیں، ناطقِ قرآن بھی ہیں اور کُلِ ایمان بھی ہیں، ان کے والدِ گرامی کا نامِ نامی ہے ابوطالبؑ۔

کُلِ ایمان کے باپ کے ایمان کا ثبوت مانگنا اور دلائل طلب کرنا کسی صاحبِ ایمان کو زیب نہیں دیتا۔ اہلِ عرفان کے تو یہ قطعاً شایانِ شان نہیں کہ جنابِ عمرانؑ کے عدمِ ایمان اور انکارِ ایمان کا تصور تک بھی کریں۔

ابوطالبؑ تو ایمان کی شان ہیں اور ایمانِ کامل ابوطالبؑ کے شایانِ شان ہے جب کہ اُن کے ایمان پر شک کرنے والے اپنے ایمان کو مشکوک کر رہے ہوتے ہیں۔

اہلِ اسلام میں سے وہ کم عقل جو ایمانِ ابوطالبؑ کے قائل نہیں، اُن کو آئینہ دکھانے اور راہِ راست پر لانے کے لیے ایمانِ ابوطالبؑ پر اُنھی کے ہم مسلک حضرات کے پیش کردہ دلائل، بیانات اور اعترافات پیش ہیں۔

پہلی دلیل

جنابِ ابوطالبؑ کے خطبات و اشعار کئی معتبر کتب میں منقول ہیں جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرتؑ نے دل سے نبوت کی تصدیق کی تھی اور آپؑ نے زبان سے بھی اس کا اقرار فرمایا تھا۔ اس سلسلے میں "گفتارِ ابوطالبؑ" میں کئی اشعار تحریر کیے جا چکے ہیں جن کا یہاں تذکرہ تکرارِ محض ہوگا۔ البتہ آپؑ کے خطبات سے چند ایک اقتباس پیش کیے جاتے ہیں (جن کا تذکرہ ہم نے گفتارِ ابوطالبؑ کے ضمن میں نہیں کیا)۔

يَامَعْشَرَ قُرَيْشٍ كُوْنُوْا لَهُ وَلَاةً وَلِحِزْبِهِ حَمَاةً وَاللّٰهِ لَايَسْلُكُ اَحَدٌ سَبِيْلَهُ اِلَّا رَشَدَ وَلَا يَاْخُذُ اَحَدٌ بِهَدْيِهِ اِلَّا سَعِدَ

"اے قریش! تم آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محب بن جاؤ اور آپؐ کے قریب ہو جاؤ نیز آپؐ کے حزب کے مددگار بنو۔ خدا کی قسم! جو آپؐ کا راستا اختیار کرلے وہ ہدایت یافتہ ہے اور جو آپؐ کی سیرت پر عمل کرے وہ نیک بخت اور سعید ہے"۔

ایک اور خطبے میں ارشاد فرمایا:

لَنْ تَزَالُوْا بِخَيْرٍ مَا سَمِعْتُمْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَمَا اتَّبَعْتُمْ اَمْرَهُ، فَاَطِيْعُوْا تَرْشُدُوْنَ

"جب تم لوگ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات سنو گے اور آپؐ کے امر اور حکم کا اتباع کرو گے تو تم ہمیشہ بھلائی اور نیکی میں رہو گے، لہٰذا آپؐ کی اطاعت کرو ہدایت پاؤ گے"۔

آپؑ نے قریش کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

وَاللّٰهِ كَاَنِّيْ بِهِ وَقَدْ غَلَبَ وَاِذْ اَنْتَ لَهُ الْعَرَبُ وَالْعَجَمُ فَلَا

يَسْبِقْنَهُ إِلَيْهِ سَائِرُ الْعَرَبِ يَكُوْنُ اَسْعَدُ بِهٖ مِنْكُمْ۔

"میں نُورِ فراست سے دیکھ رہا ہوں کہ آں حضرتؐ غالب ہیں اور عرب و عجم ان کے مطیع ہیں۔ پس تمام عرب میں سے کوئی اُن پر سبقت حاصل نہیں کر سکے گا اور وہ تم سب سے زیادہ سعید ہوں گے"۔

دوسری دلیل

آں حضرت ﷺ بھی اپنے عمِ گرامی کو مومن جانتے تھے اور اپنا محسن سمجھتے تھے۔ جس سال ابوطالبؑ رحلت فرما گئے اور حضوؐر اُن کی پشت پناہی سے محروم ہو گئے اس سال کو "عام الحزن" یعنی غم کا سال قرار دیا گیا۔

حضرت عبدالمطلبؑ کے انتقال کے بعد مکہ معظمہ میں سخت قحط پڑا تو مکہ کے لوگ حضرت ابوطالبؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بارش کے لیے دعا کی درخواست کی۔ حضرتؑ اپنے محبوب بھتیجے (حضرت محمد ﷺ) کو لے کر بیت اللہ شریف تشریف لے گئے اور آں حضرتؐ کے توسّل سے بارش کی دعا فرمائی۔ یہ واقعہ بعثت سے پہلے کا ہے۔ بعثت کے بعد جب کفارِ مکہ نے آں حضرتؐ کو تنگ کیا اور تکلیف پہنچانے کے درپے ہوئے تو حضرت ابوطالبؑ نے اُنھیں حضوؐر کا وہ احسان یاد دلایا جو آپؐ نے قبل از بعثت بصغر سنی میں اُن پر فرمایا تھا۔ حضرت ابوطالبؑ کی وفات کے بعد مدینے میں بھی کچھ ایسا ہی واقعہ پیش آیا یعنی قحط پڑا اور ایک اعرابی نے آں حضرتؐ کے پاس آکر بارش کی التجا کی۔ آپؐ نے دعا فرمائی تو جل تھل ہو گیا۔ حتیٰ کہ لوگ بارش سے تنگ آگئے اور آپؐ سے بارش کے بند ہونے کے لیے دعا کی التماس کی۔ جب آپؐ کی دعا سے بارش بند ہو گئی تو آپؐ نے اس موقع پر اپنے مرحوم چچا کو یاد فرمایا کہ جنھوں نے کہا تھا:

وَاَبْیَضَ یُستَسقَی الْغَمَامُ بِوَجْہِہٖ
ثِمَالُ الْیَتَامٰی عِصْمَۃٌ لِلْاَرَامِلِ

"یہ گورے رُخساروں والا جس کے طفیل بارش طلب کی جاتی ہے،
یتیموں کی جائے پناہ اور بیواؤں کا محافظ"۔

پھر حضورؐ گویا ہوئے:

"اللہ تعالیٰ نے ابوطالبؓ کو خیرِ کثیر عطا فرمائی ہے، اگر آج وہ زندہ
ہوتے تو (یہ دیکھ کر) اُن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں"۔

کیا یہ ممکن ہے کہ کسی کافر کے متعلق حضورؐ ایسے الفاظ کہیں اور کیا خیرِ کثیر کا اثبات کسی غیر مسلم یا غیر مومن کے لیے کیا جا سکتا ہے؟ نہیں، یقیناً نہیں۔ حق تو یہ ہے کہ خیرِ کثیر ابوطالبؓ کو عطا ہو یا محمدؐ کو، ایک ہی بات ہے کیوں کہ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ۝ (سورۂ کوثر، آیہ ۱)

ان دو دلیلوں کے بعد ہم بڑے وثوق سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ جنابِ ابوطالبؓ وہ مُصدِّق اور مُجَرّ مومن تھے جو ختمیِ مرتبتؐ کی طرح خیرِ کثیر کے حامل تھے، یعنی اگر آلِ محمدؐ خیرِ کثیر ہیں تو آلِ ابوطالبؓ بھی خیرِ کثیر ہیں۔ گویا آلِ یٰسینؑ اور آلِ عمرانؑ میں کچھ فرق نہیں ہے۔

آلِ یاسینؑ یا آلِ عمرانؑ ہو
دونوں خیرِ کثیر ہیں بابا

تیسری دلیل

ابنِ سعد اور ابنِ عساکر ہر دو نے حضرت عباسؓ سے صحیح اسناد کے ساتھ حدیث نقل کی ہے:

اَنَّہٗ سَأَلَ عَنْ رَسُوْلُ اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ مَا

تَرْجُوا لِاَبِیْ طَالِبٍ قَالَ: کُلُّ خَیْرٍ اَرْجُوا مِنْ رَبِّیْ

''حضرت عباسؓ نے آں حضرتؐ سے پوچھا کہ ابوطالبؑ کے متعلق آپؐ کو کیا اُمید ہے؟ تو آں حضرتؐ نے فرمایا: میں اپنے رب سے ابوطالبؑ کے متعلق کامل خیر کی اُمید رکھتا ہوں''۔

یہ حدیث حضرت ابوطالبؑ کے ایمان پر دو طرح سے دلیل ہے:

① کامل خیر کی اُمید صرف مومن کے ساتھ مخصوص ہے، کفّار کے لیے ایسا ہرگز نہیں۔

② بعض کے مطابق اس سے مراد حضور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے حضرت ابوطالبؑ کے عذاب میں تخفیف ہے، یہ سراسر غلط ہے کیوں کہ عذاب شر ہے اس میں کسی قسم کی خیر نہیں، کجا یہ کہ کامل خیر ہو۔ کامل خیر تو کامل مومنین ہی کے لیے ممکن ہے۔

جس ہستی کے لیے خیر البشر کامل خیر کی اُمید رکھیں اُس سے بڑا مومن بھلا کون ہوسکتا ہے؟!

چوتھی، پانچویں، چھٹی اور ساتویں دلیلیں

علمائے عامہ نے ایمانِ ابوطالبؑ کے ضمن میں اپنی صحاح میں سے کچھ اور دلائل بھی پیش کیے ہیں۔

چوتھی دلیل مسلم شریف کی ایک حدیث ہے جسے عبداللہ بن حارث نے حضرت عباسؓ سے سنا، پھر اس کی تقویت کے لیے مسلم ہی کی ایک اور حدیث بیان کی گئی ہے جس کے راوی بھی حضرت عباسؓ ہی ہیں۔ محوّلہ بالا احادیث میں حضرت ابوطالبؑ کے عذاب میں تخفیف کی بات کی گئی ہے اور اس تخفیف کا اِستدلال قرآن پاک کی مَن درجہ ذیل آیت سے کیا گیا ہے:

فَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ○

"نہ تو کافروں کے عذاب میں تخفیف ہوگی اور نہ اُن کی مدد کی جائے گی"۔ (سورۂ بقرہ، آیت ۸۶)

پھر اس ضمن میں سوادِ اعظم کے عقیدہ کے مطابق ابولہب کے عذاب میں تخفیف پر بھی حقیقت پسندانہ بحث کی گئی ہے کہ وہ حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان نہیں ہے بلکہ کسی (محبِ ابولہب) کا خواب ہے اور حضرت ابوطالبؑ کے بارے میں جس تخفیف کا ذکر ہے وہ حضورؐ کا اپنا فرمان ہے کہ میری شفاعت ابوطالبؑ کو نفع دے گی۔

یہ احادیث اور ان پر اس طرح کی بحث و تمحیص متعلقہ حضرات کو مبارک، ہمارے عقیدے کے مطابق تو ابوطالبؑ مومنِ کامل ہونے کے اعتبار سے خود شفاعت کرنے والوں میں سے ہیں اور آپؑ حضور نبی کریمؐ، ائمہ معصومینؑ اور سیدہ بتولؑ کی طرح حقِ شفاعت رکھتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ حضرت ابوطالبؑ پر عذاب کا تصور بھی گناہ ہے۔ کیا دستِ قدرت میں نبیِ آخرالزمانؐ کی پناہ گاہ اور محسنِ اسلام کے لیے عذاب ہوگا یا ثواب ہی ثواب۔

پانچویں دلیل بھی مسلم شریف میں اپنوں کے ہاتھوں بُنے ہوئے جال سے نکلنے کے لیے پیش کی گئی ہے کہ آں حضرت ﷺ کے نزدیک آپؑ کا ذکر کیا گیا۔ ①
یہ کسی قطعی دلیل سے ثابت نہیں، لہٰذا یہ شفاعت عموماتِ قرآن کی تخصیص نہیں کرسکتی۔ ②
احناف کے نزدیک عموماتِ قرآن قطعیت کا فائدہ دیتے ہیں اور عمومات کے لیے

---

① ہمیں حضرت ابوطالبؑ محسنِ اسلام و محسنِ رسولِ خدا کے بارے میں کسی ایسی خودساختہ حدیث کے بیان کرنے کا یارا نہیں۔

② عموماتِ قرآن کے ضمن میں مذکور ہے، قولہ تعالیٰ: لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ، اَلْآیَةَ وَقَوْلُهُ تَعَالٰی فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِیْنَ۔ (القرآن)

ضروری ہے کہ ان کا ابتدائی مخصص قطعی ہو، یعنی قرآن کی آیت یا حدیث متواتر ہو۔
حضرت ابوطالب (سلام اللہ علیہ) اور ابولہب (لعنۃ اللہ علیہ) میں زمین و آسمان کا فرق۔
ابوطالبؑ نے آں حضرت ﷺ کی وجہ سے کفار مکہ سے ترک موالات کیا اور ابولہب نے حضورؐ کی شان میں گستاخی کی جس پر اللہ جل شانہٗ اتنا غضب ناک ہوا کہ ابولہب کی مذمت میں ایک پورا سورہ نازل ہوا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: ایمان ابوطالبؑ، مصنفہ صایم چشتی، ج۱، ص ۵۷-۵۸)

چھٹی دلیل

ترمذی، ابوداؤد اور ابنِ ماجہ میں درج حدیث؛

شَفَاعَتِیْ لِاَھْلِ الْکَبَآئِرِ مِنْ اُمَّتِیْ

"میری اُمت میں سے جنھوں نے کبائر کا ارتکاب کیا میں اُن کی شفاعت کروں گا"۔

کے ضمن میں پیش کی گئی ہے کہ حضرت ابوطالبؑ مذکورہ بالا حدیث میں بھی شامل ہیں (العیاذ باللہ) اور مسلمان ہیں۔ چوں کہ قبل ازیں حدیث سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ حضرت ابوطالبؑ کے لیے شفاعت ہوگی۔

ساتویں دلیل

محدث ابنِ اسحاق کی ابنِ عباس سے منقول ایک حدیث پر مبنی ہے کہ جب حضرت ابوطالبؑ قریبِ مرگ تھے تو آں حضرتؐ نے اُن سے کہا: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ پڑھیں...... اس کے بعد حضرت عباس نے اپنا کان ابوطالبؑ کی طرف جھکایا اور آں حضرتؐ کو مخاطب کرتے ہوئے عرض کیا: جس کلمہ طیبہ کا آپؐ نے ابوطالبؑ کو حکم دیا تھا وہ کلمہ میرے بھائی نے پڑھ لیا ہے۔ گویا حضور ﷺ کی تقریر (قول و فعل کے بعد

تقریر یعنی سکوت فرمانا بھی شاملِ حدیث ہے اور) اس امر کی دلیل ہے کہ حضرت ابوطالبؑ صاحبِ ایمان تھے۔ پھر یہ بھی بحث کی گئی ہے کہ مسلم شریف میں اس کے برعکس حدیث موجود ہے لیکن مسلم شریف میں تو ایک حدیث ایسی بھی ہے کہ جس سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے والدِ ماجد کا کافر ہونا (العیاذ باللہ) ثابت کیا گیا ہے اور محققین کے نزدیک ترجیح ان احادیث کو حاصل ہے جن سے آپؐ کے والدین کریمین کا مسلمان ہونا ثابت ہوتا ہے۔ حال آں کہ ایمان کی احادیث صحیحین میں نہیں ہیں (کیا کہنا) مگر ترجیح اسی ایمان والی حدیث کو ہو گی۔

ہم نے منکرینِ ایمانِ ابوطالبؑ کے لیے اُنھی کے ہم مسلک احباب کے ایمانِ ابوطالبؑ پر سات دلائل پیش کیے۔ ان میں سے پہلے تین دلائل تو واضح اور لائقِ ستائش ہیں جب کہ بقیہ چار دلائل حضرات اہلِ اسلام کا اپنا معاملہ ہے۔ البتہ اپنے نقطۂ نظر سے اُنھوں نے دقتِ نظر سے کام لیتے ہوئے جواب الجواب بھی پیش کیے ہیں۔ ماشاء اللہ جزاک اللہ، کیا کہنے؟

سکوت چھایا ہے انسانیت کی قدروں پر
یہی ہے موقعِ اظہار آؤ سچ بولیں

یا پھر یوں سمجھ لیجیے کہ:

اُلجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

دراصل مقامِ ابوطالبؑ کو وہی سمجھ سکتے ہیں جو مقامِ رسولِ معظمؐ کو سمجھتے ہیں اور جو رسولؐ کو (نعوذ باللہ) اُمّی (بہ معنی اَن پڑھ) خیال کرتے ہوں۔ نیز چالیس سال بعد نبوت عطا ہونے کا ڈھنڈورا پیٹتے ہوں، اُن سے علیؑ کے باپ ابوطالبؑ کے بارے میں اور کیا توقع رکھی جا سکتی ہے۔

دعوتِ فکر ہے دُرست فکروں اور راست فہموں کے لیے (نہ کہ کند فکروں اور کج فہموں کے لیے) کہ وہ عرفانِ ابوطالبؑ کے حصول کے لیے مَن گھڑت احادیث کے بجائے اس حدیثِ مبارکہ کو پڑھیں۔

حضرت جابرؓ نے مرسلِ اعظمؐ سے سوال کیا: لوگ کہتے ہیں کہ جنابِ ابوطالبؑ دُنیا سے کافر گئے ہیں تو حضورؐ نے جواب میں فرمایا:

جابرؓ! علمِ غیب اللہ کو ہے لیکن شبِ معراج کا واقعہ سنیے۔ میں جب عرشِ الٰہی پر پہنچا تو وہاں چار نُور دیکھے۔ حضرتِ احدیت سے سوال کیا: یہ انوار کس کس کے ہیں؟ ندائے الٰہی آئی: عبدالمطلبؑ، ابوطالبؑ، آپ کے والد عبداللہؑ اور چچازاد بھائی طالبؑ کے۔

میں نے عرض کیا: خدایا! وہ کون سی نیکیاں تھیں جن کے عوض یہ حضرات ان مراتب پر فائز ہوئے؟

آوازِ رب العزت آئی: مرتے دم تک ان لوگوں نے اپنے ایمان کو چھپائے رکھا اور صبر وتحمل کا مظاہرہ کرتے رہے۔ (روضۃ الواعظین، ص ۷۱)

اس روایت کے بعد جنابِ ابوطالبؑ کے یہ دو شعر بھی دیکھیے، جن کا لفظ لفظ جنابِ ابوطالبؑ کی عظمتِ ایمانی کی گواہی دے رہا ہے:

أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّا وَجَدْنَا مُحَمَّدًا
نَبِيًّا كَمُوسَىٰ خُطَّ فِي أَوَّلِ الْكُتُبِ

"کیا تمھیں خبر نہیں کہ ہم محمد مصطفیٰؐ کو موسیٰؑ کلیم کی طرح نبیِ مرسل مانتے ہیں، جن کا تذکرہ آسمانی کتابوں میں مرقوم ہے۔ (خزینۃ الادب، ج ۱، ص ۲۶۱)

وَأَمْسَى ابْنُ عَبْدِاللهِ فِينَا مُصَدَّقًا
عَلَىٰ سَاخِطٍ مِنْ قَوْمِنَا غَيْرِ مُعْتَبِ

"فرزندِ عبداللہ ہمارے درمیان رسولِ برحق ہیں مگر ہماری قوم ان سے برہم ہے لیکن اس کے باوجود وہی بات سچی ثابت ہوئی (جو انھوں نے فرمائی)"۔ (الحجۃ علی الذاہب، ص ۳۵)

اب ہم آتے ہیں اُن اہلِ اسلام کی آراء کی طرف جنھوں نے ایمانِ ابوطالبؑ پر کتب لکھیں یا تقریظات تحریر کیں اور ایمانِ ابوطالبؑ کا اقرار کر کے اپنے ایمان کو تحفظ دیا ورنہ حضرت ابراہیمؑ کو آزر جیسے بت گر کا بیٹا قرار دینے والوں سے علی علیہ السلام کے باپ کے بارے میں کیا اُمید رکھی جاسکتی ہے اور اس سے بھی بڑھ کر اُن کے وہاں خود رسولِ معظمؐ کے والدِ گرامی کے کفر کا معاملہ ہے۔ (العیاذ باللہ)

۞ آراء

علامہ ابنِ ہشام کی رائے

سیرت ابنِ ہشام میں ہے کہ جب رسولِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تبلیغِ اسلام سے باز نہ آنے کا اٹل فیصلہ حضرتِ ابوطالبؑ نے سنا تو حضرتؑ نے کفارِ قریش کی شکایات کو مسترد کردیا۔ وہ لوگ چلے گئے تو آپؑ نے حضورؐ سے کہا:

يَا ابْنَ اَخِیْ مَا رَأَيْتُكَ سَأَلْتُمْ شَفَطًا قَالَ كُلَّمَا قَالَهَا اَبُوطَالِبِ طَمِعَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فِي اِسْلَامِهٖ فَجَعَلَ يَقُوْلُ لَهٗ اَیْ عَمِّ فَاَنْتَ فَقُلْهَا اَتحِلُّ لَكَ بِهَا شَفَاعَتَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

قَالَ فَلَمَّا رَاٰی حِرْصَ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَلَيْهِ قَالَ.....

"اے میرے بھائی کے بیٹے! آپؐ نے لوگوں کو دیکھا کہ کس (غیظ و غضب کے) عالم میں ہیں۔ حضورؐ نے اپنے شفیق چچا کے کلمات سنے تو آپؐ کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ میرے چچا کلمہ پڑھ لیں۔ چناں چہ آپؐ نے نہایت شفقت و محبت سے فرمایا:

چچا جان! آپ کلمہ پڑھ لیں تاکہ روزِ قیامت آپؑ کی شفاعت میرے لیے جائز ہو جائے"۔

حضرت ابوطالبؑ نے حضورؐ کی اس شدید خواہش اور حرص کو دیکھا تو عرض کیا:

یَا ابْنَ اَخِیْ وَاللّٰهِ لَا مَخَافَةَ السُّبَّةِ عَلَيْكَ وَعَلٰى بَنِيْ اَبِيْكَ مِنْ بَعْدِيْ وَاَنْ تَظُنَّ قُرَيْش اَنِّيْ اَنَّمَا قُلْتُهَا جَزَعًا عَنِ الْمَوْتِ لَقَتَلْتُهَا لَا اَقُوْلُهَا اِلَّا لَاَسُرَّكَ بِهَا۔

"اے پسرِ برادر! خدا کی قسم! اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ کفارِ مکہ آپؐ پر اور آپؐ کے باپ کے بیٹوں یعنی بنوعبدالمطلبؑ پر میرے بعد دشنام طرازی کریں گے اور قریش کی ان باتوں کا گمان نہ ہوتا کہ وہ کہیں گے کہ ابوطالبؑ نے موت کے ڈر سے کلمہ پڑھ لیا تو مَیں ضرور وہ بات کہتا جس سے آپؐ کو مسرّت حاصل ہوتی"۔

یہ روایت تفاسیر وسِیَر کے سینکڑوں دیگر نسخوں میں بھی موجود ہے۔ بعض حضرات نے اس کلمہ کی تفسیر وتشریح میں لکھا ہے کہ حضرت ابوطالبؑ نے فرمایا: مَیں وہ بات ضرور کہتا جو آپؐ کے لیے باعثِ مسرّت ہوتی۔ بعض لوگوں نے یہ ترجمہ کیا ہے اگرچہ مجھے آپؐ کو تکلیف پہنچنے کا خدشہ ہے مگر محض آپؐ کی خوشی کے لیے آپؐ کا ارشاد فرمودہ کلمہ پڑھ لیتا ہوں۔

ع صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے

(ایمانِ ابوطالبؑ، ج ۱، ص ۴۴۸)

اہلِ نقد ونظر کا کہنا ہے کہ اعلانِ رسالتؐ کے بعد کفارِ قریش حضرت ابوطالبؑ کے مشوروں کو صرف اس لیے قبول کرنے پر مجبور تھے کہ انھیں یہی معلوم تھا کہ ابوطالب کا اور ہمارا عقیدہ ایک ہے، بہ صورتِ دیگر یہ امر یقینی تھا کہ عرب کے تمام قبائل مجتمع

ہو کر بنی ہاشم سے ٹکرا جاتے۔ نتیجہ چاہے کچھ بھی ہوتا مگر تاریخ کے ہر طالب علم کی نظر میں اس صورت کا ظہور پذیر ہونا ناگزیر تھا۔ اور اس امر کے متعدد شواہد موجود ہیں کہ بنو ہاشم و بنی عبدالمطلبؑ خاندانی عصبیت کی وجہ سے مکمل طور پر جناب ابو طالبؑ کے کنٹرول میں تھے۔ ان شواہد میں سے ایک واقعہ شعب ابی طالبؑ کا ہے اور دوسرا واقعہ وہ ہے کہ جب حضور نبی کریمؐ چند صحابہ کے ہم راہ دار ارقم میں موجود تھے مگر حضرت ابو طالبؑ سے اس روز ملاقات نہ ہو سکی تو حضرت ابو طالبؑ تمام بنو ہاشم کو ساتھ لے کر، تلواریں کپڑوں میں لپیٹے کفارِ مکہ پر حملہ آور ہونے کے لیے پہنچ گئے۔

الغرض حضرت ابو طالبؑ نے نہایت حکمتِ عملی اور کمالِ احتیاط سے دینِ اسلام اور رسولؐ اسلام کا تحفظ فرمایا۔

بچا کر اپنا ایماں ہی سدا رکھتے ہیں دانش ور
مخالف دین کی کب پرورش کرتے ہیں دانش ور؟!
(ابو العلی والحسن)

علامہ ابو عبداللہ قرطبی کی رائے مع اَدِلّہ

اہلِ تسنّن کے امام علامہ قرطبی نے اپنی ضخیم تالیف تفسیرِ قرطبی میں متعدد مقامات پر حضرت ابو طالبؑ کے صاحبِ ایمان ہونے پر استدلال کیا ہے۔ نیز اپنی مشہور کتاب "تذکرہ قرطبی" میں ایک روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والسلام کے والدینِ کریمین کے علاوہ آپؐ کے عمِ محترم حضرت ابو طالبؑ کو بھی زندہ فرما کر دولتِ ایمان سے مشرف فرمایا اور اس پر مستزاد امام ابو عبداللہ قرطبیؒ کی اس تصنیف کا اختصار کرتے وقت امام عبدالوہاب شعرانیؒ نے نہ صرف اُن کی بیان کردہ حدیث کی تصدیق پر اکتفا کیا ہے بل کہ لکھا ہے کہ بارہ حفاظِ حدیث نے اِسے جزوِ ایمان قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ ان شاء اللہ ہم بارگاہِ الٰہی میں اسی عقیدہ کے ساتھ پیش ہوں

گے۔ ملاحظہ کیجیے:

كَذٰلِكَ ذَكَرَ سَلْمَةُ بْنُ سَعِيْدِ الْجُعْفِي رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ
اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اَحْيٰ لِنَبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ عَمَّهُ اَبُوْ
طَالِبٍ وَآمَنَ بِهٖ كَرَامَتَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ
مُعْجِزَاتُهٗ اَكْثَرُ مِنْ ذٰلِكَ۔

"جیسا کہ حضرت سلمہ بن سعید جعفیؓ بیان کرتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ الکریم نے رسول اللہ ﷺ کے لیے ان کے عمِ گرامی حضرت ابو طالبؓ کو زندہ فرما کر انھیں دوبارہ دولت ایمان سے مشرف فرمایا اور اس قسم کے معجزات حضور نبی کریمؐ سے اکثر ظاہر ہوا کرتے تھے۔ (مختصر تذکرہ قرطبی، مطبوعہ مصر، ص ۶)

ناقدین کے مطابق امام شعرانی نے امام قرطبی کی مذکورہ بالا کتاب کی شرح نہیں بل کہ خلاصہ کیا ہے۔ اگر وہ اس روایت کو غیر اہم یا مشکوک خیال کرتے تو نہایت آسانی سے مسترد کر سکتے تھے کیوں کہ کسی کتاب کے اختصار یا اقتصار کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اس کے اہم ترین اور ضروری مواد کو عام قاری تک پہنچایا جائے اور دیگر حصوں کو چھوڑ دیا جائے۔ اختصار کنندہ امام، جلال الدین سیوطی کے بیان کردہ بارہ حفاظ کے ہم راہ خود بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت ابو طالبؓ صاحب ایمان ہیں اور ان کے اس عقیدہ کی تائید اُن کی تصنیفِ شریف "کشف الغمہ" سے بھی ہوتی ہے۔

یہاں تفسیر قرطبی کے حوالے سے یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ مفسر قرطبی وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: لفظ ضلال محبت کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے اور یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے فرمایا کہ بے شک مجھے یوسفؑ کی خوش بو آرہی ہے تو اُن کے بیٹوں

نے کہا: خدا کی قسم! آپؑ اپنی اسی پرانی وارفتگی میں ہیں یعنی یوسفؑ کی محبت میں مستغرق ہیں۔

امام قُرطبیؒ نے عربی زبان کے کسی شاعر کا شعر بھی بہ طورِ دلیل پیش کیا ہے۔ اُس نے نہ صرف ضلال کو محبت کے معنوں میں استعمال کیا ہے بل کہ ضلال و محبت کو مترادفات کے طور پر بھی استعمال کیا ہے۔ پھر مفسر قُرطبی ابوبکر وزاقؒ کے حوالے سے رقم طراز ہیں کہ وَوَجَدَکَ ضَالًّا کا مطلب یہ ہے کہ محبوب ﷺ ہم نے آپؐ کو ابوطالبؑ کی محبت میں مستغرق پایا تو آپؐ کے پروردگار کی محبت کی طرف بلا لیا، یعنی آپؐ کو فریضۂ رسالتؐ ادا کرنے پر مامور فرمادیا۔

المختصر اگر حضرتِ ابوطالبؑ کو کافر سمجھا جائے تو اس طرح بتیس سال تک اُن کی محبت میں مستغرق رہنے والے رسولؐ خدا کی عصمت و رسالت بھی متاثر ہوگی (معاذ اللہ) اور نبیؐ بھی وہ کہ جن کا اپنا ارشادِ گرامی ہے:

كُنْتُ نَبِيًّا وَآدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ

''میں اُس وقت بھی نبی تھا جب آدمؑ ابھی تک پانی اور مٹی میں تھے''۔

علامہ سہیلیؒ کی رائے مع اَدِلّہ

اہلِ سنت کے امام، شارحِ سیرت ابنِ ہشام، رَوض الانف کے مؤلف اور معتمد سیرت نگار جناب سہیلی علیہ الرحمہ (متوفی ۵۸۱ھ) نے حضرتِ ابوطالبؑ کے موضوع پر نہایت تحقیقی کام کیا ہے۔ انھوں نے آپؑ کے ایمان اور عدمِ ایمان کے متعلق ہر قسم کی روایات نقل کرنے، نیز ان پر جرح و تعدیل کرنے کے بعد جنابِ ابوطالبؑ کی وہ وصیت درج فرمائی ہے جو آپؑ نے اپنی وفاتِ حسرت آیات سے چند لمحے پہلے حضور نبی کریمؐ کے متعلق قریش کو کی تھی۔ گویا یہ ترتیبِ روایات ہی اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ موصوف ایمانِ ابوطالبؑ کے قائل اور داعی تھے۔

اُنھوں نے بخاری و مسلم کی وہ روایات جن کے مطابق (معاذ اللہ) حضرت ابوطالبؑ کی وفات کفر و شرک پر ہوئی، پر بحث کرتے ہوئے نتیجہ نکالا ہے:

(۱) حضرت عباسؓ حضرت ابوطالبؑ کے منھ سے کان لگا کر سُن رہے تھے کہ وہ کلمہ پڑھ رہے ہیں، لہٰذا اگر رسولؐ پاک نے تھوڑا دُور ہونے کے سبب سے بہ ظاہر نہیں بھی سنا تو بھی حضرت عباسؓ کی شہادت قابلِ قبول ہے۔

(۲) جہاں تک حضرتؑ کے گھٹنوں تک آگ پہنچنے کا تعلق ہے تو امام سہیلیؒ اپنے خیالات کا اظہار اس طرح فرماتے ہیں کہ کیا یہ اس لیے ہے کہ حضرت ابوطالبؑ رسولؐ خدا کے ہمہ وقت اور ہمہ تن ناصر و مددگار بن کر رہا کرتے تھے، نیز وہ حضرت عبدالمطّلبؑ کی ملّت پر ثابت قدم تھے یہاں تک کہ انھوں نے اپنی وفات کے وقت بھی یہی کہا تھا کہ مَیں ملّتِ عبدالمطّلبؑ پر فوت ہو رہا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے عذابِ جہنم کو خصوصاً اُن کے دونوں پاؤں پر مسلّط کر دیا؟ (کیا خوب جزائے حسنات ہے)۔

(مفہوماً الروض الانف سہیلی، ج ۱، ص ۲۸۵)

(اگر ہم امام سہیلیؒ کی بات میں اضافہ کریں تو وہ یہ ہوگی کہ حضرتؑ کے دماغ کا کھول اُٹھنا اور اُبل اُبل کر قدموں پر بہنے لگنا (معاذ اللہ) کیا اس سبب سے ہے کہ آپؑ نے اس دماغ سے کام لیتے ہوئے حمدِ باری تعالیٰ اور نعتِ رسولِ مقبولؐ کے نادر و نایاب محبت نمونے چھوڑے؟ کیا عشقِ خدا اور محبتِ رسولؐ کا یہی صلہ ہے آپ کی نظر میں؟! تُف بر تو اے آسماں تُف)۔

امام سہیلیؒ مزید جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اور اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ فرمان کہ نبیؐ اور مومنوں کے شایانِ شان نہیں کہ وہ مشرکین کی مغفرت طلب کریں اور بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جنگِ اُحد کے دن فرمایا: یا اللہ! میری قوم کی مغفرت فرما کیوں کہ یہ جانتے نہیں۔

اور یہ اُس وقت کی بات ہے جب مشرکین نے رسولؐ خدا کے چہرۂ انور کو زخمی کیا اور آپؐ کے چچا حضرت حمزہؓ اور دیگر کثیر صحابہ کو شہید کر ڈالا۔ اور یہ غلط ہے کہ اُحد کے دن رسولؐ خدا پر یہ آیت آپؐ کے چچا ابوطالبؑ کے لیے استغفار کو منسوخ کرنے کے لیے نازل ہوئی تھی کیوں کہ ان کی وفات اس سے پہلے مکہ مکرمہ میں ہو چکی تھی، لہٰذا مقدم موخر کو منسوخ نہیں کر سکتا۔

اس کے بعد امام سہیلیؒ نے مشرکین کے لیے مغفرت طلب کرنے کی وجوہات بیان کی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ یہ مغفرت اُن کے ایمان لانے سے مشروط ہے۔ بعدازاں امام صاحب نے چند مزید روایات کا پوسٹ مارٹم بھی کیا ہے اور پھر حضرت ابوطالبؑ کی وصیت کا ذکر کرتے ہوئے بخاری و مسلم کی مشہور روایات پر سخت تنقید کی ہے اور پھر اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ جناب ابوطالبؑ بھی جناب عبدالمطلبؑ کی طرح توحید و رسالت پر ایمان رکھتے تھے اور آپ کے حضرت عبدالمطلبؑ کی ملت پر قایم رہنے کا مطلب بھی عقیدۂ توحید و رسالت پر ثابت قدم رہنے کے مترادف اور ہم معنی ہے۔

علامہ قسطلانیؒ کی رائے مع اَدلّہ

اہلِ سنت کے ایک اور امام علامہ قسطلانیؒ نے بھی اپنی کتاب مواہب اللدنیہ میں حضرت ابوطالبؑ کے ایمان کے بارے میں آنے والی قریباً تمام روایات وضاحت کے ساتھ نقل فرمائی ہیں اور اپنے میلان بہ ایمانِ ابوطالبؑ کا اظہار کیا ہے۔

مرقوم ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا سنِ مبارک اُنچاس سال آٹھ ماہ اور گیارہ دن ہو گیا تو آپؐ کے چچا ابوطالبؑ انتقال فرما گئے۔ جناب ابوطالبؑ کی عمرِ مبارک اُس وقت ستاسی سال تھی اور کہا کہ آپؐ کی بعثتِ مبارکہ کے دسویں سال پندرہ شوال المکرم کو اور ابن جزار کے مطابق ہجرت سے تین سال قبل جناب ابوطالبؑ نے انتقال فرمایا۔

روایت ہے کہ جب آپ کا وقتِ نزع آیا تو رسولِ اکرمؐ نے آپ سے فرمایا: چچا جان! آپ کلمہ "لا الٰہ الا اللہ" پڑھ لیں تا کہ روزِ قیامت آپ کی شفاعت مجھ پر حلال ہوجائے۔ رسولِ اکرمؐ کی اس طمع وخواہش کو دیکھتے ہوئے جنابِ ابوطالبؑ نے عرض کیا: اے ابنِ اخی، خدا کی قسم! اگر مجھے اس بات کا ڈر نہ ہوتا کہ قریش مجھے یہ طعنہ دیں گے کہ مَیں نے موت سے خوف زدہ ہوکر کلمہ پڑھا ہے تو ضرور پڑھ لیتا، البتہ محض آپ کی خواہش کی خاطر پڑھ لیتا ہوں۔ چناں چہ جب ابوطالبؑ وفات پانے لگے تو جنابِ عباسؓ نے دیکھا کہ آپ کے ہونٹ مبارک ہل رہے ہیں، لہٰذا انھوں نے اپنے کان جنابِ ابوطالبؑ کے ہونٹوں سے لگا دیے اور پھر جنابِ رسالت مآبؐ کی خدمت میں عرض کیا: اے میرے بھائی کے بیٹے! خدا کی قسم! میرے بھائی نے وہ کلمہ پڑھ لیا ہے جس کا آپؐ انھیں کہہ رہے تھے۔

اس کے بعد جناب قسطلانی نے قریب قریب وہی استدلال کیا ہے جو قبل ازیں علامہ سہیلی نے کیا اور پھر مزید وضاحت کی ہے کہ حضرتِ ابوطالبؑ اور حضرت عباسؓ رسالت مآب ﷺ سے پہلے کتاب اور ایمان کی حقیقت سے ناآشنا تھے مگر حضورؐ کی بعثتِ مبارکہ کے بعد انھیں اللہ تعالیٰ کی کتاب سے آگاہی حاصل ہوگئی اور دولتِ ایمان سے بھی مشرف ہوگئے۔

علامہ قسطلانی کی مواہب اللدنیہ کے شارح علامہ زرقانی، اہلِ سنت کے تین اور اماموں امام ماوردی، امام واحدی اور امام قشیری کا بلیغ وجامع تعارف کروانے کے بعد لکھتے ہیں کہ قرآنِ پاک کی آیت کے ذیل میں آنے والے وہ لوگ جو پہلے ایمان کو نہ جانتے تھے اور ایمان لائے وہ ابوطالبؑ یا عباسؓ اور دوسرے لوگ ہیں۔ نیز ان لوگوں کا اللہ تعالیٰ کی ذات والاصفات پر ایمان لانا آیت مذکورہ کے منافی نہیں۔

المختصر، اہلِ سنت کے مذکورہ صدر چار اماموں نے اپنے طریق کار کے مطابق

حضرت ابوطالبؑ کے ایمان لانے کو تسلیم کیا ہے۔ معاصر، عالمِ دین علامہ صایم چشتی اس بحث کو سمیٹتے ہوئے رقم طراز ہیں: "یہ حضرت ابوطالبؑ کے ایمان پر اس قدر ٹھوس اور مضبوط دلیل ہے جسے ہزاروں تاویلوں کے باوجود اُلجھایا جاسکتا ہے نہ مسترد کیا جاسکتا ہے"۔

حضرت نظام الدین دہلوی کی رائے

راحت المحبین مرتبہ امیر خسرو میں ہے: بعدازاں آں حضرتؐ کے چچا ابوطالبؑ کے بارے میں گفتگو ہوئی تو فرمایا وہ قیامت کے دن دوزخ میں نہیں جائیں گے۔

ایک مرتبہ خواجہ شفیق بلخیؒ کی ملاقات حضرت خضر علیہ السلام سے ہوئی تو آپ نے عجیب وغریب سوال کیے۔ من جملہ ایک یہ بھی ہے کہ مَیں نے سنا ہے کہ قیامت کے دن ابوطالبؑ دوزخ میں نہیں جائیں گے (جنّت میں جائیں گے)۔

فرمایا: ٹھیک ہے مَیں نے سرورِ کائناتؐ کی زبانِ مبارک سے سنا ہے کہ فرماتے ہیں کہ ابوطالبؑ قیامت کے دن بہشت میں جائیں گے۔

خواجہ شفیق بلخیؒ نے دلیل دریافت کی تو فرمایا: ایک دلیل تو یہ ہے کہ جب آپؑ فوت ہوئے تو دنیا سے باایمان گئے ہیں۔ اس دن سے شیطان غم ناک ہے اور جب اُس کی قوم نے غم ناکی کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ یہ اس واسطے ہے کہ وہ دنیا سے باایمان چلے گئے۔ (ملاحظہ کیا آپ نے اولیائے تصوّف کا استدلال)۔

(کتاب تذکرہ، (مترجم) ج ۲، ص ۱۱۶)

بدرالدین عینی (شرح بخاری) کی رائے

وَقَالَ قُرْطَبِي وَقَدْ سَمِعْتُ اَنَّ اللهَ اَحْيٰ عَمَّهٗ اَبَا طَالِبٍ فَاٰمَنَ بِهٖ وَرَوِيَ السُّهَيْلِي فِي الرَّوْضِ بِسَنَدِهٖ اِنَّ اللهَ اَحْيٰ اُمَّ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ وَاَبَاهُ فَاٰ

"اور قرطبی نے کہا اور سنا کہ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کے چچا ابوطالبؑ کو زندہ فرمایا۔ پس وہ ایمان لائے اور سہیلیؒ نے اپنی کتاب الروض میں سند کے ساتھ روایت بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کی والدہ اور والد مکرم کو زندہ فرمایا تو وہ آپ پر ایمان لائے"۔ (عمدۃ القاری، شرح بخاری، ج ۱۸، ص ۲۷۶)

شیخ احمد صاویؒ مالکی کی رائے

شیخ علیہ الرحمہ آیت قرآنی اِنَّکَ لَا تَهْدِی...... کے ضمن میں لکھتے ہیں:

وَقِيْلَ اَنَّهٗ اُحْيِیَ وَاَسْلَمَ ثُمَّ مَاتَ وَنَقَلَ هٰذَا الْقَوْلَ بَعْضُ الصُّوْفِيَّةِ

"اور کہا کہ انھیں (جنابِ ابوطالبؑ کو) زندہ کیا اور وہ اسلام لائے اور پھر فوت ہوئے اور یہ قول بعض صوفیا نے نقل کیا ہے"۔ (تفسیرِ صاوی، مطبوعہ مصر، ص ۱۸۳)

شاہ عبدالحق محدث دہلوی کی رائے

محدث دہلوی رقم طراز ہیں: حضرت عبدالمطلبؑ کا انتقال ہوا تو رسولؐ اللہ کو آپؐ کے سگے چچا ابوطالبؑ نے اپنی آغوشِ کفالت میں لے لیا۔ حضرت عبداللہ اور حضرت ابوطالبؑ کی آپس میں بہت زیادہ محبت اور گہرا رابطہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عبدالمطلبؑ نے انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انتہائی حفاظت کے ساتھ رکھنے کی وصیت فرمائی۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت عبدالمطلبؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس امر کا اختیار دے دیا تھا کہ آپؐ اپنے چچاؤں میں سے کسی بھی چچا کی کفالت میں رہنا

پسند فرمالیں۔ چناں چہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی مرضی سے جناب ابوطالبؑ کے زیرِ کفالت اور سایۂ عاطفت میں رہنا پسند فرمایا۔ حضرت ابوطالبؑ نے وصیت کے مطابق رسولؐ اللہ کے اظہارِ نبوت سے پہلے اور بعثتِ مبارکہ کے بعد انتہائی خوش اُسلوبی اور احسن طریقے سے کفالت و حفاظت کا فریضہ ادا فرمایا۔ یہاں تک کہ آپؑ حضورؐ کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے۔ آپؐ کا بستر اپنے پہلو میں خود آراستہ فرماتے اور گھر کے اندر اور باہر ہمیشہ آپؐ کو اپنے ساتھ رکھتے۔ حضرت ابوطالبؑ نے حضورؐ کی نعت و منقبت میں بے شمار اشعار کہے ہیں جن میں سے ایک درج ذیل ہے:

"(ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے آپؐ کا اسمِ گرامی اپنے نام سے نکالا ہے وہ عرش پر محمود ہے اور یہ عرش و فرش پر محمدؐ ہیں"۔

اور حسان بن ثابت نے آپؑ کے اس شعر پر تضمین کرتے ہوئے کہا:

"کیا تُو نہیں جانتا کہ اللہ نے اپنے بندے رسول اللہ ﷺ کو نشانیاں دے کر بھیجا ہے۔ خدا کی قسم! آپ اعلیٰ و امجد ہیں۔ اللہ نے اپنے اسمِ مبارک سے آپؐ کا اسم نکالا ہے۔ پس وہ عرش پر محمود ہے اور یہ محمدؐ"۔

حضرت محدث دہلوی کی کتاب میں درج اس عبارت سے ظاہر ہے کہ حضرت ابوطالبؑ عاشقِ رسولؐ اور نعت خوانِ رسولؐ تھے۔ نیز حسان بن ثابت آپؑ کے مقلد تھے اور اب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت محدث دہلوی حضرت ابوطالبؑ کے مبلغِ اسلام اور عارفِ رسالتؐ ہونے کا اظہار کس طرح فرماتے ہیں:

"روضۃ الاحباب میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابوطالبؑ کے زیرِ کفالت تھے اور مکہ معظمہ میں خشک سالی کی وجہ سے قحط برپا ہوگیا۔ ابنِ عساکر نے عرفطہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ مَیں مکہ مکرمہ میں آیا تو دیکھا کہ لوگ سخت

قحط سالی میں مبتلا ہیں۔ اسی اثنا میں قریش حضرت ابوطالبؑ کے پاس بارش طلب کرنے کے لیے حاضر ہوئے تو ابوطالبؑ اس حال میں باہر تشریف لائے کہ آپؑ کے گرد قریش کے بچوں نے گھیرا ڈالا ہوا تھا اور ان کے درمیان چمکتے سورج کے مثل ایک انتہائی خوب صورت بچہ تھا جس کے منور چہرے پر بادل کا سایہ تھا۔ حضرت ابوطالبؑ نے اُس بچے کو آغوش میں لیا اور اس کی پشتِ مبارک کعبہ کی دیوار سے لگا دی۔ اس بچے نے اُنگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کیا حال آں کہ اس وقت آسمان پر بادلوں کا نشان تک تھا اور مطلع بالکل صاف تھا مگر آپؐ کی انگشتِ مبارک اُٹھتے ہی بادلوں کے ٹکڑے ہر طرف سے اُمڈ اُمڈ کر جمع ہو گئے اور آپس میں ٹکرا کر موسلا دھار بارش کی شکل اختیار کر گئے۔ حتیٰ کہ جل تھل کا سماں پیدا ہو گیا اور تمام ندی نالے رواں ہو گئے۔ نیز وادیاں پانی میں ڈوب گئیں۔ اس صورتِ حال کو حضرت ابوطالبؑ نے نعتیہ قصیدے میں ڈھال دیا جس کا ایک شعر یہ ہے (عربی متن پہلے درج ہو چکا ہے۔ تکرارِ واقعہ و ترجمہ حوالہ جاتی مجبوری ہے):

"وہ حُسن و جمال کے پیکر جن کے چہرۂ انور کے وسیلے سے بارش طلب کی جاتی ہے وہ جو یتیموں کی پناہ گاہ اور بیواؤں کے ملجا و ماویٰ ہیں"۔

یہ قصیدہ حضرتؑ نے اُس وقت کہا جب کفارِ قریش نے رسولِ خدا کی ذات بابرکات سے متنفر کرنے کے لیے ان لوگوں کو جمع کیا جو مشرف بہ اسلام ہونے کا ارادہ رکھتے تھے۔

محمد بن اسحاق نے اس قصیدہ کے اڑسٹھ سے زیادہ اشعار ذکر کیے ہیں جو آپؑ نے حضورؐ کی شان میں کہے (اور اس طرف کفارِ قریش کے ساتھ موجود مائل بہ اسلام لوگوں میں تبلیغِ اسلام کی)۔

ابن الحسین کا کہنا ہے کہ یہ اشعار اس بات کی دلیل ہیں کہ حضرت ابوطالبؑ کو

رسولِ خدا کی نبوت و رسالت کی معرفت آپؑ کی بعثت سے پہلے ہی حاصل تھی۔ آپ بحیرا راہب (برجیس) کی خبروں اور دوسرے لوگوں کے جتانے سے بھی رسولِ خدا کی شانِ نبوت سے آگاہ ہو چکے تھے۔

ابنِ حجر عسقلانی کا کہنا ہے کہ آپؑ نے یہ شعر بعثتِ رسولؐ کے بعد انشا فرمائے۔ آپؑ کا رسولِ خدا کی معرفت رکھنا، دیگر بے شمار واقعات سے بھی ظاہر ہے، جن سے امامیہ آپؑ کے اسلام پر دلیل پکڑتے ہیں۔

ابنِ حجر عسقلانی کا یہ بھی کہنا ہے کہ میں نے علی بن حمزہ بصری کو دیکھا کہ اُنھوں نے حضرتِ ابوطالبؑ کے اشعار ایک کتاب میں جمع کر رکھے تھے اور گمان کرتے تھے کہ حضرتِ ابوطالبؑ مسلمان تھے اور اسلام پر دُنیا سے رخصت ہوئے۔ نیز روایت میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ جنابِ ابوطالبؑ نے اپنی موت کے وقت بنی مطلب کو بلا کر ارشاد فرمایا: ''اگر تم محمدؐ کی بات سُن کر اِتباع اور فرماں برداری کرو گے تو ہمیشہ خیر و برکت حاصل کرتے رہو گے اور تمھیں ہدایت کا راستا نصیب ہوگا''۔ (مدارج النبوۃ، ج۲، ص ۲۴، ۲۵)

مواہب اللدنیہ میں ہشام بن سائب کی روایت میں آیا ہے کہ جب حضرتِ ابوطالبؑ کا وقتِ نزع قریب آیا تو آپ نے اکابرینِ قریش کو بلا کر وصیت فرمائی کہ:

''......اے گروہِ قریش تم خِلقت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک برگزیدہ ہو۔ مَیں تمھیں وصیت کرتا ہوں کیوں کہ یہ قریش میں سب سے زیادہ امین اور عرب میں سب سے زیادہ اچھے ہیں اور ان تمام تر صفاتِ عالیہ کے جامع ہیں جو مَیں نے اپنی وصیت میں بیان کی ہیں۔ نیز جو پیغام آپؐ لائے ہیں اسے دلوں نے قبول کرلیا ہے مگر زبانیں خوف کی وجہ سے انکار کرتی ہیں۔ بخدا! مَیں آپ کو دیکھ رہا ہوں کہ عرب کے غربا و مساکین اور اطراف و اکناف کے بادیہ نشین باشندے ان کی طرف کھنچے چلے آرہے ہیں۔ مسکین اور کم زور لوگ ان کی دعوت قبول کرتے ہوئے ان کی رسالتؐ کی تصدیق

کر رہے ہیں اور ان کے کلمہ کی عظمت کو بلند کر رہے ہیں۔ اس کے برعکس قریش کے رؤسا ان کے سامنے پست ہو رہے ہیں۔ ان کے مکانات (بھی) تباہ و برباد ہو رہے ہیں اور ان میں سے کم زور لوگ اربابِ اقتدار بنے ہوئے ہیں۔ یہ بڑے بڑے رؤسائے قریش حضرت محمدؐ کے کم زور ساتھیوں کے محتاج ہو کر رہ گئے ہیں اور حضرت محمدؐ سے جو لوگ دُور تھے وہ انؐ کے قریب ہو کر بلند بخت اور (عظمت سے) بہرہ مند ہو گئے ہیں۔ (مدارج النبوۃ، ج ۵، ص ۳۸)

اور یقیناً محمد ﷺ کی دوستی کے لیے عرب نے خود کو خالص کر لیا ہے اور انؐ کی اطاعت میں اپنی جانوں کو اُنؐ کے سپرد کر دیا ہے۔

اے معشرِ قریش! تم لوگ بھی ان کا ساتھ دو اور ان کے ساتھیوں کی نصرت وحمایت کرو۔ خدا کی قسم جو شخص بھی ان کی اطاعت اور ان کا اِتباع کرے گا وہ رُشد وہدایت اور فلاح پائے گا۔

اگر میری زندگی مزید ہوتی اور موت مجھے کچھ عرصے کے لیے مہلت دے دیتی تو مَیں ان کی طرف آنے والے مصائب وحوادث مٹا دیتا اور ان کی طرف آنے والی تمام آفات کو دُور کر دیتا۔ انھی الفاظ کے ساتھ آپ دنیا سے رخصت ہو گئے۔

(مدارج النبوۃ، ج ۲، ص ۳۸)

باوجود کہ حضرت ابوطالبؑ کا رسول اللہ ﷺ کی اعانت و امداد، حمایت و رعایت، مدح وستائش کرنا اور آپ کی عظمتوں، رفعتوں کو نعتوں کی صورت میں بیان کرنا، اشعار اور اخبار سے ظاہر ہے۔ پھر بھی (منکرین) کہتے ہیں کہ آپؑ ایمان نہیں لائے اور دُنیا سے مسلمان نہیں گئے اور اس کے جواب میں (جواب الجواب) کہتے ہیں کہ انھوں نے زبان سے اقرار کیا تھا اور دل سے تصدیق بھی کی تھی مگر اِذعان وقبول اور اطاعت کرنا ان سے ظہور میں نہیں آیا جب کہ معتبر تصدیق واقرار، اِذعان وقبول اور انقیاد وتسلیم

ہی ہے۔ (مدارج النبوۃ، ج ۲، ص ۳۸)

اس کے بعد حضرت محدثؒ نے متذکرہ قبل روایات اہلِ تسنّن کی چھان پھٹک کی ہے اور حضرت ابوطالبؑ کے بارے میں کم سے کم توقف کا مشورہ دیا ہے۔ نیز تسلیم کیا ہے کہ حضور نبی اکرمؐ روتے ہوئے حضرت ابوطالبؑ کے جنازے کے ساتھ تشریف لے گئے اور کہہ رہے تھے کہ اے چچا جان! آپؑ نے صلۂ رحم کا حق ادا کر دیا اور میرے حق میں کوئی خطا نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ آپؑ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

علاوہ ازیں شاہ عبدالحق محدث دہلوی "اخبار الاخیار" میں سید محمد بن یوسف الحسنی علیہ الرحمہ کے واقعات بیان کرتے ہوئے اُن کی زبانی نقل کرتے ہیں:

"تفسیر اُمّ المعانی میں لکھا ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ الکریم کو کسی ضرورت کے لیے بھیجا اور جب وہ اس ضروری کام کی انجام دہی کے بعد واپس تشریف لائے تو جنابِ رسالت مآبؐ نے ارشاد فرمایا: اے علیؑ! تم نے سنا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ مجدہٗ الکریم نے مجھے اس وقت کس شرف سے نوازا ہے۔

جنابِ علی مرتضیٰؑ نے عرض کیا: نہیں، یا رسولؐ اللہ! میں نے نہیں سنا۔

حضور نبی کریمؐ نے فرمایا: مَیں نے اللہ تعالیٰ سے (اپنے چچا) ابوطالبؑ اور اپنے والدین کی مغفرت طلب کی تو ارشاد ہوا کہ وہ مجھ سے بھی بے گانہ تھے اور آپ کی نبوت پر بھی ایمان نہ لائے (افسوس کہ ہمارے بھائیوں کو ابوطالبؑ کے توحید و رسالت سے مملو اتنے خطبے اور اشعار بھی نظر نہ آئے کہ اُنھیں توحید و رسالت سے بے گانہ بنا دیا، حیف صد حیف)۔ اور نہ ہی اُنھوں نے بتوں کو باطل کہا (کیا حضورؐ کے والدین یا حضرت ابوطالبؑ کے بتوں سے مربوط ہونے کا ایک بھی واقعہ حتیٰ کہ اشارہ تک موجود ہے؟! پھر بھی اپنے ماں باپ اور چچاؤں سے ملانے کے لیے رسولؐ اسلام کے والدین

اور چچا تک کو نہ بخشا گیا)۔ میں ان کو جنت نہ دیتا مگر اب آپ فلاں (یہ فلاں کا لفظ بھی قابلِ غور ہے) گھاٹی پر تشریف لے جائیں اور اپنے والدین کریمین اور ابوطالبؓ کو آواز دیں۔ وہ زندہ ہو کر آپؐ کے پاس آئیں گے۔ آپؐ انھیں دعوتِ اسلام دیں گے تو وہ آپؐ پر ایمان لے آئیں گے (دعوتِ اسلام کا یہ معاملہ بھی قابلِ غور ہے)۔

چناں چہ میں نے ایسا ہی کیا اور بلندی پر جا کر فریاد کی: اے میری والدہ محترمہ، اے میرے والدِ محترم اور میرے عمِ گرامی قدر!! میری آواز سنتے ہی تینوں ہستیوں نے اپنے سر، زمین سے بلند کیے اور مجھ پر ایمان لے آئے (حال آں کہ یہاں دعوتِ اسلام کا ذکر تک نہیں بل کہ صرف مخاطب کیا ہے)۔

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد محمد بن یوسف فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے اور سوائے تفسیر اُمّ المعانی کے کسی دوسری کتاب میں میری نظر سے نہیں گزری، جب کہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے مذکورہ واقعہ بیان کرنے والے بزرگ کا تعارف اس طرح بیان کیا ہے: سیّد محمد رحمۃ اللہ علیہ بن یوسف الحسنی دہلوی شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلوی قدس سرہ العزیز کے خلیفہ راستیں ہیں، سیادت وعلم و ولایت میں رفیع الشان اور بلند مرتبے کے مالک ہیں اور بہت اُونچا اور عالی شان کلام فرماتے ہیں۔ نیز مشائخِ چشت کے مابین ایک خاص مشرب کے حامل اور اَسرارِ حقیقت کے بیان کرنے میں ایک خصوصی طریقہ رکھتے ہیں۔

اس مقام پر یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ شاہ عبدالحق صاحب نے ابنِ عساکر اور ابنِ اسحاق کی روایات کا اِندراج بھی کیا ہے اور پھر حضرتِ ابوطالبؓ کا وہ خطبہ درج کیا ہے جس کا ایک ایک لفظ توحیدِ خداوندی کے اقرار کی تصویر اور حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت سے قبل ہی اقرارِ رسالت کر لینے کی تظہیر ہے۔

شاہ نورالحق محدث دہلوی کی رائے

شاہ عبدالحق کے صاحب زادے شاہ نورالحق زیرِ آیت اِنَّکَ لَا تَہۡدِیۡ مَنۡ......

بخاری کی روایات نقل کرنے کے بعد رقم طراز ہیں:

"صاحب تلویح نے فرمایا اور ان کی متابعت میں صاحب توضیح نے بیان کیا کہ یہ حدیث مراسیلِ صحابہ (میں) سے ہے۔ کیوں کہ مسیب فتح مکہ کے زمانے میں ایمان لانے والوں میں سے ہیں اور عسکری کے مطابق اُنھوں نے بیعتِ رضوان کے موقع یعنی صلح حدیبیہ کے وقت اسلام قبول کیا اور بیعت کی۔ بہرحال یہ قطعی بات ہے وہ جنابِ ابوطالبؑ کی رحلت کے وقت ان کے پاس موجود نہ تھے کیوں کہ جنابِ ابوطالبؑ اور حضرت خدیجہؑ نے یکے بعد دیگرے قلیل وقفہ کے ساتھ مکہ معظمہ میں وصال فرمایا۔ بعض لوگ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ مسیب کا حضرتِ ابوطالبؑ کی وفات کے بعد اسلام قبول کرنا اس امر کو مستلزم نہیں کہ وہ حالتِ کفر میں جنابِ ابوطالبؑ کے پاس موجود نہ ہوں۔

مگر علامہ بدرالدین عینی علیہ الرحمہ شارح بخاری کہتے ہیں کہ مسیب کا حضرتِ ابوطالبؑ کی وفات کے وقت ان کے پاس موجود ہونا نہ تو ان کی کفر کی حالت میں ثابت ہے اور نہ ہی ایمان کی حالت میں پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے اور محض احتمال کی بنا پر کسی خاص بات کو ردّ نہیں کیا جاسکتا۔

بخاری کی اسی روایت میں عدم ایمانِ ابوطالبؑ پر بیان کردہ آیۂ کریمہ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ اِلٰى آخِرِ الْآيَةِ کی وضاحت نورالحق محدث دہلوی اس طرح فرماتے ہیں:

شارح بخاری امام قسطلانیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث ہی میں اِشکال پایا جاتا ہے کیوں کہ حضرتِ ابوطالبؑ کی وفات قبل از ہجرت مکہ میں ہوئی جب کہ استغفار سے مناہی کی یہ آیۂ کریمہ مدینہ منورہ میں نازل ہونے والی آخری آیات میں سے ہے۔ بعض لوگوں نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ہوسکتا ہے رسالت مآب ﷺ حضرتِ ابوطالبؑ کے لیے اس آیت کے نزول تک استغفار کرتے رہے ہوں مگر یہ جواب تکلف

سے خالی نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ رسولؐ خدا ایک بے فائدہ اور عبث کام کو دس سال تک کرتے رہیں جب کہ وہ کام اللہ جل شانہٗ کی مرضی کے بھی خلاف ہو اور اس طویل عرصے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے ترک کرنے کے لیے انتباہ بھی نہ کیا گیا ہو"۔

امام قرطبی علیہ الرحمہ کا کہنا ہے کہ بلاریب مجھ تک یہ روایت پہنچی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابوطالبؑ کو زندہ فرمایا اور وہ رسولؐ اللہ پر ایمان لائے۔

امام سہیلی نے سند کے ساتھ (روض الانف میں) بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے والدین کو زندہ فرمایا اور وہ آپؐ پر ایمان لائے۔

بے شک متاخرینِ اہلِ سنت کا یہی مذہب ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے تمام آباؤاجداد حضرت آدمؑ تک مومن تھے جیسا کہ متاخرین نے اس موضوع پر رسائل تالیف فرمائے اور ان میں حضور ﷺ کی اس حدیث سے استنباط کیا کہ ہم پاک اَصلاب اور پاکیزہ اَرحام میں منتقل ہوتے ہوئے تشریف لائے ہیں۔ (ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا)۔ (تیسیر الباری شرح بخاری، ج ۴، ص ۳۷۲)

علامہ معین کاشفی کی رائے مع اَدِلّہ

معارج النبوۃ کے مصنف مشہور سیرت نگار عاشقِ رسولؐ علامہ معین کاشفی نے حضرت ابوطالبؑ کی رسولِ پاکؐ کی ذاتِ اقدس سے والہانہ اور لافانی محبت پر مبنی روایات نقل کی ہیں جن سے حضرت ابوطالبؑ کے (عظیم) صاحبِ ایمان ہونے کی واضح نشان دہی ہوتی ہے۔

روایت ہے کہ حضرت ابوطالبؑ رسولِ خدا ﷺ سے اس قدر اعلیٰ درجے کی عظیم محبت رکھتے تھے کہ جو انھیں اپنے سگے بیٹوں کے ساتھ بھی نہ تھی۔ وہ سارا دن

رسولؐ خدا کی پرورش و پرداخت میں مشغول رہتے تھے اور رات کو حضورؐ کو اپنے پہلوئے مبارک میں لٹا کر آرام فرماتے تھے اور کسی بھی دوسرے (بچے) کو آپؐ پر ترجیح نہ دیتے تھے اور نہ کسی کو آپؐ سے زیادہ صاحبِ برکت سمجھتے تھے۔ حضرتؑ نے خود پر قطعی طور پر لازم کرلیا تھا کہ بغیر آپؐ کے کسی محفل اور مجلس میں جلوہ افروز نہ ہوں۔ حضرت ابوطالبؑ بغیر آپؐ کی موجودگی کے دسترخوان پر ہرگز نہ بیٹھتے تھے اور آپؐ کے بغیر کھانا نہ کھاتے تھے خواہ وہ صبح کا ہوتا یا شام کا۔ گویا حضرت ابوطالبؑ نے پیغمبرِ اسلام کے عزت و احترام کی تمام تر شروط کو پورے التزام کے ساتھ خود پر واجب کر رکھا تھا۔

علاوہ ازیں حضرت ابوطالبؑ کا معمول تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مل کر ایک ہی برتن میں کھانا تناول فرماتے اور جب تک حضور رسالت مآبؐ کھانے میں سبقت نہ فرماتے اور اسے مَس کر کے بابرکت نہ بنا دیتے اس وقت تک آپؑ کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھاتے تھے۔ آپؑ کی اتباع میں آپؑ کے اہلِ خانہ بھی اُس وقت تک کھانے کو ہاتھ نہ لگاتے جب تک امام الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانا شروع نہ فرماتے۔

ابوطالبؑ چمڑے کا فرش بچھا کر حضورؐ کو اس پر بٹھاتے تھے اور فرماتے تھے:

خدائے ربیعہ کی قسم! میرا یہ بیٹا عظیم ترین شان کا مالک ہے۔

منقول ہے کہ حضرت ابوطالبؑ نے فرمایا: ایک دفعہ میں وادی ذی المجاز میں تھا اور حضور نبیِ اکرمؐ میرے پاس موجود تھے۔ وہاں پر مَیں نے سخت پیاس محسوس کی اور اس شدتِ پیاس کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا تو آپؐ اُٹھے اور سرہانے کی طرف دوزانو ہو کر بیٹھ گئے۔ مَیں نے دیکھا کہ جہاں آپؐ نے قدمِ مبارک رکھے ہوئے تھے وہاں سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا۔ آپؐ نے وہ پانی مجھے عطا فرمایا اور مَیں نے خوب سیر ہو کر پیا۔ (معارج النبوۃ، رکنِ دوم، ص ۶۸)

علامہ جلال الدین سیوطی کی رائے مع ادلّہ

علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی اکثر کتب میں حضور نبی کریمؐ سے حضرت ابوطالبؑ کی والہانہ محبت وشفقت اور حضورؐ کی نصرت وحمایت کے متعدد واقعات بیان کرنے کے ساتھ ساتھ آپؑ کے ایمان کے متعلق بھی مختلف روایات پیش کی ہیں۔ کچھ اقتباسات کا اُردو ترجمہ ملاحظہ کیجیے، جس کے مترجم مولانا غلام معین الدین نعیمی ہیں۔

ابن سعد، ابونعیم اور ابنِ عساکر نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوطالبؑ اور ان کے اہلِ خانہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دسترخوان پر کھانا تناول فرماتے تو شکم سیری اور لطف محسوس کرتے۔ اتفاقاً اگر کھانے کے وقت حضورؐ موجود نہ ہوتے تو ابوطالبؑ اپنے گھر والوں سے کہتے: ٹھہرو! میرے بیٹے محمدؐ کو آلینے دو پھر کھانا شروع کریں گے اور اگر کھانے میں دودھ ہوتا تو پھر ابوطالبؑ شیرنوشی کی ترتیب اس طرح رکھتے کہ پہلے حضورؐ کو پلاتے پھر دوسرے گھر والوں کو اور بعد میں خود پیتے۔ آپؑ اکثر کہا کرتے تھے: میرا یہ بیٹا بڑی برکت والا ہے۔ (الخصائص الکبریٰ، ج ۱، ص ۸۳)

ابنِ سعد اور ابنِ قُتیبہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوطالبؑ کے لیے ایک بڑا تکیہ بنایا جاتا تھا اور وہ حسبِ عادت اُس پر ٹیک لگالیتے۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے، تکیہ کھول کر بچھا دیا اور اس پر دراز ہوگئے۔ کچھ دیر بعد ابوطالبؑ آئے اور دیکھ کر کہنے لگے: حلِ بطحا کی قسم! یہ میرا بھتیجا ذوقِ نعمت رکھتا ہے۔ ابنِ سعد نے ایسا ہی ایک اثر عمرو بن سعید سے بھی روایت کیا ہے۔

طبرانی نے عمار سے روایت کی ہے: ایک مرتبہ ابوطالبؑ اہلِ مکہ کے لیے کھانا تیار کر رہے تھے اور ضروری سامان کے پاس بیٹھے تھے۔ جب انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آتے دیکھا تو کوئی شے پہلو کے پیچھے کرلی (یا زانو کے نیچے دبالی)۔ حضورؐ نے چچا کے اس اِخفا کو سمجھ لیا تو ابوطالبؑ نے کہا: میرا یہ بھتیجا (کسی بھی شے کے بارے میں)

بہ ذریعہ کرامت معلوم کرلیتا ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے شام کے سفر کا واقعہ بھی متعدد ثقہ کتب سے بیان فرمایا ہے اور اس کے درست ہونے پر مُہرِ تصدیق ثبت کی ہے۔ اس کے بعد چند محبت بھرے نعتیہ اشعار بھی نقل فرمائے ہیں (جن کا ترجمہ پیشِ خدمت ہے):

"وہ یہود اس وقت تک نہ مانے جب تک کہ اُنھوں نے محمدؐ میں تو وہ باتیں نہ دیکھ لیں جن سے دلوں کا غم غلط ہوتا ہے۔

اُنھوں نے یہاں تک دیکھا کہ ہر شہر کے اہلِ علم جمع ہو کر فرداً فرداً ان کو سجدہ کرتے ہیں، زبیر اور وہ تمام لوگ جو اُن کے ساتھ تھے ان سب نے بُرائی کا قصد کیا۔

چناں چہ بحیرا نے اُن سے ایک بات کہی جس کی تکذیب اور طویل بحث کے بعد اُنھوں نے اسے تسلیم کرلیا، بحیرا نے یہودیوں سے پُرزور گفتگو کی اور اللہ تعالیٰ کے لیے ان سے (ایسی) جدوجہد کی کہ حق ادا کردیا۔

پس بحیرا نے آپ کی خیر خواہی میں سب کچھ کہا اور کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا کیوں کہ ہر گھات میں ان کے لیے خطرہ ہی خطرہ تھا"۔

وَقَالَ اَبُوطَالِبٍ فِیْ ذٰلِکَ اَبْیَاتًا مِنْھَا (الخصائص الکبریٰ، ج ۱، ص ۸۵) حضرت ابو طالبؓ نے اس بارے میں اشعار کہے۔

ابنِ عساکر نے اپنی تاریخ میں جلہمہ بن عرفطہ سے روایت کی ہے کہ اُنھوں نے کہا: میں مکہ مکرمہ میں آیا تو اہلِ مکہ شدید قحط سالی میں مبتلا تھے۔ ایک روز قریش نے مجاورِ حرم ابو طالبؓ سے کہا: وادیاں خشک ہوگئیں اور لوگ بھوکے مر رہے ہیں۔

آؤ چلیں بارش کے لیے دعا کریں۔ چناں چہ ابوطالبؓ اپنے ساتھ ایک بچے کو لے کر روانہ ہوئے۔ مطلع صاف تھا اور آفتاب روشن تھا۔ ابوطالبؓ نے بچے کا ہاتھ تھاما اور اس کی پشت خانہ کعبہ سے ملادی اور اپنی انگلیوں سے بچے کو تھام لیا۔ دفعتاً اُفق سے بادل اُٹھے اور برسنے لگے اور اتنی موسلادھار بارش ہوئی کہ وادی اور نالے بھر گئے۔

اس موقع پر ابوطالبؓ نے آپ کی ثنا میں حسب ذیل شعر کہے:

وَاَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغِمَامُ بِوَجْهِهٖ
ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِلْاَرَامِلِ

"وہ حُسن و جمال کے پیکر جن کے چہرۂ انور کے وسیلے سے بارش طلب کی جاتی ہے۔ آپ یتیموں کی پناہ گاہ اور بیواؤں کے ملجا و ماویٰ ہیں"۔

يلوذُ به الهُلّاكُ مِنْ آلِ هَاشِمٍ
فَهُمْ عِنْدَهٗ فِيْ نِعْمَةٍ وَ فَوَاضِلِ

"بنی ہاشم کے ستم رسیدہ افراد انھیں کی پناہ چاہتے ہیں کیوں کہ وہ ان کے لیے (اللہ کی) ایک بہت بڑی نعمت اور بہت بڑا احسان ہیں"۔ [تکرار اشعار حوالہ جاتی مجبوری ہے]

ابن سعد نے عبداللہ بن ثعلبہ بن صعیر سے روایت کی کہ جب ابوطالبؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انھوں نے عبدالمطلبؓ کے بیٹوں کو بلایا اور کہا کہ تم لوگ جب تک محمد ﷺ کی بات سنتے رہو گے اور ان کے حکم کی پیروی کرتے رہو گے ہمیشہ خیر و برکت میں رہو گے۔ (الخصائص الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۱۶)

علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ کی رائے

علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ نے حضرت ابوطالبؓ کے ایمان کے متعلق "کشف الغمہ"

میں (اپنی دانست کے مطابق) تحقیق کا دارومدار ہی اس امر پر رکھا ہے کہ حضرت ابوطالبؑ نے آخروقت پر کلمہ پڑھ لیا تھا۔ چناں چہ آپؒ نے اس کے برعکس کسی روایت کو قبول نہیں کیا۔

کشف الغمہ کا یہ اقتباس بہ طور حرفِ آخر ملاحظہ کیجیے:

عبید بن عمیر سے روایت ہے کہ حضرت ابوطالبؑ رسولؐ اللہ کے لیے بہت بڑے نصیحت کرنے والوں میں سے تھے اور جب قریش نے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق یہ مشورہ کیا کہ یا تو آپؐ کو قید کر دیا جائے یا نکال دیا جائے تو حضرت ابوطالبؑ نے رسولؐ اللہ سے استفسار کیا کہ آپؐ جانتے ہیں کہ کفارِ قریش نے آپؐ کے متعلق کیا مشورہ کیا ہے؟ تو اس کے جواب میں حضور سرورِ کائناتؐ نے ارشاد فرمایا: ہاں مجھے اس بات کی خبر ہے۔

جنابِ ابوطالبؑ نے عرض کیا: آپؐ کو اس کا کیسے پتا چلا؟

حضور نبی اکرمؐ نے فرمایا: میرے پروردگار نے مجھے بتا دیا ہے۔

یہ سن کر جنابِ ابوطالبؑ نے عرض کیا کہ آپؐ کا پروردگار بہت اچھا پروردگار ہے۔ آپؐ اس کے ساتھ بہتر سلوک کریں۔ ①

یہ سن کر رسولؐ خدا مسکرانے لگے اور آپؐ نے فرمایا: وہ مجھ سے بہتر سلوک فرمائے یا مَیں اس سے بہتر سلوک کروں"۔

حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ جنابِ ابوطالبؑ نے نبوت کے دسویں سال انتقال فرمایا اور اس وقت ان کی عمر مبارک ۸۵ سال تھی اور ان کے مرض الموت

---

① یہ سب عامہ کی باتیں ہیں، خاصہ کے ہاں تو جنابِ ابوطالبؑ حضورؐ کی آمد اور بعثت سے قبل بھی اپنے پروردگار کو خوب پہچانتے اور اس پر کامل ایمان رکھتے تھے یعنی ولیِ خدا تھے۔

میں رسولِ خدا ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: چچا جان! کہہ دیجیے یعنی کلمۂ شہادت پڑھیے تاکہ آپؑ کی شفاعت کرنا میرے لیے جائز ہو جائے۔ پس جب آپؑ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپؑ کے ہونٹ ہل رہے تھے تو جنابِ عباسؓ نے آپؑ کے ہونٹوں پر کان لگا دیے اور فرمایا کہ اے ابنِ اخی! خدا کی قسم! ابوطالبؑ نے وہ کلمہ کہہ دیا ہے جس کا آپؐ نے انھیں ارشاد فرمایا ہے۔

یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: چچا جان! اللہ تعالیٰ آپؑ کو بھی ہدایت نصیب فرمائے۔ (کشف الغمہ شعرانی، ص ۱۲۰، مطبوعہ مصر)

حافظ ابونعیم اصبہانیؒ کی رائے مع ادلّہ

حافظ ابونعیم اصبہانیؒ نقل کرتے ہیں: ہم سے ابومحمد بن حیان نے حدیث بیان کی اور کہا کہ مجھ سے ابوعبداللہ عاصمی نے، ان سے الغلابی نے، ان سے علی بن حکم الجدری نے (بیان کیا ہے) کہ انھوں نے کہا: مجھ سے ربیع بن عبداللہ نے حدیث بیان کی کہ حضرت عبداللہ بن حسن اپنی والدۂ مکرمہ سیدہ فاطمہؑ بنتِ حسینؑ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ میری پھوپھی جان سیدہ (زینب) بنتِ علی سلام اللہ علیہا اپنے والدِ گرامی حضرت علی بن ابی طالبؑ سے روایت بیان فرماتی ہیں کہ میرے والدِ محترم حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میں نے اپنے والدِ گرامی حضرت ابوطالبؑ سے یہ روایت سنی کہ جب سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کے گھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی تو حضرت عبدالمطلبؑ یہ مسرت خیز خبر سن کر حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کے حجرۂ مقدس پر تشریف لائے۔ جب حضرت آمنہؑ نے اپنے درِ یتیم کو شفیق دادا کی آغوش میں دیا تو آپؑ نے نبیِ اکرمؐ کو چومنا شروع کر دیا اور پھر میرے والد حضرت ابوطالبؑ کی گود میں دے کر فرمایا کہ میں اپنا یہ جلیل القدر بیٹا تمھارے سپرد کرتا ہوں۔ تم جا کر ان باسعادت لمحات کی خوشی میں صدقے کے طور پر اونٹ اور بکریاں ذبح کرو اور تمام مکہ والوں کی تین روز تک دعوت کرو۔ چناں چہ

حضرت ابوطالبؓ نے اپنے والدِ مکرم سیّدنا عبدالمطلبؓ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے مکّہ معظمہ کے تمام راستوں پر جانور ذبح فرمائے اور مسلسل تین روز تک نہ صرف اہلِ مکّہ کی دعوت کی بلکہ (ایسا انتظام عام کیا کہ) تمام جانور اور پرندے بھی اس دعوت سے لطف اندوز ہوئے۔

ایک دفعہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بچپن میں بچّوں کے ساتھ کھیلنے کے لیے تشریف لے گئے تو وہاں بنی مدلج کے کچھ لوگوں نے آپؐ کی زیارت کی اور انھوں نے اپنی قوم کو پکار پکار کر کہا کہ اس بچّے کی زیارت کرو۔ پھر یہ لوگ حضرت عبدالمطلبؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے معانقہ کیا۔ اسی اثنا میں حضور نبی کریمؐ بھی وہاں تشریف لا چکے تھے۔ لوگوں نے حضوؐر کی طرف دیکھ کر جنابِ عبدالمطلبؓ سے عرض کیا کہ یہ آپؓ کے کیا لگتے ہیں؟ جنابِ عبدالمطلبؓ نے فرمایا: میرے فرزند ہیں تو اُن لوگوں نے عرض کیا کہ آپؓ ان کی حفاظت فرمائیں۔ یہ آپؓ کی قوم میں بے مثال اور بلندترین مقام کے مالک ہیں۔ ان لوگوں کا یہ مشورہ سُن کر حضرتِ عبدالمطلبؓ نے حضرت ابوطالبؓ سے مخاطب ہوئے اور ارشاد فرمایا: بیٹا تم نے سنا کہ یہ لوگ کیا کہتے ہیں۔ چناں چہ حضرت ابوطالبؓ آپ کی حفاظت پر مامور ہو گئے۔ پھر جب حضرت عبدالمطلب کا وصال ہوا تو رسولؐ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حضرتِ ابوطالبؓ کی آغوشِ رافت میں آ گئے۔ اس وقت حضرتِ ابوطالبؓ کی عمرِ مبارک آٹھ سال تھی......"۔ (دلائل النبوۃ، ص ۱۳۲)

آپؐ حضرتِ ابوطالبؓ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ حضرتِ ابوطالبؓ زیادہ مال دار نہ تھے۔ مقامِ عرینہ پر آپ کا ایک اُونٹوں کا گلہ تھا جس سے آپ کی بسر اوقات ہو رہی تھی۔ آپؓ جب مکّہ میں موجود ہوتے تو وہاں سے دودھ بھی لایا کرتے تھے۔ حضرت ابوطالبؓ کو آپؐ سے بہت محبّت تھی اور وہ آپؐ پر نہایت مہربان تھے۔ حضرتِ ابوطالبؓ کے اہل و عیال کبھی اکٹھے یا فرداً فرداً کھانا کھاتے تو سیر ہوتے لیکن

رسولِ خدا کے ساتھ کھانا کھاتے تو سب سیر ہو جاتے اور جب بھی کھانے کے لیے دسترخوان بچھایا جاتا حضرت ابوطالبؑ اپنے اہل وعیال سے فرماتے تم جس حال میں بھی ہو رُک جاؤ، میرے فرزند محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آلیں پھر کھانا شروع کیا جائے گا۔ جب رسولِ خدا تشریف لاتے تو کھانا شروع کیا جاتا۔ آپؐ کی برکت سے سب کے سیر ہو کر کھانا کھانے کے بعد بھی کھانا بچ جاتا۔ اگر کھانے میں دودھ ہوتا تو حضرت ابوطالبؑ سب سے پہلے رسول اللہؐ کی خدمت میں پیش کرتے۔ آپؐ حسبِ ضرورت دودھ نوش فرما لیتے اور باقی چھوڑ دیتے۔ پھر جنابِ ابوطالبؑ کے اہل وعیال یکے بعد دیگرے اسی ایک پیالے سے سیراب ہو جاتے، حال آں کہ دودھ کا وہ پیالہ ایک آدمی ہی کے لیے ہوتا تھا۔ (حجۃ اللہ علی العالمین، ص ۲۶۳، دلائل النبوۃ، ص ۱۲۴)

جب قریش کا قافلہ شام کے سفر کے لیے تیار ہو چکا اور باربرداری کے لیے سامانِ تجارت اُونٹوں پر لاد دیا گیا تو حضرت ابوطالبؑ بھی اپنے اُونٹوں کو جمع کرنے کے لیے تشریف لے گئے۔ اِدھر رسول اللہؐ انتظار کرنے لگے کہ کیا چچا جان مجھے ساتھ لے جاتے ہیں یا نہیں۔ حضرت ابوطالبؑ آئے تو آپؐ کی یہ حالت دیکھ کر اُن کا دل پسیج گیا اور کہنے لگے: کیا آپؐ میرے ساتھ جانا چاہتے ہیں؟ پھر ابوطالبؑ نے آپؐ کے دیگر چچوں اور پھوپھیوں سے مشورہ کیا تو انھوں نے کہا کہ اس بچّے کو ساتھ نہ لے جائیں۔ اس مشورے کے بعد حضرت ابوطالبؑ واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ رسولِ خدا (چچا سے دُوری کے خدشے سے) رو رہے تھے۔

حضرت ابوطالبؑ نے کہا: میرے بیٹے کیا بات ہے؟ شاید آپؐ اس لیے رو رہے ہیں کہ میں آپؐ کو چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔

رسولِ خدا نے فرمایا: ہاں چچا جان! ایسی بات ہے۔

• حضرت ابوطالبؑ نے فرمایا: میرے بیٹے! میں آپؐ کو کبھی خود سے الگ نہیں کروں گا۔ (دلائل النبوۃ، ص ۱۲۵)

حضرت ابوطالبؑ اس خوف سے کہ یہود رسولؐ خدا کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچائیں، بہت جلد ہی آپؐ کو ساتھ لے کر شام سے واپس تشریف لے آئے۔ پھر رسولؐ خدا نے ہمیشہ حضرت ابوطالبؑ کے ساتھ رہ کر ہی شباب کی منازل طے فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپؐ کی بزرگی کو آپؐ کی قوم پر نمایاں کرنا چاہتا تھا۔ چناں چہ جب آپؐ سنِ بلوغ کو پہنچے تو پوری قوم میں سب سے زیادہ حسین وجمیل، جواد وسخی، بزرگ وبرتر اور خلیق ورحیم بن کر جلوہ افروز ہوئے۔ آپؐ کی گفتگو انتہائی دل آویز ہوتی تھی۔ تمام لوگ آپؐ کے صادق وامین ہونے پر اتفاق کرچکے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام نیک اُمور آپؐ کی ذات میں جمع فرمادیے تھے۔ مکہ معظمہ میں آپؐ کا مشہور نام امین تھا (اور ابوطالبؑ آپؐ کے بھی امین تھے)۔ (دلائل النبوۃ، ص ۱۲۹)

یہ تھے چند اقتباسات حافظ ابنِ کثیر کی معرکۃ الآرا کتاب دلائل النبوہ سے۔ ہمارے خیال میں کوئی بھی صاحبِ شعور اور حاملِ دانش انسان اگر ان اقتباسات پر غور کرے تو یہ نہ صرف نبوت کے دلائل ہیں بل کہ ولایت ابوطالبؑ کی معراج کے بھی مضبوط ترین دلائل ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے اللہ رب العزت نے اپنے بندوں میں سے محمد مصطفیٰؐ کو چُن لیا بعینہٖ اسی طرح اپنے محبوب کی پرورش وحفاظت کے لیے ابوطالبؑ کو چُن لیا۔ ایک اور نئی بات جو سامنے آئی وہ یہ ہے کہ حضرت عبدالمطلبؑ کی حیات میں بھی حفاظت ابوطالبؑ کی ذمہ داری حضرت ابوطالبؑ ہی کی تھی جیسا کہ روایت سے صاف ظاہر ہے۔ نیز ان عبارات سے اُن لوگوں کے مفروضوں کی قلعی بھی کھل جاتی ہے جو حضرت زبیر کو حضورؐ کا پرورش کنندہ اور کفیل سمجھتے ہیں۔

قاضی دحلان مکی کی رائے مع ادلہ

مکہ مکرمہ کے مفتی قاضی دحلان زاداللہ شرفہٗ نے حضرتِ ابوطالبؑ کے ایمان کے اثبات اور اُن کی اُخروی نجات پر ایک کامل کتاب لکھی ہے جس کا نام اسنی المطالب فی نجات ابی طالبؑ ہے۔ یہ کتاب عربی سے اُردو کے قالب میں بھی ڈھل چکی ہے۔ اس کی اہمیت وافادیت کے پیشِ نظر عرفانِ ابوطالبؑ کا ایک باب اس سے ملخص ہے۔ اس باب میں موجود کتاب ہذا کے اقتباسات پکار پکار کر ایمانِ ابوطالبؑ کی گواہی دے رہے ہیں اور اُن کے ہم راہ وہ قصیدۂ مجیدہ بھی موجود ہے جو قاضی موصوف نے حضرتِ ابوطالبؑ کی مدح میں لکھا تھا۔

علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانیؒ کا اعتراف

علامہ نبہانیؒ طیبۃ الغراء، مطبوعہ مصر کے صفحہ ۳۷ پر رقم طراز ہیں:

''حضرت عباسؓ ابن عبدالمطلبؑ کا قول ہے: ''میں نے ابوطالبؑ کو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھتے سنا ہے۔ اور علامہ سیّد احمد دحلان مفتی مکہ مکرمہ نے ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے جس کا نام اَسْنَی الْمَطَالِبِ فِیْ نَجَاتِ اَبِیْ طَالِبٍ ہے اور اس میں یہ کلام موجود ہے اور وہ رسالہ مطبوعہ ہے''۔

اہلِ سنت کے اس امام (یوسف بن اسماعیل نبہانی علیہ الرحمہ) نے حضرتِ ابوطالبؑ کی وفات اور مناقب پر مبنی ایک قصیدہ بھی لکھا ہے جس کا متن مع ترجمہ حاضر ہے:

وَاَتٰی عَمَّہُ الْحَمِیْمُ حِمَامٌ

مَا لِحَیٍّ مِنَ الْحِمَامِ اِحْتِمَا

''رسولِؐ خدا کی نُصرت وحمایت کرنے والے اُن کے چچا حضرتِ ابوطالبؑ کو بھی موت نے آلیا کیوں کہ کوئی زندہ انسان موت سے

نہیں بچ سکتا"۔

گویا نبھائیؑ کہہ رہے ہیں کہ

ع جب تو ہوئے احمدؐ نہ رہے کون رہے گا

كَانَ تُرْسًا بَقِيَهٗ عَادِيَةُ الْاَعْدَاءِ

رَاسَاتُهَا بِهٖ الرُّؤَسَاءِ

"حضرت ابو طالبؑ حضور رسالت مآبؐ کے لیے دشمنوں سے حفاظت کرنے والی ڈھال تھے اور قوم کے ایسے سردار تھے جن سے تمام سردار ڈرتے تھے"۔

مُسْتَقِيْمًا عَلَى الْوِلَاءِ وَلِلْاِضْلَاعِ

مِنْهُ عَلَى الْحُنْوَاءِ مُحْنَاءِ

"وہ رسولؐ خدا کی محبت وقرابت پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہے اور حضورؐ کی ہر تکلیف پر غم زدہ اور ملول ہو جایا کرتے تھے"۔

قَدْرَأى صِدْقَهٗ بِمِرْاٰةِ قَلْبٍ

مَقَلَتُهَا رَوِيَّةٌ وَّارْتِيَاءِ

"آپؑ نے اپنے دل کے آئینے میں رسولؐ خدا کی صداقت کا مشاہدہ کر لیا تھا، اس آئینۂ دل میں جو عقل وفراست سے صیقل تھا"۔

غَيْرَ اَنَّ الْخَفَاءَ كَانَ مُفِيْدًا

رُبَّهَا يَجْلِبُ الظُّهُوْرُ الْخَفَاءِ

"آپؑ کا اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھنا ایمان کو ظاہر کرنے سے زیادہ مفید اور سود مند تھا کیوں کہ بعض اوقات ظاہر کرنے سے چھپا لینا بہتر اثرات مرتب کرتا ہے"۔

مَدَحَ الْمُصْطَفٰی ، نَظْمٌ وَ نَثْرٌ
کَمْ لَهٗ فِیْهِ مِدْحَۃٌ عَزَّآءُ

"آپؓ نے محمد مصطفیٰ ﷺ کی مدح وثنا اور توصیف وستائش نظم میں بھی کی اور نثر میں بھی اور بے شمار شان دار نعتیہ قصیدے لکھے"۔

وَلَدَی الْاِحْتِضَارُ اَصْفٰی قُرَیْشٍ
خَیْرَ نُصْحٍ فَلَمْ یَکُنْ اَصْغَآءُ

"آپ نے بہ وقتِ وصال قریش کو بہت عمدہ نصیحتیں کیں اگرچہ کافروں نے اُن پر کان نہ دھرا"۔

اَوْضَحَ الْحَقَّ فِیْ کَلَامٍ طَوِیْلٍ
کَانَ فِیْ قَلْبِهٖ عَلَیْهِ انْطِوَآءُ

"حضرت ابوطالبؓ نے اپنے اس وصیت نامے کے طویل کلام میں اُس حق کو ظاہر فرما دیا جو اُن کے دل میں موجود تھا"۔

وَمَضٰی رَاشِدٌ وَاَسْمَعُ الْعَبَّاسِ
قَوْلًا بِهٖ یَکُوْنَ النَّجَاءُ

"وہ دنیا سے ہدایت یافتہ گئے اور حضرت عباسؓ کو وہ بات بتا دی جس پر اُن کی نجات کا دارومدار تھا"۔

فَاسْتَمَرَّتْ عَلَی الْعِنَادِ قُرَیْشٍ
مَالَدَیْهَا رِعَایَۃٌ وَّارْعَوَآءُ

"لیکن قریش نے اپنا عناد جاری رکھا کیوں کہ ان کی طبیعتوں میں رعایت اور لچک تھی ہی نہیں"۔

وَيَمُوْتُ الشَّيْخُ الْمُهَيْبُ اِسْتَطَاعَتْ
بِاَزَاهُ زَادَ مِنْهَا الْبَذَاءُ

"اس صاحب جلال ہستی کی رحلت کے بعد ان (لعینوں) کی ایذارسانی اور بے ہودگی میں اضافہ ہوگیا"۔

حضرت ابوطالبؑ نے نزع کے وقت جو بات کی وہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کی گواہی تھی اور نجات کے معنی خلاصی کے ہیں۔ مفتی مکہ مشرفہ قاضی دحلان نے اس مسئلے پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

(الطیبۃ العربیۃ فی مدح المصطفیٰ، مطبوعہ مصر، مصنف علامہ نبہانی، ص ۲۷)

علامہ سلیمان حنفی قندوزیؒ کی رائے

مفتی اعظم قسطنطنیہ علامہ محمد سلیمان قندوزیؒ اپنی کتاب ینابیع المودۃ میں حضرت ابوطالبؑ کے بارے میں رقم طراز ہیں: حضرت ابوطالبؑ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حامی و مددگار تھے۔ وہ آپؐ سے شدید محبت کرتے تھے اور آپؐ کے کفیل اور مربی تھے۔ وہ آپؐ کی نبوت کا اقرار کرتے تھے اور آپؐ کی رسالت کے معترف تھے۔ اس سلسلے میں انھوں نے بے شمار شعر کہے ہیں۔ آپ قریش کے شیخ (سید و سردار تھے)۔ (ینابیع المودۃ، طبع مصر، ج۲، ص ۱۵۲)

یہی عبارت علامہ ابنِ جاحظ نے اپنی مشہور کتاب "البیان والتبیین" کی پہلی جلد کے ص ۶۲ پر درج کی ہے۔

اہلِ سنّت کے علمائے معاصر اور ایمانِ ابوطالبؑ

علامہ نور بخش توکلی اور مفتی احمد یار خان نعیمی نے بھی اپنی تصانیف سیرت رسولِ عربی، ص ۸۸ اور تفسیر نعیمی، ج۱، ص ۱۰۶ پر ایمانِ ابوطالبؑ پر علمائے تسنّن کے صحاح کی احادیث و روایات سے اختلاف کا اعتراف کیا ہے۔

دورِ حاضر کے علمائے اہلِ سنّت میں سے خواجہ محمد قمرالدین چشتی نظامی سیالوی، مولانا عطا محمد چشتی (بندیال شریف)، مولانا کوثر نیازی، سیّد شبیر احمد ہاشمی، محدث ہزاروی، صاحب زادہ محمد اقبال احمد فاروقی، سیّد محمد افتخار الحق زیدی وغیرہم بھی ایمانِ ابوطالبؑ کے قائل اور حق کی جانب مائل ہیں جب کہ مرحوم علامہ صایم چشتی تو ایمانِ ابوطالبؑ کے زبردست وکیل تھے جنھوں نے اس موضوع پر دو جلدوں پر مبنی ایک ضخیم کتاب بھی تالیف کی ہے۔

سیّد امین نقوی (حنفی) کا شانِ ابوطالبؑ میں عربی قصیدہ

اہلِ سنّت والجماعت کے ایک اور معتبر عالم سیّد محمد امین علی شاہ نقویؒ (حنفی) نے حضرت ابوطالبؑ کی شان میں ایک عربی قصیدہ رقم کیا ہے۔ یہ قصیدہ مع ترجمہ اس باب کا خوب صورت لازمہ قرار دیا جاتا ہے۔

اَلَا رَبُّنَا رَافِعُ التَّائِبِ
وَ مَحْبُوْبُنَا شَافِعُ الْخَائِبِ

"یادرکھیں کہ ہمارا پروردگار ہر تائب شخص کو بلندی پر سرفراز کرنے والا ہے اور ہمارے عظیم محبوب (محبوبِ خدا) ہر خسارہ پانے والے انسان کے شافع ہیں"۔

جَزَی اللّٰهُ عَنَّا لِعِمْرَانِنَا
عَلٰی قَوْمِ اَعْدَآئِهِ الْغَالِبِ

"ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن کو ہم تمام مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ وہ ابوطالبؑ جو دشمنانِ خدا (ورسولؐ) پر ہمیشہ غالب رہے"۔

مُجِیْدُ الْبَرَایَا وَجِیْدُ الْهُدٰی
شَهِیْدٌ عَظِیْمٌ عَلَی الْعَاقِبِ

''حضرت ابو طالبؑ وہ عظیم ہستی ہیں جو مخلوق میں شجاع و بہادر، ہدایت میں یکتائے عالم اور رسالت مآبؐ کی صداقت پر سب سے بڑے شاہد عادل ہیں''۔

كَعَبْدٍ رَشِيْدٍ فَرِيْدُ الَّذِيْ
يَكْتُمَانِ اِيْمَانَهُ الْوَاجِبُ

''آپؑ وہ عظیم انسان ہیں جو آلِ فرعون کے اُس عظیم شخص (شمعان) کی مانند تھے جو فرعونیوں سے اپنا ایمان چھپانے کے باوجود سخاوت کا خزانہ اور ہدایت میں یگانہ تھا''۔

يَنْظِمُ وَنَثْرٌ مَدِيْحُ النَّبِيِّ
وَ دِيْوَانَهُ لَيْسَ بِالْكَاذِبِ

''آپؑ وہ عظیم نعت خوانِ رسولؐ ہیں جنھوں نے سب سے پہلے نظم اور نثر میں حضور نبی کریمؐ کی مدح خوانی کی۔ (محمد مصطفیٰؐ کی مدحت) اور کفارِ قریش کی مخالفت، مذمت اور تکذیب میں لکھا گیا دیوانِ ابو طالبؑ آج بھی موجود ہے۔

بِقَلْبٍ وَنَظَرٍ رَأَى الْمُصْطَفَىٰ
وَفِيْ حُبِّهِ لَيْسَ بِالْغَائِبِ

''ابو طالبؑ وہ خوش قسمت ہستی ہیں جنھیں بہ یک وقت چشمِ باطن (نگاہِ قلب) اور چشمِ ظاہر سے حضور رسالت مآبؐ کی زیارت کا شرف حاصل تھا اور وہ رسولؐ اللہ سے سچے دل سے والہانہ محبت کرتے تھے''۔

بِحُسْنِ الْاَقَاوِیْلِ یَهْجُوا الْعِدٰی
وَیُوذِیْهِ اَبَدًا مَعَ الْقَاضِبِ

"جنابِ ابوطالبؑ وہ عالی مرتبہ بزرگ ہیں جنھوں نے اپنے ٹھوس اور مضبوط فرمودات سے خدا اور رسولؐ کے دشمنوں کی برائیوں کا بھی برملا اور علانیہ اظہار کیا۔ نیز خدا و رسولؐ کی نصرت وحمایت کا فریضہ سرانجام دیا"۔

وَدَامَتْ قُرَیْشٌ عَلٰی ظُلْمَةٍ
اِلٰی رَاْیِهَا لَیْسَ بِالْاٰئِبِ

"قریشِ مکہ تو اس وقت ظلمت کی وادیوں میں بھٹک رہے تھے مگر حضرت ابوطالبؑ نے اُن کے غلط خیالات سے کبھی اتفاق نہ فرمایا"۔

لَقَدْ اَسْمَعَ الْکَلِمَةَ الطَّیِّبَةَ
وَمِنْ مُشْرِكٍ لَیْسَ بِالْهَائِبِ

"آپؑ وہ صاحبِ ایمان ہستی ہیں جس نے بھری محفل میں (حضرت عباسؓ کو) کلمۂ طیبہ سنایا (اقرار توحید و رسالت کیا) اور کسی بھی مشرک وکافر سے خائف نہ ہوئے"۔

فَسَرَّ النَّبِیَّ اِمَامَ الْوَرٰی
سُرُوْرًا کَثِیْرًا عَلَی الصَّاحِبِ

"جب حضرت عباسؓ نے آپؑ کے کلمہ پڑھنے کی اطلاع، رسولؐ خدا کو پہنچائی تو آپؐ بہت خوش ہوئے"۔

مَضٰی مُؤْمِنًا کَامِلًا صَادِقًا
وَیَنْجُو لَدَی الْخَالِقِ الْوَاهِبِ

''حضرت ابوطالبؑ وہ عظیم صاحب ایمان وایقان تھے جو دنیا سے سچے اور پکے مومن کے طور پر (دارِ آخرت کی طرف) روانہ ہوئے اور خالقِ واہب کی بارگاہ میں نجات یافتہ قرار پائے''۔

أُصَلِّي عَلَى الْمُصْطَفٰى الْمُقْتَطٰى
وَسَيِّدِيْ أَبِيْ طَالِبٍ الثَّاقِبِ

''میں حضرت محمد مصطفیٰؐ اور (ان کے عمِ گرامی) حضرتِ ابوطالبؑ پر درود وسلام بھیجتا ہوں''۔

وَآلِ النَّبِيِّ وَأَصْحَابِهٖ
وَخُدَّامِ إِسْلَامِهٖ الْوَاصِبِ

''(اس کے ساتھ ساتھ) میں آلِ نبیؐ، صحابہ کرام اور دینِ اسلام کے اُن خادموں پر درود بھیجتا ہوں جنھیں حیاتِ دوام حاصل ہے''۔

فَقَدْ بَارَكَ اللّٰهُ مَنْ صَنَّفَ
الْكِتَابَ لِدِيْنِ أَبِي الطَّالِبِ

''اور میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس مردِ درویش و حق گو کو برکتیں عطا فرمائے جس نے حضرت ابی طالبؑ کے ایمان کے اثبات میں (ایک نئی) کتاب تحریر کی ہے''۔

يَا نَارُ كُوْنِيْ سَلَامًا عَلٰى
أَخِي الصَّائِمِ الصَّارِمِ الصَّائِبِ

''اے بُغض اور حسد کی بھڑکتی ہوئی آگ تو میرے بھائی صایم (چشتی) پر سلامتی کی حامل ہوجا جو ایک حق گو شیر ہے''۔

كَلَامُ الْأَمِيْنِ مُفِيْدُ الْهُدٰى
حِسَامٌ عَضُوْضٌ عَلَى الثَّالِبِ

"امینؔ (نقوی) کا یہ کلام محبت کرنے والوں کے لیے ہدایت کا سامان مہیا کرتا ہے اور نکتہ چینی کرنے والوں (خارجیوں اور ناصبیوں) کے لیے کاٹ کھانے والی تلوار کی مانند ہے"۔ ①

علامہ ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تحقیقِ سعید

علامہ ڈاکٹر محمد طاہر القادری القول الغالب فی ایمانِ ابوطالبؑ کے نام سے ایک کتاب لکھنے جا رہے ہیں، جس کے ایک باب میں اُنھوں نے اپنے طلبہ کی مدد سے ستر ایسے شواہد و قرائن جمع کیے ہیں جو ایمانِ ابوطالبؑ کے اثبات پر فیصلہ کُن ابحاث لیے ہوئے ہیں (دوسری بحثیں ان کے علاوہ ہیں جو کئی ابواب پر مشتمل ہیں۔ فی الحال "جاوا ہاؤس" میں اُن کی ایک مجلس کا کلپ نیٹ پر موجود ہے جو اُنھوں نے علی جاوا کے گھر علی رضا رضوی اور علامہ علی غضنفر کراروی کے توسط سے پڑھی۔ حضرت ابوطالبؑ کے بارے میں اُن کی مجلس کا خلاصہ واختصار حسبِ ذیل ہے (جس میں اُنھوں نے مفہوماً اس بات کا اظہار بھی کیا کہ میں بھلا حضرت ابوطالبؑ پر خطاب کیوں نہیں کروں گا، مَیں تو خود کو اُن کے حوالے کر چکا ہوں، آج کی اس مجلس میں حسینؑ کے دادا کا ذکر کر رہا ہوں)۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ..... مذکورہ ستر قرائن تیار ہیں لیکن اس مجلس میں مَیں دس قرائن بیان کروں گا جو ہزاروں پر بھاری ہیں۔

(وتلك عشرة الكاملہ) ان دس قرائن کو ترتیب وار بیان نہیں کیا گیا،

---

① ہم محسنِ رسالتؐ کے اس مداح کو سلام پیش کرتے ہیں
؎ امین نقوی سلام تم پر کرم حقیقی امین نکلے ۔ امین نقوی بلا رہے ہیں علی نبی آؤ پیار لے لو

مجلسی انداز میں ذیلی باتیں بھی زیرِ گفتگو رہی ہیں البتہ موضوع سے متعلقہ مواد ملاحظہ کیجیے۔ یہ آیۂ کریمہ بعثت کے بعد اعلانِ نبوت اور اظہارِ نبوت کے لیے ہے۔ حضوؐر نے کوہِ صفا پر سردارانِ قریش کو بلایا۔ اسلام کی ابتدا بھی اقربا سے ہوئی اور جہاں کی بات آئی تو وہ بھی اقربا سے۔ کوہِ صفا کے بعد علیؑ کے گھر اقربا کی دعوت کی گئی۔ علیؑ تو دس سال کی عمر میں کہاں رہتے تھے؟ باپ ہی کے گھر میں۔

امام ابنِ جریر طبری، امام بیہقی، امام ابنِ اثیر، امام ابنِ کثیر، ابن اساقب، المقریزی (سات نام گنوائے) سب کا کہنا ہے کہ یہ گھر ابوطالبؑ کا تھا۔ کون دعوتِ توحید کی مجلس پر خرچ کر رہا ہے؟ دارارقم تو مرکزِ توحید بعد میں بنا، سب سے پہلا گھر جو مرکزِ توحید بنا وہ ابوطالبؑ کا (گھر) ہے [پہلے کوہِ صفا پر (تصدیق) پھر دارِ ابی طالبؑ] (1)
الغرض قریش کو بلایا اور پھر حضرت ابوطالبؑ نے آقا علیہ السلام سے فرمایا: اے حبیبؐ! اب آپ بیان فرمائیے۔ آقا علیہ السلام نے پورا خطاب کیا، آرگنائزر علی مرتضیٰؑ تھے۔ دوسرے دن پھر دعوت کا کھانا اور جلسہ رکھا۔ تیسرے دن پھر کھانا اور جلسہ۔ پھر حضرت ابوطالبؑ کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

> "میرے بھتیجے! آپؐ کی تین دن کی باتیں سن کر ہم نے آپؐ کی معاونت سے پیار کر لیا ہے اور آپؐ کی نصیحت قبول کر لی ہے اور آپؐ کی بات کی تصدیق کا اعلان کر دیا ہے۔ اب اعلان کو اور بھی پھیلاؤ۔ یہ سب آپؐ کے باپ (قریش) کی اولاد بیٹھے ہیں۔ ان میں سے ایک میں بھی ہوں۔ آپؐ جو دعوت لے کر آئے ہیں اس کی مدد اور نصرت ہمارا فریضہ ہے"۔ (بہ حوالہ امام ابنِ اثیر)

---

(1) آج دارارقم تو شاخ در شاخ پورے پاکستان میں کھلے ہوئے ہیں لیکن دارِ ابوطالبؑ کے نام سے مراکزِ تعلیم قائم کرنے کا ہماری قوم کو خیال تک نہیں آیا۔ (مظہر عباس)

پہلے گواہ عبدالمطلبؑ اور ابوطالبؑ تھے، علاماتِ نبوت کے گواہ اور عینی شاہد۔ ایک حوالہ ہی کافی ہے، صحیح بخاری، جلد اوّل، ص ۳۴۴، حدیث ۹۶۳ (مزید) السنن الکبریٰ، بیہقی، ج سوم، ص ۳۹۱، حدیث ۶۴۲۵۔ [آگے امام حسین علیہ السلام اور دیگر ائمۂ اطہارؑ کی عظمت کا لاجواب تذکرہ ہے]۔

امام جلال الدین سیوطی الخصائص الکبریٰ میں، امام ابن اساقب، امام عسقلانی، امام شہرستانی بیان کرتے ہیں: واقعہ یہ ہے، رُوات بیان کرتے ہیں، دو سال سے قحط، کفار لات منات، ہُبل، عزّیٰ کو پکارتے رہے۔ کسی نے کہا آؤ سب مل کر حضرت ابوطالبؑ کے پاس چلیں۔ بعض روایات میں انگلی پکڑی، بعض میں ہے کہ اُٹھالیا، آقا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عمر دو سال تھی (دو سال میں پہچان لیا اور چالیس سال بعد اعلان) حضورؐ کی پشت (مبارک) کعبہ کے ساتھ لگائی اور دُعا کی: ''اے اللہ! اے رب! اے پروردگار! اے باری تعالیٰ! اس بچے کے وسیلے سے بارش دے دے''۔

تھوڑی دیر میں بادل چھا گئے اور موسلا دھار بارش شروع ہو گئی، اتنی بارش کہ (سیلاب کا) خطرہ تھا۔ ابوطالبؑ نے دو شعر کہے، قصیدۂ لامیہ کی بحر اور قافیے میں کہتے رہے۔ یہ دیوانِ ابی طالبؑ ہے اور خرید کر مدینہ طیبہ سعودی عرب سے لایا ہوں، خطرہ ہے کہ کہیں بند نہ ہو جائے۔

وَابیضُ یُستسقی الغمام بِوَجْهه.....

(حضرت علامہ نے اسی انداز میں پڑھا اگرچہ دیوان میں موجود اعراب و تلفظ کے ساتھ یہ شعر پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ حضرت علامہ نے جھوم جھوم کر نہایت خلوص و عقیدت سے یہ کلام پڑھا)۔

پورا قصیدہ لامیہ عمر بھر میں مکمل ہوا۔ لوگوں نے چالیس سال بعد دیکھا مگر ابوطالبؑ نے چالیس سال پہلے دیکھا کہ آپؐ یتیموں اور بیواؤں کے محافظ ہیں، ہاشمؑ کی اولاد

آپ کو گھیرے رکھتی ہے۔

امام بخاری لکھتے ہیں: پھر قحط آیا (حضرت ابوطالبؑ کی رحلت کے بعد) ابھی مصطفیٰؐ کے ہاتھ اُٹھے نہ تھے کہ موسلا دھار بارش، آٹھ دن تک (مسلسل) بارش۔ آپؐ اتنے ہنسے (اتنا ہنسے) کہ دانت مبارک نظر آنے لگے۔

لو كان ابو طالب حياً وقرة

"اگر آج میرا چچا ہوتا تو اُس کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں"۔

ایسی حالت میں کوئی کسی کو یاد کرتا ہے، کافر کو؟

نو سال کی عمر میں بحیرہ کے کہنے پر مستقل گارڈ، دُشمنی بڑھ گئی۔ واللہ يعصمك من الناس ①، عاصم مصطفیٰ، عاصمِ خدا (معصومِ مصطفیٰؐ)۔ پھر شعب ابی طالبؑ، خطبۂ نکاح کس نے پڑھا؟ (مہر ۱۲ اوقیہ، بیس اُونٹنیاں)۔ اسلام کی ابتدا ابوطالبؑ اور بقا ابوطالبؑ کا پوتا (مصائب کربلا)۔ ②

اس ضمن میں اہل سنّت کے معاصر عالم مفتی محمد حنیف قریشی کا بول ٹی وی پر ایک کلپ بھی خاصے کی چیز ہے جس میں اُنھوں نے حضرت ابو طالبؑ کو اس مفہوم کا حامل ہدیۂ تبریک پیش کیا کہ ابوطالبؑ کھانے کا پیالہ حضور سرورِ کائنات کے سامنے رکھتے تو اپنے بچوں اور حضورؐ کے درمیان حائل ہو جاتے تا کہ اپنے بچے نہ کھائیں اور اللہ کا رسول شکم سیر ہو جائے (منقول از امام صالح شامی)

مزید یہ کہ ایک دفعہ آپ کی دُعا سے چھما چھم بارش ہوئی تو فرمایا: لِلّٰہِ درُّ ابی طالب

---

① ایک ناقد کے مطابق: یہ اس آیت کا ٹکڑا ہے جو غدیر میں نازل ہوئی، یہاں بے محل معلوم ہوتی ہے لیکن قرآن کی آفاقیت کے تحت یہ تنقید قابلِ قبول نہیں ہے۔

② یہ تقریری جملات ہیں، لہٰذا کچھ بے ربط سے محسوس ہوتے ہیں، لیکن درحقیقت خوب صورت توصیفی جملات ہیں۔

اگر آج میرے چچا ابو طالبؑ ہوتے تو یہ معجزہ دیکھ کر اُن کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں (جیسے بچپن میں اُنھوں نے مجھ سے بارش کی دُعا کروائی تھی تو ٹوٹ کر بادل برسا تھا) اور صاف ظاہر ہے کہ معجزہ دیکھ کر آنکھیں مومنوں ہی کی ٹھنڈی ہوا کرتی ہیں۔ اس عبارت کا آغاز لِلّٰہ سے ہو رہا ہے جس کا ترجمہ کسی سے بھی کروالیں "اللہ بھلا کرے ابو طالبؑ کا" اور جس کے بارے میں حضورؐ کا یہ فرمان ہو کس شان کی مالک ہو گی وہ ہستی! یہ واقعہ سیرت و حدیث کی پچیس سے زائد کتابوں میں موجود ہے۔ اور بخاری کی وہ حدیث بھی یاد رہے کہ اس موقع پر حضورؐ نے فرمایا: کون ہے جو آج میرے چچا کی وہ نعت سنائے گا؟ یہ سُن کر حضرت علیؑ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! وَاَبْیَضُ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ فرمایا: ہاں اب ابو طالبؑ کی نعت فرزند ابو طالب نے پڑھنا شروع کی اور حضورؐ کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں۔

اور پھر حضرت حسان بن ثابت نے اُس نعت کی پہلی تضمین لکھی۔ آج ہم محافلِ نعت تو منعقد کرتے ہیں لیکن پہلے ناعتِ نبیؐ کا تذکرہ تک نہیں کرتے۔ وہ عظیم اور محسنِ رسالت چچا جس کے غم میں رسولِ خدا سال بھر آنسو بہاتے رہے اور اس سال کو عام الحزن قرار دیا۔ میں کہتا ہوں جب وفادارانِ رسول کی یہ حسابِ ابجد (Alphabetically) فہرست بنائی جائے گی تو اُس میں پہلا نام حضرت ابو طالبؑ کا ہوگا۔ ①

؎ لہو عمرانؑ کا دولت خدیجہ کی لگی ساری
بچایا دین اپنوں نے تو وارث غیر بن بیٹھے

① یہ تقریری جملے مفہوماً ادا کیے گئے۔

باب ہفتم

اختصار و تلخیص

"اسنی المطالب فی نجاتِ ابی طالب"

مصنف و مؤلف

مفتیِ حرمین شریفین قاضی احمد بن زین دحلان مکیؒ

○

برزنجی و دحلان پہ رحمت ہو خدا کی
حاصل ہوئی خوشنودی رسولِ دوسراؐ کی
"اسنیٰ" انھیں خود عمِ پیمبرؑ نے عطا کی
ظاہر ہے یہی وجہ بنی اُن کی بقا کی
جو حضرتِ عمرانؑ کی عظمت کے امیں ہیں
دراصل وہ مَولِد کی طہارت کے امیں ہیں

(ابوالعلی وا لحسن)

مقدمۂ کتاب اسنی المطالب

مقدمۂ کتاب میں قاضی دحلان رقم طراز ہیں:

"یہ عبدِ فقیر حرم شریف کے طالبانِ علم کا خادم، بہت گنہ گار اور معرفتِ الٰہیہ کا طلب گار، احمد بن زینی دحلان گویا ہے کہ میری نظر سے علامۂ نبیل و شہیر سیّد محمد بن رسول برزنجی علیہ الرحمہ متوفی ۱۱۰۳ ہجری کی ایک جلیل القدر تالیف گزری، جو رسولؐ خدا کے والدین کی نجات کے متعلق ہے۔ نیز کتاب مذکور میں رسالت مآبؐ کے چچا جناب ابوطالبؑ کی نجات کے متعلق بحث کی گئی ہے اور اس امر کو کتاب و سنّت نیز علمائے اقوال سے استنباط کے ذریعے پایۂ ثبوت کو پہنچایا گیا ہے۔ چناں چہ جو شخص بھی اُن کے دلائل و براہین پر غور کرے اس پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت ابوطالبؑ نجات حاصل کریں گے۔

انھوں نے ان نصوص کو صحیح معنی پہنا دیے ہیں جو اس کے اُلٹ کی متقاضی ہے۔ یہاں تک کہ ایسی نصوص بھی حضرت ابوطالبؑ کی نجات کی ترجمان بن گئی ہیں۔

علامہ برزنجی کے اس مسلک کو اختیار کرنے میں اُن پر کسی کو سبقت حاصل نہیں ہے اور اُن کے پیش کردہ دلائل و براہین کے سامنے جنابِ ابوطالبؑ کا ہر منکر گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہے۔ کیوں کہ حضرتؑ کی عدم نجات کے قائلین نے جس دلیل سے بھی استدلال کیا ہے علامہ نے اس کو اُسی پر لوٹا کر نجات کی دلیل بنا دیا ہے۔ اس کام میں اُنھوں نے عدم نجات کے طرف داروں کی کسی دلیل کو بھی نظر انداز نہیں کیا بل کہ اُن کے شبہات کا بھی پوری طرح ازالہ کر دیا ہے، نیز اپنے ہر دعوے پر دلیل لائے ہیں۔

علامہ برزنجی کے متذکرہ مباحث میں بعض ایسے دقیق مقام بھی ہیں جنھیں بڑے بڑے علما ہی سمجھ سکتے ہیں، مگر اُنھوں نے طالب علموں کی ذہنی سطح کو مدِ نظر رکھتے ہوئے نیز اثباتِ مطلوب کے پیشِ نظر کچھ مزید بحثیں بھی کی ہیں تا کہ تمام اُمور واضح ہو جائیں

اور حصولِ مقصد کے لیے معاون ثابت ہوں۔

میرے دل میں آیا کہ کیوں نہ ان اوراق اور علامہ برزنجی کے متینہ مقاصد کی تلخیص پیش کروں جن سے جناب ابوطالبؑ کی نجات کا اثبات ہو اور ان دلائل سے آگاہ شخص ہر مجلس (مباحثہ ومناظرہ) میں غالب رہے۔

مَیں نے اپنی کتاب میں علامہ موصوف کی دقیق عبارات کو ہر ممکن حد تک آسان بنانے کی کوشش کی ہے اور کئی دقیق نِکات کو حذف کر دیا ہے اور ان کے بجائے مواہب اللدنیہ اور سیرتِ حلبیہ کی ایسی عبارات ایزاد کر دی ہیں جو اس مضمون سے مناسبت رکھتی تھیں۔ یہ تمام اُمور مقصد کے حصول کے لیے کافی ووافی ہیں کہ جو شخص بھی ان سے آگاہ ہوگا ان شاء اللہ مستفید و مستفیض ہوگا۔ مَیں نے اپنی تالیف کا نام اسنی المطالب فی نجات ابی طالبؑ رکھا ہے۔ اللہ رب العزت سے توفیق و اعانت اور اِخلاص وقبولیت کے لیے دعا گو ہوں کہ وہ بہ تصدّق محمدِ مصطفیٰؐ خاتمہ بالخیر فرمائے"۔

(مقدمہ مذکرہ کے بعد قاضی صاحب نے علامہ برزنجی کے زیرِ نظر موضوع پر مباحث کا خلاصہ پیش کیا ہے۔ ہم یہاں خلاصہ در خلاصہ کی کوشش کر رہے ہیں اور کہیں کہیں خلاصے کے بجائے حذف و اختصار سے کام لیتے ہوئے ایک کتاب کو ایک باب میں بند کریں گے۔ (اس ضمن میں مواہب اللدنیہ اور سیرتِ حلبیہ وغیرہ کے اقتباسات جو پہلے گزر چکے ہیں، کی تکرار سے اجتناب بھی ضروری جانتا ہے)۔

ایمان واسلام

علامہ برزنجی نے دلائل سے حضرت ابوطالبؑ کے ایمان کے اثبات کے بعد ان کی نجات کے اثبات کے لیے علما کے ان اقوال سے استدلال کیا ہے جنھیں ترجیح حاصل ہے۔ ایمان کے اثبات کا دارومدار ایمان کی معرفت پر ہے اور ایمان کے شرعی معنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، نبی اکرمؐ کی رسالت اور ہر اس شے کی تصدیق کرنا ہے جو

آپؐ اللہ کی طرف سے لے کر آئے۔ نبی کریمؐ کا یہ ارشاد بھی اسی پر دال ہے:

اَلْاِسْلَامُ عَلَانِیَةٌ وَالْاِیْمَانُ فِی الْقَلْبِ (متفق علیہ)

گویا اسلام اور ایمان دونوں اس شخص کے دل میں ہوتے ہیں جو دل سے تصدیق کرے اور زبان سے شہادتین کا اقرار کرے ورنہ چار صورتیں مرتب ہوں گی:

① اسلام کی ایمان سے علاحدگی

منافقوں میں اسلام ایمان سے الگ ہو جاتا ہے۔ وہ توحید و رسالت کی گواہی بھی دیتے ہیں اور ظاہراً احکامِ اسلامی کی اطاعت بھی کرتے ہیں مگر دل سے اس کی صداقت کے قائل نہیں ہوتے۔

② ایمان کی اسلام سے جدائی

اُس وقت ایمان اسلام سے جدا ہو جاتا ہے جب کوئی شخص دل سے تو توحید و رسالت کی گواہی دیتا ہے مگر زبان سے نہیں دیتا اور ظاہری طور پر شرعی احکام کی اطاعت بھی نہیں کرتا۔ جیسا کہ یہود کے علما نے اچھی طرح جان لیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں مگر عناد کی وجہ سے توحید و رسالت کی گواہی دی نہ رسولِ اعظم و آخر کی لائی ہوئی شریعت کا اتباع کیا، حال آں کہ قرآن کی رُو سے:

یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ (سورۂ انعام، آیہ ۲۰)

"وہ آپؐ کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں"۔

گویا عناد کی وجہ سے ان کا ظاہراً رسولِ خاتم کی تکذیب کرنا اُن کے آپؐ پر بہ باطن ایمان کے لیے یکسر نقصان دہ ثابت ہوا۔

③ اِحتذار

متذکرہ بالا دو صورتوں کے علاوہ تیسری صورت یہ ہے کہ ظاہراً عدمِ اطاعت اور

عدم اقرار (شہادتین کا) عناد کے بجائے کسی عذر کی بنا پر ہو۔ ایسے میں باطنی ایمان بہ روزِ قیامت ضرور فائدہ مند ہو گا مگر بہ ظاہر معاملہ کفار جیسا ہی ہو گا۔

② اِخفائے عقیدہ

اطاعت و اتباع سے مانع عذر کے متعدد اسباب ہیں، جن میں سے ایک کسی ظالم کے خوف سے اظہار و اطاعت نہ کرنا ہے، مبادا کہ قتل کر دیا جائے گا، خود اُسے تکلیف پہنچائی جائے گی یا اس کے عزیز و اقارب میں سے کسی کو اذیت دی جائے گی۔ ایسے شخص کے لیے اخفائے اسلام جائز ہو گا بعینہٖ اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو کفریہ کلمہ کہنے پر مجبور کر دے تو اس کے لیے مجبوراً کفریہ کلمہ کہنا جائز ہو گا۔

اس ضمن میں ارشادِ ربانی ہے:

اِلَّا مَنۡ اُكۡرِهَ وَقَلۡبُهٗ مُطۡمَئِنٌّ بِالۡاِيۡمَانِ (سورۂ نحل، آیہ ۱۰۶)

"یعنی اس کا ایسا کرنا مجبوراً ہے اور اس کا دل نُورِ ایمان سے مطمئن ہے"۔

حضرت ابوطالبؑ کا شرعی عذر

علامہ برزنجی کا کہنا ہے کہ حضرت ابوطالبؑ کا ظاہری اطاعت سے اجتناب بھی اخفائے عقیدہ کے تحت آتا ہے کیوں کہ انھیں یقین تھا میری اطاعت سے رسولؐ پاک کو تکلیف پہنچائی جائے گی۔ وہ نہایت حکمت عملی سے حضوؐر کی نصرت و حمایت کرتے رہے اور آپؐ پر آنے والے تمام مصائب کو دُور کرتے رہے۔ کفارِ قریش حضرت ابوطالبؑ کا احترام کرتے تھے اور ان کی وجہ سے رسولؐ خدا کو ایذا پہنچانے سے باز رہتے تھے۔ حضرت ابوطالبؑ کو اپنے والدِ گرامی حضرت عبدالمطلبؑ کے بعد قریش کی سرداری کا منصب حاصل تھا اور لوگوں کو ابوطالبؑ کی حمایتِ رسالت اس لیے قبول تھی کہ وہ انھیں

اپنے دین وملت پر سمجھتے تھے اور اُن کی طرف سے رسولؐ خدا کا دفاع بہ وجہ قرابت متصور کرتے تھے۔ اگر معاملہ اس کے برعکس ہوتا تو کفار ابوطالبؑ کی اشاعتِ اسلام کے سلسلے میں حمایت کو قطعاً گوارا نہ کرتے بلکہ آپ سے اور رسولؐ خدا سے برسرِ پیکار رہتے۔ لاریب یہ ایک مضبوط عذر ہے جس کی وجہ سے جناب ابوطالبؑ ظاہری اطاعت سے رُکے رہے۔

توحید ورسالت کی شہادت یعنی شہادتین

اس کے بعد برزنجی علیہ الرحمہ نے شہادتین کے اقرار میں علمائے اہلِ سنّت کا اختلاف بیان کیا ہے کہ کیا یہ ایمان کا جزو ہے یا احکامِ دُنیویہ کے اِجراسے مشروط ہے۔ پھر اُس کی دو صورتیں بیان کی ہیں:

① یہ کہ اظہار کی قدرت رکھنے کے باوجود اِخفا کرنے کی صورت میں انسان کافر ہو جائے گا اور ہمیشہ کے لیے آگ میں رہے گا۔

② یہ کہ اگر محض دُنیوی احکام سے مشروط ہے تو ہمیشہ جنت میں نہیں رہے گا۔

اس ضمن میں علامہ سفاقسیؒ نے شرح التمہید میں لکھا ہے کہ ایمان محض تصدیق کا نام ہے۔ قبل ازیں امام ابوحنیفہ نے اس اَمر کو صحیح روایت سے بیان کیا ہے۔ علامہ عینی عمدۃ القاری شرح بخاری میں رقم طراز ہیں کہ جو شخص رسولؐ خدا کی لائی ہوئی تمام تعلیمات کی دل سے تصدیق کرتا ہے وہ اگر زبان سے تصدیق نہ بھی کرے تو معاملہ اللہ تعالیٰ اور اس کے مابین ہے اور وہ عند اللہ مومن ہے۔ علامہ حافظ الدین نسفی کے بقول بھی یہ بات امام ابوحنیفہ سے مروی ہے اور صحیح ترین روایت کے مطابق ہے۔ امام ابوالحسن اشعری کا بھی یہی خیال ہے۔

امام عضد الدّین نے اپنی کتاب المواقف میں لکھا ہے: ایمان اسی بات کا نام ہے کہ رسولؐ خدا کی لائی ہوئی اُن چیزوں کی تصدیق کی جائے جن کا ضروریاتِ دین سے

ہونا معلوم ہو چکا ہے۔ المواقف کے شارح سید شرف الدین بھی اسی قول کے پیرو ہیں۔ امام غزالیؒ نے بھی اس بات کی وضاحت "اِحیا العلوم الدّین" میں کی ہے اور یہی قول اشاعرہ کے امام الحرمین قاضی باقلانی اور استاذ العلماء علامہ ابو اسحاق اسفرائنی کا ہے۔

احادیثِ شفاعت

علامہ تفتازانی نے اس قول کو جمہور محققین سے منسوب کیا ہے اور اس پر احادیث سے استدلال کیا ہے، یعنی رسولؐ خدا نے ارشاد فرمایا: جو شخص یہ جان لے کہ اُس کا پروردگار اللہ ہے اور مجھے دل سے اللہ تعالیٰ کا سچا نبی مان لے تو اس کے گوشت (پوست) کو آگ پر حرام کر دیا جائے گا۔ اس حدیث کو طبرانی نے المعجم الکبیر میں عمران بن حصینؓ سے بیان کیا ہے۔

بخاری و مسلم نے حضرت عثمانؓ سے روایت بیان کی ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا: جو شخص یہ جانتے ہوئے فوت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ جنت میں داخل ہوا۔ نیز طبرانی نے سلمہ بن نعیم الاشجعیؓ سے حدیث بیان کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: جس شخص نے بغیر کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنائے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی (فوت ہو گیا) وہ جنت میں داخل ہوگا۔ سلمہ کا کہنا ہے کہ مَیں نے رسولؐ خدا سے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! خواہ وہ شخص زانی اور چور ہو؟ تو آپؐ نے فرمایا: ہاں خواہ وہ زانی اور چور ہی ہو۔

رائی برابر ایمان کا فائدہ

قاضی دحلان کہتے ہیں کہ اس قسم کی بے شمار احادیث موجود ہیں حتیٰ کہ رسولؐ خدا نے فرمایا کہ ہم دوزخ سے اس شخص کو بھی نکال لیں گے جس کے دل میں رائی برابر یا اس سے بھی کم تر ایمان ہوگا اور کم تر کا لفظ آپؐ نے تین بار ارشاد فرمایا۔ حضرت سید محمد البرزنجی نے

اس باب میں ایک مستقل فصل قایم شایع کی ہے جس میں ایسی متعدد احادیث درج کی ہیں۔

ایمان رَحم ونجات کی مزید وضاحت

علامہ تفتازانی ، علامہ ہمام اور علامہ ابن حجر نے بیان کیا ہے کہ آخرت میں نجات کی شرط یہ ہے کہ آدمی سے شہادتین کی گواہی کا مطالبہ نہ کیا گیا ہو تو وہ نجات پائے گا۔ مگر جب اس سے توحید و رسالت کی گواہی طلب کی جائے تو وہ کراہت وعناد کی وجہ سے یہ گواہی دینے سے رُک جائے یا انکار کر دے تو اُسے نجات حاصل نہیں ہوگی۔

مطالبۂ شہادتین میں کراہت وعناد کی اس شرط سے جو چیز واضح طور پر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص توحید و رسالت کی گواہی دینے سے انکار بہ سبب عناد نہیں بل کہ کسی عذر صحیح کی وجہ سے کرے تو اس کا دل ایمان سے مطمئن ہے۔ وہ اللہ کے ساتھ اپنے معاملات میں کافر نہیں ہوگا بل کہ وہ اس حالت میں کلمۂ کفر بھی کہہ دے تو اس کا نقصان نہیں پہنچے گا۔ سورۂ نحل، آیت ۱۰۶ بھی اسی مطلب کی حامل ہے۔ گویا نصوص دال ہیں کہ ایمان محض تصدیق کا نام ہے البتہ بغیر عذر کے اظہار سے مشروط ہے۔

اِختلافِ بیان

علامہ نوویؒ نے شرح مسلم میں نقل کیا ہے کہ اہلِ سنّت کے علما کا اس قول پر اتفاق ہے مگر بیانِ اتفاق پر اعتراض وارد کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ علامہ حجر شرح اربعین میں فرماتے ہیں کہ مذاہبِ اربعہ کے اماموں میں سے ہر ایک کا یہ قول ہے کہ ایسا شخص اظہارِ اسلام کے ترک کی وجہ سے نافرمان مومن ہے۔

معروف وغیر معروف الفاظ میں گواہی

جمہور اشاعرہ اور حنفیہ کے بعض محققین مثلاً کمال بن ہمام وغیرہ کا کہنا ہے کہ

زبان سے اقرار کرنا صرف دُنیوی احکام کے اِجرا کی شرط ہے اور پھر اُنھوں نے علما کے اختلاف کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ شہادتین کا اقرار انھی الفاظ میں کیا جاسکتا ہے جو معروف ہوں، یعنی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ یا ایسے غیر معروف الفاظ سے بھی کام چل سکتا ہے جن سے اظہارِ ایمان ہوتا ہو۔ اس ضمن میں وہ علما کے دو قول بیان کرتے ہیں:

① یہ کہ گواہی معروف الفاظ ہی سے مشروط ہے۔

② یہ کہ گواہی معروف الفاظ سے مشروط نہیں بل کہ ایمان کی انعقاد پذیری کے لیے غیر معروف الفاظ بھی کافی ہیں۔

علامہ برزنجی کی تحقیق

برزنجی صاحب کی تحقیق ہے کہ توحید و رسالت کا اقرار مخصوص الفاظ میں ضروری نہیں جب کہ غزالی کا اس قول سے اختلاف موجود ہے۔ البتہ علامہ حلیمی نے منہاج میں کہا ہے کہ اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ ایمان بغیر معروف الفاظ کے دُہرائے بھی منعقد ہوجاتا ہے جیسے کوئی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے بہ جائے لَآ اِلٰهَ غَیْرُ اللّٰهِ لَا رَحْمٰنَ اِلَّا اللّٰهِ کہے تو یہ بھی کافی ہے۔ اسی طرح مُحَمَّدٌ نَبِیُّ اللّٰهِ یا اَحْمَدُ وَمَاحِیْ وغیرہ کے الفاظ بھی کافی ہیں۔ اسی طرح کوئی عجمی زبانوں میں یہ مفہوم ادا کرے تو اس کا مذہب بھی درست ہوگا۔

ایمان و اسلامِ ابوطالبؑ

علامہ برزنجی فرماتے ہیں: جب تم ان اُمور کو اچھی طرح جان گئے ہو تو ہم کہتے ہیں کہ اخبارِ متواترہ سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ حضرت ابوطالبؑ نبی اکرمؐ سے محبت کرتے تھے اور اُمورِ دینیہ میں آں حضرتؐ کی نُصرت و حمایت فرماتے تھے۔ نیز حضورؐ کے فرامین کو سن کر اُن کی تصدیق کرتے اور اپنے فرزندوں حضرت جعفرؑ اور حضرت علیؑ کو آپ کے کامل اتباع کے ساتھ ساتھ اِمداد و استعانت کا حکم بھی صادر کرتے تھے۔

تصدیقِ توحید و رسالت در کلامِ ابوطالبؑ

علاوہ ازیں حضرت ابوطالبؑ نے اپنے اشعار قصائد اور خطبات میں ختمی مرتبتؐ کی تعریف و توصیف اور نعت و منقبت میں ایسے الفاظ بیان فرمائے ہیں جن سے واضح طور پر تصدیقِ رسالت ہوتی ہے۔ اسلام کی صداقت کے اعلان پر مشتمل آپ کا ایک شعر (بہ شکلِ ترجمہ) ملاحظہ کیجیے:

"میں جانتا ہوں کہ محمد ﷺ کا دین تمام مخلوقات کے دین سے بہتر ہے"۔

ایک اور شعر کا مفہوم ہے:

"کیا تم نہیں جانتے کہ ہم نے محمد ﷺ کو ویسے ہی رسول پایا جیسے پہلی کتب کے مطابق موسیٰؑ رسول ہیں"۔

حضرت ابوطالبؑ نے قریش کو حضور نبیِ کریمؐ کی اطاعت کی وصیت کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"خدا کی قسم! میں دیکھ رہا ہوں کہ آپؐ نے غلبہ حاصل کر لیا ہے اور عرب و عجم آپؐ کے مُطیع ہو چکے ہیں تو اب کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ دوسرے لوگ تم (قریش اور بنی ہاشم) پر سبقت لے جائیں اور تم سے زیادہ سعید بن جائیں"۔

آپ نے ایسے کلمات متعدد بار دُہرائے جن کا مقصد جمیع قریش اور بالخصوص بنو ہاشم کو اُمورِ دینیہ میں معاونت کی ترغیب دینا تھا۔ آپ نے اپنے وصال کے وقت تمام قریش کو جمع کر کے دین اسلام اور رسولؐ اسلام کے متعلق ہر ممکن طریقے سے سمجھانے کا حق ادا کر دیا۔

ملاحظہ کیجیے آپ کی وصیت۔

قریش کو حضرت ابو طالبؑ کی ایمان افروز وصیت

اے گروہ قریش! تم مخلوق خدا میں خالق کے پسندیدہ اور برگزیدہ ہو۔ تم عرب کا دل ہو، تم میں ایسی ہستی موجود ہے کہ اُسے سردار بنایا جائے اور اُس کی اطاعت کی جائے۔ تم میں شجاعت کے پیکر اور آگے بڑھنے والے (لوگ) موجود ہیں نیز تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ عرب کی کوئی شرافت و فضیلت ایسی نہیں جو تمھیں عطا نہ کی گئی ہو۔ مگر اب دوسرے لوگ تمھارے وسیلے کا محتاج ہونے کے باوجود تمھارے ساتھ جنگ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ لہٰذا تم پر لازم ہے کہ خدائے متعال کے گھر کی تعظیم و تکریم کرو کیوں کہ اس میں پروردگار کی رضا کا حصول، روزگار کی وسعت اور ثابت قدمی کا راز پوشیدہ ہے۔

اے معشرِ قریش! صلۂ رحم اختیار کرنا عمر اور تعداد میں برکت اور اضافے کا باعث ہے۔ بغاوت اور سرکشی کو ترک کرو کیوں کہ انھیں نافرمانیوں کے باعث تم سے پہلے آنے والی قومیں تباہ اور ہلاک ہو چکی ہیں۔ اللہ کی طرف بلانے والے کی بات سنو اور سائل کا سوال پورا کرو۔ انھی باتوں پر عمل کرنے میں حیات و ممات کے شرف کا راز مضمر ہے۔ تم پر سچی بات کہنا اور اماتوں کا ادا کرنا (بھی) واجب ہے کیوں کہ اس طرح خواص کی محبت ملتی ہے اور عوام میں عزت و عظمت حاصل ہوتی ہے۔

اے گروہ قریش! میں تمھیں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ خیر اور بھلائی کی وصیت کرتا ہوں۔ آپؐ قریش میں (سب سے زیادہ)

امین اور عرب میں سب سے زیادہ سچے ہیں۔ آپؐ ان تمام بلند صفات سے متصف ہیں اور تمام عظمتوں کے جامع ہیں جن کا میں نے اپنی وصیت میں تذکرہ کیا ہے۔ محمد ﷺ جس بات کا ذکر کرتے ہیں اُسے (تمہارے) دلوں نے تسلیم کرلیا ہے مگر زبانیں عداوت کے خوف سے انکار کرتی ہیں۔ خدا کی قسم! میں اُن واقعات کو ابھی سے دیکھ رہا ہوں جو ظاہر ہونے والے ہیں۔ مَیں دیکھ رہا ہوں کہ عرب کے رہنے والے اور اطراف و اکناف کے ضعیف و نادار آپؐ کی حق کی طرف دعوت کو قبول کرچکے ہیں اور آپؐ کے کلمہ کی تصدیق کے بعد آپؐ کے احکام کی عظمت کے پرچم بلند کررہے ہیں۔ وہ آپؐ کے حکم کی اطاعت کے لیے خود کو موت کے منہ میں بھی دھکیلنے سے گریز نہیں کررہے اور قریش سے بڑھ گئے ہیں۔ اس کے برعکس قریش کے رئیس ذلیل و خوار ہورہے ہیں اور ان کے گھر برباد و ویران ہوگئے ہیں۔

مَیں دیکھ رہا ہوں کہ (حضرت) محمد (ﷺ) کے کم زور ساتھی صاحبِ اقتدار بن چکے ہیں اور قریش کے بڑے بڑے رئیس اُن کے محتاج ہوکر رہ گئے ہیں۔ گویا جو لوگ آپؐ سے دُور تھے وہ آپؐ کے قریب ہوکر بلند بخت ہوچکے ہیں اور یقیناً (اہلِ) عرب نے آپؐ کی محبت کے لیے خود کو وقف کردیا اور اپنی جانیں آپؐ کے اِتباع میں لگادی ہیں۔

اے گروہِ قریش تم لوگ اپنے بھائی کے بیٹے محمد (ﷺ) کا ساتھ دو اور آپؐ کے ساتھیوں کے ناصر و مددگار بنو۔ جو شخص بھی

آپؐ کی اطاعت کرے گا وہ رُشد و ہدایت نیز فوز و فلاح حاصل کرلے گا اور جو آپؐ کی سیرت کو اپنالے گا وہ نیک بخت ہوگا۔

کاش! میری موت مؤخر ہوجاتی اور کچھ عرصہ (جینے کی) مزید مہلت مل جاتی تو میں آپؐ پر آنے والے شدائد و مصائب کا مکمل دفاع کرتا، حوادث کو مٹا دیتا اور آفات کو دُور کردیتا"۔

دعوتِ فکر

حضرت ابوطالبؑ کی یہ وصیت اُن کے صاحبِ ایمان و اسلام ہونے کی یقین دلیل ہے۔ وہ نہ صرف خود رسالت مآب ﷺ کی تصدیق کرتے تھے بلکہ دوسروں کو بھی ان کے اِتباع کی طرف رغبت دلاتے تھے تاکہ وہ بھی ہدایت یافتہ اور اہلِ خیر بن جائیں۔

خطبۂ نکاحِ رسولؐ

یہ تو تھے حضرت ابوطالبؑ جنھوں نے عظمتِ خداوندی اور رسالتِ محمدیہؐ کی تعریف و توصیف اس وقت بھی کی تھی کہ جب رسول اللہ ﷺ تبلیغِ رسالت کے لیے مبعوث تک نہ ہوئے تھے اور آپؐ نے حضرت خدیجہؑ سے عقد کیا تھا۔ حضرتؐ رسالت مآب کا خطبۂ نکاح پڑھتے ہوئے حاضرینِ مجلس کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا:

"تمام حمد و ستائش ہے اس خدا کے لیے جس نے ہمیں حضرت ابراہیمؑ کی ذُرّیت اور حضرت اسماعیلؑ کی نسل کی پاک اصل سے پیدا فرمایا۔ ہمیں اپنے گھر کا نگہ بان اور پاس بان بنایا اور حرم کے اُمور کا پیشوا مقرر فرمایا اور ہمارے لیے ایک ایسا گھر مقرر فرمایا کہ اَطراف و اکناف کے لوگ اس کے حج کے لیے آتے ہیں اور

یہ وہ حرم ہے جہاں ہر امان حاصل ہوتی ہے اور ہمیں لوگوں پر حاکم مقرر فرمایا۔ امابعد! یہ میرے بھائی کے بیٹے، حضرت محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایسے نوجوان ہیں کہ شرافت و سیادت اور فضیلت، نیز فہم و فراست میں آپؐ کا موازنہ جس سے بھی کیا جائے آپ اُس سے بڑھ کر ہیں۔ خدا کی قسم! ان کا مستقبل شان دار ہے اور ان کے لیے عظیم بشارت مخصوص ہے"۔

یہ وہ خطبہ ہے جو آپؑ نے رسولِ آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پندرہ سال قبل ارشاد فرمایا تھا۔ گویا حضرت ابوطالبؑ (آپؐ کی بعثت کے بعد نہیں بل کہ) آپؐ کی بعثتِ مبارکہ سے قبل بھی آپؐ کے لیے ہر بھلائی اور برکت و عظمت کو محسوس کر رہے تھے (یہ نہ صرف ایمانِ ابوطالبؑ کی دلیل ہے بل کہ عرفانِ ابوطالبؑ کی دعوت ہے کہ دنیائے عالم میں اگر عظمتِ مقامِ محمدیہؐ سے کوئی ہستی واقف تھی تو وہ جنابِ ابوطالبؑ تھے اور کیسے نہ ہوتے اُن کی صلبِ مبارک میں بھی اسی نُور کا ایک حصہ موجود رہا اور حضرت عبدالمطلبؑ کے بعد وہ نُورِ رسالتؐ کے بھی اُلوہی محافظ قرار پائے)۔

ابوطالبؑ پناہ گاہِ رسالتؐ

اہلِ تسنّن کے امام بخاری جنابِ عقیلؑ بن ابی طالبؑ سے نقل طراز ہیں کہ قریش نے حضرت ابوطالبؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کے برادر زادے ہمیں تکلیف پہنچاتے ہیں تو حضرتؑ نے کفّار کی بات رسولِؐ خدا کے سامنے دُہراتے ہوئے کہا: آپؐ کے ان عم زادوں کا گمان ہے کہ آپؐ انھیں تکلیف پہنچاتے ہیں۔

حضرتؑ کی یہ بات سن کر حضور نبی اکرمؐ نے فرمایا: چچا جان! ان سے کہہ دیجیے کہ اگر یہ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند لا کر رکھ دیں تو پھر بھی میں دعوت و تبلیغِ حق سے باز نہیں آؤں گا، حتیٰ کہ حق تعالیٰ مجھے اس اَمر میں کام یاب

کرے اور اسے انجام دیتے ہوئے ہلاک ہو جاؤں۔

یہ جملہ فرماتے ہوئے آپ آب دیدہ ہو گئے۔

حضرت ابوطالبؑ نے آپؐ کی اس حالت کو دیکھا تو تڑپ کر رہ گئے اور بولے: اے میرے بھائی کے بیٹے! آپ کا جو جی چاہے علانیہ کیجیے۔ خدا کی قسم! میں کبھی آپؐ کو ان لوگوں کے حوالے نہیں کروں گا۔

پھر قریش سے مخاطب ہو کر فرمایا: میرے بھائی کے بیٹے نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔

نبیِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے حضرت ابوطالبؑ کی یہ محبت و اخلاص قابلِ غور ہے کہ اپنے بتوں کی تکذیب کی شکایات لے کر آنے والے کفار جو جھگڑا کرنے پر تلے ہوئے تھے، جنابِ ابوطالبؑ کے حلفیہ قسمیہ اعلانِ محبت پر کسمسا کر رہ گئے ہوں گے۔

یہ اَمر بھی قابلِ غور ہے کہ آپؑ نے اپنی طرف سے نہیں کہا بل کہ قریش کا قول بیان کیا کہ ان کے خیال میں آپؐ انھیں تکلیف دیتے ہیں اور پھر نبی اکرمؐ کا مصمم جواب سن کر جو سورج اور چاند کی طرح امرِ یقینی تھا، حضرتؑ نے اُن کے زعمِ باطل کی نفی فرمادی کہ زبانِ رسالت تمھارے بتوں کی تکذیب کرتی ہے تو یہ بھی صد فی صد درست ہے۔

ابوطالبؑ: کامل الایمان راویِ حدیث

یہاں حضرت ابوطالبؑ سے مروی کچھ ایسی (مترجم) احادیث بیان کی جاتی ہیں کہ جن کا ایک ایک کلمہ حضرت ابوطالبؑ کے توحید و رسالت پر ایمان کی دلالت کر رہا ہے۔

① خطیب بغدادی نے اپنی اسناد کے ساتھ بیان کیا ہے کہ بالترتیب امام صادق، امام باقر، امام زین العابدین اور امام حسین علیہم السلام روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: میں نے اپنے والدِ گرامی (حضرت ابوطالبؑ) کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مجھ سے میرے ابنِ اخی (حضرت محمدؐ) نے حدیث بیان فرمائی اور خدا کی قسم! وہ بالکل

سچے ہیں۔ جب میں نے آپؑ سے پوچھا کہ آپؐ کس چیز کے لیے مبعوث فرمائے گئے ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا: صلہ رحم اور نماز و زکوٰۃ کی ادائی کے لیے۔

اس وقت نماز سے مراد فجر اور عصر کی دو دو رکعتیں تھیں۔ اوائلِ اسلام میں یہی دو نمازیں تھیں یا پھر نمازِ تہجد تھی جس پر رسول اکرم ﷺ کا بعثت سے قبل بھی عمل تھا، لہٰذا انھیں نمازِ پنج گانہ پر محمول نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ پنج گانہ نمازیں حضرت ابوطالبؑ کی وفات کے ڈیڑھ سال بعد شبِ معراج کو فرض ہوئیں۔ اُس وقت زکوٰۃ سے مراد مطلق صدقہ اور مہمان کا اِکرام کرنا تھا۔ نیز مال وغیرہ میں سے ہر طرح کے صدقات کو بھی زکوٰۃ پر محمول کیا جاتا تھا کیوں کہ شرعی زکوٰۃ اور فطرانہ وغیرہ حضرت ابوطالبؑ کے وصال کے بعد مدینہ منورہ میں فرض ہوئے۔

۲ خطیب بغدادی حضرت اُمّ ہانیؓ کے غلام حضرت ابورافع سے روایت نقل کرتے ہیں کہ اُنھوں نے کہا: میں نے حضرت ابوطالبؑ سے حدیث سنی، آپؑ فرماتے تھے کہ مجھ سے محمد بن اخی عبداللّٰہ (ﷺ) نے فرمایا: مجھے اللّٰہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ مَیں لوگوں تک یہ باتیں پہنچاؤں کہ صلۂ رحم کرو، اللّٰہ کی عبادت کرو اور اس کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

نیز حضرت ابوطالبؑ نے فرمایا: محمد (ﷺ) میرے نزدیک صادق و امین ہیں۔

۳ حضرت ابوطالبؑ کا ارشاد ہے کہ مَیں نے اپنے برادر زادہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ شکر کرو کیوں کہ اس سے رزق میں فراوانی ہوگی اور کفر نہ کرو اس سے تم مصیبت میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

۴ ابنِ سعد، خطیب بغدادی، ابن عساکر عمرو بن سعیدؓ سے اور وہ حضرت ابوطالبؑ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ مَیں اپنے بھائی کے بیٹے محمد (ﷺ) کے ساتھ وادی ذی المجاز میں تھا۔ مجھے شدید پیاس محسوس ہوئی اور مَیں نے اپنی پیاس کا

ذکر رسالت مآبؐ سے کیا۔ دُور تک کہیں پانی نہ تھا لیکن آپؐ نے زمین پر اپنی ایڑی رکھ کر دبائی تو وہاں سے پانی کا چشمہ پھوٹ نکلا۔ پھر آپؐ نے مجھ سے فرمایا: چچا جان! پانی پی لیجیے۔ چناں چہ مَیں نے خوب سیر ہو کر پانی پیا۔

مذکورہ بالا حدیث پر تبصرہ

بہ قول قاضی دحلان مکی، محمد بن رسول برزنجی علیہ الرحمہ اہلِ توحید کے بغیر اللہ تعالیٰ اس طرح کا مقدس پانی کسی کو نصیب نہیں کرتا کیوں کہ رسولؐ اکرم کی ایڑی کی رگڑ سے برآمد ہونے والا پانی آبِ کوثر اور آبِ زم زم سے بھی اعلیٰ و افضل ہے۔ نیز جس شخص کے سامنے اس طرح کے معجزے ظاہر ہوں اُس کے دل میں ان کی تصدیق بھلا کیسے وقوع پذیر نہیں ہوگی اور لاریب کثیر قرائن حضرت ابوطالبؑ کی قدرت پر دلالت کرتے ہیں۔

⑤ ابنِ عدی حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت ابوطالبؑ بیمار ہوگئے تو رسولؐ خدا ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ جنابِ ابوطالبؑ نے رسولؐ اکرم سے درخواست کی کہ اے ابنِ اخی میری صحت کے لیے دعا فرمائیے۔ چناں چہ رسولؐ خدا نے بارگاہِ رب العزت میں دعا فرمائی کہ الٰہی میرے چچا کو صحت عطا فرما۔ حضرت ابوطالبؑ فوراً صحت مند ہوگئے اور بیماری ختم ہوگئی۔

⑥ دلائل النبوۃ میں حافظ ابونعیم ابی بکر بن عبداللہ بن جہم کے طریق سے کہ وہ اپنے باپ دادا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوطالبؑ سے حدیث سماعت کی۔ آپؑ نے فرمایا کہ میرے والدِ محترم حضرت عبدالمطلب نے مجھ سے حدیث بیان فرمائی کہ مَیں نے خواب میں دیکھا کہ میری پشت سے ایک درخت پیدا ہوا جس کی بلندی آسمان کو چھو رہی تھی اور اس کی شاخوں نے مشرق و مغرب کا احاطہ کر رکھا تھا اور فرمایا کہ مَیں نے ایک ایسا چمکتا ہوا نُور دیکھا کہ اگر ستر سورج بھی بہ یک وقت

طلوع ہوتے تو یہ روشنی ان پر غالب رہتی اور وہ اس کے سامنے مدہم رہتے اور میں نے دیکھا کہ اس نُور کے سامنے عرب وعجم کے لوگ سجدہ ریز ہیں۔ نیز اس درخت کی بلندی اور روشنی میں ہر لحہ اضافہ ہو رہا ہے اور یہ نُور ایک لحہ پوشیدہ رہنے کے بعد دوبارہ ظاہر ہو جاتا ہے۔ مَیں نے قریش کے ایک گروہ کو اس کی شاخوں سے لٹکتے ہوئے دیکھا اور کچھ لوگوں کو اس کے کاٹنے کے درپے پایا، مگر جب وہ نزدیک آئے تو انھیں ایک شخص نے پکڑ لیا جو حُسن وجمال کا پیکر اور خوب صورت جوان تھا جس کے رُخ روشن جیسا مَیں نے کبھی کوئی حسین (چہرہ) نہیں دیکھا اور نہ مَیں نے کبھی کوئی ایسی خوش بو سونگھی ہے جیسی اُس کے جسدِ مشک بار سے پھوٹ رہی تھی۔ مَیں نے دیکھا کہ اس خوب رُو جوان نے ان لوگوں کی پشتیں توڑ دیں اور آنکھیں پھوڑ دیں، جو اس درخت کو کاٹنا چاہتے تھے۔ اس کے بعد مَیں نے اس درخت کی طرف ہاتھ بڑھا کر اپنا حصہ لینا چاہا مگر کام یاب نہ ہوا۔ مَیں نے پوچھا کہ یہ کن لوگوں کا حصہ ہے تو بتایا گیا کہ یہ انھی لوگوں کا حصہ ہے جو اس درخت کے ساتھ لٹکے ہوئے ہیں۔ مَیں نے یہ خواب دیکھا تو خوف زدہ ہو کر بیدار ہو گیا اور ایک قریشی کاہنہ سے تمام ماجرا بیان کیا۔ یہ خواب سن کر اُس کاہنہ کا چہرہ اُتر گیا اور اس نے کہا کہ اگر میں آپ کے خواب کی تصدیق کروں تو آپ کی پشتِ انور سے ایک ایسا فرد پیدا ہوگا جو مشرق اور مغرب دونوں کا، یعنی پوری کائنات کا، مالک ہوگا اور لوگ اس کی اطاعت کریں گے۔ پھر جب رسولِ خدا دنیا میں تشریف لے آئے تو والدِ محترم نے مجھ سے فرمایا: شاید یہی وہ مولود ہے۔

(اس حدیث/روایت سے حضرت عبدالمطلبؑ اور حضرت ابوطالبؑ کی عظمت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے)۔

⟨۷⟩ حضرت ابوطالبؑ اکثر مذکورہ بالا حدیث بیان فرمایا کرتے تھے اور جب حضرت محمد مصطفیٰؐ کی بعثت ہوئی تو حضرت ابوطالبؑ فرمایا کرتے تھے: ''خدا کی قسم!

یہی وہ بابرکت شجرِ نور ہے"۔

ان احادیث کے بیان کے بعد قاضی دحلان مکیؒ ۔نے حضرت علامہ برزنجی کے اُٹھائے ہوئے جن نِکات کی تلخیص پیش کی ہے وہ نِکات حسبِ ذیل ہیں:

① آپ نے ایمان کیوں چھپایا؟

② اِتباعِ رسولؐ اور فرمانِ ابوطالبؑ (دوسروں کو تلقین کرنے والے بھلا خود کیوں اِتباع نہ کرتے؟!)

③ حضرت علیؑ کو حضورؐ کے اتباع کا حکم

④ حضرت جعفر طیارؓ کو نماز کا حکم (بھلا کوئی غیر مسلم اپنے بیٹوں کو نماز پڑھتے دیکھ کر کیسے خوش ہوگا؟!)

⑤ بحیرہ راہب سے ملاقات

⑥ حضورؐ کے وسیلے سے دعا

⑦ پہلے نعت گو اور پہلی نعت

⑧ حضرت ابوطالبؑ کا دسترخوان

⑨ آغوشِ ابوطالبؑ

⑩ حضورؐ کی حضرت ابوطالبؑ سے محبت

⑪ عام الحزن / سالِ غم

⑫ شعبِ ابی طالب

⑬ کفارِ مکہ کا معاہدہ

⑭ حضورؐ کی حفاظت کے اقدامات

⑮ حضورؐ کی خبر پر کامل یقین

⑯ دعاے ابوطالبؑ

ان نکات کا تفصیلی تذکرہ چوں کہ گذشتہ ابواب میں کیا جاچکا ہے، لہٰذا یہاں تکرار سے گریز کیا جارہا ہے لیکن مولف کتاب ہٰذا نے ان واقعات کے بیان کے بعد اپنا مقصد بھی واضح فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوطالبؑ کو اپنے حبیبؐ کی بہت سی خصوصیات سے آگاہ کر رکھا تھا، جو حضور سرورِ کائناتؐ سے آیات و معجزات اور خوارقِ عادات کی صورت میں آپؐ کے بچپن سے لے کر آخرِ حیات تک ظہور پذیر ہوتی رہیں۔ ان کے سبب سے حضرت ابوطالبؑ کے دل میں رسولؐ خدا پر ایمان رچ بس گیا تھا۔ چناں چہ حضرت ابوطالبؑ کی حفاظتِ رسولؐ، آپؐ کی حمایت و اعانت اور اتباع و اطاعت آپؐ سے محبت کی روشن دلیلیں ہیں۔ تاہم کفّار پر یہی ظاہر تھا کہ جنابِ ابوطالبؑ اُن کے مذہب پر ہیں، لہٰذا اُنھوں نے آپؐ کی مخالفت میں اس شدت اور قوت و طاقت کا استعمال نہ کیا جو اس کے برعکس ظاہر ہوتی۔

ان حقائق کے پیشِ نظر حضرت ابوطالبؑ کے ایمان پر شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہتی کیوں کہ آپ رسولؐ خدا کو قریش کی مکاریوں اور اذیتوں سے محفوظ رکھنا چاہتے تھے اور جب تک حضور نبیِ کریمؐ نے اپنی دعوت کا فریضہ کماحقہٗ ادا نہ کرلیا ابوطالبؑ قریش کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنے رہے (اس سیاسی اور نفسیاتی سرد جنگ کو جیتنا حضرت ابوطالبؑ ہی کا کام تھا)۔

کتاب اسنی المطالب میں اس کے بعد ”قصائد ابوطالبؑ میں تصدیق نبوت“ کے عنوان سے مصدقِ رسالتؐ کے نعتیہ کلام بالخصوص اسّی یا سو سے زیادہ اشعار پر مبنی ایک قصیدہ کا ذکر بھی کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ آپ کا کلام بلاغت کا عظیم شاہ کار ہے۔

علامہ برزنجی نے لکھا ہے کہ حضرت ابوطالبؑ سے رسولؐ اللہ کی جو محبت اُن کی زندگی میں تھی اور اُن کے وصال کے بعد بھی برقرار رہی۔ آپ اُن کے اشعار سننے کی خواہش فرماتے اور انھیں سن کر فرحت و مسرت محسوس کرتے تھے کیوں کہ حضرت

ابوطالبؑ حضور نبی کریمؐ کے کمالات سے باخبر تھے اور آپ کی نبوت و رسالت کی تصدیق کرنے والے تھے۔

حضرت ابوطالبؑ کا یہ فرمانا کہ قریش میں کوئی قابلِ فخر ہستی تھی تو وہ عبدِ مناف تھے اور اُن کے اوصاف کا ماحصل حضرت ہاشم تھے اور بنو ہاشم میں قابلِ فخر اور لائقِ تحسین ہستی حضرت محمد مصطفیؐ ہیں، علامہ برزنجی کے مطابق حضرت ابوطالبؑ کا یہ بیان نبی اکرمؐ کی بعثت سے پہلے کا ہے۔ جو نبی اکرمؐ کی اس حدیث کے بعینہٖ موافق ہے۔

وَاصْطَفَانِي مِنْ بَنِي هَاشِمٍ ①

قولِ ابوطالبؑ اُن کے اعتقادِ قلب کا حامل تھا یعنی ہمارے بیٹے (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تکذیب کی جاسکتی ہے نہ کوئی جھوٹی بات اُن سے منسوب کی جاسکتی ہے۔ علامہ قیرانی نے شرح التنقیح میں حضرت ابوطالبؑ کا یہ قول نقل کرنے کے بعد فرمایا: یہ بات تصریحِ زبان اور اعتقادِ قلب کے ساتھ کہی گئی ہے۔ اور حضرت ابوطالبؑ اُن لوگوں میں سے تھے جو رسولِ خدا پر ظاہر و باطن سے ایمان لاچکے تھے۔

پھر ایمانِ ابوطالبؑ کی بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے ایک حدیث بیان کی گئی ہے اور وہ صحیح بخاری و مسلم کی یہ حدیث ہے کہ قیامت کے دن رسولِ خدا اُس شخص کو بھی جہنم سے نکال لیں گے جس کے دل میں رائی برابر ایمان ہوگا۔ اس کے بعد علامہ برزنجی اُن دلائل کا ذکر کرتے ہیں جن سے حضرت ابوطالبؑ کی نجات نہ ہونے کے قائل تمسک

---

① گویا حضرت ابوطالبؑ بعثت سے قبل بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اُولیٰ کی تعریف کرنے والے تھے کیوں کہ حضرت ابوطالبؑ کی ذات اسی سلسلۂ ہدایت کی کڑی تھی جسے انبیا اور اُن کے اوصیا کی صورت میں خلق فرمایا گیا۔ حضرت عبدالمطلبؑ کے بعد حضرت ابوطالبؑ وصایت کے منصب پر فائز تھے اور انھی (عبدالمطلبؑ) کے صلب سے نسلِ ابراہیمؑ میں سلسلۂ امامت اور نسلِ محمدؐ میں سلسلۂ ولایت و وصایت چلنے والا تھا، جو تا روزِ قیامت قائم رہے گا۔

کرتے ہیں حال آں کہ وہ لوگ جو استدلال، عدمِ نجاتِ ابوطالبؑ پر پیش کرتے ہیں وہی استدلال اُن کی نجات کے لیے پیش کیا جاسکتا ہے۔

عدمِ نجات کے قائل بخاری و مسلم کی دو روایات پیش کرتے ہیں جن میں نعوذ باللہ حضرت ابوطالبؑ کی ایڑیوں تک سیال آگ ضحضاحؑ کے پہنچنے اور اُن کے پاؤں آگ میں ہونے کی وجہ سے دماغ کے کھولنے کا ذکر ہے۔ مزید یہ کہ اہلِ نار میں حضوؐر کی شفاعت کے سبب سے سب سے کم عذاب اُنھی کا ہوگا، نیز حضوؐر ہی نے اُنھیں جہنم کے نچلے طبقے سے نکال کر ضحضاح میں پہنچایا ہے۔

دُشمنانِ ابوطالبؑ کا کہنا ہے کہ ابوطالبؑ نے نبی اکرم ﷺ کی تصدیق دل سے نہ کی تھی اور اُن کی نصرت و حمایت حمیتِ عرب کی وجہ سے تھی، کیوں کہ کوئی شخص اپنے سامنے اپنے بیٹے کو ضایع نہیں ہونے دیتا اور بے شک عبدالمطلبؑ بھی اِسی قسم کا تکلف کیا کرتے تھے۔

سید محمد بن رسول البرزنجی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ انھیں احادیث کا نفسِ مضمون حضرت ابوطالبؑ کی نجات پر دلالت کرتا ہے کیوں کہ کفار و مشرکین کے لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ نہ تو اُن کے عذاب میں تخفیف ہوگی اور نہ ہی اُن کو جہنم کی آگ سے نکالا جائے گا اور نہ شفاعت کرنے والوں کی شفاعت انھیں کچھ فائدہ پہنچائے گی۔ جب کہ ان احادیث کے مطابق حضور نبی کریمؐ حضرت ابوطالبؑ کی شفاعت کر کے اُن کے عذاب میں تخفیف کروا رہے ہیں۔ ابوطالبؑ کا عذاب اگر گنہ گار مومنوں سے بھی کم ہے (یعنی تمام دوزخیوں سے کم ہے) تو پھر وہ کافر کیسے ہوئے کیوں کہ کافر کا عذاب تو ہر صورت میں گنہ گار ترین مومن سے کہیں زیادہ ہے اور یہ بھی کسی طریق سے ثابت نہیں کہ کافروں کا عذاب مومنوں کے عذاب سے کم ہوگا۔

مزید یہ کہ صحیح احادیث میں آتا ہے کہ اُن لوگوں کو بھی اس مقام سے نکال لیا

جائے گا جن کے دل میں رائی کے دانے اور ایک ذرّے سے بھی کم ایمان ہوگا۔ نیز اس طبقے سے اُمت کے گنہ گاروں کے اِخراج کے بعد اس کی آگ کو بجھا دیا جائے گا اور ہوا سے اس کے دروازوں کو اُکھاڑ دیا جائے گا اور وہاں پر جرجیر نامی خوش بُودار گھاس اُگا دی جائے گی اور جرجیر کا اُگنا کیسے دُرست ہوگا کہ جب وہاں پر ابوطالبؑ کے تلوؤں کو آگ چھوتی ہوگی۔

یہ بحث آگے بڑھائی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ کتبِ حدیث کے مطابق شفاعت اہلِ کبائر کے لیے ہے کفار و مشرکین کے لیے ہرگز نہیں اور کفار و مشرکین سے عذاب کبھی نہیں اُٹھایا جائے گا اور حضورؐ کا یہ فرمان بھی ذہن نشین رہے کہ "مجھے حضرت ابوطالبؑ کے لیے اپنے پروردگار سے ہر قسم کی بھلائی اور خیر کی اُمید ہے"۔ نیز یہ حدیث بھی موجود ہے کہ "رسولِ اکرمؐ روزِ قیامت اپنے والدین اور چچا کے لیے شفاعت فرمائیں گے۔ (بہ حوالہ امام رازی، کتاب فوائد، باب المناقب، امام محب طبری، کتاب ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ وغیرہ)۔

اس بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے علامہ برزنجی شدید گناہوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ پھر اُنھوں نے اُس حدیث کا ذکر کیا ہے جس میں حضرت ابوطالبؑ کے بہ طورِ ملّتِ عبدالمطّلب فوت ہونے کا بیان ہے۔ پھر حضور نبی اکرمؐ کے ایمان کے بارے میں حریص ہونے اور حضرت عباسؓ کی روایت کے مطابق آپ کے کلمہ پڑھ لینے کا ذکر کیا ہے اور پھر ان حدیثوں کی تطبیق کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ حضرت ابوطالبؑ نے ابوجہل وغیرہ سے کوئی کلام نہیں کیا اور اُن کے اس قول کو بھی مطلق طور پر اُن کا آخری کلام نہیں کہا گیا کہ میں ملّتِ عبدالمطّلب پر ہوں۔ مزید یہ کہ حضرت عبدالمطّلب بھی عقیدۂ توحید پر ہی تھے۔ (بہ تحقیق امام جلال الدین سیوطی)

علامہ برزنجی، حضرت ابوطالبؑ کی عدمِ نجات کے قائلین کے اس الزام کہ

انک لا تھدی..... کی آیت حضرت ابوطالبؑ کے بارے میں تھی، فرماتے ہیں کہ اگر یہ آیت حضرت ابوطالبؑ کے حق میں بھی مان لی جائے تو بھی اس کا نزول اس امر کے منافی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس وقت ہدایت عطا فرمادی ہو جب رسولؐ خدا مایوسی کا اظہار فرما چکے تھے۔ پھر طبقات ابنِ سعد کی اس روایت سے اپنے موقف کو تقویت دی ہے کہ جس میں حضوؐر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اُن کی بخشش فرمائے اور ان پر رحم کرے۔ جہاں تک حضوؐر کے حضرت ابوطالبؑ کے جنازہ کے ساتھ تشریف لے جانے کا تعلق ہے تو علامہ فرماتے ہیں کہ قریش کے بے وقوفوں کی شرارت کا ڈر تھا اور نماز جنازہ اس لیے نہ پڑھائی کہ اُس وقت تک نماز جنازہ شروع ہی نہ ہوئی تھی۔ ①

اور سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ جب ابوطالبؑ فوت ہو گئے تو کافروں نے رسولؐ اللہ کو ستانا شروع کر دیا۔ قریش کے ایک سفیہ اور رذیل شخص نے آپؐ کے سر میں مٹی ڈال دی۔ آپؐ کی صاحب زادی حضرت فاطمہؑ آپ کا سر دھو رہی تھیں اور ساتھ ساتھ رو بھی رہی تھیں۔ آپؐ نے بیٹی کو تسلی دی کہ اللہ تمھارے باپ کی خود حفاظت فرمائے گا اور ساتھ ہی فرمایا کہ جب تک میرے چچا ابوطالبؑ زندہ رہے مجھے قریش کی طرف سے اس قسم کا کوئی مکروہ امر (یعنی نقصان) نہیں پہنچا۔

الختصر علامہ برزنجیؒ نے نہایت مدلل طریقے سے نجاتِ ابوطالبؑ کو یقینی ثابت کیا ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ اس سلسلے میں ہمارے لیے مسلکِ اوّل ہی کافی ہے اور کسی دوسرے مسلک کے محتاج نہیں، تاہم اپنے مسلک کو مؤکد یا مؤید کرنے کے لیے دوسرے مسلک کے دلائل بھی پیش کیے ہیں اور اپنے موقف پر قرآن مجید سے حتمی

---

① یقیناً علامہ برزنجی کی نظر سے وہ روایت بھی گزری ہوگی جس میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ رسولؐ پاک اپنے چچا حضرت ابوطالبؑ کے جنازے کے ہم راہ روتے ہوئے جا رہے تھے کہ چچا جان خدا سے خصال آپ پر رحم کرے اور آپ کو جزائے خیر دے۔ آپؐ نے ہمارے حق میں کبھی کوئی تقصیر نہیں کی۔

استدلال پیش کیا ہے کہ:

فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (سورۂ اعراف، آیہ ۱۵۷)

"پس وہ لوگ جو اُن پر ایمان لائیں اور اُن کی تعظیم کریں اور اس نُور کی پیروی کریں جو اُن کے ساتھ اُترا وہ بامراد ہوں گے۔

اور حضرت ابوطالبؑ نے رسولؐ خدا کی تصدیق فرمائی۔ آپ کی نُصرت وحمایت کی اور آپ کی معیت میں رہتے ہوئے کفارِ مکہ پر سب وشتم بھی کیا اور یہ ایسے واضح اُمور ہیں جن پر تمام سیرت نگاروں نے اِتفاق کیا ہے، لہٰذا آپ یقیناً فلاح پانے والوں میں سے ہوں گے۔

نفسِ مضمون کے لحاظ سے "اسنی المطالب فی نجاتِ ابوطالبؑ" کا دوسرا حصہ دوسرے مسلک کے دلائل اور اُن کے ردّ پر مشتمل قرار دیا جاسکتا ہے کہ نہ ماننے والے کیا کہتے ہیں۔ گذشتہ سے پیوستہ حضرت ابوطالبؑ نے اُس نُور (یعنی قرآنِ عزیز) کی پیروی نہیں کی جو توحید کی طرف دعوت دیتا ہے اور فلاح کا حصول اس وقت تک ممکن نہیں جب تک وہ تمام صفات حاصل نہ ہوں جو اس مقصد کے لیے ضروری ہیں۔ یہ سوال قایم کرنے کے بعد علامہ برزنجی فرماتے ہیں کہ اگر فلاح کا مطلب جہنم سے رہائی حاصل کرنا ہے تو یہ ایمان پر مرتب ہوتی ہے اور محققین کے نزدیک ایمان تصدیق کا نام ہے اور یہ چیز حضرت ابوطالبؑ کو حاصل تھی اور اگر اس سے مراد فلاحِ تامہ ہے تو پھر فلاحِ تامہ کے حاصل نہ ہونے سے کفر لازم نہیں آتا۔ حضرت ابوطالبؑ نے خود بھی رسالت کا اِتباع کیا اور دوسروں کو بھی پیروی کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ آپؑ نے یقیناً آمنوا وَاتَّبَعُوا پر عمل کیا۔ نیز آپؑ نے اُن تمام مشروع احکام کی پیروی کو موضوعِ سخن بنایا جو اس وقت واجب تھے۔ حسب ونسب کے حوالے سے بھی سیادتِ ابوطالبؑ مسلّم ہے

اور اسلام کا علانیہ اظہار نہ کرنا اس لیے تھا کہ وہ رسولؐ خدا کی زیادہ سے زیادہ حفاظت و صیانت اور نصرت وحمایت کرنا چاہتے تھے۔ اگر وہ اس کے برعکس کرتے تو مقصد نصرت پورا نہ ہوتا۔ جہاں تک اُس وقت کی دو فرضی نمازیں نہ پڑھنے کا تعلق ہے تو یہ بھی حضورؐ کی حمایت کے سلسلے میں تھا اور مقصد کفار کو دھوکے میں رکھنا تھا۔

حضرت ابوطالبؑ اور اُن کے آباؤاجداد بھی عقیدۂ توحید پر قایم تھے کیوں کہ حضورؐ کے اعمام میں سے کسی نے کبھی یہ نہیں کہا کہ آپؐ ہمارے آباؤاجداد اور ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہیں۔ رسولؐ اللہ سے ابولہب کی دشمنی بھی ابوسفیان سے رشتۂ مصاہرت کی وجہ سے تھی کیوں کہ ابوسفیان کی بہن اُمِ جمیل (حَمَّالَةَ الْحَطَبْ) ابولہب سے بیاہی ہوئی تھی اور ابولہب اس کے اشاروں پر چلتا تھا۔

برزنجیؒ رقم طراز ہیں کہ آیہ شفاعت (فَمَا تَنْفَعُهُمْ شِفَاعَةُ الشَّافِعِيْنَ) کفار کے لیے نہیں بل کہ اہلِ کبائر کے لیے ہے۔ یہ آیہ اہلِ کبائر میں سے کسی کو مستثنیٰ قرار نہیں دیتا اور نہ ہی اس کی عمومیت کا کوئی مخصص ہے اور یہ اپنی عمومیت پر قایم ہے۔ نیز علامہ برزنجی نے اُن آیات پر بھی کھل کر گفتگو کی ہے جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت ابوطالبؑ ہی کے لیے نازل ہوئی ہیں مثلاً آیہ مبارکہ:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَ لَوْ كَانُوْۤا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ

(سورۂ نور، آیہ ۱۱۳)

"نبیؐ اور مومنین پر جب ظاہر ہو چکا کہ مشرکین جہنمی ہیں تو اس کے بعد مناسب نہیں کہ ان کے لیے مغفرت کی دُعائیں مانگیں، اگرچہ وہ مشرکین ان کے قرابت دار ہی (کیوں نہ) ہوں"۔

اس آیہ کریمہ کے اسبابِ نزول کے بارے میں آنے والی احادیث کو تین وجوہ

کے تحت منقسم کیا جاسکتا ہے:

① یہ آیہ حضرت ابوطالبؑ کے حق میں نازل ہوا۔

② یہ آیہ رسولؐ خدا کی والدۂ ماجدہ کے حق میں نازل ہوا۔

③ یہ آیہ اہلِ اسلام کے ان آباؤ اجداد کے حق میں نازل ہوا جو کفر کی حالت میں مرچکے تھے۔ اوران کی اولاد ان کے لیے اِستغفار کرتی تھی۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ تیسری وجہ ہی اس آیہ کے نزول کا سبب ہے کیوں کہ یہ سورہ مدنی ہے اور جنگِ تبوک کے بعد مدینہ منورہ میں نازل ہوا اور حضرت ابوطالبؑ کی وفات اس آیہ کے نزول سے بارہ سال پہلے ہوچکی تھی۔

اہلِ سنّت کے امام احمد بن حنبل، امام ترمذی، ابوداؤد طیالسی، امام ابنِ ابی شیبہ، امام نسائی، حافظ ابویعلیٰ، امام ابنِ جریر، امام ابنِ المنذر، امام ابنِ ابی حاتم، امام ابوالشیخ اور امام ابوعبداللہ حاکم نے اِسی حقیقت کو بیان کیا ہے اور ابنِ مردویہ اور امام بیہقی نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ آیہ اُن لوگوں کے حق میں نازل ہوا ہے جو اپنے مشرک فوت ہونے والے والدین کے لیے استغفار کیا کرتے تھے۔ چناں چہ زیبِ عنوان آیہ نازل ہوا تو وہ لوگ اس کام سے رُک گئے۔ یہاں علامہ برزنجی نے نہایت مناظرانہ استدلال کے ساتھ تطبیقِ روایات بھی کی ہے۔

علامہ برزنجی مَا كَانَ اِسْتَغْفَارُ اِبْرَاهِيْمَ لِاَبِيْهِ کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ "اس آیہ میں باپ سے مراد ان کا چچا آزر ہے۔ تورات وانجیل کے ماننے والوں کا بھی اسی پر اِتفاق ہے۔ وہ حضرت ابراہیمؑ سے کہا کرتا تھا: اے ابراہیمؑ! کیا تم میرے معبودوں سے ہٹے ہوئے ہو"۔ (سورۂ مریم، آیت ۴۶)

لیکن حضرت ابوطالبؑ کے متعلق کوئی بھی ایسا قول منقول نہیں کہ اُنھوں نے کسی بت کو اِلٰہ بنایا ہو یا کسی پتھر کو پوجا ہو یا پھر رسالت مآبؐ کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت

سے روکا ہو۔ بل کہ اُن کا دل رسالت مآبؐ کی تصدیق سے لبریز تھا اور ہمارے مذہب (سنّت والجماعت) کے اقتضا کے مطابق ایسا شخص آخرت میں یقیناً نجات پانے والا ہوتا ہے۔ پس یہ بات شریعت کے حِکَم ومحاسن اور ائمہ متکلمین کے بتائے ہوئے قواعد وضوابط کے مطابق کسی بھی طریقے سے مناسب نہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کا چچا آزر اور حضور نبیِ کریمؐ کے چچا حضرت ابوطالبؓ دونوں ایک ہی حال میں ہوں۔ یہ بات تو اللہ جل شانہ کی شانِ کرم سے بھی بعید ہے۔ یہاں شاعرِ دربارِ رسالت کا یہ قول ملاحظہ کیجیے: کیا تم میں سے جو شخص رسولِؐ خدا کی ہجو کرتا ہے وہ اور جو شخص حضوؐر کی مدح وستائش اور نصرت وحمایت کرنے والا ہے، دونوں ایک جیسے ہو سکتے ہیں؟ ابوطالبؓ وہ (عظیم ہستی) ہیں جنھوں نے رسولِؐ خدا کے بچپن میں آپؐ کی پرورش کی اور جوانی میں آپؐ کو پناہ دی۔ دشمنوں سے آپؐ کا دفاع کیا اور ہر لمحہ امداد واستعانت بل کہ اطاعت کی۔ (یقیناً) ابوطالب محسنِ رسالت تھے اور اس امر کے لیے مامور من اللہ تھے۔

شعر کے قالب میں رسولِؐ پاک کی زبانِ حال ملاحظہ کیجیے:

سب محسنوں کے احساں مَیں نے چکا دیے
اُن کے سب احسانات مگر میرے سر رہے

ارشادِ ربانی ہے: هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ۔ گویا ابوطالبؓ کے اپنے حبیب پر احسانات کا بدلہ چکانے کے لیے اللہ رب العزت نے دنیا وآخرت میں حضرت ابوطالبؓ کو بہت بلند مقام پر فائز کیا ہے۔

کچھ آگے بڑھتے ہوئے اور قائم کردہ سوالوں کے جواب دیتے ہوئے علامہ برزنجی فرماتے ہیں کہ رسولِؐ خدا ایک نبی سے دوسرے نبی اور دوسرے نبی سے تیسرے نبی کی طرف (صلبوں میں) منتقل ہوتے رہے اور آخر ہمارے نبیؐ بن کر جلوہ افروز ہوئے۔

وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ (سورۂ شعراء، آیہ ۲۱۹) کو عام محمول کیا جائے تو

انبیائے کرامؑ کے علاوہ ان واسطوں میں دوسرے تمام لوگ نمازی ہیں۔ یہ لوگ دینِ فطرت ① پر تھے اور حضرت ابراہیمؑ کی ذرّیت کے وہ لوگ تھے جو ہر زمانے میں نماز پڑھنے والے ہوا کرتے تھے حال آں کہ نبی نہیں تھے۔ ابنِ منذر اور ابنِ جریر رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ (سورۂ ابراہیم، آیہ ۴۰) کے ذیل میں روایت نقل کرتے ہیں کہ ہمیشہ ایسے لوگ رہے ہیں جو دینِ فطرت پر تھے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ نیز ابنِ عباسؓ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهٖ (سورۂ زخرف، آیہ ۲۸) کے ذیل میں روایت نقل کرتے ہیں کہ کلمۂ باقیہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے جو حضرت ابراہیمؑ کے بعد باقی رہا۔ اسی آیت کی تفسیر میں حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں: کلمۂ باقیہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور توحید کی گواہی دینا ہے اور حضرت ابراہیمؑ نے اپنی ذرّیت کے لیے اس کلمۂ باقیہ کے باقی رہنے کی دعا کی ہے۔

بے شک صحیح طرق سے یہ روایت وارد ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں زمین کو سات مسلمانوں کے وجود سے کسی وقت بھی خالی نہیں رکھا۔ بخاری و مسلم کی صحیح سند کے ساتھ حضرت علیؓ سے نقل ہے کہ زمین پر ہمیشہ سات مسلمان موجود رہتے ہیں اور اگر وہ نہ ہوں تو زمین اور جو کچھ زمین پر موجود ہے تباہ و برباد ہو جائے۔

اہلِ زمین کے لیے امان

امام حنبلؒ کتاب الزہد میں بخاری و مسلم کی صحیح روایت نقل فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابنِ عباسؓ نے فرمایا کہ حضرت نوحؑ کے زمانے کے بعد زمین ایسے سات آدمیوں سے کبھی خالی نہیں ہوئی جن کے صدقے میں اللہ تعالیٰ زمین کی بلاؤں اور مصیبتوں کو ٹال دیتا ہے۔

---

① زمانۂ فترت کے حقیقی دین کے طور پر دینِ فترت بھی کہا جا سکتا ہے۔

امام فخر الدین رازی کے مطابق رسولِ خدا کے آباؤ اجداد توحید پرست تھے اس لیے کہ آپؐ کے تمام تر اجدادِ کرام میں سے ایک شخص ہر زمانے میں انھیں سات مسلمانوں سے ہوتا رہا۔ اس پر بھی علامہ برزنجی نے ایک سوال قایم کیا ہے۔ پھر دلیل کے ساتھ اسے ردّ کیا ہے، یعنی فقرنا بنو آدم کے مطابق حضورؐ بہترین زمانوں سے ہو کر تشریف لائے ہیں، لہٰذا اگر کوئی کہے کہ آپؐ کے آبا مشرک تھے تو یہ بالا جماع باطل ہے کیوں کہ مشرک کسی طرح مومن سے بہتر نہیں ہوسکتا بل کہ مومن غلام بھی مشرک سے بہتر ہے۔ پس ثابت ہوا کہ حضورؐ کے تمام تر آباؤ اجداد عقیدۂ توحید پر تھے۔

حضرت ابوطالبؑ کا یہ کہنا کہ وہ ملّتِ عبدالمطّلب پر ہیں عقیدۂ توحید پر اُن کا حق الیقین تھا کیوں کہ حضرت عبدالمطّلب اپنے چچا مطلب کے بعد قریش کے وہ سردار تھے جنھوں نے لوگوں کو دُنیوی اُمور میں اُلجھنے سے روکا اور ظلم و سرکشی کو ترک کر کے مکارمِ اَخلاق کو اپنانے کا درس دیا (یہ سب الٰہی تعلیمات تھیں)۔ آپ کا ارشادِ گرامی ہے کہ دنیا سے ایسا کوئی ظالم شخص نہیں جائے گا جسے اللّٰہ تعالیٰ اُس کے ظلم کی سزا نہیں دے گا۔ یہ ساری فراستِ صادقہ اُس نُورِ الٰہی کی وجہ سے تھی جو آپؑ کے قلبِ اطہر میں موجود تھی۔ آپؑ اکثر غارِ حرا میں خلوت گزیں ہو کر اپنی قوتِ فکریہ کو مجتمع فرماتے اور قلبی اِستغراق کی حالت میں خدا کی قدرت وصفت اور اوصاف و افعال میں غور و خوض فرماتے جو اُس کے وحدہٗ لاشریک ہونے کی دلیل تھے۔ آپؑ مستجاب الدعوات تھے۔ آپؑ کے جسمِ اطہر سے کستوری کی سی خوش بو بکھرتی رہتی تھی اور جبینِ اقدس سے نُورِ محمدیؐ کی شعاعیں پھوٹتی تھیں۔ آپؑ کے بنائے ہوئے کئی قوانین دینِ محمدیؐ میں بھی برقرار رکھے گئے۔ قحط میں بارش طلب کرنے اور اَبرہہ کے انہدامِ کعبہ کے واقعہ میں خدا پر بھروسا کرنے کے واقعات آپؑ کی روحانی عظمت کے بیّن ثبوت ہیں۔ لوگ آپ کو شَیبۃ الحمد کہتے تھے۔ آپؑ کے اشعار و مناجات سے آپؑ کی توحید پرستی اور عبادت اِلٰہ کا واضح

اظہار ہوتا ہے۔ حضور نبی کریمؐ سے آپؑ کی محبت وشفقت، حضورؐ کی کفالت کی وصیت، آپؑ کی بصیرت وروحانیت سبھی اوصاف آپؑ کو معزز ومحترم بناتے ہیں۔ ایسے محترم کہ ارشادِ نبویؐ ہے: میرے جدِ امجد کو قیامت کے دن بادشاہوں اور اہلِ شرف لوگوں میں سے اُٹھایا جائے گا کیوں کہ آپ ایسے سردار تھے کہ بادشاہوں کے قریبی زمانے میں عدل وانصاف کیا کرتے تھے اور ظلم نہیں کرتے تھے۔

اب حضرت ابوطالبؑ کا ملتِ عبدالمطلب پر ہونا اور اُن کا حقیقی جانشین ثابت ہونا بھی حضرتؑ کی نجات کا ضامن ہے۔ آپ کا ملتاً توحیدی تھے اور حضورؐ کی رضا کا مسلک اپنائے ہوئے تھے۔ ائمۂ مالکیہ میں سے علامہ علی الاجہوریؒ اور امام تلمسانی رقم طراز ہیں کہ حضرت ابوطالبؑ کا ذکر مکروہ الفاظ میں ہرگز نہ کرو کیوں کہ ایسا کرنا حضور نبی کریمؐ کو اذیت دیتا ہے اور حضورؐ کو اذیت دینے والا کافر ہے اور کافر بھی ایسا جو واجب القتل ہے۔ (گویا ان بزرگوں کے مطابق جنابِ ابوطالبؑ کو کافر کہنے والے خود کافر اور واجب القتل ہیں)

حضرت ابوطاہر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جو شخص حضرت ابوطالبؑ سے بُغض رکھتا ہے وہ کافر ہے اور حاصلِ کلام یہ ہے کہ بُغضِ ابی طالبؑ ایذاءِ رسول کا باعث ہے اور رسولؐ اللہ کو ایذا دینا کفر ہے اور اس فعل کا مرتکب اگر توبہ نہ کرے تو واجب القتل ہے۔ جب کہ ائمۂ مالکیہ کے نزدیک حضور نبی کریمؐ کو اذیت دینے والا اگر توبہ کرلے تو بھی واجب القتل ہے۔

بعدازاں مصنف نے سبیعہ (دُرہ) بنتِ ابولہب کا واقعہ لکھا ہے جسے لوگ حمالۃ الحطب کی بیٹی ہونے کا طعنہ دیتے تھے۔ آپؐ نے سنا تو سخت غضب ناک ہوئے اور منبر پر کھڑے ہوکر فرمایا: ان لوگوں کو کیا ہوگیا ہے جو ہمیں ہمارے نسب اور خونی رشتے کی وجہ سے ایذا دیتے ہیں۔ یاد رکھو جو شخص ہمارے حسب نسب اور خونی رشتہ داروں کو ایذا

دیتا ہے وہ ہمیں ایذا دیتا ہے اور جو ہمیں ایذا دیتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو ایذا دیتا ہے۔

رسولِ پاک کا یہ بھی فرمان ہے کہ خون شدگان (مقتولین) کو برائی سے یاد کرکے زندوں کو اذیت نہ دو۔ پس جو جنابِ ابوطالبؑ سے بغض رکھتا ہے اور آپؑ کی شان میں گستاخانہ کلام کرتا ہے وہ رسولِ خدا کو ایذا دیتا ہے اور ہر زمانے میں موجود جنابِ ابوطالبؑ کی اولادِ طاہرہ کو بھی اذیت پہنچاتا ہے۔

معاذ اللہ حضرتؑ کی عدم نجات کے قائل یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ رسولِ خدا نے فرمایا ہے کہ دین کے اختلاف کی وجہ سے حضرت جعفرؑ اور حضرت علیؑ نے حضرت ابوطالبؑ کی وراثت سے حصہ نہیں لیا، تو اس کے جواب میں علامہ برزنجی نے متعدد وجوہ بیان فرمائی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت ابوطالبؑ کے وصال کے وقت وراثت فرض ہی نہیں ہوئی تھی بل کہ ہر معاملہ وصیت سے طے پاتا تھا۔ چناں چہ حضرت ابوطالبؑ نے حضرت عقیلؑ سے پدری محبت کی وجہ سے فرمایا کہ میرے مال کا وارث عقیل ہوگا۔ لہٰذا اس امر کا احتمال ہے کہ حضرت عقیلؑ نے حضرت ابوطالبؑ کی وصیت کے مطابق ان کا وہ مال لیا جس کا ذکر رسولِ خدا نے فرمایا ہے۔ چناں چہ ابوطالبؑ و عقیلؑ کا معاملہ دُنیوی رواج کے مطابق قرار پائے گا نہ کہ کفر پر محمول کیا جائے گا۔

عدم نجاتِ ابوطالبؑ کے قائل سورۂ بقرہ کے آیہ ۱۱۹ کو بھی حضرت ابوطالبؑ پر محمول کرتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے: ''محبوب بے شک ہم نے آپؐ کو حق کے ساتھ خوش خبری دینے والے اور اِنذار کرنے والے بنا کر بھیجا ہے اور آپ سے اصحابِ جحیم کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔ اس آیہ کو حضرت ابوطالبؑ پر چسپاں کرنے والے وہی حیثیت رکھتے ہیں جو اس آیہ کو رسالت مآبؐ کے والدین کے حق میں ثابت کرنے والے رکھتے ہیں۔ اس قول کی کوئی اصل موجود نہیں بل کہ ضعیف و باطل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ آیت یہودیوں کے حق میں نازل ہوئی اور مفسرین کے مطابق اس

آیہ کے تمام سابقے، لاحقے اسے ان آیات بیّنات میں سے ثابت کرتے ہیں جو یہودیوں کے بارے میں اُتریں۔ حضرت ابوطالبؑ کے بارے میں تو حضوؐر کا یہ فرمان ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اُن کی مغفرت فرمائے اور اُن پر رحم کرے۔ اس سلسلے میں احادیث شفاعت ہمارے اعتقاد کو اور بھی مضبوط کرتی ہیں۔

یہ تھے گیارہویں صدی کے ایک تبحر عالم اہلِ سنّت کے خیالات جسے اکثر علمائے اہلِ سنّت نے مجدّدِ دین میں شمار کیا ہے۔

بابِ ہشتم

ابو طالبؑ ــــ ابو طالبؑ ہیں

✡

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا سَيِّدَ الْبَطْحَاءِ وَابْنَ رَئِيْسِهَا ،

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا وَارِثَ الْكَعْبَةِ بَعْدَ تَاسِيْسِهَا ،

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا كَافِلَ الرَّسُوْلِ وَنَاصِرَهٗ ،

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا عَمَّ الْمُصْطَفٰى وَاَبَا الْمُرْتَضٰى ،

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بَيْضَةَ الْبَلَدِ ،

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا الذَّابُّ عَنِ الدِّيْنِ ، وَالْبَاذِلُ نَفْسَهٗ فِيْ نُصْرَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ ،

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَلَدِكَ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ

"اے سردارِ بطحا اور سردارِ بطحا کے بیٹے! آپؑ پر سلام ہو!

اے کعبہ کی تاسیس کے بعد اس کے وارث آپؑ پر سلام ہو!

اے رسولؐ خدا کی کفالت و نصرت کرنے والے آپؑ پر سلام ہو!

اے مصطفیٰؐ کے چچا اور مرتضیٰؑ کے پدرِ بزرگوار آپؑ پر سلام ہو!

اے شہرِ مقدس مکہ کے آفتاب آپؑ پر سلام ہو!

اے دین کا دفاع اور اس کی پشت پناہی کرنے والے اور مرسلینؑ کے سردار کی نصرت میں جاں نثاری کرنے والے! آپؑ پر سلام ہو!

آپؑ پر اور آپؑ کے فرزند ارجمند امیر المومنین علی علیہ السلام پر سلام ہو، نیز آپؑ پر خدا کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔

[بہ حوالہ وظائف الطالب (بہ حضور حضرت ابوطالبؑ) حصہ سوم، ص ۲۲۰، ۲۲۱]

اسلام کی ہر فکر پہ غالب ابوطالبؑ
ایمان کی خوش بوئے مطالب ابوطالبؑ

جب بھی کیا اسلام کی تاریخ کا آغاز
اسلام پکارا ابوطالبؑ ابوطالبؑ

اسلام میں کیا بات ہے جو ان میں نہیں تھی
ہر روحِ صداقت کے تھے قالب ابوطالبؑ

اسلام کی تاریخ میں دو ہی تو محسن ہیں
یعنی علیؑ ابنِ ابی طالبؑ، ابوطالبؑ

طالب جو محمدؐ ہیں تو مطلوب خدا ہے
اور طالب و مطلوب کے طالب ابوطالبؑ

(پروفیسر سید مشکور حسین یادؔ)

ابوطالبؑ وہ ہستی ہیں جن کا احترام رسولِ اسلام ﷺ بھی کرتے ہیں۔ سرکارِ رسالتؐ جب بھی آپؑ کا ذکر کرتے ہیں تو نہایت تعریف و توصیف کے ساتھ کرتے ہیں۔ کبھی ان کے لیے استغفار کرتے ہیں، کبھی ان کے بچوں سے دُہرا پیار کرتے ہیں۔ ان کی زوجہ کو اپنی ماں کہہ کر بلاتے ہیں، اُن کے فرزند علیؑ کو خلافت کا حق دار ٹھہراتے ہیں اور اپنی بیٹی کا کُفو قرار دیتے ہیں۔

علما و محققین کے بہ قول ربّ کائنات کی یہ سنّت رہی ہے کہ انبیا و رُسل سے میثاق لیتا رہا کہ وہ اس کے حبیبؐ پر ایمان لائیں گے اور نُصرت بھی کریں گے۔ اور انبیا و رُسل عمر بھر اس انتظار میں رہے کہ حبیبؐ خدا آئیں تو ہم ان کی نُصرت وحمایت کریں، جب کہ یہ رُتبہ ابوطالبؑ کو بغیر انتظار کے اور بے مانگے مل گیا۔ کائنات کی سب سے اَنمول امانت ابوطالبؑ کی آغوش میں ڈال دی گئی۔ ابوطالبؑ کو سردارِ عالم کا کفیل بنایا گیا۔ پھر ان کی کفالت کو اپنی کفالت کہا گیا۔ انھیں محافظ و ناصر بنایا گیا اور اُن کی حفاظت و نصرت کو اپنی حفاظت و نصرت گردانا گیا۔ مزید برآں اپنے عبدِ مصطفیٰ سے کہا گیا کہ اے حبیبؐ! ہم نے تمھیں بے سہارا پایا تو اپنی محافظت عطا کی۔ گویا ابوطالبؑ کے فعل کو اپنا فعل قرار دے کر تاکید کر دی کہ جب جب میرے احسانات کو یاد کرو تب تب ابوطالبؑ کے احسانات کو بھی یاد رکھنا۔ کردگارِ عالم نے ابوطالبؑ کی عظمت کو عظمتِ مصطفیٰؐ سے ایسا جوڑا کہ جو شخص ابوطالبؑ کو مومنِ کامل سمجھتا ہے وہ عظمتِ مصطفیٰؐ سے آشنا ہے اور جو نعوذ باللہ کفرِ ابی طالبؑ کا قائل ہے وہ حقیقتاً مقامِ مصطفیٰؐ سے نابلد ہے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص ختمی مرتبتؐ کو مختارِ کُل بھی مانے اور یہ افترا بھی باندھے کہ سرکارِ رسالتؐ نے بڑا زور لگایا کہ چچا مسلمان ہو جائیں لیکن خدا کو منظور نہ تھا؟! بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ مستجاب الدعوات رسولؐ دوسرا کی دُعا رَد ہو جائے؟!

ابوطالبؑ سے بغض رکھنے والے جان لیں کہ ابوطالبؑ بے مثل و بے نظیر ہیں۔ ابوطالبؑ ابوطالبؑ ہیں۔ وہ ابوطالب ہیں کہ جو پہلے مخفی مسلمان اور مومنِ کامل ہیں۔ وہ ابوطالب ہیں کہ جن کا بیٹا علی الاعلان مسلمِ اوّل اور کُلِ ایمان ہے۔ وہ ابوطالب ہیں کہ جن کا ایک بیٹا جعفرِ طیار آسمانوں پر فرشتوں کے ساتھ محوِ پرواز ہے اور دوسرا بیٹا علیؑ جو عین جوفِ کعبہ میں ظہور پذیر ہوا۔ وہ ابوطالبؑ جن کی آغوش میں رسالت اور امامت پل کر جوان ہوئی۔ وہ ابوطالب ہیں کہ جن کے خونِ مقدس نے دینِ خدا و مصطفیٰؐ کی لاج رکھی۔ بہ قول کسے: بدر و حنین کے معرکے ہوں یا تطہیرِ کعبہ کے قصے، یہ سب خونِ ابوطالبؑ کے مرہونِ منت ہیں، جن کا خون چہاردہ معصومینؑ کی رگوں میں رواں دواں اور گردش کناں ہے۔

ابوطالبؑ سے بغض رکھنا تمام شیعوں، اکثر حنفیوں اور اکثر مالکیوں، حنبلیوں کی نظر میں سرکارِ دوعالمؐ کو اذیت پہنچانے کے مترادف ہے۔ اہلِ شعور کے نزدیک سردارِ انبیاء کے آباواجداد کا مسلم و مومن ہونا اعتقادی و اصولی مسئلہ ہے، ظنی و فروعی بات نہیں۔ باپ دادا کا کافر ہونا اہلِ ایمان اور انبیائے کرام کے لیے باعثِ تذلیل ہے لہٰذا رسولؐ اسلام کے دادا ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ کے ترجمان اور چچا ابوطالب اُنھی کے ہم دین و ہم شان ہیں۔

ابوطالبؑ ایک ہی وقت میں تدبر و فراست کی سلطنت کے شہنشاہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایسے بہادر و شجاع بھی ہیں کہ اُن کی موجودگی میں کسی کی جرأت نہیں کہ سرکارِ رسالتؐ کی طرف اُنگلی اُٹھا سکے۔ ابوطالبؑ وہ دانا و حکیم ہیں جن کی زندگی میں نبیِ اعظم و خاتمؐ لہولہان ہوتے ہیں نہ ہجرت پر مجبور ہوتے ہیں۔ سچ کہا ہے علمائے عظام میں سے کسی نے کہ ابوطالبؑ آل و اصحاب کے تمام افراد پر بھاری تھے۔ اسی لیے تو نبیِ معظمؐ کہا کرتے تھے: چچا ابوطالبؑ! آپؑ میرے (سب سے) بڑے محسن ہیں۔

وہ ابوطالبؑ جو رسالتِ محمدیہ کی معرفت بعثتِ محمدیہ سے بھی پہلے رکھتے تھے۔ وہ ابوطالبؑ جنھوں نے مرتے دم بھی بنی ہاشم اور قریشِ مکہ کو وصیت کی کہ تمھاری طرف مالک الملک رسولؐ آیا ہے، نیک اعمال کے ساتھ اس کی طرف بڑھو۔ وہ ہدایت کرتا ہے اور ربِ ذوی العرش کی طرف سے اس کی طرف وحی آتی ہے۔

دعوتِ ذوالعشیرہ کا اہتمام بھی ابوطالبؑ کے گھر میں کیا جاتا ہے۔ شعبِ ابی طالبؑ میں لمبی قید وحراست بھی ابوطالبؑ کاٹتے ہیں۔ حفاظتِ رسولؐ کے لیے خانۂ کعبہ کے سائے میں ستر شمشیریں بھی ابوطالبؑ کے حکم سے پہنچتی ہیں۔ سب سے پہلے عارفِ نبوت بھی ابوطالبؑ ہی ہیں، جس کا اعتراف علامہ زینی دحلان بھی السیرۃ النبویہ میں کر چکے ہیں۔

علامہ ابن التین شرح بخاری میں لکھتے ہیں کہ (ان کے پیشِ نظر) ابوطالبؑ کے اس شعر سے یہ دلیل نکلتی ہے کہ آپ سرکارِ رسالتؐ کی نبوت کی معرفت رسولِؐ خدا کی بعثت سے بھی پہلے رکھتے تھے جس کی بحیرا راہب نے آپ کو خبر دی تھی۔ نیز ابوطالبؑ کے اپنے مشاہدات بھی تھے، مثلاً حضوؐر کے بچپن میں ابوطالبؑ کو پیاس لگی تو آپؐ نے انھیں سیراب کرنے لیے زمین پر پاؤں مارا اور چشمہ ابل پڑا۔ ابوطالبؑ کے معرفتِ نبوت رکھنے پر کثیر اخبار وارد ہوئے ہیں۔

سیرتِ حلبیہ میں ہے کہ دعوتِ ذوالعشیرہ میں جب آیتِ انذار نازل ہوئی تو سرکارِ رسالتؐ نے ابوطالبؑ ہی کے گھر میں اپنے اہلِ قبیلہ کے لیے ضیافت کا اہتمام کیا (کیوں کہ ابوطالبؑ ہی کا گھر حضوؐر کا گھر تھا) ابوطالبؑ کے فرزند صغیر علیؑ اس دعوت کے منتظم مقرر ہوئے۔ قریش آئے تو سرکارؐ نے اپنا پیغام سنایا۔ اعلانِ رسالت فرمایا تو ابوطالبؑ نے فوراً اس دعوت کو قبول فرمایا بلکہ حفاظتِ رسولؐ کی ذمہ داری بھی اپنے ذمے لے لی۔

فرمایا: اللہ نے آپؐ تبلیغِ اسلام کا جو فریضہ سپرد کیا ہے اُسے انجام دیں، خدا کی قسم! میں ہمیشہ آپؐ کی حفاظت کروں گا۔

ابوطالبؑ مومنِ قریش کے مصنف علامہ الخنیزی اس واقعہ کی توضیح وتشریح میں رقم طراز ہیں: (مفہوماً) اس کے بعد ایک دن وہ بھی آیا جو ہیبت وجلال کے لحاظ سے روزِ اوّل سے کم نہ تھا۔ یہ وہ دن تھا جب آیتِ انذار نازل ہوئی۔ رسولؐ خدا نے علیؑ مرتضیٰ کو حکم دیا کہ روساے قریش کو بلائیں۔ اس دعوت پر سب آئے لیکن جب پیغامِ حق سنایا گیا تو سب ناراض ہو کر چل دیے۔ دوسرے دن پھر طلب کیا گیا۔ پیغامِ ہدایت پہنچایا گیا لیکن پھر بھی اُنھوں نے کوئی اثر نہ لیا۔ آخر ابوطالبؑ کھڑے ہو گئے اور (دعوتِ رسالت کو تقویت پہنچاتے ہوئے) فرمایا: آپؐ کی مدد کرنا، آپؐ کی نصیحت کو قبول کرنا، آپؐ کی باتوں کی تصدیق کرنا بہت اچھی بات ہے۔ میں ان اہلِ قبیلہ وخاندان کی موجودگی میں سب سے پہلے آپؐ کی دعوت قبول کرتا ہوں۔ آپؐ اپنا کام شروع فرمایئے خدا کی قسم! میں آپؐ کی حفاظت کروں گا اور دینِ عبدالمطلبؑ کو ترک نہیں کروں گا (یعنی جس طرح عبدالمطلبؑ آپؐ کی آمد اور آپ کے کارِ منصبی (مشن) کے فروغ کے لیے وقف تھے، میں بھی اسی طرح (اُن کے جانشین کے طور پر اُن کے نقشِ قدم پر چلوں گا)۔

یہ سن کر ابولہب (کو بہت تکلیف ہوئی وہ) کھڑا ہو کر کہنے لگا: خدا کی قسم! یہ ایک عار ہے۔ اسے اسی وقت روک دو۔

ابوطالبؑ نے جواب دیا: (تمھاری یہ جرأت!) میں تمام عمر انھیں بچاتا رہوں گا۔ پھر بھتیجے سے مخاطب ہوئے اور کہا:

قُمْ يَاسَيِّدِيْ فَتَكَلَّمْ بِمَا تُحِبُّ وَبَلِّغْ رِسَالَةَ رَبِّكَ فَإِنَّكَ الصَّادِقُ الْمُصَدَّقُ (النہایہ ابنِ کثیر)

"میرے سید و سردار اُٹھیے! آپؐ جو چاہتے ہیں کہیے۔ اپنے رب کے پیغام کی ترسیل کیجیے۔ آپؐ صادق بھی ہیں اور مصدّق بھی"۔

ابوطالبؑ کی عظمتِ ایمان دیکھیے کہ چالیس سے زیادہ دشمنوں کے مجمعے میں آپ سب کی مخالفت کے باوجود نہ صرف رسالت کی تعظیم و تصدیق فرما رہے ہیں بل کہ سب حاضرین کو اس کی ترغیب بھی دے رہے ہیں۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ابوطالبؑ ایمان و عقیدہ کی بلند ترین منزل پر فائز تھے ورنہ اُن کا اندازِ گفتگو یہ نہ ہوتا بل کہ بات کو گول کر جاتے یا پھر (نعوذ باللہ) حضوؐر کے دوسرے چچا ابولَہَب کا سا موقف اختیار کرتے۔ کیا وہ چچا نہ تھا، کیا اس میں حمیتِ عشیرہ اور غیرتِ عرب موجود نہ تھی؟؟

ابوطالبؑ نے تو ابولَہَب سے کہا: چپ رہ اے کانے! تجھ سے کیا مطلب؟

ملاحظہ کیجیے ایک طرف معرفت و حمایت ہے اور دوسری طرف کورچشمی و مخالفت۔ دو چچاؤں کے موقف میں شدید اختلاف، حق و باطل کو ممیّز کر رہا ہے۔ ایک طرف جذبۂ قربانی ہے، نُصرت و حمایت اور امداد و استعانت کا وعدہ ہے تو دوسری طرف مقابلہ و معارضہ، ٹکراؤ اور تصادم، مسخرہ پن اور بدزبانی۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ حکیم کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا (جہاں ابوطالبؑ، عبدالمطلب کی مِلّت پر قایم رہنے کو درحقیقت دینِ خلیلؑ اور دینِ محمدؐ پر قایم رہنے ہی کے برابر سمجھتے ہیں وہاں مخالفین کی تیز و تند نگاہوں اور حسد آمیز ارادوں سے رسولِؐ اسلام کو بچانے کے لیے) ابوطالبؑ نے فوراً طے کرلیا کہ اپنا موقف مخفی کرلیا جائے کیوں کہ یہی طریق کار دعوتِ رسالتؐ کے فروغ اور حمایتِ دینِ محمدی کے لیے زیادہ مفید ثابت ہوسکتا ہے۔ لہٰذا فرمایا کہ مَیں دینِ عبدالمطلبؑ کو چھوڑنے پر راضی نہیں ہوں۔ بے بصیرت جاہلِ مطلق عرب، حکیمِ عرب کی اس حکمت کو نہ سمجھ سکے اور آج تک اُن جاہلوں

کے معنوی فرزند نام نہاد عالم ہونے کے باوجود بھی اس حکمت کا اِدراک نہیں کر سکے۔

کچھ عقل کے دشمن اس بات پر بھی غور نہیں کرتے کہ اگر نبوت کا امتیاز نہ ہوتا تو کبیر السن ابوطالبؑ اپنے زیرِ کفالت و تربیت صغیر السن بھتیجے کو اپنا سردار گردانتے ہوئے کیوں عرض گزار ہوتے؟! نبوت و رسالتؐ پر کامل ایمان رکھنے والے بزرگ نے محمدِ مصطفیٰؐ کو اپنے لیے سراجِ منیر جانا اور منزلتِ نسب، قرابت و تربیت اور اختلافِ سن و سال سے مافوق سمجھا۔ محمدؐ واجب الاطاعت ہیں تو ابوطالبؑ مطیعِ رسالتِ محمدیہؐ، محمدؐ صادق و مصدق ہیں تو ابوطالبؑ اُن کی صداقت کی تصدیق کرنے والے۔ جب ابوطالبؑ کے بیٹے نے رسولِ اسلام کی اطاعت اور نُصرت و حمایت کا اعلان کیا اور جواباً رسالت مآبؐ نے اپنی وصایت و وزارت کی ذمہ داری نبھائی تو کفار نے شرارت کی اور ایک تمسخر آمیز جملہ کہا کہ محمدؐ نے آپؑ پر آپؑ کے بیٹے کی اطاعت بھی واجب کردی ہے۔ ابوطالبؑ نے یہ سن کر نہایت اطمینانِ دل کے فخر و اعتماد سے کہا کہ وہ جو کچھ کرے گا "خیر" ہی کرے گا۔

ابوطالبؑ خوش تھے کہ مستقبل میں میرے ایمان پر شک کرنے والوں نے آج ہی اعتراف کرلیا ہے کہ میں محمدؐ کی اطاعت کو بھی واجب سمجھتا ہوں اور میرے فرزند کی اطاعت بھی میرے لیے واجب کی حیثیت رکھتی ہے۔

ابوطالبؑ تو اپنے فرزندوں جعفر اور علیؑ کو اس سے پہلے ہی محمدؐ رسول اللہ کے ساتھ نماز پڑھنے کی تاکید کرچکے تھے۔ آپ نے علی علیہ السلام کو نصیحت فرما رکھی تھی کہ اپنے بھائی کے طریقے کو اختیار کرو وہ ہر قریب و بعید کی سختی سے بچانے والا ہے۔ نیز فرمایا تھا: اے علیؑ! محمدؐ کی متابعت میں ایمان و سکون ہے، تم انہی کے ساتھ رہا کرو۔

تاریخ کے اوراق میں یہ بھی محفوظ ہے کہ ایک دفعہ رسولِ خدا نماز پڑھ رہے تھے۔ ابوطالبؑ نے دیکھا کہ اُن کی داہنی جانب علیؑ ہیں اور بائیں جانب خالی ہے تو فوراً اپنے فرزند جعفرؓ کو آواز دی کہ جاؤ بائیں طرف تم کھڑے ہوجاؤ (تاکہ محمدؐ کے دونوں

ہاتھ مضبوط ہو جائیں اور جماعت قایم ہو جائے)۔ معلوم ہے اس کے بعد ابو طالبؑ نے کیا کیا؟! کچھ اشعار کہے، اُن کا ترجمہ پڑھیے اور غلامیِ ابو طالبؑ پر فخر کیجیے۔

"علیؑ و جعفرؑ زمانے کے مصائب اور شدائد میں میرے معتمد علیہ ہیں۔ میرے بیٹو! اپنے بھائی (رسولؐ خدا) کی کمک کرو۔ یہ میرے حقیقی بھائی کے فرزند اور یادگار ہیں۔ خدا کی قسم! میں نبیؐ کو خود چھوڑ سکتا ہوں نہ میری اولاد میں سے کوئی شریف (النفس) انھیں چھوڑے گا"۔

تاریخ اسلام اپنے سینے میں یہ روشن حقیقت بھی محفوظ کیے ہوئے ہے کہ ایک وقت وہ آیا جب ابو طالبؑ نے اپنے بھائی حمزہؓ کو آواز دی اور فرمایا: میرے بھائی! دینِ خدا کا اظہار کرو اور اس سلسلے میں مصائب و شدائد برداشت کرو۔ صاحبِ شریعت (رسولؐ اسلام) کی حفاظت میں محکم عزم اور مستحکم ارادے سے کام لو۔ نیز فرمایا: مجھے بہت خوشی ہوئی کہ تم نے ایمان کا اعلان کر دیا۔ اب رسولؐ کی نصرت کرو اور قریش میں اپنے ایمان کا اعلان کر کے کہہ دو کہ محمدؐ ساحر اور جادوگر (ہرگز) نہیں۔

عرفانِ ابو طالبؑ حاصل کر لینے والے ایک صاحبِ معرفت عارف کا کہنا ہے:

"ابو طالبؑ اسلامی تحریک کا (کے) وہ قائد ہے (ہیں) جو ہر آن موقع کی تلاش میں رہتا ہے (رہتے ہیں)۔ اُدھر موقع ملا اِدھر مافی الضمیر کا اعلان شروع کر دیا"۔

ابو طالبؑ وہ صاحبِ عقیدہ انسان تھے جن کی نظر میں دین ہر چیز پر فوقیت رکھتا تھا۔ وہ یہ نہیں کہتے کہ لوگ حمزہؓ کو میرا بھائی کہیں بل کہ یہ چاہتے ہیں کہ حمزہؓ مومن ہو جائیں اور مومن کہلائیں۔ اور وہ یہ نہیں چاہتے کہ حمزہؓ میرا یا میرے بیٹوں کا خیال رکھیں بل کہ یہ کہتے ہیں کہ رسولؐ اسلام کا خیال رکھیں، اُن کی نصرت کریں، اُن کی

شریعت کی پاس داری کریں۔

ابراہیم بن علی دینوری جو ایک حنبلی فقیہ تھے، اپنی کتاب غایۃ السئول میں لکھتے ہیں کہ رسولؐ خدا نے اپنے چچا عباسؓ سے فرمایا: "خدا نے مجھے نبوت و رسالتؐ سے مبعوث فرمایا ہے اور اپنی دعوت و تبلیغ کو ظاہر کرنے کا حکم دیا ہے۔ کہیے آپ کا کیا خیال ہے؟

عباسؓ نے عرض کیا: پیارے بھتیجے! آپؐ جانتے ہیں کہ قریش آپؐ کے خاندان سے بے حد حسد کرتے ہیں، جو آپ کہتے ہیں اگر وہی ہوا تو ہم پر بڑی مصیبت آپڑے گی۔ وہ (کفار) ہمیں ایک ہی کمان سے نشانہ بنائیں گے اور جڑ سے اُکھاڑ پھینکیں گے۔ آپؐ اس کام سے باز رہیں اور ہمیں یوں ہی رہنے دیں، البتہ آپؐ اپنے چچا ابوطالبؑ سے رجوع کریں کیوں کہ وہ آپؐ کے سب سے بڑے چچا ہیں۔ اگر وہ آپ کی مدد نہیں کریں گے تو کم سے کم آپؐ کو خوار بھی نہیں ہونے دیں گے اور آپؐ کو ان لوگوں کے سپرد نہیں کریں گے۔

پھر عباسؓ اور رسولؐ اسلام، حضرت ابوطالبؑ کے پاس گئے۔

ابوطالبؑ بولے: یقیناً کوئی خاص بات ہے۔ عباسؓ نے وہ باتیں ابوطالبؑ کو بتائیں جو ان کے اور رسولؐ اکرم کے درمیان ہوئی تھیں۔

جناب ابوطالبؑ نے رسولؐ خدا پر نگاہ ڈالی اور فرمایا: اے بھتیجے! اُٹھیں اور اپنے کام کا آغاز کریں اور رسالت کی تبلیغ کریں کیوں کہ آپؐ واقعی شریف ہیں، نیز ایک طاقت ور اور اعلیٰ نسب گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ خدا کی قسم عرب آپؐ کے اس طرح فرماں بردار اور تابع ہو جائیں گے جس طرح دودھ پینے والے جانور اپنے مربی کے فرماں بردار اور تابع ہوتے ہیں۔ میرے والدِ بزرگ وار ہمیشہ کتاب پڑھتے تھے اور کہتے تھے: لاریب میری نسل سے ایک نبی ہوگا۔ کاش میں اس (کی بعثت) کے زمانے تک زندہ رہتا اور اس پر ایمان لاتا۔ (میری وصیت ہے کہ) میرے بیٹوں میں

سے جو کوئی اس کا زمانہ دیکھے وہ اس پر ایمان لائے (انتہی)۔

اس خبر کی شرح میں علامہ امینی (مکتبِ امامت کے ایک عظیم عالم) رقم طراز ہیں:

> ''آپ دیکھ رہے ہیں ابوطالبؑ پورے اطمینان کے ساتھ اپنے والد کی یہ فہمایش نقل فرماتے ہیں۔ وہ آغاز نبوت ہی سے رسولؐ خدا کو تسلی دیتے ہیں انھیں اپنی دعوتِ اسلام پھیلانے اور ذکرِ خدا کو بلند کرنے کا کہتے ہیں۔ وہ اس حقیقت کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ (حضرت) محمدؐ وہی نبی ہیں جن کے بارے میں پیش گوئی کی گئی ہے کہ عرب ان کے سامنے سرِ تسلیم خم کردیں گے۔ کیا یہ بات قابلِ یقین ہے کہ ابوطالبؑ یہ سب کچھ بیان کرنے کے باوجود خود اس پر ایمان نہ رکھتے ہوں؟ پھر بھی کوئی ایسی بات کہتا ہے تو وہ سوائے جھوٹ کے اور کچھ نہیں کہتا......''۔

ایک اور حق شناس عالم علامہ الخنیزی اس مذکورہ صدر خبر کی تشریح میں اپنی کتاب ''ابوطالبؑ مومنِ قریش'' میں تحریر کرتے ہیں:

> ''وہ یتیم جو کل تک رئیسِ قوم ابوطالبؑ کی پناہ میں تھے، آج اُن کے ہاتھ مضبوط ہو چکے ہیں۔ اُن کی کلائیوں میں طاقت آچکی ہے۔ وہ ایک گھر کے مالک اور چند بچوں کے باپ بن چکے ہیں۔ اب اہل وعیال زندگی کے اسباب چاہتے ہیں۔ حالات ذکروفکر کے تقاضے کررہے ہیں۔ یہ اور بات کہ ان بچوں کے پاس قلتِ مال کے باوجود خیروبرکت اور اطمینان وسکون کی بے پناہ دولت موجود ہے۔ لیکن کیا اس گھرداری کے بعد ابوطالبؑ کے فرائض ختم ہوگئے؟ کیا اس وصیت کی میعاد ختم ہوگئی جس پر لڑکپن سے اب

تک عمل ہو رہا ہے؟ وہ بچے جو آج تک اس دُرِ یتیم کی خاطر سختیوں سے زندگی گزار رہے ہیں، ظاہر ہے کہ اس کا جواب نفی میں ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ اس دُرِ یتیم کے علاوہ کوئی اور بچہ ہوتا تو فرائض کب کے ختم ہو چکے ہوتے لیکن یہ بچہ تو وہ ہے جسے تاریخ کا رُخ بدلنا ہے، جسے کائنات کی تاریکیوں میں علم و عرفان کی شمعیں روشن کرنا ہیں، جس کے فرائض اسی بات پر ختم نہیں ہوتے کہ وہ چند مُرجھائی ہوئی کلیوں کا باپ کہا جانے لگے بلکہ اس (دشوار گزار) سلسلے میں ذمہ داریوں کا آغاز ہی درحقیقت آج ہو رہا ہے، جب کہ اس کی عمرِ عزیز کے چالیس سال گزر چکے ہیں۔ یہی وہ دن ہیں جن کا انتظار حضرت عبدالمطلبؑ کو تھا۔ یہی وہ مطلعِ انوار ہے جس پر ایمان لانے کی تڑپ عبدالمطلبؑ کے دل میں تھی اور یہی وہ جوان ہے کہ جس کے بارے میں زندگی کے آخری لمحات تک وصیتیں ہو رہی تھیں۔ اب جو زندہ رہے، اس پر ایمان لائے اور اس کا تحفظ کرے نیز اس کی عظمتوں (رحمتوں اور برکتوں) سے استفادہ کرے"۔

جنابِ ابوطالبؑ اس صبحِ منیر اور روزِ روشن کا بڑی بے تابی سے انتظار کر رہے تھے۔ ہر آن یہ خطرہ لاحق تھا کہ اس صبحِ پیغام کے نمودار ہونے سے پہلے کہیں بساطِ حیات لپیٹ نہ دی جائے۔ صد شکر کہ حیاتِ ابوطالبؑ میں وہ مبارک چہرہ ظاہر ہو گیا۔ ابوطالبؑ کے چہرے پر فرحت و مسرت کے آثار نمایاں ہیں۔ یہی بھتیجا اپنے چچا عباس کے پاس یہ کہنے گیا کہ اللہ نے مجھے امرِ نبوت سے سرفراز کیا ہے، لہٰذا آپ میری مدد کریں اور میرا ہاتھ بٹائیں تو عباسؓ کہنے لگے کہ اپنے چچا ابوطالبؑ کے پاس جائیں وہ (آپ کا آسرا

بنیں گے) آپؐ کا ساتھ ہرگز نہ چھوڑیں گے۔ بھتیجا ابوطالبؑ کے پاس آیا تو ابوطالبؑ کے منھ سے بے ساختہ یہ جملے نکلے: ارے اس وقت آپؐ کے آنے کا کیا سبب ہے؟ کوئی خاص خبر ہے کیا؟! یہ کہ کر ابوطالبؑ کی نظریں سرکارؐ کے چہرے پر جم گئیں۔ گویا چہرۂ رسولؐ کے آئینے میں مستقبل کا مکمل اندازہ لگانا چاہتے ہیں اور انسانیت کی مکمل شبیہ کا مشاہدہ کرنا چاہتے ہیں۔

اور وہ وقت بھی ابوطالبؑ کو یاد ہے کہ جب شام کے تجارتی سفر کے دوران میں بحیرا راہب نے آپؑ کو صراحتاً بتایا کہ آپؑ کا یہ بھتیجا ربّ العالمین کا رسولؐ ہے۔ اس کے بعد ابوطالبؑ کسی دوسرے راہب کے ہاں فروکش ہوئے تو اس نے بھی کہا: ان کا رُخِ انور نبیوں کا سا ہے اور چشمِ اقدس بھی نبیوں کی سی ہے۔ اس پر حضرت ابوطالبؑ نے نختی مرتبتؐ سے کہا: اے بھتیجے! کیا آپؐ ان لوگوں کی باتیں سن رہے ہیں؟ جواباً رسولؐ اکرم نے فرمایا: چچا جان! اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کو تسلیم کرلیں (انتہی)۔

(بہ حوالہ ضیاء النبیؐ، مصنفہ: جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری)

معروف محقق و عالم الخنیزی اس واقعہ کی توضیح میں رقم طراز ہیں: رسولؐ اکرم پر حضرت ابوطالبؑ کی عنایتیں اور شفقتیں اس حد تک بڑھ گئی تھیں کہ اب دونوں روحیں ایک نظر آنے لگی تھیں۔ ایسے موقع پر یہ کیوں کر ممکن تھا کہ ابوطالبؑ ایک دُور دراز سفر کا ارادہ کرلیں اور نبی کریم کا دل بے قرار نہ ہو۔ چناں چہ آپؐ کے دل میں اس وقت کے تصورات کروٹیں لینے لگے کہ جب یہ حسنِ حصین اور مستحکم قلعہ موجود نہ ہوگا، جب تند و تیز ہوائیں چلیں گی اور کوئی پناہ گاہ نہ ہوگی۔ جب یتیمی کی شدید دھوپ کے احساسات ہوں گے اور کوئی بچانے والا (شجرِ سایہ دار) نہ ہوگا۔ آپ یہ دیکھ رہے ہیں کہ چچا اپنی سواری کی طرف بڑھ رہے ہیں اور آپؐ کی آنکھوں سے بے ساختہ اشک رواں ہیں۔ شفیق بزرگ نے احساسِ یتیمی سے ڈھلکتے آنسوؤں کو دیکھا تو دل تڑپ کر

رہ گیا۔ کان میں بھتیجے کی آواز پڑی: چچا میرے تو ماں باپ بھی نہیں۔ آپ مجھے کس کے سپرد کیے جا رہے ہیں؟

تڑپ کر بولے: خدا کی قسم اسے ساتھ لے کر جاؤں گا۔ اب نہ یہ مجھ سے جدا ہوگا اور نہ مَیں اس سے۔ یہ کہہ کر بھتیجے کو اپنی سواری پر بٹھالیا، قافلہ صحرا میں خطوط چھوڑ ہوا چلا، ہواؤں نے اس سفر کی خبر چارسُو پھیلا دی۔ جب مقامِ بصرہ پر پہنچے تو حضرت ابوطالبؑ نے چاہا کہ کچھ آرام کرلیں۔ اتفاق سے اسی جگہ ایک دَیر تھا، جس میں علومِ مسیحیت کا مرکز و مصدر بحیرا نامی راہب رہتا تھا۔ آج راہب نے قافلے کے عجب انداز دیکھے حال آں کہ پہلے بھی بہت سے قافلے گزرے مگر اس نے کبھی توجہ نہ کی لیکن آج دَیر سے گردن باہر نکالے قافلے کا جائزہ لے رہا ہے۔ اچانک دیکھتا ہے کہ اس قافلے میں ایک ایسا انسان بھی ہے کہ جس کے سر پر اَبر سایہ فگن ہے۔ جس درخت کے نیچے وہ بیٹھ جاتا ہے وہ درخت اپنے پتوں کو جوڑ کر سایہ کرلیتا ہے۔ ایک نیا انداز اور عجیب طور ہے۔ وہ عالمِ حیرت میں گم ہوگیا لیکن یک دم اُسے یاد آیا کہ کتابِ مقدس کے کلمات میں ان علامات کا ذکر موجود ہے۔ یہ سوچتے ہی وہ دَیر سے نکلا، کھانا تیار کرنے کا حکم دیا اور قافلے کے قریب پہنچ گیا اور کہا: اے معشرِ قریش! مَیں نے تمھارے لیے کھانا تیار کرالیا ہے اب چاہتا ہوں کہ تم سب چھوٹے بڑے، غلام و آزاد آکر اسے تناول کرو۔

ایک شخص حیرت زدہ ہوکر بولا: اے بحیرا! خدا کی قسم! آج عجیب بات دیکھ رہا ہوں، کل تک تو ایسا نہ تھا، آج یہ اہتمام کیسا؟

بحیرا نے اس کا شافی جواب دیا تو سب نے دعوت قبول کرلی۔ سب لوگ جمع ہوگئے۔ صرف رسولِ خدا رہ گئے کہ جنھیں سامان کی حفاظت کے لیے درخت کے نیچے چھوڑ دیا گیا تھا۔ بحیرا نے سب کا جائزہ لیا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اس بچے کو طلب کیا جسے سامان کی حفاظت کے لیے چھوڑ دیا گیا تھا۔ بچہ قریب آیا تو بحیرا نے گہری نظر

سے اس کے خدوخال کا مطالعہ شروع کر دیا اور اپنی مقدس کتاب میں مذکور علامات کا جائزہ لینے لگا۔

کھانا کھا کر لوگ چلنے لگے تو بحیرا نے بچے سے کچھ سوالات کرنے کا ارادہ کیا اور حضرت ابوطالبؑ سے گویا ہوا: آپؑ کا اس بچے سے کیا رشتہ ہے؟

ابوطالبؑ نے فرمایا: میرا بیٹا ہے۔

بحیرا نے کہا: ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اس کے باپ کا زندہ ہونا ممکن نہیں۔

ابوطالبؑ بولے: ہاں ایسا ہی ہے۔ یہ میرے بھتیجے ہیں۔ جب یہ بطنِ مادر میں تھے تو ان کے والد کا انتقال ہو چکا تھا۔

راہب کہنے لگا: آپؑ اسے فوراً واپس لے جائیں اور یہودیوں کے شر سے بچائیں۔ خدا کی قسم! اگر وہ اسے پہچان لیں گے تو اذیت دیں گے۔ یہ بچہ ایک عظیم ہستی بننے والا ہے۔

رسولؐ خدا مکہ واپس آگئے۔ اب نیا اندازِ زندگی ہے۔ ابوطالبؑ کا یہ عالم ہے کہ قدم قدم پر حفاظت کے انتظامات کر رہے ہیں اور ہر آن یہود کے خبیث عزائم سے خطرہ محسوس کر رہے ہیں جو اس غنچے کو کھلنے سے پہلے ہی پژمردہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ تمام خیالات شیخ بطحا کے ذہن پر نقش ہیں اور وہ اپنے اشعار کے ذریعے اپنے تصورات کو جبینِ زمانہ پر کندہ کر رہے ہیں:

"آمنہ کا لال محمدؐ نبی مجھے اپنی اولاد سے بھی زیادہ عزیز اور پیارا ہے......"

ابوطالبؑ معجزاتِ رسولؐ کے سب سے پہلے اور بڑے مصدِّق نیز اوّلین مسلم و مومن تھے۔ وہ معجزات جنہیں دیکھ کر جہلا تک متاثر ہو جاتے تھے ابوطالبؑ جیسے سلیم الطبع اور صاحبِ فکر و تدبر انسان کو کیوں کر متاثر نہ کرتے۔ آپؑ نے سرکارؐ کے اتنے معجزات دیکھے اور ان کی تصدیق کی کہ جن کا شمار کرنا ناممکن ہے۔ ان معجزات کی تفصیل اور

ابوطالبؑ کی تصدیق محتاجِ بیان نہیں۔ خود ابوطالبؑ کا معجزہ و کرامت دیکھیے کہ دیوبندی حضرات، جنھیں اکثر لوگ گستاخِ رسولؐ سمجھتے ہیں، کے ایک فاضل نمایندے اور معروف عالم و ادیب چودھری افضل حق اپنی کتاب ''محبوبِ خدا'' میں رقم طراز ہیں:

''نبوتؐ کے دس سال پورے ہو چکے، شعبِ ابی طالب سے نکلے کچھ (ہی) دن ہوئے تھے کہ تدبیر کے شہ سوار، محسن اور معاون چچا ابوطالبؑ عمر کی اسی منزلیں طے کر کے سفرِ دنیا طے کر گئے۔ اس صدمۂ جان کاہ کا حال کوئی آں حضرتؐ سے کس دل سے پوچھے، حضوؐر کی زندگی کے پچاس برس میں ایک لمحہ ایسا نہ تھا کہ پیارے چچا کی طرف سے کبھی دل میلا ہوا ہو، نہ چچا پر ایسا دن آیا کہ آنکھ گھری کی ہو۔ ابوطالبؑ ٹھنڈا سایہ تھے اور ان کی پناہ حصار سے زیادہ محفوظ تھی۔ ان کی موت نے خاندانِ ہاشم کو یتیم بنا دیا...... تم قیاس کر سکتے ہو کہ ان دو صدموں (ارتحالِ خدیجہؑ و ابوطالبؑ) سے آں حضرتؐ کے لیے دنیا کس طرح اندھیر ہو گئی ہوگی، چناں چہ اسلام کی تاریخ میں یہ سال ''عام الحزن'' یعنی سالِ غم کہلاتا ہے مگر عزیزوں کی موت کا غم تقاضائے بشریت ہے، دنیا میں محسنوں کے احسان کو فراموش کرنا حضوؐر کے شایانِ شان نہ تھا، کاش! تنہائیوں کے مونس اور مصیبتوں کے یہ ساجھی اس وقت تک زندہ رہتے جب فتحِ مکہ کے بعد آمنہ کا لالؐ، عبداللہ کا بیٹا، رحمت اور عفو کا تاج پہن کر کوہِ صفا پر جلوہ افروز تھا...... کہتے ہیں شاعر میں شجاعت نہیں ہوتی، یہ سچ ہو یا جھوٹ مگر تدبیر کا خانہ تو اِلا ماشاء اللہ اکثر خالی ہوتا ہے۔ خیالی مضامین کے ہجوم سے دماغ میں

ایک بغاوت سی بپا رہتی ہے، مگر ابوطالبؑ شاعر بھی تھے اور مدبر بھی۔ ان کی تدبیروں کے سامنے قریش کے بڑے بوڑھے بھی طفلِ مکتب تھے۔ وہ واقعات کا مطالعہ نظرِ غائر سے کرتے اور دُور رس عقل سے حالات کو بھانپ جاتے، تاہم نتیجہ جلد زبان پر نہ لاتے تھے، آخر صلاح ٹھہری کہ بنوہاشم سے ترکِ موالات کیا جائے...... اِدھر ابوطالبؑ نے تجربہ کی روشنی میں خطرے کو بھانپا۔ وہ مختلف قبائل کے متحد ہونے کی اہمیت کو خوب سمجھتے تھے، چناں چہ عمر کے بوڑھے، عقل کے جوان ابوطالبؑ فوراً تمام خاندان کو لے کر پہاڑ کے ایک درّے میں محصور ہو بیٹھے تاکہ اچانک حملے سے خاندان محفوظ رہے۔ آں حضرتؐ کی جان جوکھوں میں نہ پڑے...... ابوطالب دنیا کے معاملات میں بہت ہوشیار تھے، انھوں نے باتوں کے ایسے طوطے مینا بنائے کہ اراکینِ وفد بہ جائے ابوطالبؑ کو قائل کرنے کے اُلٹے احمق بن کر واپس آئے...... ابوطالبؑ نے دنیا دیکھی تھی۔ صورتِ حال کی نزاکت کو محسوس کرکے آں حضرتؐ کو بلا کر کہا: جانِ عم! مجھ پر اتنا بار نہ ڈالو کہ برداشت نہ کرسکوں، لفظوں کا یہ اختصار معنی کا دریا تھا...... حضوؐر کو ایمان کے امتحان میں پورا پا کر ابوطالبؑ نے کہا: بھتیجے! جا، جو چاہے کر، تیرا کوئی بال بیکا نہیں کرسکتا...... جب قریش ایک جوان عمارہ کو لائے تو پختہ کار ابوطالبؑ کچی گولیاں نہ کھیلے تھے، متعجبانہ انداز میں بولے: چہ خوب! میرے بیٹے کو تم قتل کردو اور تمھارے بیٹے کی میں پرورش کروں"۔

چودھری صاحب! آپ کو ہمارا سلام۔ آپ نے حق پرستی سے کام لیتے ہوئے یہ ثابت کردیا کہ ابوطالبؑ کے تدبر کا لوہا ہر مکتبِ فکر مانتا ہے۔ مختصر یہ کہ ابوطالبؑ جیسا مدبر انسان معجزاتِ رسولؐ کی تصدیق نہ کرے یہ کس طرح ممکن ہے؟

ابوطالبؑ نے رسولِ خاتمؐ کی رسالت کے بہت سے دلائل اور معجزات تو اپنے والدِ گرامی عبدالمطلبؑ کی زندگی ہی میں دیکھ لیے تھے اور پھر اب تو سرکار آپؑ کے زیرِ سایہ پروان چڑھ رہے تھے (یعنی ہر شے سے جلوۂ نبوت عیاں تھا)۔ اب تو ہر صبح کا اُبھرتا سورج اور شب کی پھیلتی تاریکی آپؑ کے لیے ایک علامتِ نبوت تھی۔ آپؑ اپنے بھتیجے میں انسانی تخلیق کی تصویرِ اکمل اور شبیہِ اکبر کو دیکھ رہے تھے جس کے فضائل و کمالات کے رواں دواں چشمے ایک روحانی انسان کو تو کیا عام مادّی شخص کو بھی سیراب کرسکتے تھے اور جس کی معراجِ عظمت تک طائرِ فکر پرواز کرتے کرتے تھک جاتا تھا ایسے میں ابوطالبؑ کا سا کامل العقل، نافذ البصیرہ اور عمیق الفکر انسان نُبوت کے اس فلکِ نور کا نگران و نگہ بان تھا۔ کبھی ابوطالبؑ کو سیراب کرنے کے لیے چشمہ جاری ہوجاتا، کبھی دسترخوان کی برکات کا مشاہدہ کیا جاتا، کبھی کاہن کی زبانی حیثیتِ رسولؐ کا پتا چلتا، کبھی نُوری نُور ساطع ہوتا ہوا نظر آتا۔ ابوطالبؑ ہر لمحہ فدائے نبوت اور قربانِ رسالتؐ تھے۔ دشمنوں کو ابوطالبؑ کے اس جہادِ پیہم اور دفاعِ مسلسل سے بہت تکلیف تھی۔ لہٰذا یہ افسانہ تراش لیا کہ یہ تمام قربانیاں قرابت کے سبب سے تھیں۔ لیکن عقل والوں نے جواب دیا کہ کیا ابوطالبؑ کا محمدؐ سے رشتہ علیؑ کی بہ نسبت زیادہ قوی و قریب تھا کہ علیؑ کو فدیہ محمدؐ بنا رہے تھے۔ یقیناً دین کا رشتہ، خونی رشتے سے زیادہ مضبوط اور قوی ہوتا ہے۔ ابوطالبؑ رسولِ خداؐ کے چچا ہی نہیں عاشق بھی تھے جبھی تو شعبِ ابی طالبؑ میں تمام بنی ہاشم سے رکن و مقام کی قسم کھا کر کہا تھا: "اے بنی ہاشم! سن لو کہ اگر محمدؐ کا بال بیکا ہوا تو میں سب کو موت کے منہ میں دے دوں گا"۔

کائنات میں سب سے بڑے عاشقِ رسولؐ، سب سے بڑے محافظِ رسولؐ اور سب سے بڑے مصدّقِ رسولؐ ابوطالبؑ تھے۔ حمزہؓ نے تصدیقِ رسولؐ کی اور حریمِ اسلام کی محافظت کے لیے جان نثار کی تو اس کے محرک ابوطالبؑ ہی تھے۔ جعفرؑ نے سفارتِ اسلام کی اور پھر اپنے دونوں بازو کٹوا کر توحید و رسالت کا فدیہ بنے تو اس کا سبب بھی تربیتِ ابوطالبؑ تھی اور اگر علیؑ علانیہ اسلام قبول کر کے مسلمِ اوّل کہلائے تو اس کے پسِ پشت بھی ابوطالبؑ کے پوشیدہ قبولِ اسلام کی حکمت تھی۔ (گویا علیؑ مسلمِ اوّل ہیں تو ابوطالبؑ بھی مسلمِ اوّل ہی ہیں)۔ دوسرے لفظوں میں اگر حمزہؓ سیدالشہداء، جعفرِؑ طیار ہم راہِ ملائکہ اور علیؑ کُلِ ایمان ہیں تو یہ سب ابوطالبؑ ہی کا فیضان ہے۔

علیؑ جو کُلِ ایماں ہے، یہ ہے فیضِ ابوطالبؑ
صدف کا مرتبہ تسلیم ہے تخلیقِ گوہر سے

مشاہدۂ کائنات اور تجربۂ حیات ہے کہ جو شخص اس دُنیا میں آیا اُس نے واپس بھی جانا ہے۔ محسنِ اسلام ابوطالبؑ بھی موت کے دروازے پر ہیں۔ ابوطالبؑ کی رحلت سے رسالت بے سایہاں اور محرومِ اماں ہونے کو ہے اور آخر امرِ الٰہی سے وہ وقت آ گیا کہ علیؑ ابنِ ابی طالبؑ نے رسولِ معظمؐ کو اپنے والدِ محترم کے انتقال کی خبر دی۔ رسولِ حقؐ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہو گیا۔ پھر نہایت ضبط سے کام لیتے ہوئے نحیف و مغموم لہجے میں حضرت علیؑ کو اپنے عمِ گرامی قدر کی تجہیز و تکفین اور تدفین کا حکم دیا اور پھر خود روتے ہوئے جنازے کے ساتھ ساتھ رہے بل کہ پیدل جنازے کے آگے آگے چلے۔

مسلمانو! خدارا اپنی کتابوں کو پڑھو اور انصاف سے کام لو۔ کیا کافر کی تغسیل و تکفین حرام نہیں؟ اور اس سے بڑھ کر کیا رسولِ خداؐ کسی کافر کے جنازے کی مشایعت بھی فرما سکتے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں، اور بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی۔ ابوطالبؑ دنیا سے اُٹھے تو نبیِ نُور

کی دنیا ایک دفعہ تاریک و بے نور ہوگئی۔ رسولِؐ اسلام نے ناصرِ اسلام کا مرثیہ پڑھا جس کی تمہید یہ تھی:

''چچا جان! آپؑ نے صلہ رحم کیا، خدا آپ کو جزائے خیر دے۔
آپؑ نے مجھے پالا پوسا اور میری ذمہ داری لی اور بڑا ہونے کے
بعد بھی میری نصرت کی''۔

پھر فرمایا:

''خدا کی قسم! میں (آپؑ کے لیے) استغفار کروں گا اور (آپؑ
کی) شفاعت بھی۔ چچا جان! ایسی شفاعت جس سے جن و انس
دونوں حیران رہ جائیں گے''۔

اب اس مرثیے کا بین (رثائی عنصر) بھی ملاحظہ کیجیے:

''عمِ محترم! میں آخر کس طرح صبر کروں، آپؑ نے مجھے بچپن سے
پالا، بڑا ہونے کے بعد محبت و شفقت کا سلوک کیا۔ میں تو آپؑ کی
آنکھوں کا نور اور آپؑ کے لیے روحِ رواں تھا''۔

مسلمانو! ہوش کے ناخن لو، جس کا نورِ چشم اور روحِ رواں محبوبِ خدا ہو وہ بھلا کفر کی تاریکیوں میں ایک لمحہ بھی ٹھہر سکتا ہے۔

رسالتِ محمدیہؐ کا حصنِ حصین اور تبلیغِ اسلام کا مضبوط اور مستحکم قلعہ منہدم ہوگیا۔ روحِ رسولؐ افسردہ ہوگئی۔ عام الحزن کا آغاز ہوگیا...... محسنِ رسالتؐ بہت یاد آئے گا۔

تاریخ میں رسالت مآبؐ کے یہ الفاظ محفوظ و مرقوم ہیں:

''قریش مجھے اُس وقت تک کوئی اذیت نہ پہنچا سکے جب تک
ابوطالبؑ کا انتقال نہ ہوگیا''۔

ہجرتِ مدینہ گواہ ہے کہ ابوطالبؑ کے چل بسنے کے بعد ملکِ مکرم حکمِ ایزدی

لے کر آ پہنچا:

"محمدؐ! مکہ سے باہر نکل جاؤ اب مکہ میں تمھارا کوئی نہیں رہا"۔

مکے میں ابوطالبؑ محافظ رسولؐ تھے۔ اب مدینے میں اولادِ ابوطالبؑ یہ فریضہ ادا کرے گی۔ سورۂ انفال کے چوہترویں آیہ میں ارشادِ رب العزت ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ

"جن لوگوں نے جگہ دی (پناہ دی) اور مدد کی وہ حقیقی مومن ہیں"۔

ابوطالبؑ نے جو پناہ دی تھی اور جو وعدۂ نصرت فرمایا تھا وہ صرف ذاتِ محمدؐ کی نصرت کا وعدہ نہ تھا بلکہ نصرتِ اسلام کا وعدہ تھا، لہٰذا یہ نصرت نسل در نسل جاری رہی اور تا قیامِ قیامت جاری رہے گی۔

ختمی مرتبتؐ نے بدر کے معرکے میں قدم قدم پر یاد آنے والے چچا جان کو بہت شدت سے یاد کیا۔ جب زخمی ابوعبیدہ کی یہ بات سنی کہ اے خدا کے رسولؐ! کاش آج ابوطالبؑ زندہ ہوتے تو دیکھتے کہ ان کے کلام کی کس طرح تصدیق ہو رہی ہے۔ بے شک اُنھوں نے سچ فرمایا تھا کہ کعبہ کی قسم! ہم محمدؐ کو اس وقت تک تمھارے حوالے نہیں کر سکتے جب تک کہ شمشیر زنی اور نیزہ بازی کا ایسا مظاہرہ نہ ہو جائے کہ جس میں ہم سب ہلاک ہو جائیں اور اپنے بیوی بچوں سے یک سر غافل ہو جائیں۔

ابوعبیدہ کے یہ وفادارانہ کلمات سن کر روحِ رسولؐ تڑپ گئی۔ شفیق چچا کی تصویر آنکھوں میں پھرنے لگی۔ ابوطالبؑ بہت یاد آئے۔

ابوطالبؑ کے بھائی حمزہؓ، بیٹے علی مرتضیٰؑ اور بھتیجے ابوعبیدہؓ نے جنگ کا پانسا پلٹ دیا۔ فتح بدر مبارک ہوئی۔ پھر اُحد کا معرکہ درپیش ہوا تو ابوطالبؑ کے فرماں بردار بھائی حمزہؓ نے اپنی جان کی بازی لگادی اور ابوطالبؑ کے بیٹے (لَافَتٰی اِلَّا) علیؑ نے

اپنی جان کی پروا کیے بغیر تحفظ رسالت کیا۔ پھر خندق میں ابوطالبؑ کے فرزند ارجمند نے محمد مصطفیٰؐ پر بھونکنے والے کتے عمرو ابنِ عبدِ ود کی ایسی خبر لی کہ اُسے دو ٹکڑے کر کے رکھ دیا۔ پھر خیبر کا معرکہ آیا تو جنگ کے چالیسویں روز رسولِ مکرم نے ابوطالبؑ ہی کے بیٹے کو بلایا جس نے ایک انگلی سے درِ خیبر کو اُکھاڑ دیا اور اپنی شمشیرِ آب دار سے مرحب و عنتر کے سے نامی پہلوانوں کو پچھاڑ دیا۔

یہ تو ہے بس ابوطالبؑ کے پسر کی ہمت
ایک انگلی پہ اُٹھا سکتا ہے خیبر کوئی

فتحِ خیبر کے بعد مسلمان امیر ہو گئے۔ پھر فتحِ مکہ نصیب ہوئی۔ پیغمبرِ گرامیؐ نہایت وقار سے مکہ میں داخل ہوئے تو تصور ہی تصور میں ابوطالبؑ کو تلاش کرتے رہے۔ اے رئیسِ مکہ! اے سردارِ بطحا! اے شیخ العرب! آیئے، اپنے راج دُلارے سے ملیے۔ مجھ سے آپؑ کے صلۂ رحم کے بعد آپؑ کے ولی بیٹے نے حقِ اُخوت ادا کر دیا۔

پھر حجۃ الوداع کے لیے تشریف لائے تو اللہ کے رسولؐ نے اپنے اور اپنے پروردگار پر ابوطالبؑ کے احسانات کا بدلہ چکانے کا وقت آ گیا اور بہ اذنِ کردگار فرزندِ ابوطالبؑ کو وصیِ رسول اللہ (یعنی اپنا خلیفہ اور اللہ کی حجت) مقرر کر دیا اور وہ بھی بلافصل۔ پھر امرِ خداوندی سے اس (منصوص من اللہ) وصایت کو تا قیامت وصی در وصی طول دے دیا۔ علیؑ سے مہدیؑ تک بارہ حقیقی اولیائے کرام اوصیائے عظام، محافظانِ اسلام مقرر ہوئے گویا وصایت و حفاظتِ دین لازم و ملزوم ہو گئیں۔

اوّلین وصیِ رسولؐ نے مذکورہ صدر غزوات (وسرایا) کے علاوہ جنگ ہائے جمل و صفین و نہروان میں خوب حفاظتِ اسلام کی۔ پھر حفاظتِ اسلام کرتے کرتے ہی ابوطالبؑ کے (مولودِ کعبہ) دل بند نے محرابِ مسجد میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔

اب ابوطالبؑ کے پوتوں کی باری آئی۔ ایک (امام حسنؑ) حفاظتِ اسلام کرتے

کرتے زہر سے مسموم ہوئے تو دوسرے (امام حسینؑ) نے اسلام کے تحفظ کے لیے تن من دھن کی بازی لگا دی۔ بھرا گھر راہِ خدا میں قربان کر دیا۔ عزیز و اقارب اور یار و انصار کی قربانی کے بعد حالتِ سجدہ میں اپنی جان بھی جان آفرین کے سپرد کر دی حتیٰ کہ خاندانِ رسالت کی بہو بیٹیوں کی عصمت نواز چادروں کا اُتارا جانا بھی قبول کر لیا۔

یہ بھی یاد رہے کہ ابوطالبؑ کے ایک بیٹے یعنی علی مرتضیٰؑ کی اولادِ باوفا ہی شہید راہِ خدا نہ ہوئی، جعفرِ طیارؓ کی اولاد بھی تحفظِ اسلام میں کام آئی اور اولادِ عقیل نے تو اپنے دادا ابوطالبؑ کی اپنے باپ عقیل سے محبت کا حق ادا کر دیا کہ پوری نسلِ عقیل آرزوے ابوطالبؑ کی تکمیل میں صَرف ہوگئی۔ آج عقیل بن ابوطالبؑ کی نسل ناپید ہے لیکن گلشنِ اسلام ثمر آور اور بارآور ہو چکا ہے۔ ①

ابوطالبؑ کے تیسرے معصومؑ فرزند کے کربلا بسانے کے بعد چوتھے سے گیارھویں تک بھی نے خوابِ ابوطالبؑ کو خوب خوب شرمندۂ تعبیر کیا اور اب بارھویں (قائمؑ) کی ابدی و آفاقی حکومت قائم ہونے کو ہے جس میں اس عظیم محسنِ اسلام پر کفر کے فتوے لگانے والوں کو نکیل ڈالی جائے گی۔ رجعتِ آلِ عمران ایمانِ ابوطالبؑ کے اعلانِ عام کا ذریعہ ثابت ہوگی۔ محبتِ ابوطالبؑ ہی توحید پرستوں، رسالت نوازوں اور ولایت مستوں کے ایمان کا معیار ہوگی۔

مسلمانو! ابوطالبؑ کا ایماں اتنا کامل ہے
کہ اُس کے بارھویں بیٹے کا عیسیٰؑ مقتدی ہوگا
(ابوالعلی والحسن)

---

① شاید حضرت ابوطالبؑ کی جنابِ عقیلؓ سے شدید محبت کا یہی راز تھا۔

باب نہم

تحسینِ ابوطالبؑ

اوّلین تاریخِ اسلام

سے

جدید تر تاریخِ اسلام

تک

○

؎ تاریخ کے اوراق میں روشن ہے ترا نام
اے عمِ پیمبرؐ ترا ممنون ہے اسلام
(ابوالعلی والحسن)

○

اس کی مدحت جو تھا پہلا نعت نگار
ہم پر واجب ہے سولی پر چڑھ کر یار

ہم تحریکِ نصرت سے بھی واقف ہیں
ہے تاریخِ ہجرت سے بھی ہم کو پیار

شعبِ ابی طالبؑ سے لے کر کربل تک
کس نے دکھایا مثلِ ابو طالبؑ ایثار

خود بھی ناصرِ دینِ خدا اولاد بھی وقف
ڈھونڈ کے لاؤ عمِ پیمبرؐ سا کردار

پہلے بھی ہم ظلم سے نفرت کرتے تھے
آج بھی ہے طاغوت سے ہم کو ہی انکار

آؤ اپنے خون سے وہ تاریخ لکھیں
جس سے ہو عمرانؑ سے اُلفت کا اظہار

مظہرؔ ہم عمرانؑ کی آل کا لشکر ہیں
عالمِ ذر میں ہم نے کیا تھا یہ اقرار

تمہید

کتاب ہذا کی تالیف میں جیسے باب اوّل کا آغاز مقالۂ افتتاحیہ سے کیا گیا اور اُس میں نہایت اختصار کے ساتھ حضرت ابوطالبؑ کی حیاتِ مبارکہ کے حالات و واقعات اور محاسن ومحامد کا ذکر کر کے اُن کی شخصیت کی عظمت ومنزلت بیان کی گئی بعینہٖ اس باب میں اسلام کی اوّلین تاریخ یعنی تاریخ یعقوبی اور عصرِ حاضر (اکیسویں صدی) کی جدید تر تاریخ المعروف بہ تفسیر اسلام مؤلفہ علامہ فروغ کاظمی (لکھنؤ) سے حضرت ابوطالبؑ سے متعلق اقتباسات پیش کیے جارہے ہیں جب کہ درمیان میں بیسویں صدی کے مایہ ناز محقق، مورخ اور دینی ومذہبی رہنما حضرت علامہ علی نقی النقوی المعروف بہ علامہ نقن صاحب کی تالیف کردہ تاریخ اسلام کی عبارات کو زینتِ قرطاس بنایا گیا ہے (بالواسطہ عالمِ اسلام کی قریب قریب سبھی تواریخ کا نچوڑ ان تواریخ میں بند ہے، لہٰذا آپ کو جابہ جا مختلف سُنّی شیعہ تواریخ کے معتبر حوالے ملیں گے)۔

اس کاوش کا مقصد یہ ہے کہ متعلقہ موضوع پر قارئین ان عظیم تاریخ نگاروں کے رشحاتِ قلم اور تجزیاتِ تاریخ سے بھی واقف ہوسکیں اور بغیر تفریقِ مذہب وملت ہماری اس پیش کش (عرفانِ ابوطالبؑ) کے کامل مطالعہ سے نہ صرف خود حتمی نتیجے پر پہنچ سکیں بل کہ دوسروں کو بھی اپنا ہم نوا بناسکیں (ورنہ عمِ رسولؐ اور محسن وناصرِ رسالتؐ کے بارے میں روزِ محشر رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کیا منہ دکھائیں گے؟! عرفانِ ابوطالبؑ نہایت ضروری ہے)۔

۞ تاریخِ یعقوبی

تاریخ ''الیعقوبی''، جلد دوم میں احمد بن ابی یعقوب بن جعفر بن وہب ابن واضح حضرت ابوطالبؑ کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"......اور (وفات) خدیجہؓ کے تین دن بعد حضرت ابوطالبؑ (بھی) وفات پا گئے۔ ان کی عمر چھیاسی برس اور بعض کے قول کے مطابق نوے برس تھی اور جب نبی اکرم ﷺ کو بتایا گیا کہ ابوطالبؑ وفات پا گئے ہیں تو حضورؐ کے دل پر اس کا بڑا اثر ہوا اور آپؐ کی گھبراہٹ بڑھ گئی۔ پھر حضورؐ اندر تشریف لائے اور آپؐ (حضرت ابوطالبؑ) کی پیشانی کی دائیں طرف چار دفعہ اور بائیں طرف تین دفعہ ہاتھ پھیرا اور فرمایا:

"اے چچا! آپؑ نے (میری) چھوٹی عمر میں پرورش کی اور یتیمی کی صورت میں کفالت کی اور بڑی عمر میں مدد کی۔ اللہ تعالیٰ میری طرف سے آپؑ کو جزائے خیر دے"۔

پھر آپؐ ابوطالبؑ کی چارپائی کے آگے آگے پیدل چلے اور مڑ مڑ کر کہتے تھے: آپؑ نے رشتہ داروں سے صلۂ رحم کیا، آپؑ کو جزائے خیر ملے، نیز آپؐ نے فرمایا: ان ایام میں اس اُمت پر دو مصیبتیں اکٹھی ہوئی ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ ان دونوں میں سے مجھے کس پر زیادہ گھبراہٹ ہے یعنی حضرت خدیجہؓ اور (حضرت) ابوطالبؑ کی مصیبت۔ اور آپؐ سے روایت کی گئی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے چار آدمیوں کے بارے میں وعدہ فرمایا ہے، میرے باپ اور میری ماں اور میرے چچا اور جاہلیت (کے دور) کے میرے ایک بھائی کے بارے میں"۔ (ص ۵۹، اردو ترجمہ از عربی، مترجمہ مولانا اختر فتح پوری)

❁ تاریخ اسلام (مؤلفہ علامہ علی نقی اعلی اللہ مقامہٗ)

اب ہم آتے ہیں تاریخ اسلام، مؤلفہ علامہ علی نقی کی جلد اوّل کی طرف۔ علامہ صاحب اس کے صفحہ اکتالیس پر رقم طراز ہیں:

"یہ (حضرت ابوطالبؑ) پیغمبرِ اسلام ﷺ کے سگے چچا، آپ کے والدِ بزرگوار جناب عبداللہ کے حقیقی بھائی تھے۔ دونوں کی

والدہ فاطمہ بنتِ عَمرو مخزومی تھیں۔ جنابِ عبدالمطّلب کے بعد حضرتِ ابوطالبؑ کی پوری زندگی پیغمبرِؐ اسلام اور پھر خود اسلام کی حفاظت و امداد میں گزری جس کی شہادت آغازِ تاریخ اسلام کا ہر ہر قدم دے گا اور اس کا ذکر اپنے محل پر آئے گا"۔

ابوطالبؑ کی مُشفقانہ پرورش (صفحہ ۴۳)

"......حضرت محمدِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر آٹھ برس کی تھی کہ آپؐ کے بزرگ مرتبہ اور انتہائی شفیق دادا کا سایہ بھی سر سے اُٹھ گیا۔ وقتِ وفات اپنے فرزند حضرتِ ابوطالب کو جو پیغمبرِؐ اسلام کے حقیقی چچا تھے آپؐ کی تربیت کے لیے وصیت کی حال آں کہ وہ اپنے باپ کی اولاد میں نہ تو بن میں سب سے بزرگ تھے اور نہ وہ دولت مند ہی تھے مگر عبدالمطّلبؑ نے اس خدمت کے لیے انھی کو منتخب کیا۔ ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ پیغمبر اسلام کے والدِ بزرگ وار عبداللہؑ سے انھیں انتہائی محبت تھی اور پھر اب تک خود رسولِ خدا کے متعلق عبدالمطّلبؑ نے محسوس کر لیا ہوگا کہ آپؐ سے انھیں جو محبت ہے وہ کسی کو نہیں اور اس کے علاوہ شاید سب سے بڑی وجہ یہ ہو کہ ابراہیمی نسل میں جو صفات و اخلاق توارث کے طرز پر چلے آرہے تھے اور جن کی تکمیل کے لیے قدرت نے اس آخری رسولؐ کو بھیجا تھا ان صفات کے حامل اولادِ جنابِ عبدالمطّلبؑ میں اب ابوطالبؑ ہی نظر آتے تھے، لہٰذا انھی کی آغوشِ عطوفت اس پیغمبرؐ کے لیے موزوں و مناسب معلوم ہو رہی تھی۔ چناں چہ ابوطالبؑ نے جس شفقت و محبت سے رسولؐ اللہ کی پرورش کی ہے وہ تاریخ کی ایک متفق علیہ اور مثالی حقیقت ہے۔ آثار کے مشاہدے سے یہ امر نمایاں تھا کہ جیسی محبت انھیں رسولؐ اللہ سے ہے وہ (ویسی) اپنی اولاد سے بھی نہیں ہے جیسا کہ مورخ ابنِ سعد نے لکھا ہے:

كَانَ يُحِبُّهُ شَدِيْدًا لَا يُحِبُّهُ وَلَدَهُ وَكَانَ لَا يَنَامُهُ اِلَّا عَنْ

جَنْبِهٖ وَيَخْرُجُ فَيَخْرُجُ مَعَهٗ وَهَبَّ اَبُوْطَالِبٍ صَبَابَةً لَمْ يَصَبْ مِثْلُهَا بِشَيْءٍ قَطُّ وَكَانَ يَخُصُّهٗ بِالطَّعَامِ وَكَانَ الصِّبْيَانُ يُصْبِحُوْنَ رَمَصًا شُعْثًا وَيُصْبِحُ رَسُوْلُ اللّٰهِ دَهِيْنًا كَحِيْلًا

(طبقات، مطبوعہ لندن، جلد ۱، ص ۷۵-۷۶) ①

سفرِ شام (تاریخ اسلام، ص ۴۴)

حضرت (محمد ﷺ) کی عمر ۱۲ برس کی تھی جب ابوطالبؑ نے ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ شام کا سفر کیا۔ (ابن سعد، ج ۱، ص ۷۶)

پیغمبرؐ خدا نے اصرار کیا کہ میں بھی ساتھ چلوں گا۔ ابوطالبؑ نے آپؐ کو بھی ساتھ لے لیا۔ (ابن ہشام، جلد ۱، ص ۱۱۳)

اس سفر میں بحیرا راہب سے ملاقات ہوئی۔ صرف اتنی دیر کے لیے کہ ابوطالبؑ نے اثنائے سفر میں اس کے گرجا کے پاس منزل کی اور اس نے رسولؐ کے چہرے اور آپؐ کے خط و خال پر نظر ڈال کر خود ہی آپؐ کے متعلق دریافت کیا اور ابوطالبؑ کو ہدایت کی کہ ان کی حفاظت کرو اور ذرا یہود سے ہوشیار رہو۔ کہیں حسد کی وجہ سے انھیں کوئی نقصان نہ پہنچائیں بلکہ منع کیا کہ انھیں وطن واپس کردو اور شام نہ لے جاؤ۔ مگر جناب ابوطالبؑ نے کہا کہ اللہ کی حفاظت کافی ہے۔ (ابن سعد)

[افسوس کہ لوگ پھر بھی ابوطالبؑ کے اللہ پر ایمان کو نہیں مانتے]۔

ابوطالبؑ نکاح خوانِ رسولؐ (ص ۴۸)

جنابِ خدیجہؑ کی طرف سے ان کے چچا عمرو بن اسد نے اور جنابِ رسالت مآبؐ

① علامہ علی نقی صاحب قبلہ نے اس اُردو تاریخ اسلام میں طبقات کی بے اعراب عربی عبارت تو درج کی ہے اس کا اُردو ترجمہ نہیں فرمایا۔ شاید اس اشارے پر ہی اکتفا کیا ہے جو اس عبارت سے پہلے کیا گیا ہے۔

کی جانب سے جنابِ ابوطالبؑ نے صیغۂ نکاح جاری فرمایا۔ جنابِ ابوطالبؑ نے صیغۂ عقد جاری کرنے سے قبل اس مجمع میں جو خطبہ پڑھا تھا وہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ انھوں نے کہا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَنَا مِنْ زَرْعِ اِبْرَاهِیْمَ وَذُرِّیَّةِ اِسْمَاعِیْلَ وَجَعَلَ لَنَا بَیْتًا مَحْجُوْبًا وَحَرَمًا آمِنًا یُحْیٰی نَحْنُ ثُمَّ اِنَّ اِبْنَ اَخِیْ مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَا یُوْزَنُ بِرَجُلٍ مِّنْ قُرَیْشٍ اِلَّا رَجَحَ وَلَا یُقَاسُ بِاَحَدٍ مِّنْهُمْ اِلَّا عَظُمَ عَنْهُ وَاِنْ کَانَ فِی الْمَالِ قَلَّ فَاِنَّ الْمَالَ رِزْقٌ حَائِلٌ وَظِلٌّ زَائِلٌ وَلَهٗ فِیْ خَدِیْجَةَ رَغْبَةٌ وَلَهَا فِیْهِ رَغْبَةٌ وَالصَّدَاقُ مَا سَأَلْتُمْ عَاجِلُهٗ وَاٰجِلُهٗ مِنْ مَالِیْ وَلَهٗ خَطَرٌ عَظِیْمٌ وَشَاْنٌ رَفِیْعٌ وَلِسَانٌ شَافِعٌ جَسِیْمٌ

"ہر تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں ابراہیمؑ کی نسل میں اور اسماعیلؑ کی اولاد میں قرار دیا اور ہمارے لیے ایک گھر بنایا جس کا حج کیا جاتا ہے اور ایک حرم جو مرکزِ امن و امان ہے اور جہاں ہر طرح کے بندے سمٹ آتے ہیں اور ہمیں اپنے اس شہر میں جہاں ہم (سکونت پذیر) ہیں خلق کے قضایا کا طے کرنے والا حاکم بنایا۔ امابعد! میرا بھتیجا محمد بن عبداللہ وہ ہے جس کا قریش کے کسی (بھی) آدمی سے مقابلہ کیا جائے تو اس کا پلہ گراں بھاری نظر آئے گا اور جس سے بھی اس کی نسبت دیکھی جائے یہ اس سے بڑا معلوم ہوگا اور اگر وہ مال و دولت میں کم ہے تو اس سے کیا ہے۔ مال تو اِک وقتی نعمت اور ناپائے دار چھاؤں ہے۔ صورتِ حال یہ

ہے کہ اسے خدیجہؑ کی طرف اور خدیجہ کو اس کی طرف رغبت ہے۔
مہر جتنا تم کہو معجل اور موجل ہر طرح میں اپنے مال سے ادا کروں گا
اور اس کے علاوہ اس ہستی کی ایک عظیم الشان اور بلند منزل اور
مقبولِ بارگاہ بات ہے، جو بڑی اہمیت کی حامل ہے"۔ (أعلام الوریٰ
طبرسی ؒ)

اس خطبہ کے الفاظ اپنے متکلم کی گہری معرفت اور رسولؐ خدا کے حال و مستقبل کے مراتب سے کامل واقفیت کا ثبوت ہیں اور اس کے اندازِ بیان کی بلندی کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ معنی ہی (کے اعتبار سے) نہیں بلکہ کئی جگہ لفظاً بھی اس کلامِ ربانی کے مطابق ہے جو ابھی دنیا میں اُترا بھی نہ تھا۔

"مسلمانانِ عالم" کا مصنف لکھتا ہے کہ:

"بارہ اونس سونا اور پچیس اُونٹ حق مہر مقرر ہوا، جو چچا ابو طالبؑ
کی فیاضی سے فوراً ادا ہو گیا"۔ (ص ۳۸)

اسلام کا پیغامِ انقلاب اور مخالف طاقتیں

......مولانا شبلی لکھتے ہیں: "آں حضرتؐ کی نبوت کو خاندانِ بنی اُمیہ اپنے رقیب (ہاشم) کی فتح خیال کرتا تھا۔ اس لیے سب سے زیادہ اسی قبیلہ نے آں حضرتؐ کی مخالفت کی"۔ (سیرۃ النبیؐ، جلد اول، ص ۱۵۸)

ان (اس) کے علاوہ بنی مغیرہ اور بنی مخزوم۔ ان میں ابوجہل کا چچا ولید بن مغیرہ جو خالد بن ولید کا باپ تھا بہت پیش پیش تھا۔ خود رسولؐ فرماتے ہیں کہ: "ہم سے سب سے زیادہ بغض و عداوت رکھنے والی قومیں بنو اُمیہ، بنومغیرہ اور بنی مخزوم ہیں"۔ (تطہیر الجنان، ابن حجر مکی، ص ۱۴۳)

علامہ علی نقی اپنی "تاریخ اسلام" کے صفحہ ۷۰ پر مزید رقم طراز ہیں:

"مشرکین اب کسی نہ کسی طرح پیغمبرؐ خدا کی زبان بندی کرنا چاہتے تھے۔ اس کے لیے ان میں سے (کئی) جہاں دیدہ افراد نے پہلے پرامن ذرائع اختیار کرنا مناسب سمجھے (سمجھا)۔ اس کے لیے ان کو پہلے سب سے اچھا ذریعہ یہ معلوم ہوا کہ جناب ابوطالبؑ سے کام نکالا جائے۔ ظاہر ہے کہ ان میں سے بہت سے بڑے لوگوں کا جناب ابوطالبؑ سے بچپن کا دوستانہ تھا۔ بہت سے لوگوں نے (کے) ان سے تجارتی تعلقات تھے اور قرابتی سلسلہ نزدیک یا دُور کا تقریباً (قریباً) ان سب سے تھا۔ وہ جانتے تھے کہ اس مادی دنیا میں حضرت محمد مصطفیٰؐ کا سہارا سوا ان کے اور کوئی نہیں ہے۔ اس لیے ناممکن ہے کہ ان کی بات کا ان پر اثر نہ ہو۔ اس لیے یا تو ان کے سمجھانے سے وہ مان جائیں گے اور جو مہم اُنھوں نے شروع کی ہے اسے ترک کردیں گے تو جو مطلب ہے وہ حاصل ہو ہی جائے گا اور یا وہ انکار کردیں گے اور اپنی روش پر قایم رہیں گے تو جناب ابوطالبؑ کی ہم دردی ان سے سلب ہوجائے گی اور ان کے ساتھ ساتھ تمام بنی ہاشم جو حضرت ابوطالبؑ کے زیرِ اثر ہیں وہ بھی کنارہ کشی اختیار کرلیں گے۔ اس طرح محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اکیلے رہ جائیں گے اور پھر ان کے خلاف جو بھی مناسب سمجھا جائے وہ رویہ اختیار کیا جاسکتا ہے۔ یہ سوچ کر ان کا ایک وفد جناب ابوطالبؑ کے پاس آیا۔

جہاں تک ہم نے غور کیا ہے یہاں پر اکثر مؤرخین نے کئی مرتبہ کی گفتگوؤں کو یک جا کر کے بیان کردیا ہے۔ یہ سب باتیں ایک دفعہ نہیں بل کہ مختلف اوقات میں ترتیب کے ساتھ ہوئی ہوں گی۔ پہلی دفعہ اُنھوں نے ملائم آواز میں کہا:

اَنْتَ سَيِّدُنَا وَاَفْضَلُنَا فِي اَنْفُسِنَا وَقَدْ رَأَيْتَ الَّذِيْ فَعَلَ هٰؤُلَآءِ السُّفَهَآءِ مَعَ ابْنِ اَخِيْكَ مِنْ تَرْكِهِمْ اٰلِهَتَنَا وَطَعْنُهُمْ عَلَيْنَا وَتَسْفِيْهِمْ لِعَلَامُنَا

"آپؑ ہمارے سردار ہیں اور ہم سب آپؑ کو اپنے سے بہتر

جانتے ہیں۔ آپؑ دیکھ رہے ہیں کہ ان بے وقوفوں نے آپؑ کے بھتیجے کو ساتھ ملا کر کیا کر رکھا ہے کہ انھوں نے ہمارے خداؤں کو چھوڑ دیا ہے۔ ہم پر اعتراض کرتے ہیں اور ہمیں احمق بنا رہے ہیں"۔ (طبقات ابنِ سعد، جلد ۱، ص ۱۳۴)

اس وقت مطلب اتنا ہی ہوتا کہ آپ اپنے بھتیجے کو سمجھائیے کہ وہ ایسا نہ کریں اور اس سے باز آجائیں اور اس وقت جناب ابوطالبؑ نے بھی رفع الوقتی والا کوئی جواب دے دیا ہوگا جس کے بعد وہ نتیجہ کے منتظر ہو گئے ہوں گے کہ دیکھیں اس کا کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ اس کے بعد جب انھوں نے دیکھا کہ کوئی اثر نہیں ہوا اور آپ کی طرف سے مایوسی ہو گئی کہ ان کی "اصلاح" ممکن نہیں ہے اور اس کے ساتھ اپنی جگہ پر زعمِ ناقص انھیں پیدا ہوا کہ یقیناً اب ابوطالبؑ اپنے بھتیجے سے کچھ بددل ضرور ہو گئے ہوں گے کہ انھوں نے ان کی فرمائش پر عمل نہیں کیا مگر انھوں نے محمدؐ کو مثل اولاد کے پالا ہے اور پالنے کی محبت بہت ہوتی ہے، لہٰذا انھیں ان کا کوئی نعم البدل دے دیا جائے تو شاید وہ تیار ہو جائیں کہ محمدؐ کو ہمارے سپرد کر دیں کہ ہم ان کے ساتھ جو چاہیں سلوک کریں۔

یہ سوچ کر انھوں نے ولید بن مغیرہ کے بیٹے عمارہ کو جو بڑا حسین و شکیل جوان تھا لا کر جناب ابوطالبؑ کے سامنے پیش کیا اور کہا:

قَدْ جِئْنَاكَ بِفَتَى قُرَيْشٍ جَمَالاً وَنَسَبًا وَنَهَادَةً وَشِعْرًا اِنْ تَقْبَلْهُ فَيَكُوْنُ لَكَ نَصْرُهٗ وَمِيْرَاثُهٗ وَتَدْفَعُ اِلَيْنَا ابْنَ اَخِيْكَ فَنَقْتُلُهٗ فَاِنَّ ذٰلِكَ اَجْمَعُ الْعَشِيْرَةَ وَاَفْضَلُ فِيْ عَوَاقِبِ الْاُمُوْرِ غِبَّةً

"ہم آپؑ کے پاس قریش کے اس جوان کو لے کر آئے ہیں جو حسن و جمال، خاندانی شرافت، قد و قامت، گیسو و رخ میں فرد

فرید ہے۔ اسے آپ لے لیجیے یہ آپ کا مددگار رہے گا اور اس کی میراث کے بھی آپ حق دار ہوں گے اور اپنے بھتیجے کو ہمیں دے دیجیے۔ ہم اسے قتل کر ڈالیں کہ ظلمِ قبیلہ اسی صورت سے درست ہوسکتا ہے اور نتائج کے لحاظ سے یہ صورت نہایت مناسب ہے"۔

حضرت ابوطالبؑ نے اس کا انتہائی پیارا اور مسکت جواب دیا، کہا:

"واہ سبحان اللہ! کیا خوب تم لوگوں نے میرے ساتھ انصاف کیا ہے یعنی میں تو تمہارے بچے کو لے کر پالوں اور اسے کھلاؤں پلاؤں اور تم میرے بچے کو مجھ سے لے کر قتل کر ڈالو۔ یہ انصاف تو نہ ہوا، ہاں طاقت کے بل بوتے پر کسی کم زور کو دبانا ہوا"۔

(ابنِ سعد، ج ۱، ص ۱۳۴)

اس جواب کو سن کر وہ جنابِ ابوطالبؑ کی طرف سے بھی مایوس ہو گئے اور سمجھ گئے کہ ان میں اپنے بھتیجے کی طرف سے کوئی بددلی پیدا نہیں ہوئی ہے اور یہی وہ منزل ہوسکتی ہے جس کے بعد جنابِ ابوطالبؑ کو رسولؐ کی زندگی کے متعلق خطرہ محسوس ہونے لگا اور اس احساس میں اتنی شدت ہوئی کہ ایک شام اُنھوں نے رسالت مآبؐ کو گھر پر نہیں پایا تو فقط تردّد نہیں ہوا بل کہ جیسے یقین ہوگیا کہ رسولؐ کو کچھ گزند پہنچا دیا گیا اور اس کے ساتھ ہی اُنھوں نے اولادِ ہاشم و مطّلب کے کچھ جوانوں کو جمع کر کے انھیں ہدایت کی کہ ہر ایک تم میں سے کوئی کاٹ دار لوہے کا ہتھیار لے آئے اور جب ہم مسجد (کعبہ) میں داخل ہوں تو تم میں سے ایک ایک آدمی اُن کے ایک ایک بڑے لیڈر کے پہلو سے پہلو ملا کر بیٹھ جائے اور خصوصیت کے ساتھ ابوجہل کو نہ چھوڑنا (چھوڑے) اور جوں ہی یہ معلوم ہو کہ محمدؐ قتل ہو گئے، فوراً ہر ایک تم ہی میں سے اپنے پاس والے کا خاتمہ کر دے پھر اس کے بعد دیکھا جائے گا۔

سب نے اقرار کیا کہ اطمینان رکھیے ایسا ہی ہوگا۔ اتنی دیر میں جناب زید بن حارثہ نظر آگئے۔ ان پر نظر پڑتے ہی آپ نے پوچھا: ارے تم نے میرے بچے کو دیکھا ہے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں، ابھی تو میں ان کے ساتھ تھا۔

جناب ابوطالبؑ کے جذبات کی شدت اس حد پر تھی کہ کہا: میں گھر کے اندر رہ جاؤں گا؟ نہیں! جب تک اپنی آنکھ سے اسے نہ دیکھ لوں (چین نہیں پاؤں گا)۔

زیدؓ تیزی کے ساتھ رسولؐ خدا کے پاس گئے۔ اس وقت آپؐ کوہ صفا کے پاس بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ زید نے پہنچ کر جلدی جلدی واقعہ کہہ سنایا جسے سن کر فوراً پیغمبرِ خدا اُٹھے اور جنابِ ابوطالبؑ کے پاس آئے۔ انھوں نے کہا: بیٹا کہاں تھے خیریت سے تو تھے؟ حضرتؐ نے فرمایا: جی ہاں! خیریت سے تھا۔ کہا: اچھا بس اندر جاؤ گھر میں بیٹھو۔

ظاہر ہے کہ اتنا ہی واقعہ جنابِ ابوطالبؑ کے عزم و ہمت کے اظہار کے لیے کافی تھا اور نفسیاتی طور پر اس سے خود پیغمبرِ خدا کو جتنی ڈھارس بندھ سکتی تھی اور چچا کی وفاداری پر اعتماد پیدا ہو سکتا تھا وہ بھی ظاہر ہے مگر اس پیرانہ سالی میں مردِ خدا کی جواں مردانہ ہمت کی انتہا یہ ہے کہ اس واقعہ کو اتنے ہی پر (یوں ہی) ختم نہیں ہونے دیا بلکہ جب صبح ہوئی تو انھوں نے پیغمبرِ خدا کا ہاتھ پکڑا اور ان سب ہاشمی و مطلبی جوانوں کو ساتھ لیے ہوئے اس جگہ پر آئے جہاں تمام بزرگانِ قریش جمع تھے اور پھر فرمایا: اے قریش والو! جانتے ہو میں نے رات کو کیا منصوبہ بنا لیا تھا؟ انھوں نے کہا: نہیں، ہمیں نہیں معلوم۔ کہا: اچھا! تو سن لو۔ پھر پورا واقعہ بیان کر دیا اور اپنے ساتھ والوں سے کہا کہ تم (جو) ہاتھ میں ایک ایک ہتھیار لیے ہوئے تھے وہ بھی انھیں دکھلا دو۔ سب نے دیکھا کہ ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک مہلک ہتھیار تھا۔ جنابِ ابوطالبؑ نے کہا: خدا کی قسم! اگر محمدؐ کا بال بیکا ہوا ہوتا تو میں تم میں سے کسی کو نہ چھوڑتا۔ پھر ہم تم سب ہی ختم ہو جاتے۔

تمام مجمع پر ایک سناٹا چھا گیا اور ابوطالبؑ رسولؐ خدا کو لے کر واپس آ گئے۔

تاریخ کا بیان ہے:

وَانْکَسَرَ الْقَوْمُ وَکَانَ اَشَدُّھُمْ اِنْکِسَارًا اَبُوْجَھْلٍ

"پوری قوم پر ایک شکستگی طاری ہو گئی اور سب سے زیادہ دل برداشتہ ابوجہل تھا"۔ (ابنِ سعد، ج ۱، ص ۱۳۴)

اس کے کچھ عرصہ تک مشرکین نے پھر بے چینی کے ساتھ صورت حال پر غور کیا ہوگا۔ محمدؐ مانتے نہیں ابوطالب انھیں چھوڑتے نہیں۔ اب کیا ہو؟ اس کے بعد کی یہ منزل ہوگی کہ انھوں نے طے کیا ہوگا کہ پھر ابوطالبؑ سے بھی نپٹ ہی لیا جائے۔ مگر سوچا ہوگا کہ ایک دفعہ تو اور اتمامِ حجت کر لیا جائے یا یوں کہا جائے کہ انھیں مقابلہ کا چیلنج دے دیا جائے۔ ممکن ہے وہ بعد سے (میں) عرب کی مخالفت سے مرعوب ہو جائیں اور یا محمدؐ کو روک دیں یا ان کا ساتھ چھوڑ دیں۔

یہ سوچ کر اب کی (بار) ذرا کڑے تیوروں کے ساتھ وہ جنابِ ابوطالبؑ کے پاس آئے اور اب انھوں نے یہ سخت قسم کا اندازِ گفتگو اختیار کیا، جو امام الدین صاحب رام نگری کے الفاظ میں یوں تھا کہ:

"ابوطالبؑ! تمھارا بھتیجا ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے، ہمارے باپ دادا کو گم راہ کرتا اور ہمیں احمق ٹھہراتا ہے۔ اب ہم اس ہتک کو برداشت نہیں کر سکتے۔ اس لیے تم یا تو درمیان سے الگ ہو جاؤ اور یا کھل کر سامنے آ جاؤ کہ ہم میں فیصلہ ہو جائے"۔ (رسالہ مولوی، دہلی، ستمبر ۱۹۵۹ء)

......جنابِ ابوطالبؑ کا موقف یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ شروع سے حضرتِ پیغمبر اسلام ﷺ کے پیغام کو درست مانے ہوئے تھے۔ توحید کے، مثل اپنے آباؤ اجداد

کے، وہ ہمیشہ ہی سے قائل تھے اور رسولؐ کو سچا اور امانت دار جب اغیار تک سمجھتے تھے تو وہ کیوں کر نہ سمجھتے۔ قوتِ احساس اور جرأتِ اظہار کی ان میں کمی نہ تھی، جس پر حمایتِ رسولؐ میں ان کے مجاہدات گواہ ہیں اور ماحول اور سماج کا کوئی دباؤ ان پر اثر انداز نہیں تھا۔ اس سب کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جب سے حضرت رسولؐ خدا نے کھل کر اپنی رسالت کا گھر والوں پر اظہار فرمایا پہلے ہی دن سے ابو طالبؑ انھیں اللہ کا رسول تسلیم کرنے لگے۔ مگر ان کی مصلحت یہ تھی جو حکمتِ ربانی کے بھی بالکل مطابق تھی کہ اگر وہ لفظی طور پر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کردیں گے تو حفاظتِ رسولؐ کا کام جس طرح وہ انجام دے رہے ہیں اس طرح انجام نہ دے سکیں گے۔ اس لیے وہ اپنے بچوں کو ہدایت کرتے تھے کہ محمدؐ کے پیچھے نماز میں شریک ہوں مگر خود علانیہ اس صفِ جماعت میں کھڑے نہیں ہوتے تھے جو رسولؐ کی اقتدا میں قایم ہوتی تھی۔ اشعار میں رسالتِ پیغمبرؐ کا اظہار کردیتے جو سوچنے والوں کی ذہنیت پر اثر انداز ہوسکے۔ مگر رسمی الفاظ شہادتین کے اپنی زبان پر نہیں لاتے تھے۔ کہتے اور کرتے وہی تھے جو اسلام کا صحیح تقاضا ہے مگر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان نہیں کرتے تھے۔ ان کے اس طرزِ عمل کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ سوا ایک ابولہب کے جو اپنی سسرال (بنو اُمیہ) کے اثر میں آگیا باقی تمام بنی ہاشم کو بلاتفریقِ مسلم و کافر، پیغمبرِ خدا کی حمایت پر متفق رکھ سکے اور ان کے اسی عمل کے نتیجے میں مشرکین اتنی مدت تک کھل کر رسولؐ کی مخالفت سے باز رہے مگر اب مشرکین کے برداشت و تحمل کا پیمانہ لبریز ہوچکا تھا اور اب وہ "مارو یا مرو" والا انداز اختیار کرکے جنابِ ابوطالبؑ کے پاس آئے تھے تو جنابِ ابوطالبؑ نے مناسب سمجھا کہ ان کی اس جوشیلی تقریر کے جواب میں کوئی پُرجوش انداز اختیار نہ کریں بلکہ اُنھوں نے ملایم انداز میں وعدہ کرلیا کہ اطمینان رکھو، میں پھر اس بارے میں محمدؐ سے ضرور بات کروں گا اور تمھارے خیالات و جذبات سے انھیں مطلع کروں گا۔ اس کے نتیجے میں ایسا محسوس ہوتا

ہے کہ مشرکین کچھ مطمئن ہو کر جناب ابوطالبؑ کے پاس سے واپس ہوئے اور کم از کم اس وقت اُن کا یہ اِشتعال فرو ہو گیا جو انسان کو ہوش و خرد سے کام لینے سے بالکل معذور بنا دیتا ہے۔

نتیجہ بھی معلوم تھا اور جو کچھ اس کے بعد خود کرنا ہے وہ بھی طے تھا کہ جناب ابوطالبؑ نے حضرت پیغمبرِ خدا کے سامنے قوم والوں اور اس تازہ گفتگو اور موقع کی نزاکت کا تذکرہ ضروری سمجھا۔

رسولؐ اللہ نے اس کا وہ تاریخی جواب دیا جو ایک بشر کے کردار کی عالمِ ظاہر میں انتہائی معراج ہو سکتی ہے۔ دیکھنے کی بات ہے کہ بے ماں باپ کا یتیم جس کی پرورش اس چچا نے کی جس کے کلمۂ حق کے زبان پر آتے ہی تمام قوم خون کی پیاسی پہلے سے ہے۔ دُنیائے آب و گل میں بس ایک یہ چچا ہی ہے جو اَب تک پشت پناہ رہا ہے۔ اب وقت اتنا نازک آ گیا ہے کہ اگر یہ چچا بھی دُنیا کے چچاؤں کا ایسا ہو تو اس صورتِ حال میں یہ بھی ساتھ نہیں دے سکتا۔ وہ اس وقت اپنی گفتگو میں دشمنوں کی کثرت و طاقت اور اپنی پیرانہ سالی و ضعف و قلت کے احساس کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس کے بعد کے خطرات میں آپ کی حفاظت، سے اپنے آپ کو قاصر محسوس کر رہا ہے جس سے انتہائی پریشانی و اضطراب ہے۔ مگر پیغمبرؐ کیا جواب دیتے ہیں؟ وہ چند جملے ملاحظہ کیجیے جن میں آدمؑ سے لے کر اب تک کے تمام انبیاؑ و مرسلینؑ کے عزم و استقلال کی روح سمٹ کر آ گئی ہے۔

”خدا کی قسم! یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند رکھ دیں جب بھی اس دعوتِ حق سے باز نہیں آ سکتا۔ یا تو خدا مجھے غالب کرے گا یا میں اسی سعی میں کام آ جاؤں گا“۔

(ابنِ ہشام، جلد ۱، ص ۸۹)

اس کے بعد علامہ علی نقی قبلہ رقم طراز ہیں:

"کے اے حمید بی اے (لنڈن) بیرسٹرایٹ لاء لاہور (موصوف بیرسٹرایٹ لاء لندن ہی سے تھے البتہ پریکٹس لاہور میں کرتے تھے) نے اپنی کتاب "مسلمانانِ عالم" میں جس پر مولانا سید سلیمان ندوی کا مقدمہ بھی ہے اُموی رُجحانات کی پوری پوری نمائندگی کرتے ہوئے انتہائی گستاخانہ انداز میں ہر مقام پر جنابِ ابوطالبؑ کا استخفاف کیا ہے مگر یہاں حقانیت کے دباؤ سے انھوں نے بھی جو جواب جنابِ ابوطالبؑ کا درج کیا ہے، وہ سب کچھ بتا دینے کے لیے کافی ہے جو ہم نے جنابِ ابوطالبؑ کے موقف کی کسی حد تک تشریح کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"بوڑھے چچا کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ کہا: میں یہاں آنے سے پیش تر ہی تمھارے جواب سے واقف تھا۔ خیر جب تک میں زندہ ہوں تمھاری مدد کروں گا"۔

ابوطالبؑ نے قریش کے لوگوں سے کہا: تم محمدؐ کو جانتے ہو وہ ایک شریف اور معزز انسان ہے۔ تم نے خود ہی اسے "امین" کا خطاب پیش کیا تھا۔ اس کا زاویہ نگاہ تم سے علاحدہ ہے۔ وہ ایک خدا کی پرستش کرتا ہے۔ تم اسے خدا کی پرستش سے کیوں روکتے ہو؟ اور اس کے لیے اس کی جان پر مصیبتیں کیوں ڈھا رہے ہو۔ (مسلمانانِ عالم، جلد ۱، ص ۳۵-۳۶)

یہاں پر علامہ علی نقی رقم طراز ہیں:

اگر جنابِ ابوطالبؑ مسلک میں رسولؐ سے متحد نہ تھے تو رسولؐ کے جواب پر غصہ آنے کے بجائے اُن کی آنکھوں سے آنسو کیوں نکل آئے؟ وہ اگر واقعاً رسولؐ کو منع کرنے ہی کے لیے آئے تھے تو آپؐ کے جواب پر یہ کیوں کہا کہ "میں یہاں آنے سے پیش تر ہی تمھارے جواب سے واقف تھا"۔

پھر لکھتے ہیں: ”صاف وجہ ظاہر ہے (وجہ صاف ظاہر ہے) جو ہم نے بیان کی ہے کہ یہ سب حکمتِ عملی تھی ورنہ وہ جانتے تھے کہ ہزار مصیبتیں آئیں، رسولؐ کو اپنے مشن کو ترک نہیں کرنا چاہیے اور نہ وہ ترک کریں گے اور مجھے بھی آخر دم تک اُن کا ساتھ دینا ہے۔ چاہے اس سلسلہ میں مجھے اپنی اولاد تک کی قربانی پیش کر دینا پڑے جس کا عملی مظاہرہ اس کے بعد وقت آنے پر ہو جائے گا“۔

اب علامہ صاحب ”براہِ راست معاملات کی کوشش“ کے زیرِ عنوان تحریر کرتے ہیں: ”......تاریخ میں جو واقعات کا سلسلہ ہے وہ ترتیبِ واقعات کے بہ ظاہر مطابق نہیں ہے۔ چناں چہ گذشتہ تمام واقعات کے بعد یہ ذکر آتا ہے کہ جب تخویف کی تمام صورتیں بے کار ثابت ہوئیں اور جنابِ ابوطالبؑ کے ذریعے سے کاربراری ہوتے نظر نہ آئی تو اب وہ سوچے کہ ترغیب کی صورت اختیار کی جائے اور براہِ راست محمدؐ سے گفتگو کی جائے۔ اس کے لیے عتبہ بن ربیعہ کو جو ان کا ایک موقر سردار تھا رسولؐ کے پاس بھیجا۔ یہ عتبہ کون ہے؟ وہی جس کی بیٹی ہند بنتِ عتبہ، ہندۂ جگرخوار مشہور ہے جو ابوسفیان کی بیوی اور امیرِ شام معاویہ کی ماں ہے“۔

عتبہ نے حضرت محمدؐ سے مل کر انھیں اپنا سردار بنانے، کسی بڑے گھرانے کی حسین لڑکی سے نکاح ٹھہرانے اور دولت و ثروت قدموں میں ڈال دینے کی پیش کش کی۔ اُس کے جواب میں حضورؐ نے کچھ گفتگو نہ فرمائی بل کہ قرآن کی کچھ آیات سنائیں جس پر وہ واپس آ گیا (چلا گیا) اور قریش سے کہا کہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔

اس صورتِ حال پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ علی نقی لکھتے ہیں:

”......ہمارے نزدیک گذشتہ غیظ و غضب اور اِشتعال کے واقعات سے اس گفتگو کا کوئی تناسب نہیں ہے بل کہ ترغیب کا درجہ تخویف سے مقدم ہوتا ہے۔ اس لیے یہ سابق کے بیان شدہ بہت سے واقعات سے پہلے کی بات ہوگی جس کے صحیح وقت کا

تعین ہم نہیں کر سکتے ہیں۔

طمع اور خوف دونوں کے استعمال کے باوجود ناکام ہونے پر قریش مسلمانوں پر تشدد پر اُتر آئے۔

یہاں علامہ علی نقی قبلہ نے "طبقات ابنِ سعد" اور "اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ" کے حوالوں سے مسلمانوں پر ہونے والے ظلم و ستم پر بات کی ہے۔ نیز اعیان الشیعہ میں درج علامہ سید محسن امین عاملی کے دو جملے بھی تحریر کیے ہیں:

مَنَعَ اللهُ رَسُولَ اللهِ مِنْهُمْ بِعَمِّهِ أَبِي طَالِبٍ

"خداوند عالم اپنے رسول کو (کی) ان کے چچا ابوطالبؑ کے ذریعے حفاظت کر رہا تھا"۔

نیز ملکِ حبشہ کی طرف ہجرت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے مہاجرینِ حبشہ کی تعداد اور قیادت کے سلسلے میں رقم طراز ہیں: اسی مرد اور اٹھارہ عورتیں۔ ان میں جناب جعفرؑ بن ابی طالبؑ تھے اور اُن کی شریکِ حیات جنابِ اسماء بنت عمیس۔

(اعیان الشیعہ، ج ا، ص ۹۲)

اب ہم دیکھتے ہیں کہ ابوطالبؑ کے بیٹے بھی ابوطالبؑ ہی ثابت ہوئے۔ علامہ علی نقی نے اپنی تاریخِ اسلام میں نئے باب کا آغاز اس عنوان سے کیا ہے: "شہنشاہِ حبش کا دربار اور جعفر کا تبلیغی کارنامہ"۔

اس کے بعد علامہ صاحب نے اسلام کی رفتارِ ترقی پر بات کی ہے اور پھر عظمتِ ابوطالبؑ کو واضح کرنے کے لیے جو سرخی سجائی ہے وہ حسبِ ذیل ہے:

شعب ابوطالبؑ میں محصوری

"مشرکین کی سب تدبیریں ختم ہو چکی تھیں۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ اسلام کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔ حبشہ میں جنابِ جعفر اور دوسرے لفظوں میں اسلام کو

جو کامیابی ہوئی اس نے اور زیادہ ان کو پریشان کر دیا۔ وہ یقینی طور پر محسوس کر چکے تھے کہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی سرگرمی سے باز نہیں رکھا جاسکتا اور یہ بھی کہ ابوطالبؑ کو آپ کی نصرت وحمایت سے ہاتھ اُٹھانے پر آمادہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے ساتھ ساتھ صورتِ حال یہ ہے کہ جنابِ ابوطالبؑ کے اثر سے دوسرے بنی ہاشم یہاں تک کہ جنھوں نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا ہے وہ بھی رسولؐ کی تائید وحمایت پر آمادہ رہتے ہیں۔ لہٰذا اب انھوں نے تمام بنی ہاشم پر سماجی، کاروباری اور معاشی دباؤ ڈالنے کا فیصلہ کیا کہ جب یہ سب غیر معمولی پریشانی میں مبتلا ہوں گے کہ وہ اپنے رویّے میں تبدیلی کریں اور یا یہ سب ان سے علاحدہ ہو جائیں گے۔ کم از کم ان میں پھوٹ تو پڑ جائے گی۔ پھر ابوطالبؑ اپنی ذات سے یا تھوڑے آدمی اور رسول اللہؐ کے ساتھ رہ بھی گئے تو کیا کر سکتے ہیں؟ اس لیے انھوں نے بنی ہاشم کے سوا دوسرے تمام قبائل کو جمع کر کے آپس میں یہ معاہدہ کیا کہ تمام بنی ہاشم کا مقاطعہ کیا جائے اور نہ خرید وفروخت، نہ کسی قسم کا میل جول رکھا جائے اور جس طرح ممکن ہو محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زندگی کا خاتمہ کیا جائے۔ چناں چہ اس معاہدے کو ایک دستاویز کی شکل میں لکھ کر سب قبیلوں کے نمائندوں کے دستخط لیے گئے اور اسے جوفِ کعبہ میں آویزاں کر دیا گیا اور بعثتِ رسولؐ کے ساتویں برس محرم کی پہلی تاریخ کو اس محاصرے کا آغاز ہو گیا۔ (طبقات ابنِ سعد، ج ۱، ص ۱۳۹۔۱۴۰)

جنابِ ابوطالبؑ نے تمام بنی ہاشم کو جمع کیا اور اپنے ایک مکان میں جو پہاڑی کی گھاٹی میں ایک محفوظ قلعہ کی شکل میں تھا اور شعبِ ابی طالبؑ کے نام سے مشہور تھا، ان سب کو محفوظ کر دیا۔

علامہ طبرسی لکھتے ہیں کہ یہ سب چالیس آدمی تھے اور جنابِ ابوطالبؑ نے کعبہ وحرم اور رکن ومقام کی قسم کھا کر کہا کہ اے بنی ہاشم! سن لو کہ اگر محمدؐ کا بال بیکا ہوا تو

میں (تم) سب کو موت کے منہ میں دے دوں گا۔ (اعلام الوریٰ)

صرف ابولہب تھا جو بنی ہاشم سے کٹ کر الگ ہوگیا اور اس نے باقی قبائل قریش کا ساتھ دیا۔ (ابنِ سعد، ج ۱،ص ۱۴۰)

مشرکین نے اس محصور جماعت پر آب و دانہ بند کر رکھا تھا۔ اس لیے کہ مکہ کے تو سب لوگ خود یہ عہد کیے ہوئے تھے کہ ان کے ہاتھ کوئی چیز فروخت نہیں کریں گے اور جو باہر کے آدمی تھے وہ ان کے خوف سے بنی ہاشم کے ہاتھ کوئی چیز فروخت نہ کرتے تھے اور اگر کوئی کچھ فروخت کر دیتا تھا تو مکہ والے اس کا مال و متاع لُوٹ لیتے تھے۔ اس میں اتنی زبردست سرگرمی (مستعدی) سے کام ہو رہا تھا کہ ابوجہل، عاص بن وائل، نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط ایسے بڑے سرغنہ لوگ خود ان راستوں پر جو مکہ معظمہ میں داخل ہوتے ہیں گشت کرتے تھے اور جسے دیکھتے تھے کہ اس کے پاس کوئی غلہ وغیرہ تجارتی ہے، اُسے کہہ دیتے تھے کہ وہ بنی ہاشم کے ہاتھ کوئی چیز فروخت نہ کرے ورنہ نقصان اُٹھائے گا۔ (اعلام الوریٰ) [عبارت کا اُسلوب مترجم کا اپنا ہے]

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کئی کئی وقت کھانا پانی نہیں ملتا تھا اور بعض وقت بھوک پیاس سے چھوٹے بچوں کے رونے اور بلبلانے کی آواز گھاٹی کے باہر تک سنائی دیتی تھی۔

(ابنِ سعد، ج ۱، ص ۱۴۰)

پھر یہ کہ ہر شب کو یہ خطرہ تھا کہ کہیں مشرکین رسالت مآبؐ کی زندگی کا خاتمہ نہ کردیں اس لیے جناب ابوطالبؑ پوری رات جاگ کر بسر کرتے تھے اور جب رسولؐ آرام فرماتے تھے تو وہ تلوار لیے پیغمبرؐ کے بستر کے پاس کھڑے رہتے تھے۔ رات میں کئی دفعہ حفاظت کے لیے جگہ بدل بدل کر آپؐ کو لٹاتے تھے اور دن میں اپنے بیٹوں اور بھتیجوں کو آپ کے پاس رکھتے تھے۔ یہ عالم دو چار مہینے نہیں بل کہ تین سال تک برقرار رہا۔ درمیان میں صرف موسمِ حج میں جب کہ خون ریزی سے پرہیز کرنے کی

پابندی رہتی تھی رسولؐ خدا شعب سے باہر نکلتے تھے اور مختلف قبیلوں میں دورہ کر کے انھیں پیغامِ الٰہی قبول کرنے پر آمادہ فرماتے تھے مگر ابولہب ساتھ لگا رہتا تھا۔ وہ کہتا جاتا تھا کہ یہ میرا بھتیجا ہے اس کی بات نہ ماننا، یہ (معاذ اللہ) غلط گو اور جادوگر ہے۔ موسمِ حج گزرنے کے ساتھ ہی پھر رسولؐ اور تمام بنی ہاشم مکان میں بند ہو جاتے تھے۔

اس سختی و صعوبت نے ایک طرف ان محصورین کو جسمانی طور پر انتہائی بے تاب و ناتواں بنا دیا اور دوسری طرف مالی مشکلات کی بھی حد نہ رہی۔ جنابِ خدیجہؑ جو ملکۃ التجارِ عرب تھیں ان کی پوری دولت اسی تین برس کے محاصرے میں اسلام اور پیغمبرؐ اسلام کے کام آگئی کیوں کہ کئی کئی وقت کے بعد آب و غذا جو ممکن ہوتا تھا وہ بھی بسا اوقات بڑی زیادہ قیمت پر (خریدنا پڑتا تھا)۔

اس دوران (میں) مشرکین نے یہ جانچ کی کہ بنی ہاشم اور بالخصوص جنابِ ابوطالبؑ کی اخلاقی قوت میں کوئی کم زوری پیدا ہوئی یا نہیں مگر کیا کہنا اس پیرجواں ہمت کے استقلال کا، جس نے ہمیشہ کی طرح اب بھی انھیں مایوس کن جواب ہی دیا۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس ابتلا میں صرف بنی ہاشم (مبتلا) تھے اور باقی مسلمان جو دوسرے قبائل کے تھے اُن سے کوئی سروکار نہ تھا اور یہ انتہائی حیرت کی بات ہے کہ ان لوگوں نے اس طویل عرصہ میں، جو تین برس کا ہے، کسی قسم کی ہم دردی کا بھی حضرتِ پیغمبرؐ اسلام سے ثبوت نہیں دیا۔ یہاں تک کہ یہ بھی پتا نہیں چلتا کہ اُنھوں نے کن (کچھ) ذرائع سے رسولؐ تک آب و غذا پہنچانے کا بھی بندوبست کیا ہوتا، یا یہ بھی نہیں ملتا کہ انھوں نے اپنے اثرات یا تعلقات سے جو اُن کے اور روسائے مشرکین کے درمیان تھے گفت و شنید ہی کر کے اُن کو اس محاصرہ کے اُٹھانے یا اس کے نرم کرنے پر آمادہ کیا ہو۔ ایسی کوئی روایت نہیں ملتی جب کہ ابوالعاص بن ربیع کے متعلق جو کافر تھا، یہ بیان صحیح ہو یا نہ ہو مگر یہ مل جاتا ہے کہ چوں کہ عام مورّخین کی زبان میں جنابِ خدیجہؑ

کی بیٹی اور بعض کے بیان کے مطابق بھانجی (اس سے) منسوب تھیں تو اس رشتے کا حق وہ ادا کر رہا تھا کہ کبھی راتوں کو آب و طعام کے پہنچانے کا انتظام کر دیتا تھا۔ (أعلام الوریٰ)

مگر بڑے بڑے دعوے دارانِ وفاداری و جاں نثاری کا کسی ضعیف سے ضعیف روایت میں بھی نام نہیں آتا کہ اُنھوں نے کوئی اس طرح کی غم گساری کی ہو، یہ ہزار ہزار عبرتوں کا سرمایہ ہے اور ایسا معتا ہے جو کسی صورت سے تاریخ و حدیث کے مطالعہ سے حل نہیں ہوتا۔

آخر قدرت کا کرشمہ ہی کہا جاسکتا ہے کہ اس عہد نامے کی دستاویز کو جو کہ ① روسائے قریش کی مہر کردہ کعبہ کے اندر آویزاں تھی، دیمک نے کھا لیا اور حیرت انگیز بات یہ تھی کہ بس اتنا حصہ چھوڑ دیا جس میں اللہ کا نام اور اس کی ثنا و صفت تھی اور پھر اس سے زیادہ قدرتِ ربانی کا ظہور یہ تھا کہ اس کی اِطلاع حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہوگئی جو کہ قلعہ کے اندر محصور تھے اور ان کے روابط بھی باہر (والوں سے) منقطع تھے۔ اس کی کوئی توضیح مادی اَسباب سے ہونا ناممکن ہے۔ یہ اور بات ہے کہ موجودہ زمانے کے مذاق کو پیشِ نظر رکھ کر معجزات وغیرہ کے تذکرے سے پرہیز کرنے والے موٴرخین ایسی لفظوں میں اس کا ذکر کریں جو کسی اعجاز کا اظہار نہ کرتی ہوں۔ جیسے "مسلمانانِ عالم" کے مصنف نے لکھا ہے:

"اِتفاق کہیے یا قدرت کا ہاتھ اس حکم نامہ کو دیمک چاٹ گئی۔ جب رسولِ خدا کو اس کی خبر پہنچی تو ابو طالبؑ سے مخاطب ہوئے: چچا! خدا کے ایک ناتواں کیڑے نے قریش کے حکم نامہ کا خاتمہ کر دیا ہے۔ وہ حکم نامہ جو مجسم ناانصافی، ظلم و تعدی کی ایک شہادت تھی کیڑا چاٹ گیا ہے اور سوائے اللہ کے نام کے وہاں کچھ بھی نہیں رہا"۔

اب اصل واقعہ کو اتفاق کہیے یا قدرت کا ہاتھ مگر رسولِ خدا کی اِطلاع کو یوں کہنا

① جو کے بعد 'کہ' کا استعمال مناسب نہیں۔

کہ جب رسولؐ خدا کو اس کی خبر پہنچی، کہاں تک حقیقت کے مطابق ہو سکتا ہے جب کہ صورت حال یہ بتاتی ہے کہ جس کا حال خود اس مصنف کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک اس لپٹی ہوئی دستاویز کو کعبہ کے اندر جا کر کسی نے دیکھا ہی نہ تھا کہ اس کا کیا حال ہے اور اس لیے خود مشرکین کو اس کی اطلاع نہ تھی۔ ظاہر ہے کہ سوا غیبی ذریعے کے رسولؐ کو اس واقعہ کے معلوم ہونے کی کوئی صورت ہی نہ تھی۔ آپؐ نے جناب ابوطالبؑ سے بلا کر اس واقعہ کا اظہار کیا تو اگر کوئی اور چچا ہوتا جس کے ایمان بالرسولؐ میں ذرا بھی نقص ہوتا تو وہ اس بھتیجے سے جرح کرتا کہ آخر اس کی اطلاع تمھیں کیوں کر ہوئی مگر یہ تو حضرت ابوطالب رضوان اللہ علیہ (علیہ السلام) تھے جن کا ایمان رسولؐ کی رسالت پر پہاڑوں سے زیادہ مستحکم تھا کہ اسی "تاریخ مسلمانانِ عالم" کے الفاظ میں:

> "ابوطالبؑ فوراً قریش کے سرداروں کے پاس پہنچے اور کہا کہ یہ بات جو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بتاتا ہے درست ہے؟ اگر یہ ٹھیک ہے تو تمھیں فوراً اس کی مخالفت چھوڑ دینی چاہیے مگر برعکس اس کے اگر یہ غلط ہے تو میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ میں محمدؐ کو تمھارے حوالے کر دوں گا"۔

اس گفتگو سے بھی ظاہر ہے کہ یہ خبر کسی مادی ذریعے سے پہنچی ہوئی نہ تھی ورنہ اس کی صحت معیارِ حقانیت کیوں کر ہو سکتی تھی۔ نیز یہ بھی اس سے ظاہر ہے کہ جناب ابوطالبؑ جو رسولؐ کا ساتھ دے رہے تھے وہ فقط بھتیجے کی محبت میں نہیں بل کہ (خدا کا) سچا رسولؐ سمجھنے کی وجہ سے، ورنہ اس اطلاع کے غلط ہونے کے مفروضہ پر جو ان کے نزدیک فرضِ محال کی حیثیت رکھتا تھا، وہ یہ نہ کہتے کہ پھر میں بھی ساتھ چھوڑ دوں گا اور انھیں تمھارے حوالے کر دوں گا۔

اب کیا ہوا؟ اسی مورخ کی زبانی سنیے کہ:

"ابو طالبؓ مع سردارانِ قریش کعبہ میں پہنچے۔ وہاں عوام کثرت سے حکم نامہ دیکھنے کے لیے جوق در جوق جمع تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ وہ واقعہ عین درست تھا اور سوائے اللہ کے (ذکر کے) حکم نامہ کا نام ونشان باقی نہ رہا تھا"۔ (مسلمانانِ عالم، ج ۱، ص ۵۵-۵۶)

قدیم ترین (مؤرخین میں سے ایک) مؤرخ ابنِ سعد نے اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

ثُمَّ اِطَّلَعَ اللّٰهُ رَسُوْلَهٗ عَلٰى اَمْرِ صَحِيْفَتِهِمْ وَاَنَّ الْاَرْضَةَ قَدْ اَكَلَتْ مَا كَانَ فِيْهَا مِنْ جَوْرٍ وَّظُلْمٍ وَّبَقِيَ مَا كَانَ فِيْهَا مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ فَذَكَرَ ذٰلِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ لِاَبِيْ طَالِبٍ فَذَكَرَ ذٰلِكَ اَبُوْ طَالِبٍ لِاِخْوَتِهٖ وَخَرَجُوْا اِلَى الْمَسْجِدِ فَقَالَ اَبُوْ طَالِبٍ لِكُفَّارِ قُرَيْشٍ اِنَّ ابْنَ اَخِيْ قَدْ اَخْبَرَنِيْ وَلَمْ يَكْذِبْنِيْ قَطُّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ سَلَّطَ عَلٰى صَحِيْفَتِكُمُ الْاَرْضَةَ فَلَحَسَتْ مَا كَانَ فِيْهَا مِنْ جَوْرٍ وَّظُلْمٍ اَوْ قَطِيْعَةِ رَحِمٍ وَبَقِيَ فِيْهَا كُلُّ مَا ذُكِرَ بِهِ اللّٰهُ فَاِنْ كَانَ ابْنُ اَخِيْ صَادِقًا نَزَعْتُ عَنْ سُوْءِ رَاْيِكُمْ وَاِنْ كَانَ كَاذِبًا دَفَعْتُهٗ اِلَيْكُمْ فَقَتَلْتُمُوْهُ وَاسْتَحْيَيْتُمُوْهُ قَالُوْا قَدْ اَنْصَفْتَنَا فَاَرْسَلُوْا اِلَى الصَّحِيْفَةِ فَفَتَحُوْهَا فَاِنَّ هِيَ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَسُقِطَ فِيْ اَيْدِيْهِمْ وَنَكَسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ فَقَالَ اَبُوْ طَالِبٍ عَلَامَ نُحْبَسُ وَنُحْصَرُ وَقَدْ بَانَ الْاَمْرُ ثُمَّ دَخَلَ هُوَ وَاَصْحَابُهٗ بَيْنَ اَسْتَارِ الْكَعْبَةِ الْكَعْبَةِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ انْصُرْنَا مِمَّنْ ظَلَمَ وَقَطَعَ اَرْحَامَنَا وَاسْتَحَلَّ مَا يَحْرُمُ عَلَيْهِ مِنَّا (طبقات، ج ۱، ص ۱۴۰، باہتمام اعراب از خود)

"پھر اللہ نے اپنے پیغمبرؐ کو ان کی دستاویز کے واقعہ کی اطلاع دی اور یہ کہ دیمک نے وہ تمام تحریر، جس میں ظلم وستم کی باتیں تھیں، کھالی ہے اور جتنا حصہ ذکرِ الٰہی کا اُس میں تھا وہ باقی رہ گیا ہے۔ رسولؐ نے اس کا ابوطالبؑ سے ذکر کیا انھوں نے فوراً اپنے بھائیوں کو بلا کر ان سے کہا اور یہ لوگ وہاں سے نکل کر مسجد میں آئے اور ابوطالبؑ نے کفار قریش سے کہا کہ میرے بھتیجے نے مجھے اطلاع دی ہے (اور اس نے کبھی مجھ سے کوئی جھوٹ بات نہیں کہی ہے) کہ اللہ نے تمھاری دستاویز پر دیمک کو مقرر کیا اور اس نے جو کچھ اس میں ظلم و جور اور قطع رحم کی باتیں تھیں سب کو کھالیا ہے اور بس جو ذکرِ الٰہی کا حصہ ہے وہ رہ گیا ہے۔ اب میرا بھتیجا سچا ہے تو تمھیں اپنے غلط خیالات سے باز آنا چاہیے اور اگر اس کی بات غلط نکلے تو مَیں تیار ہوں کہ اسے تمھارے سپرد کردوں پھر چاہو تو اُسے قتل کردو یا زندہ رکھو۔ ان سب نے کہا یہ آپؑ نے بالکل انصاف کی بات کہی۔ چناں چہ اس دستاویز کے معائنہ کو آدمی بھیجے جنھوں نے جا کر اس کو کھولا تو دیکھا کہ بالکل اس کی وہی کیفیت ہے جو رسالت مآبؐ نے بتائی تھی۔ اب تو وہ بالکل درماندہ ہوگئے اور ان کی گردنیں جھک گئیں۔ جناب ابوطالبؑ نے کہا کہ آخر کس جرم پر ہمیں قید و بند میں رکھا جا رہا ہے جب کہ حقیقت بالکل کھل گئی ہے۔ اس کے بعد آپ اور آپ کے ساتھ کے آدمی کعبہ کے پردوں کے پیچھے جا کر کعبہ کی دیوار سے لپٹ گئے اور کہا: خداوندا! ہماری مدد کر، ان کے مقابلے میں جنھوں نے

ہم پر ظلم کیا۔ ہماری قرابت کے حقوق کو ضایع کیا اور جو سلوک ہمارے ساتھ انھیں روا نہ رکھنا تھا وہ روا رکھا"۔

علامہ طبرسی لکھتے ہیں کہ وہ چالیس آدمی جن کی مہریں اس لپٹی ہوئی دستاویز کو بند کر کے اس پر لگائی گئی تھیں جمع ہوئے اور دستاویز منگوائی گئی تو ان میں سے ہر ہر شخص نے اپنی مہر کو دیکھا، وہ بالکل سالم تھی ٹوٹی ہوئی نہ تھی۔ اس کے معنی یہ تھے کہ کسی شخص نے ان سے پہلے اسے کھول کر دیکھ نہیں لیا ہے۔ پھر ان مہروں کو توڑا گیا تو یہ دیکھا کہ سوا اسم و ذکرِ الٰہی کے اُس کے اندر کچھ بھی نہیں رہ گیا ہے۔ اب جنابِ ابوطالبؑ نے سب کو پکار کر کہا: ارے! اللہ کا خوف کرو اور اب تو اس ظلم و ستم سے باز آجاؤ۔ سب خاموش رہے۔ کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔ اس اتمامِ حجت کے بعد جنابِ ابوطالبؑ مع اپنے ساتھیوں کے پھر اپنے قلعہ میں واپس (چلے) گئے۔ (اَعلام الوریٰ)

ابنِ سعد لکھتا ہے کہ اب خود ان میں پھوٹ پڑ گئی۔ ایک جماعت جن میں سے مطعم بن عدی، عدی بن قیس، زمعہ بن اسود، ابوالبختری، ابنِ ہاشم اور زبیر بن ابی اُمیہ تھے، کھڑی ہوگئی اور انھوں نے اس ظلم و ستم پر لعنت و ملامت شروع کر دی اور خود شعبِ ابی طالب میں جا کر بنی ہاشم و بنی مطّلب سے کہا کہ بس اب تم لوگ باہر نکلو اور اپنے گھروں میں چل کر رہو۔ چناں چہ یہ حضرات اس محاصرے سے نکلے اور اپنے مکانوں پر آئے۔ اس وقت بعثتِ رسولؐ کا دسواں سال تھا۔ (طبقات ابنِ سعد، ج ۱، ص ۱۴۰)

وفاتِ ابوطالبؑ

شعبِ ابی طالبؑ کے شدائد سے نکل کر ابھی اطمینان کی سانس لینے کا موقع نہ ملا تھا کہ غالباً انھی سختیوں اور زحمتوں کے نتیجے میں جو تین سال تک ان محصورین نے برداشت کی تھیں صرف دو ہی مہینے کے بعد (اَعلام الوریٰ طبرسیؒ) بعثت سے دسویں سال ۱۵ شوال (ابنِ سعد، ج ۱، ص ۷۹) کو حضرتِ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے انتہائی شفیق اور جاں

نثار چچا جناب ابوطالب رضوان اللہ (علیہ السلام) نے دنیا سے رحلت فرمائی۔ آپ کی عمر اُس وقت کچھ اُوپر اسی برس تھی۔ (اسد الغابہ، ج ۱، ص ۱۹)

تاریخ اسلام کے اس دس برس کے کافی طویل دور کا مطالعہ کرنے والوں کو جنھیں اس دور میں اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جناب ابوطالبؑ سب کا نام ہر ہر منزل پر ساتھ ساتھ نظر آیا ہے کیا یہ تصور بھی ذہن میں آنا چاہیے کہ اب جب جناب ابوطالبؑ دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں تو اسلامی تاریخ میں کوئی مواد ایسا آجائے گا جو اس حامی و محافظِ اسلام کو اسلام کے احاطے سے ابدالآباد تک کے لیے خارج کر دے مگر بُرا ہو سیاست ملوکانہ کے اس تقاضے کا جس نے جمہور اُمت اسلامی کی تاریخ، حدیث اور تفسیر سب ہی کو متاثر بنا کر رکھ دیا، جس کے ماتحت حضرت علی بن ابی طالبؑ کی سبقتِ ایمانی اور جناب ابوطالبؑ کی خدمات اسلامی کے اثر کو ختم کرنے کے لیے جناب ابوطالبؑ کے دُنیا سے اُٹھنے کے موقع کے لیے یہ حدیث وضع کرائی کہ "جناب رسالت مآبؐ ان کے پاس تشریف لائے اور ان سے فرمایا کہ کلمہ پڑھ لیں مگر اُنھوں نے اس سے انکار کر دیا"۔

اب اس کے بعد پھر بنی اُمیہ کے کاسہ لیس افراد نے اس میں کیا کیا شاخ سانے پیدا کیے ہیں کہ رسولؐ اللہ، ابوطالبؑ کے لیے ایک عرصہ تک استغفار کرتے رہے مگر خدا نے آپ کو اس سے منع فرمایا اور رسولؐ نے معاذ اللہ، مسلمانوں کو ان کے دوزخ میں ہونے کی اطلاع دی۔

یہ سب احسان فراموش روایتیں اس دور کی ہیں جب کہ جناب ابوطالبؑ کی پوری زندگی اسلام کی خدمت میں بسر ہو چکی حال آں کہ خود اہلِ سنت کے محدثین نے اس موقع پر عمِ رسولِ جناب عباسؓ کی شہادت نقل کی ہے جسے شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے ان الفاظ میں لکھا ہے:

می آرند کہ عباس سرِ خود را نزدِ او بُرد و شنید از وے کلمہ

شہادت را وحضرت برسانید پس گفت: اَسْلَمَ عَمُّكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ۔ پس خوش حال شد آن حضرت (مدارج النبوۃ)

"کہتے ہیں کہ عباسؓ اپنا سر اُن کے نزدیک لے گئے اور اُن سے کلمۂ شہادت سنا۔ پھر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: یارسولؐ اللہ! آپؐ کے چچا اسلام لے آئے ہیں۔ پس آں حضرتؐ (یہ بات سن کر) خوش ہو گئے"۔ ①

مگر ہماری تحقیق کے مطابق یہ رسولؐ کی دعوت و تبلیغ کی پوری حکایت بنی اُمیہ کی پیداوار ہے۔ جب کہ عام اصولِ تبلیغ و دعوت کی بنا پر عقلاً بھی اور نصِ قرآنی کی بنا پر نقلاً بھی جنابِ رسالت مآبؐ کا فریضہ یہ تھا کہ آپ پہلے گھر والوں کو تبلیغ فرماتے۔ پھر گھرانے والوں کو، پھر تمام دنیا کو، تو آخر آپ نے اپنے چچا کو کلمہ پڑھوانے کے لیے یہ دس برس کا کیوں انتظار فرمایا کہ جب وہ دنیا سے جانے لگیں اس وقت حضرت ان کے سامنے اس پیغام کو پیش فرمائیں۔

کیا معاذ اللہ وہ رسولؐ جسے کافر تک صادق و امین سمجھتے تھے ان محدثین کے زعم میں معاذ اللہ ابن الوقت سیاست دانوں کی طرح تھا کہ آپؐ نے خیال فرمایا کہ ابھی ان سے رشتہ داروں وغیرہ کی محبت میں جتنا کام نکلتا ہے وہ نکالا جائے اور کلمہ پڑھنے کی بات نہ لائی جائے ورنہ یہ کہیں بھڑک نہ جائیں اور یہ رہی سہی امداد جو مل رہی ہے چلی نہ جائے ورنہ مصیبت ہوگی۔ اس لیے ان کے بچوں کو کلمہ پڑھوا دیا، اپنی چچی جناب فاطمہ بنت اسد کو کلمہ پڑھوایا، دوسرے عزیزوں کو تبلیغ کر دی مگر ان سے کہنے کی معاذ اللہ ہمت نہ ہوئی کہ چچا آپ بھی کلمہ پڑھ لیجیے۔ یہاں تک کہ اب جب کہ ان سے جو کچھ امداد ملنا تھی وہ مل چکی اور ان کا دمِ واپسیں ہوا تو اب آپ نے کھل کر ان کے سامنے

---

① حضرت علامہ نے اُردو ترجمہ نہیں فرمایا تھا، ترجمہ ہم نے خود کیا ہے۔

اسلام کا پیغام پیش کیا اور اب انھوں نے اسے قبول نہ کیا تو آپؐ نے ناراض ہو کر معاذ اللہ ان کے دوزخی ہونے کی خبریں سنانا شروع کر دیں؟ کیا مسلمان اپنے رسولؐ کے کردار کو ایسا ہی سمجھنے اور سمجھانے پر آمادہ ہیں؟

اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو پھر کسی ضعیف سے ضعیف ہی روایت میں سہی، ہمیں ملنا چاہیے کہ جناب رسالت مآبؐ نے اس سے پہلے کبھی اپنے چچا کو دعوت دی ہو کہ وہ کلمۂ اسلام زبان پر جاری کریں۔

ایسا نہیں ہے اور جہاں تک ہمارا مطالعہ ہے یقیناً ایسا نہیں ہے اور درایتاً بھی ایسا نہیں ہوا، اس لیے کہ ایسا ہوا ہوتا تو پھر جنابِ رسالت مآبؐ کو اپنے چچا کی طرف سے اَلْبُغْضُ فِی اللہِ کے ماتحت بھی جو حق پرستی کا لازم نتیجہ ہے اور ایک ایسے مربی اور قریب ترین محبت کا رشتہ رکھنے والے کی طرف سے ایک ایسے دل شکن جواب کو سن کر نفسیاتی طور سے جو قلب پر اثر ہونا چاہیے اس کی بنا پر بھی اتنا صدمہ پہنچنا چاہیے تھا کہ آپ پھر ان کی ہر قسم کی امداد اور تعاون کی پیش کش اور ان کی سرپرستی کی پناہ کو ترک کرنے پر آمادہ ہو جاتے۔ کم از کم اس کی وجہ سے گھر کے اندر کسی خلفشار کا پتا چلنا چاہیے تھا اور کچھ آپس میں تعلقات میں کشیدگی ظاہر ہونا لازم تھی مگر دس برس تمام تبلیغِ اسلام کے کٹھن سے کٹھن مراحل پوری یک جہتی اور تعاون کے ساتھ گزرے اور کسی قسم کی باہمی رنجش کا اثر ذرّہ بھر بھی پیدا نہیں ہوا۔ یہ خود اس بات کا ثبوت ہے کہ رسولؐ ان کے طرزِ زندگی سے مطمئن تھے اور جو کچھ وہ کہتے اور کرتے تھے اسے حضرتؐ ان کے اسلام و ایمان کے ثبوت کے لیے کافی سمجھتے تھے۔ پھر اب ایک دم ان کے عالمِ احتضار میں کیا ہو گیا کہ حضرتؐ کو انھیں کلمہ پڑھوانے کی فکر پیدا ہو گئی اور اس کے بعد سے ان محدّثین اور مورّخین کو ان کے معاذ اللہ دوزخی ہونے کی بشارتیں سنانے لگے۔

شَھِدَ اللہُ وَرَسُوْلُہٗ کہ یہ ان بدکار مسلمانوں کا اِفترا و بہتان ہے جنھیں اپنے

اسلاف کے دوزخی ہونے کے یقین نے اس پر آمادہ کیا ہے کہ وہ اولادِ علیؑ و فاطمہؑ کو بھی ان کے مورثِ اعلیٰ کے حُسنِ انجام کے فخر سے ان موضوعہ حدیثوں کے سہارے سے محروم کردیں۔ اس طرح کم سے کم اس منزل میں ان کو اپنے برابر لے آئیں۔

حقیقتِ امر وہ ہے جس پر پہلے بھی جنابِ ابوطالبؑ کے موقف کی تشریح میں تبصرہ ہوچکا ہے کہ ان کا ایمان مابینِ خود و خدا مسلّم تھا۔ جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس سے واقف تھے۔ گھر کے سب افراد اس سے باخبر تھے اسی لیے باہم کوئی کش مکش نہ تھی۔ کوئی اقرار و انکار کی صورت نہ تھی۔ کوئی رنجش اور کشیدگی نہ تھی، جو ان کا طرزِ عمل تھا وہی خدا و رسولؐ کی طرف سے ان کا فریضہ تھا جسے انھوں نے باحسنِ وجوہ پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور اسی راہ پر دُنیا سے رخصت ہوئے جس کے بعد ان کے سامنے کسی منزل پر بھی اب اسلام کو پیش کرنے اور ان سے اقرار لینے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ واقعہ تو یہ ہے کہ جنابِ ابوطالبؑ کچھ بیمار نہ تھے کہ جنابِ رسالت مآبؐ کو ان کی بیماری کی اِطلاع دی جاتی، وہ تو محاصرے کے شدائد سے اتنے ضعیف ہوگئے تھے کہ ان کی زندگی نے ایک دم ساتھ چھوڑ دیا تھا۔

قدیم ترین مؤرخ ابنِ سعد کاتب واقدی کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت جنابِ رسالت مآبؐ ان کے پاس موجود نہ تھے۔ انھوں نے اس وقت جو اعزہ موجود تھے انھیں پاس جمع کیا اور حضرت پیغمبرِ خدا کے اتباع و نصرت کی وصیت کی۔

ابنِ سعد کے الفاظ ہیں:

> ”اس وقت ابوطالبؑ نے اولادِ عبدالمطلب کو بلایا اور کہا:
> تمھارے لیے ہمیشہ بھلائی ہی بھلائی رہے گی جب تک محمدؐ کی بات مانتے رہو گے اور جب تک ان کے دین کی پیروی کرتے رہو گے۔
> ان کی پیروی اور ان کی مدد کرتے رہو گے تو تم کام یاب و کام ران رہو گے۔“

حضرت علی بن ابی طالبؑ کا بیان ہے کہ:

اَخْبَرْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ بِمَوْتِ اَبِیْ اَبُوْطَالِبٍ فَبَکٰی ثُمَّ قَالَ اِذْهَبْ فَاغْسِلْهُ وَكَفِّنْهُ وَوَارِهٖ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ وَرَحِمَهٗ

"میں نے جا کر رسولؐ اللہ کو (اپنے بابا) ابوطالبؑ کی وفات کی اطلاع دی تو حضرتؐ نے گریہ فرمایا۔ پھر کہا: جاؤ انھیں غسل دو اور کفن پہناؤ اور دفن کرو۔ (دُعا فرمائی) اللہ ان کی مغفرت کرے اور اپنی رحمت شاملِ حال فرمائے"۔

یہی موقع ہے کہ غسلِ میت کا حکم بھی جو فقہ جعفری میں آج تک قایم ہے حضرت پیغمبر اسلام ﷺ کی زبانِ مبارک پر آیا۔ چناں چہ ابنِ سعد نے لکھا ہے:

قَالَ عَلِیٌّ وَاَمَرَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَاَغْسَلْتُ (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۷۸)

"حضرت علی علیہ السلام کا بیان ہے کہ پھر حضرتؐ نے مجھ کو حکم دیا اور میں نے (خود) غسل کیا"۔

ایک غلطی جو یہاں پر ہوسکتی ہے وہ علامہ ابنِ اثیر جزری نے اس واقعہ کے تذکرہ کے بعد دُور کر دی ہے، وہ لکھتے ہیں:

تُوُفِّیَ اَبُوْطَالِبٍ وَكَانَ عُمْرُهٗ بِضْعًا وَّثَمَانِیْنَ سَنَةً ثُمَّ تُوُفِّیَتْ بَعْدَهٗ خَدِیْجَةُ وَلَمْ تَكُنِ الصَّلٰوةُ الْجَنَائِزُ یَوْمَئِذٍ

(اسد الغابہ، ج ۱، ص ۱۹)

"جنابِ ابوطالبؑ کی وفات ہوگئی اس وقت ان کی عمر کچھ اُوپر اسّی برس کی تھی۔ پھر ان کے بعد جنابِ خدیجہؑ کی وفات ہوئی۔ اس وقت شریعتِ اسلام میں نمازِ جنازہ کا قاعدہ جاری نہ ہوا تھا"۔

علامہ طبرسی نے تحریر فرمایا ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے حضرت علیؑ کو غسل و کفن کا حکم دینے کے بعد فرمایا:

فَاِذَا رَفَعْتَهُ عَلَى سَرِيرِهٖ فَاٰذِنِّي فَفَعَلَ ذٰلِكَ فَلَمَّا رَفَعَهُ عَلَى السَّرِيرِ اِعْتَرَضَهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (اعلام الوریٰ)

"غسل و کفن کے بعد جب جنازہ اُٹھانے لگنا تو مجھے اطلاع کر دینا۔ چناں چہ حضرت علیؑ نے اس کی تعمیل کی اور جب جنازہ اُٹھایا گیا تو جنابِ رسالت مآبؐ تشریف لا کر مشایعتِ جنازہ میں شریک ہوئے (مشایعتِ جنازہ کی)"۔

جنابِ ابوطالبؑ کو مکۂ معظمہ کے قبرستان میں جو جنۃ المعلیٰ کہلاتا ہے حضرت عبدالمطلبؑ کے مقبرے کے قریب دفن کیا گیا۔

ابن سعود نے مدینہ کی جنت البقیع ہی کی طرح اس جنت المعلیٰ کو بھی مسمار کر دیا۔ اس سے پہلے تک یہ مقابر اہلِ اسلام کی زیارت گاہ تھے"۔

حضرت علامہ علی نقی کا تحقیقی نقطۂ نظر آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ اُنھوں نے نہایت دقتِ نظر سے مختلف کتبِ طرفین کا مطالعہ فرمایا اور ان کی روشنی میں حضرتِ ابوطالبؑ کی عظمت کو واضح فرمایا۔ یوں ہم اس تاریخی تحقیق میں طبقات ابن سعد، اعلام الوریٰ، اسد الغابہ اور مدارج النبوۃ کے بالواسطہ مطالعہ سے مستفید ہوئے ہیں۔

علامہ صاحب نے اپنی تاریخ اسلام میں سفرِ طائف کے تذکرے سے پہلے حضرت خدیجہؑ کی وفاتِ حسرت آیات اور پھر ان دونوں ہستیوں کی رحلت کے اثر کا بیان بھی فرمایا ہے۔

اعلام الوریٰ کے مطابق: جنابِ رسالت مآبؐ نے اس سال کا نام عام الحزن (غم و رنج کا سال) رکھ دیا۔

ابنِ سعد کا بیان ہے کہ پیغمبرِ خدا پر دو مصیبتیں جمع ہو گئیں جس کے بعد آپ گوشہ نشین ہو گئے۔ گھر سے نکلنا بہت کم کر دیا اور اب قریش آپ کو وہ ایذائیں پہنچانے لگے جو اس سے پہلے نہ پہنچاتے تھے اور جن کا وہ تصور بھی نہ کرتے تھے۔

اس کے بعد ہم لکھنؤ سے طبع شدہ جدید ترین تاریخ اسلام المعروف بہ "تفسیر اسلام" مصنفہ علامہ فروغ کاظمی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ہمارے خیال میں علامہ موصوف نے تاریخ کی روشنی میں عظمتِ ابوطالبؑ کا خوب سے خوب تر اظہار فرمایا ہے۔ اسی لیے علامہ علی نقی کے بعد اُن کے رشحاتِ قلم کو بھی شاملِ کتاب کیا جا رہا ہے تاکہ مطالعۂ تاریخ مکمل ہو سکے۔

حضرتِ ابوطالبؑ از نظرِ "تفسیرِ اسلام"

حضرتِ ابوطالب بن عبدالمطلبؑ واقعۂ فیل سے پینتیس سال قبل مکہ معظمہ میں متولد ہوئے۔ تذکرہ نگاروں نے آپ کے نام میں اختلاف کیا ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ آپ کا اسمِ گرامی اپنے جدِ اعلیٰ کے نام پر عبدِ مناف تھا۔ بعض نے عمران اور بعض نے شیبہ تحریر کیا ہے۔

ابوطالب آپؑ کی کنیت ہے جو آپؑ کے بڑے صاحب زادے جنابِ طالب کے نام سے منسوب ہے۔ اسی کنیت سے ساری دنیا آپ کو یاد کرتی ہے۔ آپؑ کے القاب شیخ البطحا، سید البطحا اور رئیس البطحا وغیرہ ہیں۔

تینتالیس سال تک حضرت عبدالمطلبؑ ایسی برگزیدہ، بلند پایہ اور عظیم المرتبت ہستی کے زیرِ سایہ رہ کر آپؑ نے تعلیم و تربیت حاصل کی، علوم و معارف کی وادیوں کو طے کیا، مکارمِ اخلاق اور صفاتِ حسنہ سے متصف ہوئے۔ تہذیب و تمدن کی بلند قدروں کو زندگی کا شعار بنایا اور علمی و ادبی رفعتوں کے نقطۂ کمال پر فائز ہوئے کہ اپنے دور میں

بلند پایہ ادیب، ممتاز سخن طراز، عظیم مفکر، عدیم المثال دانش ور اور بہترین قائد تسلیم کیے گئے۔ علمی ادبی اور فکری صلاحیتوں کے ساتھ (ساتھ) آپ وجیہ صورت، بلند قامت، پرعزم، پرحوصلہ، پروقار، بارعب اور بھاری بھرکم شخصیت کے مالک بھی تھے۔ چہرے سے ہاشمی جلالت وتمکنت اور خدوخال سے قریشی سطوت آشکار تھی۔ زبان سے فصاحت وبلاغت کے سوتے پھوٹتے تھے اور بیان سے علم وحکمت کے چشمے اُبلتے تھے۔ غرض کہ جناب ابوطالبؑ اپنے اسلاف کے اعلیٰ کردار کا نمونہ اور اولادِ عبدالمطلب میں عادات و اطوار کے لحاظ سے اپنے باپ کی سیرت کا آئینہ تھے۔

معلّم اَخلاق اور آدابِ معاشرت

حضرت ابوطالبؑ اعتدال پسندی، انصاف پروری اور حلم و بُردباری کے جوہر سے آراستہ و پیراستہ تھے۔ عرب کے نام ور حکما اور اُدبا آپ سے استفادہ کرتے اور اخلاقِ عالیہ کا درس لیا کرتے تھے۔ چناں چہ احنف بن قیس سے، جو عرب میں حلم و بُردباری کے لحاظ سے شہرۂ آفاق تھا، پوچھا گیا کہ تم نے یہ حلم و بُردباری کس سے سیکھی؟ کہا کہ قیس بن عاصم منقری سے۔ قیس سے پوچھا گیا کہ تم نے حلم و بُردباری کا سبق کس سے لیا؟ اس نے کہا: حکیمِ عرب اکثم بن صیفی سے، اور اکثم بن صیفی سے پوچھا گیا کہ تم نے حکمت، ریاست، سرداری، سربراہی اور حلم و بُردباری کے اصول کس سے سیکھے ہیں تو اس نے کہا: سردارِ عرب اور سراپائے علم و ادب ابوطالبؑ بن عبدالمطلبؑ سے حاصل کیے ہیں۔ (ہدیۃ الاحباب، ص ۲۵۳)

حضرت عبدالمطلبؑ نے جس وقت دنیا سے سفرِ آخرت اختیار کیا اس وقت حضرت ابوطالبؑ کی عمر ۴۳ سال کی تھی اور یہی وہ موقع تھا جب خانۂ کعبہ کی تولیت، مکہ کی امارت، قریش کی سیاست اور پیغمبرِ اسلام کی تربیت براہِ راست حضرت ابوطالبؑ سے

متعلق ہوئی۔ علامہ دیار بکری رقم طراز ہیں کہ ہاشم کے بعد حاجیوں کو کھانا دینے کا شرف عبدالمطلبؑ کو حاصل ہوا اور پھر عبدالمطلبؑ کی وفات کے بعد ظہورِ اسلام تک اِس عظیم خدمت کو ابوطالبؑ انجام دیتے رہے۔ (تاریخ خمیس، ج ۱، ص ۵۷)

دولت، اس دُنیا میں تکمیلِ مقصد اور حصولِ منصب کے لیے ایک بڑا ذریعہ ہے مگر جنابِ ابوطالبؑ کی قیادت، سرداری اور منصبی سربلندی دولت کی مرہونِ منت نہیں تھی بل کہ ان کی فرض شناسی، حُسنِ عمل اور کردار کی انفرادیت نے انھیں عزت و عظمت اور سرداری کے منصب تک پہنچایا تھا۔

آپؑ اپنے معاشرے میں ایسا نظام بروے کار لانا چاہتے تھے جس کی اساس عدل و انصاف پر اُستوار ہو، کسی کی حق تلفی ہو نہ کسی پر بے جا زیادتی۔ چناں چہ اسی جذبہ کے پیشِ نظر آپؑ نے عَمرو بن علقمہ کے خون کے سلسلے میں قسامت ① کا طریقہ رائج کیا۔ اسلام نے بھی اس طریقِ کار کی اِفادیت کے پیشِ نظر اسے برقرار رکھا۔ ابن ابی الحدید نے تحریر کیا ہے:

"زمانۂ جاہلیت میں حضرتِ ابوطالبؑ نے عَمرو بن علقمہ کے خون کے بارے میں پہلے پہل قسامت کا طریقہ رائج کیا۔ پھر اسلام نے بھی اسے اپنے احکام میں جگہ دے دی"۔ (شرح ابن ابی الحدید، ج ۳، ص ۳۶۱)

---

① قسامت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی فرد قتل ہوجائے اور اس کے ورثا میں کوئی اس بات کا دعویٰ کرے کہ فلاں شخص اس کا قاتل ہے اور اثباتِ دعویٰ کے لیے دو عادل گواہ پیش نہ کرسکے اور ایسے قرائن و شواہد موجود ہوں جن سے مدعی کے دعویٰ کی تائید ہوتی ہو تو مدعی اور اس کے قبیلے والوں سے پچاس قسمیں لی جائیں گی کہ فلاں شخص قاتل ہے اور اگر قسم کھانے والوں کی تعداد پچاس سے کم ہے تو ان سے متعدد بار قسمیں لے کر پچاس کا عدد پورا کیا جائے گا۔ مثلاً پچیس افراد ہیں تو ہر ایک سے دو دو بار قسم لے کر گنتی پوری کی جائے گی اور مدعا علیہ کو قاتل قرار دے دیا جائے گا اور اس طرح مقتول کا خون رائیگاں ہونے سے بچ جائے گا۔

انصاف پرستی

دوستی ہو یا دشمنی، کسی موقع پر ابوطالبؑ حق و انصاف کا دامن نہیں چھوڑتے تھے اور محض عام حالات ہی میں ظلم و زیادتی کے خلاف نہ تھے بل کہ جنگ کی معرکہ آرائیوں میں بھی غیر ضروری کشت و خون کے شدید مخالف تھے۔ چناں چہ قبلِ اسلام قریش اور قبیلۂ قریش میں ایک جنگ ہوئی جو حربِ فجار کے نام سے موسوم ہے۔ اس جنگ میں بنی ہاشم نے بھی قریش کی حمایت کی۔ حضرت ابوطالبؑ جس دن اس جنگ میں شرکت فرماتے تھے اس دن اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں قریش کا پلہ بھاری رہتا تھا۔ اس لیے قریش ان کی شمولیت کو وجہِ کام رانی سمجھتے اور کہتے کہ آپ لڑیں یا نہ لڑیں صرف ہمارے درمیان موجود رہیں کیوں کہ آپ کی موجودگی میں ہمیں ڈھارس رہتی ہے اور فتح و ظفر کے آثار نظر آتے ہیں۔ آپؑ نے فرمایا: اگر تم لوگ ناروا ظلم، بے جا زیادتی، قطع رحمی (قطعِ رحم) اور الزام تراشی سے بچ کر رہو گے تو میں تمھاری نظروں سے اوجھل نہیں رہوں گا۔ (تاریخ یعقوبی، ج۲، ص۱۶)

یہ تھی حضرت ابوطالبؑ کی بلند نظری کہ جنگ و قتال کے پُرجوش ہنگاموں میں انتقامی اور دفاعی اِقدامات کے حدود میں فرق و فاصلہ برقرار رکھتے ہوئے ظلم اور زیادتی کو معیوب نظروں سے دیکھتے تھے اور صرف اسی حد تک جنگ کے حامی تھے جہاں تک وہ اصولِ حرب و ضرب کے حدود کے اندر رہ کر لڑی جائے اور اسے وحشت، بربریت اور درندگی و خون خواری سے تعبیر نہ کیا جاسکے۔

ذوقِ سخن

حضرت ابوطالبؑ اپنے دور میں صرف ایک مدبر و مفکر اور معلمِ اخلاق ہی نہ تھے بل کہ ایک بلند پایہ شاعر اور سخن داں بھی تھے۔ ایک دیوان "دیوانِ شیخ الاباطح" کے علاوہ آپؑ کے گراں مایہ اشعار کا ایک عظیم ذخیرہ تاریخ و سِیَر کی کتابوں میں بکھرا پڑا

ہے۔ یوں تو سرزمینِ عرب شعروشاعری کا گہوارا تھی اور عکاظ کے بازاروں نیز میلوں ٹھیلوں میں تفاخر وخودستائی کی آوازیں قصائد کے پیکر میں ڈھل کر گونجا کرتی تھیں مگر معانی ومطالب کے لحاظ سے آپ کی روش دوسروں سے مختلف تھی۔ آپ کے اشعار میں نہ خودستائی کا جذبہ تھا اور نہ اِبتذال و بازاری پن کا شائبہ بل کہ روانی، سادگی، متانت اور نظم وضبط کے ساتھ (ساتھ) ان میں اَخلاقی تعلیمات اور حق پرستی وحق نوازی کا درس ہوتا تھا اس لیے امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام آپ کے اشعار کو علمی و اَخلاقی سرمایہ سمجھتے ہوئے فرماتے تھے کہ میرے والد کے اشعار پڑھو اور اپنی اولاد کو پڑھاؤ اس لیے کہ وہ دین حق پر تھے اور ان کے کلام میں علم وادب کا بڑا ذخیرہ ہے۔ (بحارالانوار، ج۹، ۲۴)

"یتیمِ عبداللہؑ" کی پرورش وتربیت

ان تمام خصوصیات و امتیازات کے علاوہ نسبی و خاندانی بلندی کے لحاظ سے اور رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تربیت اور اسلام کی گراں قدر خدمات کے اعتبار سے بھی آپؑ کی عظمت مسلّم ہے۔ پیغمبرِ خدا نے آپؑ ہی کے دامنِ عاطفت میں پرورش پائی اور آپؑ ہی کے زیرِ سایہ زندگی کا بیش تر حصہ بسر کیا۔

آں حضرتؐ کے والد بزرگ وار جناب عبداللہؑ آپؐ کی ولادت سے پہلے ہی انتقال فرما چکے تھے اور جب آپؐ چھے برس کے ہوئے تو آپؐ کی والدہ حضرت آمنہ بھی دُنیا سے رخصت ہوگئیں۔ چناں چہ آپؐ اپنے دادا حضرت عبدالمطلبؑ کی آغوشِ شفقت میں پرورش پانے لگے۔ لیکن دو سال ہی گزرے تھے کہ اُنھوں نے بھی سفرِ آخرت اختیار کیا مگر قبلِ رحلت ابوطالبؑ سے یہ خصوصی وصیّت کر گئے کہ وہ آں حضرتؐ کی کفالت ونگہ داشت میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھیں۔ حال آں کہ جنابِ ابوطالبؑ خود بھی اپنے بھتیجے سے اتنی محبت وقربت رکھتے تھے کہ جس کے بعد کسی وصیت کی ضرورت نہ تھی۔ چناں چہ جب اُنھوں نے آں حضرتؐ کے بارے میں اپنے والد کی وصیت کو سنا

تو فرمایا: بابا جان! محمدؐ کے بارے میں وصیت کی ضرورت نہیں، وہ تو میرا بھتیجا اور بیٹا ہے۔ (مناقب، ج ۱، ص ۲۱)

حضرت عبدالمطلبؑ کثیر الاولاد تھے اور وقت آخر آپؑ کے تمام عزیز و اقارب اور بیٹے آپؑ کے گرد و پیش جمع تھے اور اُن میں سے ہر ایک بہ آسانی اس بار کفالت کا متحمل ہو سکتا تھا مگر آپؑ نے انتہائی بصیرت و دُور اندیشی سے کام لیتے ہوئے تربیت و کفالت کا ذمہ دار صرف ابوطالبؑ کو قرار دیا کیوں کہ آپؑ نے آں حضرتؐ کے ساتھ ابوطالبؑ کے طرزِ عمل اور برتاؤ سے بہ خوبی اندازہ کر لیا تھا کہ جو محبت اور اُلفت اُنھیں یتیمِ عبداللہ سے ہے وہ کسی دوسرے کو نہیں ہے اور تربیت کی تکمیل کے لیے محبت و شفقت کے جذبات بہ ہر حال ضروری ہیں۔ لہٰذا اس سے بہتر کوئی دوسرا اس خدمت کو انجام نہیں دے سکتا اور بعد کے حالات نے یہ بتا دیا کہ حضرت عبدالمطلبؑ کی جو توقعات جناب ابوطالبؑ سے وابستہ تھیں وہ غلط نہ تھیں۔ اس کے علاوہ اس امر سے بھی انتخاب کو تقویت پہنچی ہوگی کہ ابوطالبؑ اور عبداللہؑ میں صُلبی اور بطنی یگانگت بھی ہے، لہٰذا جس ہم دردی اور غم گساری یا خلوص و ایثار کی ان سے توقع ہو سکتی ہے وہ دوسرے مختلف البطن بھائیوں سے نہیں ہو سکتی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ آسمانی صحیفوں میں آں حضرتؐ کے بارے میں پیشین (پیش) گوئیوں کو پڑھ کر اور حضرت ابوطالبؑ میں اسلام پروری و ایمان نوازی کے جوہر دیکھ کر حضرت عبدالمطلبؑ نے اس فخرِ خلیل و نازِ مسیحا کو ان کے سپرد کیا ہو۔

بعض مورخین کا کہنا ہے کہ حضور سرورِ کائناتؐ کی پرورش و پرداخت کے لیے حضرت ابوطالبؑ اور زبیر بن عبدالمطلب کے درمیان قرعہ اندازی ہوئی تھی اور قرعہ حضرت ابوطالبؑ کے نام نکلا تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ جب ان دونوں کے درمیان معاملہ درپیش ہوا تو حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوطالبؑ کا دامن تھام لیا اور انھی

کے کنارِ عاطفت میں رہنے کی خواہش ظاہر کی۔ ①

بہ ہر حال یہ انتخاب کسی بنا پر بھی ہوا ہو، اس بات سے انکار ممکن نہیں ہے کہ یہ اللہ کے خصوصی لطف و کرم کا نتیجہ تھا اور مشیتِ ایزدی بھی یہی چاہتی تھی کہ یہ امانت ابوطالبؑ ہی کے سپرد ہو اور انھی کی پاکیزہ آغوش میں پروان چڑھے۔ چناں چہ قدرت نے آں حضرتؐ پر جو احسانات فرمائے ان میں سے اس احسان کا خاص طور پر تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی "کیا اس نے تمھیں یتیم پا کر پناہ نہیں دی؟" مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس پناہ سے مراد حضرتِ ابوطالبؑ کا سایۂ عاطفت اور آغوشِ شفقت ہے۔

غرض ابوطالبؑ نے اپنے باپ کی وصیت کے مطابق آں حضرتؐ کو اپنی آغوشِ تربیت میں لے لیا اور وہ تمام فرائض جو ایک مربی و نگران کے ہو سکتے ہیں انتہائی حُسن و خوبی سے انجام دیے اور اس محبت و دل سوزی سے تربیت کی کہ ہر مورخ کے قلم نے اس کا اعتراف کیا ہے۔ ابنِ سعد لکھتے ہیں کہ ابوطالبؑ رسولِ خدا سے بے انتہا محبت کرتے تھے اور اپنی اولاد سے زیادہ انھیں چاہتے تھے۔ اپنے پہلو میں سُلاتے اور جب کہیں باہر جاتے تو انھیں اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ (طبقاتِ ابنِ سعد، ج ا، ص ۱۱۹)

حضرتِ ابوطالبؑ نے ابتدا ہی سے سرورِ کونینؐ کی زندگی کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ آپؐ کے عادات و اطوار اور سیرت و کردار کو اچھی طرح دیکھا بھالا تھا، پھر حضرت عبدالمطلبؑ کی مثالی خودداری اور رکھ رکھاؤ کے باوجود آں حضرتؐ کے ساتھ ان کا شفقت آمیز رویہ بھی دیکھا تھا، (وہ) یہ سوچنے پر مجبور تھے کہ یہ بچہ عام بچوں کی سطح سے بلند تر اور غیر معمولی عظمت و رفعت کا مالک ہے۔ اس لیے جہاں اُن کے رگ و پے میں

---

① اس واضح حقیقت پر آج تک پردہ ڈالنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں، یہاں تک کہ "کفیلِ محمدؐ" کے نام سے ایک کتاب شائع کی گئی ہے جس میں یہ شرف جنابِ زبیرؓ کے کھاتے میں ڈالا گیا ہے۔

آں حضرتؐ کی محبت سرایت کیے ہوئے تھی وہاں عقیدت و ارادت سے بھی ان کا دل معمور تھا اور عقیدت و محبت کے یہی وہ ملے جلے جذبات تھے جنھوں نے انھیں ہر قسم کی قربانی پر آمادہ کر دیا۔

کراماتِ ① محمدیؐ اور ابوطالبؓ

حضرتِ ابوطالبؓ کراماتِ محمدیؐ میں جس کرامت کا مشاہدہ صبح وشام کرتے تھے وہ یہ تھی کہ جب آں حضرتؐ دسترخوان پر موجود ہوتے تو کھانا خواہ کتنا ہی کم کیوں نہ ہوتا سب شکم سیر ہو کر کھاتے۔ پھر بھی بچ جاتا تھا۔ اس لیے آپؓ نے یہ معمول قرار دے لیا تھا کہ جب تک آں حضرتؐ دسترخوان پر تشریف نہ لاتے اس وقت تک کوئی شخص بھی کھانا نہ کھاتا۔ اگر دسترخوان سے کوئی دودھ کا پیالہ اُٹھاتا تو آپؓ یہ کہہ کر آپؓ اسے روک دیتے کہ پہلے میرے بھتیجے (محمدؐ) کو پی لینے دو پھر پینا۔ چناں چہ جب حضورؐ پی لیتے تو دوسرے پیتے اور سب کے سب سیراب و شکم سیر ہو جاتے۔ یہ دیکھ کر جنابِ ابوطالبؓ آں حضرتؐ سے فرماتے کہ تم بڑے بابرکت ہو۔

حضرتِ ابوطالبؓ ایک مرتبہ آں حضرتؐ کے ساتھ کہیں جا رہے تھے جب مقامِ عرفہ سے تین میل کے فاصلہ پر مقام ذی المجاز میں پہنچے تو آپؓ نے پیاس محسوس کی اور آں حضرتؐ سے فرمایا کہ آس پاس کہیں پانی مل سکتا ہے؟ آں حضرتؐ اپنے ناقہ سے اُترے اور ایک پتھر کو ٹھوکر ماری، پانی کا دھارا بہ نکلا، فرمایا: چچا! پانی پی لیجیے۔ جب آپؓ پانی سے سیر و سیراب ہو چکے تو پیغمبرِ اسلام نے دوبارہ ٹھوکر ماری جس سے اُبلتا ہوا چشمہ خشک ہو گیا۔

---

① معجزات، جو انبیاءؑ سے ظاہر ہوتے ہیں۔ شاید مورخ نے قبل از بعثت کے لیے کرامات کا لفظ استعمال کیا ہے جو اس صورت میں بھی مناسب معلوم نہیں ہوتا البتہ لغوی اعتبار سے قابلِ قبول ہے۔

خیر طلبی

حضرت ابوطالبؑ انھیں آثار خیر و برکت کو دیکھ کر آں حضرتؐ کی ذاتِ اقدس کو اپنی دعاؤں کا وسیلہ بناتے اور انھیں کے توسط سے بارگاہِ ایزدی میں اپنی عرض داشت پیش کرتے۔ چناں چہ بارش نہ ہونے کی وجہ سے ایک دفعہ مکہ میں شدید قحط پڑ گیا۔ لوگ خشک سالی سے بے حد پریشان و مضطرب تھے۔ لات و منات اور عزیٰ کے سامنے فریاد کی تدبیر سوجھی مگر ان میں سے ایک بزرگ نے کہا: کہاں بھٹک رہے ہو جب کہ تمھارے درمیان یادگارِ ابراہیمؑ اور فرزندِ اسماعیلؑ موجود ہیں۔ (تاریخ اسلام ذہبی، ص ۳۶) لوگوں نے کہا: کیا اس سے مراد ابوطالبؑ ہے؟ اس بزرگ نے کہا: ہاں! بس یہ سننا تھا کہ سب اُٹھ کھڑے ہوئے اور خانۂ ابوطالبؑ پر تشنگانِ حیات کا مجمع اکٹھا ہو گیا۔ لوگوں نے مدعا بیان کیا۔ ابوطالبؑ اُٹھ کر حرم سرا میں گئے اور کلیدِ رحمت کی اُنگلیاں تھامے ہوئے باہر تشریف لائے۔ پھر خانۂ کعبہ کا رُخ کیا اور وہاں پہنچ کر رکن سے تکیہ کر کے بیٹھ گئے۔ آں حضرتؐ کو اپنی گود میں بٹھایا اور آپؐ کی انگشتِ مبارک کو آسماں کی طرف بلند کر کے دعا کی۔ بارش کے کوئی آثار نہ تھے لیکن دیکھتے ہی دیکھتے تیز و تُند ہوائیں چلنے لگیں، ابرِ رحمت جھوم کے اُٹھا اور اس شدت سے برسا کہ سوکھی ہوئی زمین سیراب ہو گئی اور خشک درختوں میں ہریالی و شادابی آ گئی۔ حضرت ابوطالبؑ نے جوشِ عقیدت سے ایک قصیدہ اس موقع پر رسولِ خدا کی شان میں فرمایا جو سو اشعار سے زائد پر مشتمل ہے۔ اس میں آپؑ نے فرمایا کہ کیا کہنا اس نُورِ مجسم کا کہ جس کے رُوئے انور کی برکت سے ابرِ کرم برس پڑتا ہے جو یتیموں کی اُمیدگاہ اور بیواؤں کے لیے جائے پناہ ہے اور ہلاک ہونے والے جس کے دامنِ رحمت سے متمسک ہو کر نجات پا کر فضلِ خداوندی کے مرکز بن جاتے ہیں۔

مذکورہ واقعہ سے پتا چلا ہے کہ خانوادۂ بنی ہاشم مرجعِ خلائق رہا اور اسی

سلسلۂ ابراہیمیؑ و اسماعیلیؑ کی کڑیوں سے لوگوں کی مشکلات حل ہوتی رہیں۔ حکومت اور امارت اُن کے قبضہ میں رہی ہو یا نہ رہی ہو مگر یہ خصوصیت ضرور تھی کہ تمام عالم کے لیے یہ خاندان چارہ ساز رہا اور مادّی کثافت اس کی روحانیت پر اثرانداز نہ ہو سکی۔ آج کے دَور میں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں۔

پیغمبرِ اسلامؐ اور حضرتِ ابوطالبؑ کا تجارتی سفر

حضرتِ ابوطالبؑ گیہوں اور عطریات کے معروف تاجر تھے اور قریش کے دستورالعمل کے مطابق بہ غرضِ تجارت سال میں ایک مرتبہ شام کی طرف جایا کرتے تھے۔ چناں چہ جب شام جانے کا وقت قریب آیا تو آپؑ نے آں حضرتؐ سے بھی اپنے سفر کا تذکرہ کیا مگر اپنے ساتھ آپؐ کو لے جانے کا کوئی خیال ظاہر نہیں کیا کیوں کہ اس قت آں حضرتؐ کی عمر صرف نو سال کی تھی اور وہ دُور دراز سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے کے قابل نہ تھے مگر جب آں حضرتؐ نے محسوس کیا کہ چچا انھیں اپنے ساتھ نہیں لے جانا چاہتے تو آپؐ جنابِ ابوطالبؑ سے لپٹ گئے اور ساتھ چلنے کی خواہش ظاہر کی۔ ابوطالبؑ کو بھی آپؐ کی جدائی گوارا نہ تھی اس لیے وہ آپ کو ساتھ لے جانے پر آمادہ ہو گئے اور فرمایا: "خدا کی قسم، مَیں انھیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا، ہم کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے"۔ (تاریخِ خمیس، ج ۱، ص ۲۵۷)

غرض کہ آپ نے حضورِ اکرمؐ کو ساتھ لیا اور شام کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں سرکارِ دو عالمؐ کا ناقہ آگے آگے رہتا تھا اور اَبر کا ایک ٹکڑا سایہ کیے ہوئے آپؐ کے ساتھ ساتھ چلتا تھا۔ جہاں پانی نایاب ہوتا وہاں اَبرِ کرم برس پڑتا اور جہاں یہ قافلہ قیام پذیر ہوتا وہاں کے حوض و تالاب پانی سے لبریز ہو جاتے اور بے آب و گیاہ وادیاں سرسبز و شاداب ہو جاتیں۔ منزلیں طے ہوتی رہیں یہاں تک کہ یہ قافلہ وارِدِ بصرہ ہوا جہاں جرجیس بن ربیعہ نے جو بحیرا کے نام سے مشہور تھا تاج دارِ مدینہ کو دیکھا اور ان

تمام آثار کا مشاہدہ کیا جو خاتم الانبیاؐ کے لیے مخصوص تھے۔

اس نے آں حضرتؐ کو اور قریب سے دیکھنے کے لیے تمام اہلِ قافلہ کی دعوت کا اہتمام کیا لیکن قریش جب دعوت میں شرکت کے لیے وہاں گئے تو آپؐ کو ساتھ نہیں لے گئے بل کہ سامان کی نگرانی کے لیے چھوڑ گئے۔ بحیرا نے جب آپؐ کو نہ دیکھا تو اس نے قریش سے پوچھا کہ تمھارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں، ایک بچّہ ہے جسے سامان کی نگرانی پر مامور کر آئے ہیں۔ بحیرا نے کہا: اسے ضرور بلواؤ۔ جب آں حضرتؐ تشریف لائے تو اس نے (آپؐ کو) سر سے پاؤں تک غور سے دیکھا۔ پھر پیرہن ہٹا کر دوشِ مبارک پر مُہرِ نبوت کا مشاہدہ کیا۔ اس کے بعد ابوطالبؑ سے پوچھا کہ یہ بچّہ آپ کا کون ہے؟ فرمایا: میرا بیٹا ہے۔ بحیرا نے کہا: یہ آپؑ کا بیٹا نہیں ہوسکتا کیوں کہ میرے علم کی بنا پر اس کے والد کو زندہ نہ ہونا چاہیے۔ جنابِ ابوطالبؑ نے فرمایا: تم ٹھیک کہتے ہو۔ اس کے والد میرے حقیقی بھائی تھے جن کا انتقال ہو چکا ہے۔ بحیرا نے کہا: انھیں یہیں سے واپس لے جاؤ، ایسا نہ ہو کہ یہودی انھیں قتل کر دیں کیوں کہ یہ مستقبل کے پیغمبر اور نبیِ مرسلؐ ہیں۔ اہلِ قافلہ میں سے کچھ لوگوں نے پوچھا کہ تم نے یہ کیوں کر جانا کہ یہ نبیؐ و رسولؐ ہیں؟ کہا جب تمھارا قافلہ پہاڑی کی بلندی سے نیچے اُتر رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ تمام شجر و حجر سر بہ سجدہ ہیں اور جس طرف سے یہ بچّہ جاتا ہے اَبر سایہ کیے ہوئے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے حسب و نسب، شکل و شمائل اور خدوخال کا تذکرہ میں نے آسمانی صحیفوں میں بھی پڑھا ہے، اس لیے مَیں یقین کی منزل پر ہوں۔ اس سفر کے بعد رسالت مآبؐ نے پھر کوئی سفر نہیں کیا اور نہ ہی جنابِ ابوطالبؑ تحفظ کے خیال سے آپؐ کو کہیں باہر لے گئے (بہ وجہ ضرورت واقعہ کی تکرار پر معذرت)

آں حضرتؐ کا عقد

بچپن کے حدود سے تجاوز کر کے پیغمبرؐ نے جب جوانی کی سرحدوں میں قدم رکھا تو جنابِ ابوطالبؑ کو آپؐ کے روزگار اور معیشت کی فکر ہوئی۔ اس وقت مکّہ میں ایک معزز و مال دار تاجر خاتون جنابِ خدیجہ بنتِ خویلد تھیں جو اپنے تجارتی نمایندے مختلف ملکوں میں بھیجا کرتی تھیں۔ آپؑ نے آں حضرتؐ کو جنابِ خدیجہؑ کا مال سنبھالنے کا مشورہ دیا اور خود بھی جنابِ خدیجہؑ سے سفارش کی کہ وہ جن شرایط پر دوسروں کو مالِ تجارت دے کر دیگر شہروں میں بھیجتی ہیں انھی شرایط پر میرے بھتیجے کو بھی مال دیا کریں۔ جنابِ خدیجہؑ نے حضرتِ ابوطالبؑ کی یہ بات مان لی اور شرایط طے کرنے کے بعد کافی مقدار میں تجارتی مال آں حضرتؐ کے حوالے کر دیا اور آپ کچھ عرصہ تک کاروباری اُمور انجام دیتے رہے اور اس میں انتہائی کام یابی حاصل کی۔ جنابِ خدیجہؑ بھی آپؐ کے کاروبار سے مطمئن اور سچائی و ایمان داری سے بے حد متاثر ہوئیں۔ آخر کار انھوں نے آپؐ کے پاس کسی ذریعہ سے عقد کا پیغام بھجوایا جسے آپؐ نے اپنے چچا سے مشورہ کے بعد منظور کر لیا۔ ابتدائی مراحل طے ہونے کے بعد حضرتِ ابوطالبؑ نے حضرت حمزہؓ، عباسؓ اور دوسرے بنی ہاشم و اکابرینِ قریش کو ہم راہ لیا اور سرکارِ دوعالمؐ کے ساتھ حضرت خدیجہؑ کے مکان پر آئے۔ بزمِ عقد آراستہ ہوئی، حضرت ابوطالبؑ نے نکاح کا خطبہ پڑھا جس میں آپؑ نے فرمایا:

"تمام حمد اس اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں ذُرّیتِ ابراہیمؑ، نسلِ اسماعیلؑ، اولادِ معد اور صُلبِ مُضر سے پیدا کیا۔ اپنے گھر کا نگہ بان اور حرم کا پاسبان بنایا اور اسے ہمارے لیے حج کا مقام اور جائے امن قرار دیا۔ پھر ہمیں لوگوں پر حاکم بنایا۔ یہ میرے بھتیجے محمدؐ بن عبداللہ ہیں۔ جس شخص سے بھی ان کا موازنہ کیا جائے گا تو شرف، نجابت، عقل و فضیلت میں ان کا مرتبہ بھاری رہے گا، اگرچہ

دولت ان کے پاس کم ہے لیکن دولت تو ایک ڈھلتی ہوئی چھاؤں اور پلٹ جانے والی چیز ہے۔ خدا کی قسم! ان کا مستقبل عظمت آفریں ہے اور ان سے ایک عظیم خبر کا ظہور ہوگا"۔ ①

(سیرت حلبیہ، ج ۱، ص ۱۳۹)

یہ خطبہ اگرچہ مختصر ہے لیکن اس سے حضرت ابوطالبؑ کے عقائد ونظریات اور سرکار دوعالم ﷺ کے متعلق ان کے خیالات کا بڑی حد تک اندازہ ہوتا ہے۔ اُنھوں نے خطبہ کی ابتدا اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا سے کی ہے جس سے ان کی توحید پرستی پر روشنی پڑتی ہے۔ حمد وثنا کے بعد ذُرّیت ابراہیمؑ ونسلِ اسماعیلؑ سے اپنی وابستگی کا اظہار کر کے خانہ کعبہ کی نگرانی، حرم کی پاس بانی اور علمۃ الناس پر حکم رانی کا ذکر کیا ہے۔ اس سے صرف یہی امر واضح نہیں ہوتا کہ وہ نسلِ ابراہیمؑ میں سے ہونے کی بنا پر ان منصبوں اور عہدوں پر فائز ہوتے چلے آرہے تھے بل کہ اس امر کی بھی نشان دہی ہوتی ہے کہ وہ حرم کے عہدوں کے علاوہ ان کی تعلیمات کے بھی وَرثہ دار تھے۔ اگر وہ ان کی تعلیمات سے بے گانہ اور ان کے دین وآئین سے بے تعلق ہوتے تو اس انتساب پر فخر کا کوئی مورد ہی نہ تھا۔ اس شرفِ انتساب اور خصوصی امتیازات کے بعد آں حضرتؐ کے کمالِ فہم وفراست اور بلندیٔ عقل ودانش کا تذکرہ کیا ہے اور ان کے محاسن وکمالات کے مقابلہ میں مالِ دُنیا کی بے قدری و بے وَقعتی کو واضح کیا ہے۔ اس طرح کہ اسے ڈھلتے ہوئے سائے سے تعبیر کیا ہے یعنی جس طرح سایہ اپنا کوئی مستقل وجود نہیں رکھتا اور اس کا گھٹنا بڑھنا کسی دوسری شے کے تابع ہوتا ہے۔ اسی طرح مالِ دنیا بھی غیر مستقل اور عارضی ہے، لہٰذا اس مال کے ذریعے جو سربلندی اور عزت حاصل ہوگی وہ سایہ کے مانند ناپایدار ہوگی۔ آخر میں آپؑ نے آں حضرتؐ کے درخشندہ مستقبل، علوِ منزلت اور عالم گیر نبوت کی

---

① اس خطبہ کی عربی عبارت ہماری کتاب اُصول وفروع حصہ دوم میں دیکھی جاسکتی ہے۔

طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ عن قریب آسمانِ ہدایت پر نیّرِ دُرخشاں بن کر چمکیں گے اور اپنی تعلیمات کی روشنی میں بھٹکی ہوئی انسانیت کو صراطِ مستقیم سے ہم کنار کریں گے۔

اس خطبہ کے بعد آپؑ نے عقد کا صیغہ پڑھا اور آں حضرتؐ کو شہ زادیِ عرب سے منسلک کر دیا۔

حضرت ابوطالبؑ کا اسلامی نظریہ

صاحبِ "تفسیر اسلام" رقم طراز ہیں:

جب سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کاروانِ حیات کی چالیس منزلیں طے کر چکے تو قدرت نے جس مقصد کے لیے اُنھیں خلق کیا تھا اس کی تکمیل کے لیے مامور فرمایا اور ہدایتِ عالم کا بارِ گراں ان کے کاندھوں پر رکھ دیا۔ آپ کفر و شرک کے گھٹاٹوپ اندھیرے میں ہدایت کا چراغ جلانے اور اسلام کا پیغام گھر گھر پہنچانے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ بعثت کے ابتدائی سالوں میں دائرۂ تبلیغ محدود اور دعوتِ اسلام بڑی حد تک مخفی تھی۔ گنے چنے چند افراد کے علاوہ دوسروں سے اسلام کے اظہار میں احتیاط برتی جاتی تھی۔ نماز کے لیے تنہائی کے مواقع ڈھونڈے جاتے تھے۔ حضورِ اکرمؐ کبھی مکانوں میں چھپ کر اور کبھی حضرت علیؑ کو ہم راہ لے کر پہاڑوں کی گھاٹیوں میں نکل جاتے اور وہاں نماز ادا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جنابِ ابوطالبؑ نے ان دونوں بھائیوں کو پہاڑ کی گھاٹی میں نماز پڑھتے دیکھ لیا۔ آپؑ نے حضرت علیؑ کو بلایا اور ان سے پوچھا کہ یہ کون سا دین ہے جو تم نے اختیار کیا ہے؟ آپؑ نے کہا: میں اللہ اور اس کے رسول محمد بن عبداللہ کے دین پر ہوں۔ یہ سن کر حضرتِ ابوطالبؑ نے فرمایا: تم ان سے وابستہ رہو، یہ تمھیں نیکی و ہدیت کا راستا بتائیں گے۔ (طبری، ج ۲، ص ۵۸)

اگر ابوطالبؑ کفر پسند اور اسلام دشمن ہوتے تو آں حضرتؐ سے ضرور کہتے کہ آپؐ مجھ سے پوچھے بغیر میرے بچے کو اپنے نئے مذہب پر لگانے والے اور باپ بیٹے کے

درمیان ذہنی و نظریاتی تفرقہ ڈلوانے والے کون ہوتے ہیں؟ اور حضرت علیؑ سے بھی کہتے کہ تم اس جھگڑے میں نہ پڑو اور اپنے باپ کے دین و آئین پر قایم رہو۔ اس لیے کہ ہر انسان اپنی اولاد کو اپنے ہی دین و مذہب پر دیکھنا پسند کرتا ہے، مگر جنابِ ابوطالبؑ پیغمبرؐ سے کچھ پوچھنے یا حضرت علیؑ کو منع کرنے کے بہ جائے انھیں آں حضرتؐ کی پیروی کا حکم دیتے ہیں۔ یہ اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ وہ کفار و مشرکین کی مشرکانہ عبادات و رسوم کو پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھتے تھے ورنہ بت پرستی کے مقابلہ میں اس طرح عبادت کو اَمرِ خیر سے تعبیر نہ کرتے اور حضرت علیؑ سے یہ نہ کہتے کہ محمدؐ کے مسلک پر مضبوطی سے جمے رہو، وہ تمھیں نیکی اور بھلائی کے راستے پر لے جائیں گے۔ اس واقعہ سے یہ حقیقت بڑی حد تک آشکار ہو جاتی ہے کہ جنابِ ابوطالبؑ ذہنی طور پر پوری طرح اسلام سے ہم آہنگ اور اس کی پذیرائی پر ہمہ تن آمادہ تھے۔

آں حضرتؐ کو در پردہ تبلیغ کرتے ہوئے جب تین برس گزر گئے اور چوتھا سال شروع ہوا تو علانیہ تبلیغ اسلام کا حکم آیا۔ آپؐ نے ابوطالبؑ کے مکان پر ایک دعوت کا اہتمام کیا اور اپنے عزیز و اقارب کو جمع کر کے انھیں اللہ کا پیغام سنایا کہ وہ بتوں کی پرستش چھوڑ دیں اور خدا کی عبادت کریں۔ حضرت ابوطالبؑ قریش کے تیوروں کو سمجھ رہے تھے کہ وہ اپنے قدیم رسم و رواج کے خلاف کوئی آواز سننا گوارا نہیں کریں گے اور آں حضرتؐ کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں گے، لہٰذا آپ نے یہ مناسب سمجھا کہ پہلے ہی ان کے گوش گزار کر دیں کہ وہ ابنِ عبداللہ کو تنہا و بے سہارا نہ سمجھیں بل کہ ہم اُن کے دست و بازو بن کر اُن کے ساتھ ہوں گے اور ہر لحہ ان کے سینہ سپر رہیں گے۔ چناں چہ آپ نے جذبۂ حق پرستی سے سرشار ہو کر پُر اعتماد لہجہ میں فرمایا: خدا کی قسم! جب تک ہم زندہ ہیں، دشمنوں سے ان کی حفاظت کریں گے۔ (تاریخ کامل، ج ۱، ص ۲۱)

جب پیغمبرؐ کی آواز گھر کی چار دیواری سے نکل کر مکہ کی کفر پرور فضا میں گونجی تو

ردِعمل کے طور پر مخالفت کے طوفان اُٹھ کھڑے ہوئے۔ جو لوگ آنکھیں بچھاتے تھے وہ آنکھیں دکھانے لگے اور جو پھول برساتے تھے وہ آپؐ کی راہ میں کانٹے بچھانے لگے۔ قریش نے قدم قدم پر تبلیغِ حق کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کیں۔ وہ کون سی مشکل تھی جو آپؐ کے راستے میں حائل نہ کی گئی ہو اور وہ کون سا حربہ تھا جو استعمال نہ کیا گیا ہو۔ مگر عزمِ پیغمبرؐ نے کسی مشکل کو مشکل نہیں سمجھا اور آپؐ قریش کی معاندانہ سرگرمیوں کے باوجود ہمہ تن اپنے تبلیغی کاموں میں مصروف رہے۔ قریش نے یہ حال دیکھا تو وہ ایک وفد کی شکل میں حضرت ابوطالبؑ کے پاس آئے اور کہا: آپؑ عبداللہ کے بیٹے کے طور طریقے دیکھ رہے ہیں، اس نے چند بھولے بھالے لوگوں کو بہلا پھسلا کر اپنے دین میں داخل کر لیا ہے۔ ہم اس سے رُو بہ رُو باتیں کرنا چاہتے ہیں اور آپ بھی اُسے تنبیہ کردیں کہ وہ اپنا رویہ بدل دے اور اس نئے دین سے دست بردار ہو جائے۔ حضرت ابوطالبؑ نے قریش کے خطرناک تیوروں کو بھانپ لیا۔ خاموشی سے اُٹھ کر آں حضرتؐ کے پاس آئے اور فرمایا کہ چند اکابرینِ قریش آپؐ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں، اگر مناسب سمجھیں تو ان کی بات سن لیں ورنہ جیسا کہیں میں انھیں جواب دوں۔ آں حضرتؐ باہر تشریف لائے اور اُن سے پوچھا کیا کہنا چاہتے ہو؟ اُنھوں نے کہا: ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے بتوں سے نہ کوئی سروکار رکھیں نہ انھیں برا بھلا کہیں اور نہ ہمارے دین پر حملہ کریں۔ اگر آپؐ نے ہمارا مطالبہ مان لیا تو ہم آپؐ کے کسی کام میں دخل اندازی نہیں کریں گے، ورنہ...... آپؐ نے فرمایا: میں تو یہی کہتا ہوں کہ اللہ ایک ہے۔ اسی کی عبادت کرو اور اسے چھوڑ کر خود ساختہ خداؤں کی پرستش نہ کرو اور یہ میرا فرضِ منصبی ہے کہ میں بت پرستی کی مذمت اور خدا پرستی کی تبلیغ کروں۔ ابوطالبؑ کی وجہ سے قریش اور تو کچھ نہ کہہ سکے البتہ یہ ضرور کہا، یہ تو عجیب بات ہے، اس کے بعد سب کے سب منھ لٹکا کر چلے گئے۔

اس موقع پر حضرت ابوطالبؑ نے اپنے حُسنِ تدبیر اور حکمتِ عملی سے ایسا رویہ

اختیار کیا کہ قریش کے بھڑکے ہوئے جذبات مزید نہ بھڑکنے پائیں۔ اگر نرم روی کے بہ جائے سخت رویہ اختیار کیا جاتا تو دشمنی اور عناد کی آگ اور بھڑک اُٹھتی اور قریش کی تشدد پسند طبیعتیں اور زیادہ سختی و تشدد پر اُتر آتیں۔ اس مصلحت کے علاوہ دعوت فکر کا اہم مقصد بھی اس میں شامل تھا کہ قریش چراغ پا ہونے کے بہ جائے ٹھنڈے دل سے آں حضرتؐ کی باتیں سنیں اور ان پر غور وخوض کریں اور اپنے معتقدات اور ان کی تعلیمات کا جائزہ لے کر حق و باطل کا فیصلہ کریں اور جس طرح دیگر معاملات میں ان کی راست گوئی و صدق بیانی تسلیم کرتے آئے ہیں دین کے بارے میں بھی ان کی سچائی کا اعتراف کریں اور سوچیں کہ جس نے چالیس برس کی عمر تک کبھی جھوٹ نہیں بولا وہ یک بارگی اتنا بڑا جھوٹ کیسے بول سکتا ہے کہ رسالت اور اللہ کی نمایندگی کا دعویٰ کرنے لگے۔ مگر قریش اپنے عقیدوں سے دست بردار ہونے کو تیار نہ تھے اور نہ ہی اُن کی متجمد طبیعتوں میں بہ آسانی تبدیلی ہو سکتی تھی۔ اُنھوں نے دیکھا کہ اُن کے عقائد کا تحفظ اُسی وقت ممکن ہے جب اس داعیِ حق کا خاتمہ کر دیا جائے مگر ابوطالبؑ کے ہوتے ہوئے انھیں آں حضرتؐ پر حملہ کرنے کی جرأت بھی تو نہ تھی۔ چناں چہ انھوں نے ابوطالبؑ کی حمایت و سرپرستی کو ختم کرنے کے لیے یہ کھیل کھیلا کہ قریش کے ایک خوب صورت نوجوان عُمارہ بن ولید کو ابوطالبؑ کے پاس لائے اور کہا کہ آپ اسے اپنا بیٹا بنا لیں اور محمدؐ کی حمایت سے دست بردار ہو جائیں۔ جناب ابوطالبؑ نے ان کی یہ انوکھی فرمائش سنی تو فرمایا: "یہ اچھا انصاف ہے کہ میں تمھارے بیٹے کو لے کر پالوں اور اپنا بیٹا تمھارے حوالے کر دوں تاکہ تم اسے قتل کر دو، خدا کی قسم یہ کبھی نہیں ہو سکتا"۔

(تاریخ کامل، ج ۲، ص ۴۳)

قریش کا یہ مطالبہ انسان کے فطری لگاؤ، جذبۂ محبت سے بے خبری یا عمداً اس سے بے رُخی پر مبنی تھا کہ ابوطالبؑ اپنے حقیقی بھتیجے کو خوں خوار درندوں کے حوالے کر

دیں اور ایک اجنبی اور بے گانے کو لے کر اس کی پرورش کریں۔ ایک معمولی سطح کا انسان بھی اسے گوارا نہیں کرسکتا چہ جائے کہ ابوطالبؑ ایسا باحمیت انسان جو پناہ مانگنے والوں کے لیے بھی مضبوطی اور تن دہی سے جم جاتا ہو، وہ اپنے جگر بند کو اس آسانی سے خون آشام تلواروں کے سپرد کر دے اور اپنی حمیت، مروّت اور شرف کا کچھ بھی پاس ولحاظ نہ کرے۔

قریش کی اس پیش کش سے ان کی پست ذہنیتوں کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ آں حضرتؐ کی دشمنی میں کس حد تک ہوش وخرد کے تقاضوں سے دُور ہو چکے تھے کہ ایسی بے تکی باتوں پر اُتر آئے تھے۔ یہ امر غور طلب ہے کہ ایسے کج فکر لوگوں کو سمجھانا بجھانا اور ان کے ارادوں کو ناکام بنانا کتنا دُشوار تھا اور ان دشواریوں کو دُور کرنے میں کیا ابوطالبؑ کے علاوہ کسی اور کا بھی عمل دخل تھا؟ تاریخ کسی اور کا نام بتانے سے قاصر ہے۔ غرض قریش کا یہ حربہ بھی ناکام ہو گیا اور ان کی سخت گیریوں اور ستم رانیوں کے باوجود اسلام کی آواز دبنے کے بجائے اُبھرتی ہی گئی۔

اب قریشِ مکہ کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ اگر آں حضرتؐ کی آواز سے متاثر ہو کر لوگ اسی طرح اسلام میں داخل ہوتے رہے اور یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہا تو ایک دن یہ مختصر جماعت مکہ کی سیاست پر چھا جائے گی اور انھیں پیروں تلے روند کر ان کے اقتدار کو ملیامیٹ کر دے گی۔ جب انھیں انقلابِ نَو کے زیرِ اثر اپنا اقتدار خطرے میں نظر آیا تو چند شیوخ اور عمائدین ابوطالبؑ کے پاس پھر آئے اور ان سے کہا کہ پچھلی بار ہم خاموش ہو کر چلے گئے تھے مگر اب پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا ہے، ہم کہاں تک آپ کی بزرگی اور عظمت کا لحاظ کریں، بالآخر ہمیں وہ قدم اُٹھانا ہی پڑے گا جو اَب تک اس توقع پر نہیں اُٹھا کہ شاید یہ آواز دب جائے۔ اب آپ اپنے بھتیجے کو سختی سے سمجھا دیں کہ وہ خاموش ہو جائیں اور آسمانی باتوں کا سلسلہ ختم کر دیں ورنہ آپ درمیان سے ہٹ جائیں

اور ہمیں دوٹوک فیصلہ کر لینے دیں۔ جناب ابوطالبؑ نے جب ان کے بگڑے ہوئے تیور دیکھے تو آں حضرتؐ کے پاس آئے اور فرمایا کہ سردارانِ قریش پھر جتھا باندھ کر آئے ہیں، آپ کوئی ایسا طریقہ اختیار کریں جس سے ان کے جذبات مشتعل نہ ہوں، ورنہ اندیشہ ہے کہ اچانک وہ آپ کو قتل کر دیں گے۔ میں تنہا کہاں تک ان کا مقابلہ کروں گا۔ جناب ابوطالبؑ کی زبان سے یہ الفاظ سن کر پیغمبرؐ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور بھرائی ہوئی آواز میں آپؐ نے فرمایا: چچا! میں تو انھیں نیکی اور حق پرستی کی دعوت دیتا ہوں اور میرے منصب کا تقاضا بھی یہی ہے کہ میں انھیں اللہ کے احکام و پیغام سے مطلع کروں۔ خدا کی قسم! وہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے ہاتھ پر سورج رکھ دیں جب بھی میں اعلانِ حق اور تبلیغِ الٰہی سے دست بردار نہیں ہو سکتا۔ یہ کہ کر آپؐ وہاں سے چل دیے۔ ابوطالبؑ نے جب پیغمبرؐ کو جاتے دیکھا تو بوڑھے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا، آواز دے کر پیغمبرؐ کو روکا اور خود اعتمادی کے ساتھ فرمایا: برادر زادے! جائیے اور جو سمجھ میں آئے وہ کیجیے۔ خدا کی قسم! میں آپؐ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔ (طبری، ج ۲، ص ۶۷)

حضرت ابوطالبؑ کے اس جواب سے حضورؐ کے آنسوؤں کا مداوا ہو گیا، دل کے حوصلے بڑھ گئے اور تنہائی و بے یاری کا احساس جاتا رہا۔

اس تجدیدِ عہد کے بعد حضرت ابوطالبؑ نے سردارانِ قریش کی طرف رُخ کیا اور ان سے کہا، آپ لوگ کیوں کھڑے ہیں، جائیے اور جو بن پڑے وہ کیجیے۔ ① خدا کی قسم! میرے بھتیجے کی زبان کبھی جھوٹ سے آشنا نہیں ہوئی۔ اس جواب سے رسولِ اکرمؐ کی صداقت اور اسلام کی سچائی پر جناب ابوطالبؑ کے یقین و ایمان کا واضح طور پر پتا چلتا ہے۔

---

① تم لوگ کیوں کھڑے ہو؟ جاؤ اور جو تم بن پڑے کرو۔

قریش کے ان وفدوں میں اگرچہ ابوطالبؑ کو ایک واسطہ و ذریعہ ٹھہرایا جاتا رہا مگر وہ کسی موقع پر کفار قریش کے مسلک و نظریہ کی تائید و ہم نوائی کرتے نظر نہیں آتے۔ اگر وہ ان نظریات کے ہم نوا ہوتے تو جہاں پیغمبرؐ کو قریش کا پیغام پہنچاتے تھے وہاں یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ آپؐ ان کے مذہب کے خلاف کچھ نہ کہیں، نہ ان کے بتوں کی مذمت کریں۔ مگر تاریخ یہ بتانے سے قاصر ہے کہ آپ نے کسی موقع پر بھی کفار کی ہم نوائی کی ہو۔ قریش بھی ان کے طرز عمل سے یہ اچھی طرح سمجھ گئے کہ ان کی تمام تر ہمدردیاں اپنے بھتیجے کے (دین کے) ساتھ ہیں اور ان سے یہ اُمید نہیں کی جاسکتی کہ وہ آں حضرتؐ کی نصرت و حمایت سے دست بردار ہو کر ان کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ لہٰذا انھوں نے مزید کچھ کہنا سننا بے سود سمجھا اور ایک محاذ قائم کر کے پیغمبرِ اسلام کو طرح طرح کی اذیتیں دینا اور ستانا شروع کر دیا۔ کبھی ڈھیلے مارتے، کبھی کوڑا کرکٹ پھینکتے، کبھی کاہن، مجنوں اور آسیب زدہ کہتے اور جب آپؐ معروفِ نماز ہوتے تو مذاق اُڑاتے۔

(طوالت کے خوف سے ''خون اور گوبر''، ''آستینوں میں خنجر'' اور ''شعب ابوطالبؑ'' کے عناوین کو حذف کیا جارہا ہے)

اِخفائے اسلام

ابتدائے بعثت میں جب کہ دعوتِ اسلام مخفی تھی، رسولِ اکرمؐ مسلمانوں کو اظہارِ اسلام سے خود منع فرماتے تھے اور یہ تحفظ اسلام کا ایک انتہائی حکیمانہ طریقہ تھا۔ اس ہدایت کے مطابق بہت سے مسلمان اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھے ہوئے تھے اور (کوئی) دوسرا شخص ان کے ایمان و اسلام سے آگاہ نہ تھا۔ وہ لوگ اسی حد تک اسلامی اُمور کا پاس و لحاظ رکھتے جہاں تک ان کے حالات اجازت دیتے تھے مگر جب اسلام ایک جماعتی اور گروہی شکل میں اُبھر کر اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کی سعی کر رہا تھا تو اس وقت

بھی کچھ مسلمان ایسے تھے جو اپنے اسلام کو اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے تھے اور وہ لوگوں کے درمیان ایک غیر مسلم کی حیثیت سے جانے اور پہچانے جاتے تھے۔ وہ اپنے حالات کی کم زوریوں یا بعض خاندانی مصلحتوں کی بنا پر اپنے ایمان کو مخفی رکھنے پر مجبور تھے۔ اگر چہ وہ کفار کے ساتھ اُٹھتے اور بیٹھتے تھے اور بہ ظاہر انھی میں شمار ہوتے تھے لیکن ذہنی طور پر وہ اسلامی عقائد سے ہم آہنگ تھے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت عمر کی بہن فاطمہ جو سعید بن زید کو بیاہی تھیں اپنے شوہر کے ساتھ اسلام اختیار کر چکی تھیں مگر وہ اپنے اسلام کو مخفی رکھتی تھیں کیوں کہ ان کے بھائی حضرت عمر اور ان کے والدین اُس وقت سب کے سب کافر تھے۔ نیز ان کی طرف سے تشدد کا خطرہ تھا۔ اسی طرح نعیم بن عبداللہ جو قبیلہ بنی عدی سے تھے مسلمان ہو چکے تھے مگر اپنے قبیلے کے ڈر سے وہ اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھتے تھے۔ غرض اسی طرح مختلف قبیلوں کے متعدد افراد اسلام لا چکے تھے مگر وہ لوگ قبائلی پابندیوں اور سخت گیریوں کی وجہ سے اسلام کو پوشیدہ رکھتے تھے۔

ہجرت کے بعد جب مدینہ میں اسلامی حکومت کی تشکیل عمل میں آچکی تھی اس وقت بھی مکہ میں ایک ایسی جماعت موجود تھی جو در پردہ اسلام کی پابند تھی عم رسولؐ جناب عباسؓ بھی اسی خفیہ جماعت کے ایک فرد تھے۔ چناں چہ ابورافع کا کہنا ہے کہ میں عباس بن عبدالمطلب کا غلام تھا اور پیغمبرؐ کے عزیزوں کے گھروں میں اسلام جلوہ گر ہو چکا تھا۔ میں اور اُم فضل (زوجۂ عباس) اسلام سے مشرف ہو چکے تھے۔ ہمارا اسلام عیاں تھا لیکن عباسؓ کا اسلام مخفی تھا کیوں کہ وہ قوم کو اپنا مخالف بنانے کے حق میں نہیں تھے۔ (طبری، ج۲، ص ۶۹۰)

یہ لوگ اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھ کر دینِ حق کی وہ خدمات انجام دے رہے تھے جو اظہار اسلام کے بعد ممکن نہ تھیں۔ انھی لوگوں کے ذریعے کفارِ قریش کی ریشہ دوانیوں اور نقل و حرکت کی خبریں رسولِ اکرمؐ کے پاس مدینہ پہنچتی تھیں جن سے اسلام کا بھرپور

مفاد وابستہ تھا اور انھی خبروں کی بنا پر پیغمبرِ اسلام آیندہ درپیش حالات میں فائدہ اُٹھاتے تھے اور ہمیشہ ان سے اپنا رابطہ قایم رکھتے تھے۔ علامہ ابنِ عبدالبر نے عباس بن عبدالمطلب کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ مشرکین سے متعلق تمام خبریں تحریراً پیغمبرؐ کے پاس بھیجتے رہتے تھے جس سے مسلمانوں کو بڑی تقویت فراہم ہوتی تھی حال آں کہ عباس یہ چاہتے تھے کہ وہ پیغمبرؐ کے پاس چلے جائیں مگر آں حضرتؐ نے انھیں لکھا کہ مکہ میں تمھارا قیام مدینہ سے زیادہ بہتر اور سُود مند ہے۔ (الاستیعاب، ج ۱، ص ۲۸۵)

معلوم ہوا کہ ان لوگوں کا اِخفاے اسلام پیغمبرؐ کی مرضی اور اجازت سے تھا۔ اگر یہ اخفا اسلام کے منافی ہوتا تو آں حضرتؐ اس امر کی کبھی اجازت نہ دیتے۔ بہرحال اخفاے اسلام، اسلام کے منافی قطعی نہیں ہے اور اسلام کا مخفی رکھا جانا پیغمبرؐ کی نظر میں اسی طرح موردِ اعتبار و اعتماد ہے جس طرح اسلام کا علانیہ اقرار۔ اور اگر اثباتِ ایمانی کے لیے زبانی اقرار و اعلان کو ضروری قرار دیا جائے تو یہ شرط بہ ہر حال غیر ضروری ہوگی کہ وہ مخصوص لفظوں میں ہو تو معتبر ہے ورنہ نہیں۔ جب یہ قید ضروری نہیں تو جناب ابوطالبؑ کے اقرارِ وحدانیت اور رسالت سے انکار ممکن نہیں کیوں کہ انھوں نے متعدد بار مختلف الفاظ میں آں حضرتؐ کی نبوت کا اعتراف کیا ہے۔

ایمانِ ابوطالبؑ

پیغمبرِ اسلام کی حمایت و نصرت میں جناب ابوطالبؑ کی پامردی، فداکاری اور جاں نثاری تاریخ اسلامی کی وہ مسلمہ حقیقت ہے جس سے آج تک کسی کو انکار کی جرأت نہ ہو سکی۔ لیکن افسوس ہے کہ کچھ لوگوں نے اس نصرت اور فداکاری کی اصل روح کو مضمحل کرنے کی کوشش کی ہے۔ چناں چہ اس بات پر زور دیا جاتا رہا ہے کہ یہ نصرت مذہبی و اعتقادی جذبہ کے زیرِ اثر نہ تھی بل کہ اس میں قرابت داری اور عزیزداری کے جذبات کارفرما تھے بھلا وہ کیوں کر ان کی پاس داری و حمایت نہ کرتے؟

یہ بات اس حد تک تو دُرست ہے کہ آں حضرت ؐ حضرت ابوطالبؑ کے قریبی عزیز، پروردۂ ناصر اور حقیقی بھائی کی یادگار تھے اور یہ بھی مسلّم ہے کہ عربوں میں قرابت داری کا پاس ولحاظ زیادہ کیا جاتا ہے مگر کتنی ہی عزیز داری وقرابت داری کیوں نہ ہو، کوئی شخص اپنے دین وایمان اور مذہب کے مقابلہ میں قرابت داری، عزیز داری یا رشتہ داری کا خیال نہیں کرتا چہ جائے کہ اپنے عقائد کے خلاف آواز اُٹھانے میں تعاون کرے اور اپنے معبودوں کی تذلیل وتوہین کے سلسلے میں ہاتھ بٹائے مگر جنابِ ابوطالبؑ کا کردار یہ نظر آتا ہے کہ وہ بتوں کو برا بھلا کہنے پر پیغمبرؐ کی حوصلہ افزائی فرماتے ہیں اور اسلامی اُمور کی تبلیغ میں ان کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ اس طرزِ عمل کو کسی طرح بھی قرابت داری کا نتیجہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اور اگر یہ مان لیا جائے کہ پیغمبرؐ سے ابوطالبؑ کی والہانہ عقیدت ومحبت بر بنائے قرابت تھی تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان اپنے بیٹوں سے زیادہ قرابت رکھتا ہے یا بھتیجے سے؟ ظاہر ہے کہ جو قرابت اپنی اولاد سے ہوتی ہے وہ بھائی کی اولاد سے نہیں ہوتی۔ اگر اس نصرت میں نسبی قرابت کا جذبہ کارفرما ہوتا تو جنابِ ابوطالبؑ اپنے بیٹوں کی زندگیاں خطرے میں ڈال کر انھیں پیغمبرؐ کے بستر پر سونے کا حکم نہ دیتے بلکہ بھتیجے کے تحفظ پر اولاد کے تحفظ کو مقدم رکھتے۔ تاریخ عالم سے ایک بھی مثال پیش نہیں کی جاسکتی کہ کسی نے ایک ایسے شخص کی خاطر جس کے نظریات کو وہ باطل اور دعوے کو غلط سمجھتا ہو، محض قرابت کی بنا پر اپنی اولاد کو ہلاکت کی آگ میں دیدہ ودانستہ دھکیلا ہو۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس نصرت میں جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے منفرد تھی، قرابت کا جذبہ ہرگز کارفرما نہیں تھا بلکہ ایک مذہبی، دینی، ایمانی اور رُوحانی رابطہ تھا جو جنابِ ابوطالبؑ کو پیغمبرؐ کی نصرت وحمایت کے معاملے میں سرگرمِ عمل رکھے ہوئے تھا۔ ابولہب اور پیغمبرِ اسلام کے درمیان بھی تو رشتہ تھا وہ بھی آپ کا چچا تھا، نسبی قرابت کی بنا پر آخر وہ کیوں نصرت وحمایت کے لیے کھڑا نہیں ہوا؟ اس قریبی رشتہ

کی بنا پر وہ دشمنی اور عناد کے مظاہروں ہی سے باز رہتا۔ اسی طرح حضرت ابراہیمؑ اور آزر میں رشتہ تھا وہ بھی خلیل اللہ کا چچا تھا، آخر وہ ان کی ایذا رسانی کے درپے کیوں ہوا؟ اس رشتہ سے قوی تر رشتہ نوحؑ اور ان کے فرزند کے درمیان تھا، ان کے درمیان منافرت کی خلیج کیوں حائل رہی؟ صرف اس لیے کہ ان کے درمیان مذہبی ہم آہنگی نہ تھی۔ یہی حال جناب نوحؑ اور (جناب) لوطؑ کی بیویوں کا بھی ہے۔ میرے خیال میں حضرت ابوطالبؑ کی نصرت وحمایت کو قرابت پر محمول کرنا ایک طرح سے ان کی گراں قدر کاوشوں اور محنتوں پر پانی پھیرنے کی کوشش ہے۔

حضرت ابوطالبؑ کے اس طرزِ عمل کو دیکھنے کے بعد کہ انھوں نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ آں حضرتؐ کی خدمت، نصرت اور حمایت کے لیے وقف کر دیا تھا۔ ایک متوازن ذہن بہ آسانی یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ وہ پیغمبرؐ کی صداقت و رسالت کے قائل اور کفارِ مکہ کے مشرکانہ عقائد و اعمال سے بیزار تھے۔ اگر بیزار نہ ہوتے تو رسولؐ کی نصرت وحمایت میں اس تن دہی سے آمادہ نہ ہوتے اور نہ ان کی وجہ سے دنیا وجہان کی دشمنی مول لیتے۔ یہ ایک واضح ثبوت ہے کہ ان کا دل ایمان کی شعاعوں سے روشن اور صدق وصفا کی ضو پاشیوں سے منور تھا اور ان کے قلب پر اللہ کی وحدانیت اور رسولؐ کی رسالت کے تابندہ نقوش ثبت تھے نیز وہ دل کی گہرائیوں سے نبوت کی تصدیق کر چکے تھے اور اسی تصدیقِ قلبی اور یقینِ باطنی کا نام ایمان ہے، جیسا کہ قاضی عضد الدین نے تحریر فرمایا ہے کہ "ہمارے نزدیک ایمان یہ ہے کہ ان چیزوں میں رسولؐ کی تصدیق کی جائے جن کا شریعت میں وارد ہونا صراحتاً ثابت ہے اور یہی اکثر ائمۂ اہلِ سنت کا مسلک بھی ہے۔ جیسے قاضی باقلانی اور استاد ابواسحاق اسفرائنی وغیرہ۔ (شرح مواقف، ص ۷۱۸)

جب اکابر علمائے جمہور اور محققین کے نزدیک قلبی تصدیق اور باطنی اعتقاد ہی کا نام ایمان ہے تو پھر حضرت ابوطالبؑ کے ایمان سے انکار کی کیا وجہ ہے؟ جب کہ

نشرِ اسلام، تبلیغِ دین اور نصرت رسولؐ کے سلسلہ میں آپؑ کا طرزِ عمل اور کردار ہی آپ کی قلبی تصدیق اور باطنی اعتقاد کا زندہ ثبوت اور ایمان کی واضح شہادت ہے۔

اسی طرح حضرت ابوطالبؑ کے وہ بے شمار اشعار جو مختلف مواقع پر آپؑ نے ارشاد فرمائے ہیں، جذبۂ ایمان، جوشِ عقیدت، اعترافِ صداقت اور اسلام و بانیٔ اسلام سے لازوال محبت کے آئینہ دار ہیں۔ یہ اشعار عربی زبان میں ہیں، اختصار کے خیال سے اُردو ترجمہ پر مبنی چند نمونے پیشِ خدمت ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔

① جب کفارِ مکہ نے حضرت ابوطالبؑ سے شکایت کی کہ آپؑ اپنے بھتیجے (محمدؐ) کو اس بات سے روکیں کہ وہ ہمارے دین کو برا بھلا کہتے ہیں تو آپؑ نے رسولِ اکرمؐ سے فرمایا کہ بیٹا تم تبلیغِ حق کو جاری رکھو، خدا کی قسم! جب تک میں زندہ ہوں کفار کے ہاتھ تم تک نہیں پہنچ سکتے اور جب تک میرے بازوؤں میں طاقت ہے یہ لوگ تمھیں کوئی گزند نہیں پہنچا سکتے۔

② جب کفار کے عہدنامہ کو دیمک دفترِ بے معنی کی طرح چاٹ گئی تو حضرت ابوطالبؑ نے قریش کو یہ کہہ کر آگاہ کیا کہ بس اس میں اللہ کا نام باقی رہ گیا ہے۔ منکرین کو یقین نہ آیا تو آپؑ نے ان کے ظلم و ضد کو اپنے اشعار میں نظم کیا جن میں سے بعض کا مفہوم یہ ہے کہ عہدنامہ کی سرگذشت مقامِ عبرت ہے۔ جب بے خبروں کو اس کی خبر دی جاتی ہے تو وہ آئینۂ حیرت ہو جاتے ہیں۔ اس عہدنامہ میں جو کفر و عناد کی باتیں تھیں انھیں اللہ نے محو کر دیا اور ایک مجسمۂ صداقت (رسولؐ) کے خلاف جو زہر اُگلا گیا تھا وہ نقش برآب ہو کر رہ گیا ہے اور خدا کا شکر ہے کہ مخالفین کی تمام باتیں باطل ثابت ہوئیں۔

③ ایک شعر میں حضرت رسولِ خدا کی طرف اشارہ کر کے آپؑ نے فرمایا: آپؐ اللہ کے امین ہیں جس میں جھوٹ کی گنجائش نہیں، آپؐ بے ہودہ باتوں سے پاک اور راست گفتار ہیں۔

④ ایک اور شعر میں آپ فرماتے ہیں، آپؐ وہی اللہ کے رسولؐ ہیں جن کا ہمیں علم ہے اور آپؐ ہی پر ربّ العزت کی طرف سے قرآن نازل ہوا ہے۔

(مناقب شہرآشوب، ج۱، ص۳۹)

⑤ ایک شعر میں فرماتے ہیں: مجھے یقین ہے کہ محمد (ﷺ) کا دین دنیا کے تمام دینوں سے بہتر ہے۔ (تاریخ ابنِ کثیر، ج۳، ص۴۲)

⑥ ایک شعر میں فرمایا: پروردگار عالم اپنی نصرت سے ان کی دست گیری کرے اور اس دین کو جو سراسر حق ہے غلبہ دے۔ (سیرت ابن ہشام، ج۱، ص۲۹۲)

اسلام کی صداقت، دین کی حقانیت اور آں حضرت ﷺ کی رسالت کے ثبوت میں حضرتِ ابوطالبؑ کے اشعار اس کثرت سے ہیں کہ ابنِ شہرآشوب مازندرانی نے "متشابہات القرآن" میں سورۂ حج کی آیت وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَنْصُرُهٗ کے ذیل میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرتِ ابوطالبؑ کے وہ اشعار جو توصیف و تصدیقِ رسالتؐ پر روشنی ڈالتے ہیں تین ہزار سے زائد ہیں۔ ابنِ ابی الحدید نے آپ کے مختلف اشعار پر بحث کرنے کے بعد تحریر کیا ہے کہ:

> "یہ اشعار تواتر سے نقل ہوتے آئے ہیں، اگر متفرق طور پر ان میں تواتر نہ بھی ہو تو مجموعی طور پر بہرحال متواتر ہیں کیوں کہ وہ ایک ہی امر کی نشان دہی کرتے ہیں جو ان سب میں قدرِ مشترک ہے اور وہ قدرِ مشترک محمدؐ کی صداقت کا اعتراف ہے۔
>
> (شرح ابن ابی الحدید، ج۳، ص۳۱۵)

جب یہ ساری حقیقتیں آفتاب کی طرح روشن و منور ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ حضرتِ ابوطالبؑ کے ایمان سے انکار کیا جاتا ہے؟ کیا اس 'جرم' کی پاداش میں کہ انھوں نے پیغمبرِ اسلام کو پالا پوسا اور پروان چڑھایا؟ کیا اس 'گناہ' کے عوض کہ انھوں

نے کفارِ قریش سے ان کا تحفظ کیا؟ کیا اس قصور پر کہ انھوں نے مشرکین کی سازشوں کو ناکام بنایا؟ کیا اس خطا پر کہ انھوں نے جان، مال اور اولاد کی قربانی سے دریغ نہیں کیا؟ کیا اس جرم پر کہ انھوں نے اپنے اشعار کے ذریعے پیغامِ نبوت عرب کے گوشے گوشے تک پہنچایا۔ اگر ان تمام باتوں کا جواب نفی میں ہے تو پھر ایمانِ ابوطالبؑ کے معاملے میں تعصب اور تنگ نظری کیسی؟ جب کہ ائمۂ اہلِ بیتؑ میں سے کسی ایک نے بھی جنابِ ابوطالبؑ کے ایمان میں شک وشبہ کا اظہار نہیں کیا بل کہ سب کے سب ان کے ایمان پر متفق و متحد ہیں۔ اس اتفاق و اتحاد کو اجماعِ اہلِ بیتؑ بھی کہا جاتا ہے اور یہ اجماع علمائے اسلام کے نزدیک ایک مستند ماخذ، حجت اور سند کا درجہ رکھتا ہے۔ چناں چہ ابوالکرام عبدالسلام بن محمد تحریر فرماتے ہیں کہ:

> ”ائمۂ اہلِ بیت علیہم السلام اس امر پر متفق ہیں کہ ابوطالبؑ مسلمان مرے اور جو بات اہلِ بیت علیہم السلام کے خلاف ہو، وہ اسلام میں غیر معتبر ہے“۔ (ارجح المطالب، ص ۲۶۸)

علامہ طبرسیؒ رقم طراز ہیں کہ:

> ”ابوطالبؑ کے ایمان پر اہلِ بیت علیہم السلام کا اجماع ثابت ہے جو حجت اور سند ہے“۔ (مجمع البیان، ج ۲، ص ۲۸۷)

حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے:

> ”ابوطالبؑ اس وقت تک موت سے ہم کنار نہیں ہوئے جب تک انھوں نے اپنی طرف سے رسولِ خدا کو راضی و خوش نود نہیں کرلیا“۔ (شرح ابنِ ابی الحدید)

امام زین العابدین علیہ السلام سے ایمانِ ابوطالبؑ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؑ نے فرمایا:

"تعجب ہے کہ اللہ نے تو رسولؐ خدا کو یہ حکم دیا کہ وہ کسی مسلمان عورت کو کافر کے نکاح میں نہ رہنے دیں اور فاطمہ بنتِ اسد جو اسلام میں سبقت کرنے والی خواتین میں سے ہیں وہ مرتے دم تک ابوطالبؑ کی زوجیت میں رہیں"۔

(شرح ابن ابی الحدید، ج ۳، ص ۳۱۲)

اس مقام پر یہ امر ملحوظ رہے کہ فاطمہ بنت اسد اوائلِ بعثت میں اسلام سے مشرف ہوئیں اور بعدِ (آمد) اسلام دس برس تک حضرت ابوطالبؑ کی زوجیت میں رہیں۔ اگر ان دونوں میں مذہبی اختلاف ہوتے تو اس کا لازم نتیجہ یہ تھا کہ ان کے درمیان آئے دن تکرار اور مذہبی نزاع رہتی، مگر کوئی تاریخ یہ نہیں بتاتی کہ ان میں کبھی باہمی جھگڑا یا نظریاتی ٹکراؤ ہوا ہو۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک شخص نے کہا کہ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوطالب کافر تھے تو آپؑ نے فرمایا کہ وہ لوگ جھوٹے ہیں، ابوطالبؑ تو پیغمبرؐ کی نبوت کا اعتراف و اقرار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ہم نے محمدؐ کو ویسا ہی نبی پایا ہے جیسے موسیٰ تھے۔ جس کا تذکرہ پہلی کتابوں میں موجود ہے۔ (اصول کافی، ص ۲۴۲)

امام رضا علیہ السلام نے ابان بن محمود کو اس کے ایک مکتوب کے جواب میں تحریر فرمایا: "اگر تم ابوطالبؑ کے ایمان کا اقرار نہیں کرو گے تو تمہاری بازگشت دوزخ کی طرف ہوگی"۔ (مرآۃ العقول، ج ۲، ص ۲۶۳)

امام حسن عسکری علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ "ابوطالبؑ مومنِ آلِ فرعون کی مانند تھے جو اپنے ایمان کو مخفی رکھتے تھے"۔ (الحجۃ ابنِ معد، ص ۱۱۵)

ان تمام تاریخی شواہد و اقوالِ ائمہؑ کی موجودگی میں ایمانِ ابوطالبؑ پر کفر کے پھندوں کا ڈالا جانا حیرت انگیز و تعجب خیز ہے۔ یقیناً یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا کہ آپؑ

حضرت علی علیہ السلام کے باپ تھے ورنہ دنیا روشنی اور تاریکی کا فرق ضرور محسوس کرتی اور اس کے دینی ذوق میں کفر وایمان کا امتیازی شعور ضرور پیدا ہوتا۔ اگر روشنی کی شعاعیں نظروں کو اپنی طرف متوجہ کر رہی ہوں اور کسی اندھے انسان کو چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آئے تو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ نور یا روشنی کا وجود نہیں ہے۔ وہ تو اپنی جگہ ایک مسلّم حقیقت ہے، بس اسی طرح ابوطالبؑ کا ایمان بھی ایک تابندہ حقیقت ہے، اس سے وہی شخص انکار کر سکتا ہے جو سورج کی روشنی اور چاند کی چاندنی سے انکار کا عادی ہو گویا کسی تعصب کی وجہ سے اندھا ہو گیا ہو۔

وفاتِ ابوطالبؑ

حضرت ابوطالبؑ دین کے محافظ، اسلام کے پشت پناہ اور پیغمبرؐ اسلام کے لیے ایک دفاعی حصار اور مستحکم قلعہ تھے۔ انھوں نے سخت سے سخت مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور کسی موقع پر حرفِ شکایت لب پر آیا نہ جبین پر شکن آئی۔ اپنی جوانی و پیرانہ سالی میں ایک لمحے کے لیے بھی پیغمبرؐ اسلام کی حفاظت سے غافل اور اسلامی خدمات میں کوتاہی کے مرتکب نہ ہوئے بل کہ بسترِ مرگ پر بھی ان کا ذہن اسلام اور پیغمبرؐ اسلام کے تحفظ کی فکر سے خالی نہ تھا۔ چناں چہ جب شعب ابوطالبؑ کی پیہم و مسلسل اور جاں گداز مصیبتوں کے نتیجہ میں صحت نے جواب دے دیا اور موت کے آثار نظر آنے لگے تو شیوخ وعمائدین قریش کو طلب کیا اور انھیں امانت و صدق بیانی، صلۂ رحم، فُقرا کی اعانت و دستگیری اور خانۂ کعبہ کے احترام کی ہدایت کے بعد آں حضرتؐ کی حفاظت و نصرت کی وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

> "میں تمھیں محمدؐ کے ساتھ بھلائی کی وصیت کرتا ہوں۔ وہ قریش میں امین اور عرب میں صدیق (صادق) ہیں اور ان میں وہ تمام صفتیں موجود ہیں جن کی میں نے تمھیں وصیت کی ہے۔ وہ ایسی

چیز لے کر آئے ہیں جس کے دل معترف اور زبانیں عداوت کے خوف سے چپ ہیں۔ خدا کی قسم! گویا یہ منظر میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ عرب کے فُقرا اور اطراف و جوانب کے بادیہ نشین لوگ ان کی آواز پر لبیک کہہ رہے ہیں۔ محمدؐ انھیں لے کر سختیوں کے بھنور میں اُتر پڑے ہیں اور عرب کے سربلند اور سردار ذلیل ہو رہے ہیں اور ان کے گھر اُجڑ رہے ہیں اور کم زور و نادار افراد برسر اقتدار آگئے ہیں اور انھیں اپنی قیادت سونپ دی ہے۔ اے گروہِ قریش! تم بھی محمدؐ کے دوست اور ان کی جماعت کے مددگار بن جاؤ۔ خدا کی قسم! جو بھی ان کے بتائے ہوئے راستے پر چلے گا وہ خوش بخت ہوگا۔ اگر مجھے اور زندگی ملتی اور میری موت میں تاخیر ہوتی تو میں ان کی نصرت سے ہاتھ نہ اُٹھاتا، ان کے دشمنوں کے حملوں کو روکتا اور انھیں مصائب و آلام سے بچاتا"۔ (ثمرۃ الاوراق، ج ۲، ص ۱۳)

اس عمومی وصیت کے بعد اولادِ عبد المطلبؑ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"جب تک تم محمدؐ کی باتوں پر عمل اور ان کے احکام کی پیروی کرتے رہو گے خیر و سعادت سے بہرہ مند رہو گے ان کی پیروی کرو، ان کا ہاتھ بٹاؤ اور ہدایت یافتہ بنو"۔ (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۲۳)

زندگی کے آخری لمحوں میں پیغمبرؐ کی صداقت کی گواہی دینا، خیر و سعادت اور رُشد و ہدایت کو ان کے اِتباع سے وابستہ کرنا اعتراف رسالت و تصدیقِ نبوت نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ کیا یہ ہدایت آموز و ایمان افروز کلمات ان کے اسلام کے آئینہ دار نہیں ہیں؟ جب وصیت کر کے اپنے فریضہ سے سبک دوش ہوگئے تو موت کے آثار ظاہر

ہوئے، چہرے کا رنگ بدلا، پیشانی پر پسینہ آیا اور پیغمبرؐ کا سب سے بڑا مددگار و ناصر اور سرپرست و غم گسار چھیاسی برس کی عمر میں دنیا سے رخصت ہو کر جوارِ رحمت الٰہی میں پہنچ گیا۔ آں حضرتؐ پر غموں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، آنکھوں میں آنسو آ گئے اور گلوگیر آواز میں آپؐ نے اپنے ابنِ عم حضرت علیؑ سے فرمایا: ''جاؤ انھیں غسل دو، کفن پہناؤ اور دفن کا سامان کرو، خدا ان کی مغفرت کرے اور اپنی رحمت ان کے شاملِ حال رکھے''۔ (طبقات ابنِ سعد، ج ۱، ص ۱۰۵)

آں حضرتؐ نے غسل و کفن کی انجام دہی پر حضرت علیؑ کو مامور فرمایا حال آں کہ آپؑ اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ عقیل اور طالب کو علیؑ جیسا تقربِ دین حاصل نہ تھا۔ ابو طالبؑ ایسے مسلم و مومن کا غسل و کفن علیؑ جیسے ''ایمانِ کُل' کا استحقاق تھا۔ جہاں تک حضرت جعفرؓ کا تعلق ہے وہ بھی مولائے کائناتؑ کے استحقاق سے باخبر تھے۔ وہ اس وقت حبشہ میں تھے۔ غرض حضرت علیؑ نے غسل و کفن دیا۔ آں حضرتؐ تشریف فرما تھے اور اپنے محسن و مربی چچا کو کفن میں لپٹا ہوا دیکھ کر بہت روئے گریہ کر رہے تھے اور فرماتے تھے:

> ''اے چچا! آپؑ نے بچپن میں (مجھے) پالا، یتیمی میں میری کفالت کی، بڑے ہونے پر آپؑ نے میری نصرت و حمایت کی۔
> خداوندِ عالم میری طرف سے آپؑ کو جزائے خیر دے''۔
>
> (تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۲۶)

جب جنازہ اُٹھا تو آپؐ کندھا دیتے ہوئے شروع سے آخر تک شریکِ جنازہ رہے اور اس کوہِ صبر و ثبات کو کوہِ حجون کے دامن میں دفن کر کے واپس آئے۔

آں حضرتؐ کے لیے جنابِ ابو طالبؑ کی موت ایک عظیم سانحہ تھی، ان کا سب سے بڑا حامی و پشت پناہ دنیا سے رخصت ہوا تھا اور آپ خوں خوار دشمنوں کے

نرغے میں بے یار و مددگار رہ گئے تھے۔ اگرچہ مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی تھی مگر ان میں ابوطالبؑ ایسا بااثر کوئی نہ تھا جو قریش کے بڑھتے ہوئے مظالم کا انسداد کر سکے۔ چناں چہ ان کے اُٹھ جانے کے بعد قریش کے مظالم میں شدت پیدا ہو گئی اور آپؐ پر ظلم وستم کے پہاڑ ٹوٹنے لگے۔

ابن ہشام کا کہنا ہے کہ: "جب ابوطالبؑ وفات پا گئے تو قریش نے آں حضرتؐ کو اتنی تکلیفیں دیں کہ ابوطالبؑ کی زندگی میں آپؐ کو ستانے کی اتنی ہمت وہوس ان کے دلوں میں پیدا نہ ہو سکتی تھی"۔ (سیرت ابنِ ہشام، ج ۲، ص ۵۸)

جنابِ ابوطالبؑ کی وفات کا غم ابھی تازہ تھا کہ ان کی رحلت کے ایک مہینا پانچ دن بعد جنابِ خدیجہؑ نے بھی انتقال فرمایا۔ اس حادثہ کا بھی رسول اکرمؐ کے دل پر کافی اثر ہوا۔ آپؐ نے ان دونوں کا ایک سال غم منایا اور اپنے حزن وملال کی یاد باقی رکھنے کے لیے اس سال کا نام "عام الحزن" (غم واندوہ کا سال) رکھا اور فرمایا:

"ان دنوں میں اس اُمت پر دو عظیم حادثے ایک ساتھ وارد ہوئے ہیں۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ ان دونوں صدموں (میں) سے کون سا صدمہ میرے لیے زیادہ کرب واضطراب کا باعث ہے"۔ (تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۲۶)

آں حضرتؐ نے حضرتِ ابوطالبؑ اور حضرت خدیجہؑ کی وفات کو اپنی اُمت کے لیے ایک حادثۂ عظیم قرار دیا ہے، اس لیے کہ ابتدائے بعثت میں یہی وہ دو ہستیاں تھیں جنھوں نے اسلام کی نشرواشاعت میں نمایاں کردار ادا کیا اور پیغمبر اکرمؐ کی نصرت وحمایت کا بیڑا اُٹھایا۔ ایک نے اپنی ساری دولت آں حضرتؐ کے قدموں پر نچھاور کر دی اور دوسرا استبدادی طاقتوں کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اگر احسان شناسی کا جذبہ اور محسنِ خدمات کا احساس ہو تو یہ دونوں موتیں جو پیغمبرؐ کی زندگی کا عظیم حادثہ تھیں،

اُمت کے لیے بھی ایک ناقابلِ فراموش المیہ ہوں گی۔ حضرت ابوطالبؑ کی رحلت کے بارے میں مورخین کا کہنا ہے کہ آپؑ کا انتقال نصف ماہِ شوال یا ذیقعدہ بعثت کے دسویں برس ہوا۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ علامہ فروغ کاظمی نے اپنے اُسلوب میں مختلف مستند تواریخ کی مدد سے کس ملکہ و مہارت سے شان و مقامِ ابوطالبؑ پر روشنی ڈالی ہے۔ (ہمارے محترم بزرگ احمد عابدی صاحب نے محوّلہ بالا تحریروں کی کانٹ چھانٹ اور تصحیح کا حکم بھی صادر فرمایا جس پر کافی حد تک عمل کیا گیا)۔

بابِ دہم

عظمتِ ابوطالبؑ کے اعتراف

میں

معاصرین کا ہدیۂ تبریک

○

ہر مسلمان کا ایمان ابوطالبؑ ہے
اور نبوت کا نگہ بان ابوطالبؑ ہے
پیارے احمدؐ کا نکاح خوان ابوطالبؑ ہے
پھر بھی ہے شک کہ مسلمان ابوطالبؑ ہے

جس سے احمدؐ نے ہے تاعمر محبت رکھی
تم نے اس شخص سے پھر کیوں ہے عداوت رکھی

(قایم نقوی)

ع عزت ابوطالبؑ سے، شہرت ابوطالبؑ سے
ہم لائے ہیں لکھوا کر قسمت ابوطالبؑ سے

(سیّد سبطِ جعفر زیدی)

ناصرِ دین اسلام حضرت ابوطالبؑ ابتدائے اسلام ہی سے تاریخ کا موضوع رہے ہیں۔ کچھ کج فہموں نے نہ صرف حضرت ابوطالبؑ کو بلکہ حضرت عبدالمطلبؑ (جدِ رسولؐ) اور حضرت عبداللہ و آمنہ (رسولؐ خدا کے والدینِ محترمین) کو بھی نعوذ باللہ کافر خیال کیا تاکہ اُن کے اپنے آباؤ اجداد کے برابر رہیں۔ حضرت ابوطالبؑ، علی علیہ السلام کا باپ ہونے کی وجہ سے اُن کی تنگ نظری اور محسن کُشی کا خصوصی نشانہ بنے، لہٰذا اُنھیں کافر قرار دینے والوں میں عرب کے بدوؤں اور اسلام کے نام نہاد ٹھیکے داروں کے علاوہ وہ بھی شامل ہیں جو اس خاندانِ رسالتؐ کے بچے بچے کو "نُور کا" سمجھتے ہیں۔ البتہ چراغ ہدایت پھونکوں سے نہیں بجھتے اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو کر ہی رہتا ہے۔ حقیقی اہلِ ایمان کی نظروں میں تو حضرت ابوطالبؑ آغازِ اسلام ہی سے توحید و رسالت کے پروانے اور اسلام کے محسن تھے۔ بالآخر ابوطالبؑ کے دشمنوں میں سے بھی "ابوطالبؑ شناس" اور محسن نواز پیدا ہو گئے جنھوں نے خوارج و نواصب کی شرانگیزیوں اور چیرہ دستیوں کو بے نقاب کرنے کے ساتھ ساتھ ان کا پوری طرح قلع قمع کرنے کی ٹھان لی مگر اسے بھی اپنے اعلیٰ حضرت کی عظیم البرکت تعلیمات کا نتیجہ ٹھہرایا۔ گویا

ع جو درد چھپا ہے سینے میں اس درد کا کوئی نام نہیں
یہ زخم ہمارا اپنا ہے یہ درد متاعِ عام نہیں

علامہ صایم چشتی کے رشحاتِ قلم

دورِ حاضر میں دو جلدوں پر مبنی ضخیم کتاب ''ایمانِ ابوطالبؑ''[1] کے مصنف علامۂ اہلِ اسلام حضرت صایم چشتی رقم طراز ہیں:

''ہم خداوندِ بزرگ و برتر اور اس کے پیارے محبوب ﷺ کو حاضر و ناظر جان کر حلفیہ بیان کرتے ہیں کہ کتاب ''ایمانِ ابوطالبؑ'' تصنیف کرتے وقت ہمارے ذہن کے کسی گوشے میں یہ داعیہ موجود نہیں تھا کہ ہم یہ کتاب اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس مسئلہ کے خلاف تحقیق کی تردید و تکذیب میں تصنیف کر رہے ہیں اور نہ ہی ہمارے سامنے اس کے خلاف آپ کی کوئی واضح تحقیق موجود تھی''۔[2] گویا:

پیچھے نہ بھاگ وقت کی اے ناشناس دھوپ
سایوں کے درمیان ہوں سایہ نہیں ہوں میں

حضرت صایمؒ محض کلُّ جدیدٍ لذیذٌ کے قائل نہیں بل کہ اُنھوں نے ایسے ناہنجار خوارج کی بھی خبر لی ہے جنھوں نے معراجِ مقدس کا تمسخر اُڑانے کے ساتھ ساتھ حضرت عبدالمطلبؑ، حضرت ابوطالبؑ، حضرت حمزہؓ اور حضرت خدیجہؑ کے متعلق بھی ہرزہ سرائیاں کی ہیں۔ ان ہرزہ سرائیوں کی تکرار کا تو ہم تصور بھی نہیں کر سکتے البتہ ایمان فروشوں کی کُلِ ایمان سے دشمنی کا ایک واقعہ حضرت صایمؒ ہی کے لفظوں میں درج کرنا ضروری محسوس ہو رہا ہے:

---

[1] کتاب ہذا کا پورا نام عیون المصائب فی اثبات ایمانِ ابوطالبؑ ہے۔

[2] اس صورت میں صایم صاحب مرحوم کی نظر سے نذیر انصاری صاحب کی وہ کتاب گزرنا بھی بعید ہے جو انھوں نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی کتاب کے جواب میں تحریر کی تھی۔

"ایک ناقابلِ تذکرہ مولوی صاحب کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا ہے کہ" چھوڑو یار علیؑ کی بہادری بھی دیکھ لی۔ گھر میں بی بی فاطمہؑ نے ڈنڈوں سے مارا تو مسجد کی طرف دوڑ پڑے۔ اس واقعہ کے عینی شاہد (سامع) بفضل اللہ تعالیٰ بہ قیدِ حیات ہیں اگر کسی کو شک ہو تو وہ ہم سے مل کر اپنی تسلی کر سکتا ہے"۔

ایسے کئی ناقص العقل (نقلِ کفر، کفر نہ باشد) مولوی آج بھی موجود ہیں جو علیؑ اور خاندانِ علیؑ کی دشمنی پر تلے ہوئے ہیں۔ حال آں کہ قرآن وحدیث کی تعلیمات کے مطابق انھی کی دوستی اعمال کی قبولیت کی سند ہے، حتیٰ کہ یہ توحید و رسالت اور آخرت کے عقائد کی شرایط میں سے ہے۔

قطع نظر ان جاہلوں کی خرافات کے، ہم آتے ہیں دورِ حاضر کے اُن باشعور اہلِ اسلام کی آرا کی طرف جن میں اُنھوں نے کھا ہے کہ حضرت ابوطالبؑ کی عظمت کو بھرپور خراجِ تحسین پیش کیا ہے (یہاں صرف معاصر اہلِ اسلام کی آرا درج کی جارہی ہیں کیوں کہ گذشتہ صدیوں کے باشعور علما کی آرا اور ابحاث پر مبنی ایک مکمل باب پہلے ہی کتاب کی زینت بنایا جاچکا ہے)۔

سوادِ اعظم کے مُعاصر علما میں حضرت صایم چشتی رحمۃ اللہ علیہ سرِفہرست ہیں۔ حضرت نے "اسنی المطالب" کا اُردو ترجمہ کیا اور پھر ایمانِ ابوطالبؑ پر دو جلدوں پر مشتمل ایک ضخیم کتاب لکھی۔ بعض اہلِ تسنن نے تو انھی کو اس کارِ مخالفت کا سرخیل گردانا ہے اور اُن پر اعلیٰ حضرت کے راستے سے ہٹ کر بدعت پیدا کرنے کا الزام لگایا ہے جس کے جواب میں اُنھوں نے قرونِ وسطیٰ سے لے کر آج تک کے انصاف پسند اور معتدل مزاج علمائے اہلِ سنت کے فرمودات کو پیش کر کے ابطالِ باطل کیا ہے۔ گویا دفاعِ حق کا ایک عظیم اہتمام فرما گئے۔ بہ قول انورؔ جمال:

؎ میں مر بھی اگر جاؤں، تو ممکن ہے مرے بعد
ظلمت کے مقابل کوئی انورؔ نکل آئے

نادر جاجوی نے "ایمانِ ابوطالبؑ" کی تاریخ تصنیف اور تعریف و توصیف اپنے اشعار میں کی ہے۔

بہت سے علمائے معاصر نے بھی اس کتاب کی تقریظیں، مقدمے اور تصدیریں تحریر کی ہیں۔

خود مصنف کتاب ہذا، کتاب مذکور کی تقدیم (جلد دوّم) میں رقم طراز ہیں:

مولانا کوثر نیازی لکھتے ہیں: (نمونہ از خروارے): "حضرت علامہ صایم چشتی کی کتاب "ایمانِ ابوطالبؑ" یقیناً ان کے لیے ذریعۂ نجات ثابت ہوگی۔ یہ عاشقانِ رسولؐ اور محبانِ آلِ رسولؐ کے لیے ایک ایسا اَن مول تحفہ ہے کہ اس موضوع پر اوّلین و آخرین میں سے آج تک کسی نے ایسی جامع علمی تالیف پیش نہیں کی۔ ①

خدائے بزرگ و برتر کا شکر ہے کہ میں نے جب سے عالمِ شعور میں قدم رکھا میرا عقیدہ حضرت ابوطالبؑ کے متعلق دُرست رہا"۔

صایم چشتی نے اپنی تحقیق سے یہ بھی واضح فرمایا ہے:

سابقہ اَدوار کے صوفیائے کرام میں دو قسم کے بزرگ ہیں: ایک تو وہ ہیں جو حضرت ابوطالبؑ کے معاملہ میں بالکل خاموش ہیں اور اُنھوں نے نہ تو حضرت ابوطالبؑ کے حق میں کوئی رائے زنی کی ہے اور نہ اُن کے خلاف کوئی لفظ منھ سے نکالا ہے۔

اور دوسرے وہ ہیں جو حضرت ابوطالبؑ کا ذکرِ خیر انتہائی ادب و احترام اور نہایت مستحسن الفاظ میں کرتے ہیں۔ اس طرح علمائے کرام میں بھی اس قسم کے دو گروہ ہیں: ایک تو وہ جو ضرورتاً روایت نقل کر دیتے ہیں لیکن اس کے ساتھ حضرت ابوطالبؑ

---

① کوثر نیازی صاحب نے اُردو کتب کے علاوہ عربی فارسی کتب بھی ملاحظہ کی ہوتیں بالخصوص "الغدیر" کی ساتویں جلد بھی دیکھی ہوتی تو بہتر ہوتا۔ البتہ کتب اہلِ تسنّن کے تناظر میں اُن کی

کی خدمات کا ذکر اس انداز سے کر دیتے ہیں کہ جس سے روایت کی سنگینی میں کمی واقع ہوجائے۔

دوسرا گروہ علمائے کرام کا وہ ہے جو مخالف روایت نقل کرنے کے بعد کچھ ایسی روایات نقل کر دیتے ہیں جن سے حضرت ابوطالبؑ کا مومن ہونا ثابت ہوجائے۔

تیسری قسم کے لوگ جنھیں ہم علمائے ظواہر کا نام دے چکے ہیں اُن کا تذکرہ تو بے سود ہے۔ وہ لوگ محض حضرت ابوطالبؑ کے متعلق ہی بدگمان نہیں بلکہ ان کے نزدیک امام الانبیاء ﷺ کے تمام آباؤ اجداد اور والدین کریمین بھی کافر و مشرک اور جہنمی ہیں حتیٰ کہ وہ اُن کو کافر ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا چکے ہیں۔

الغرض بُغضِ محمدؐ و آلِ محمدؐ سے بچے ہوئے لوگوں ہی کا ایمان محفوظ ہے۔ اب ہم دوبارہ آتے ہیں اُن لوگوں کی طرف جو بُغضِ علیؑ کے سبب سے قیمتاً تیار کروائی گئی روایات پر تین حرف بھیجتے ہیں۔ وہ اپنی عقل سے کام لیتے ہیں اور کسی اعلیٰ سے اعلیٰ سرکار کے فتوے کو خاطر میں نہیں لاتے۔ یقیناً ایسے صاحبانِ عقل اور صاحب الرائے محترم حضرات اس شعر کے مصداق ہیں۔

ے جو ہم نہ ہوں تو زمانے کی سانس رُک جائے
قتیلؔ وقت کے سینے میں ہم دھڑکتے ہیں

ان محبانِ ابوطالبؑ اور عقیدت مندانِ اَسلافِ رسالت کی تحریروں کے اقتباس ملاحظہ ہوں (جنھیں ایمانِ ابوطالبؑ میں فتاویٰ کا نام دیا گیا ہے مثلاً پہلا فتویٰ خواجہ قمرالدین چشتی نظامی سیالوی صاحب کا ہے جن کے نام کے ساتھ مذکور القاب میں سے ایک قمرِ آسمانِ ولایت بھی ہے، اللہ اکبر!)۔

خواجہ قمرالدین سیالوی کی رائے

"ہم بعض نے کہ "کا عقیدہ

درست ہے یا نہیں۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ یہ تو طے شدہ مسئلہ ہے کیوں کہ جلیل القدر علما (اللہ تبارک وتعالیٰ ان جیسوں کی کثرت فرمائے) نے نجاتِ ابوطالبؓ کے متعلق کتابیں تصنیف فرمائی ہیں مثلاً اسنی المطالب فی نجاتِ ابوطالبؓ اور اس کے علاوہ دیگر کتب ہیں۔ اور حق بات یہ ہے کہ سیدنا رحمۃ للعالمین ﷺ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے صاحبِ اختیار ہیں۔ آپؐ جسے چاہیں پاک کریں اور جسے چاہیں ایمان عطا فرمائیں حتیٰ کہ سنگ ریزوں، چوپایوں اور پتھروں کو بھی، تو یہ کیسے متصوّر (تصور) کیا جاسکتا ہے کہ آپؐ نے اپنے چچا کے قلب کو پاک نہیں فرمایا اور ان کے سینے کو نورِ ایمان سے منوّر نہیں فرمایا"۔ (ایمانِ ابوطالبؓ، ج ۱، ص ۴۰-۴۲ سے انتخاب)

حالاں کہ حضرت اقبالؒ یہ واضح فیصلہ دے چکے ہیں ؎

کی محمدؐ سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

شیرِ اہلِ سنّت مولانا عطا محمد چشتی گولڑوی کی رائے

"......منکرینِ ایمانِ ابوطالبؓ نے حدیثِ مسلم شریف کو اصح اس لیے کہا ہے کہ یہ صحیحین کی حدیث ہے اور ابنِ اسحاق کی حدیث صحیحین کی حدیث نہیں ہے تو بندہ اس کو تسلیم نہیں کرتا کہ حدیثِ مسلم اس لیے اصح ہے اور اس کو ترجیح اس وجہ سے ہے کہ یہ حدیث مسلم شریف میں ہے۔ دیکھیے مسلم شریف میں ایک حدیث ہے جس سے آں حضرت ﷺ کے والدِ ماجد کا کافر ہونا ثابت ہوتا ہے حال آں کہ محققین کے نزدیک ترجیح ان احادیث کو حاصل ہے جن سے آپ کے والدین کریمین کا مسلمان ہونا ثابت ہوتا ہے، حال آں کہ ایمان کی احادیث صحیحین میں نہیں ہیں۔ ① اسی طرح

---

① یہ الگ بحث ہے کہ صحیحین میں تکفیری روایات ہی کیوں ہیں تسلیمی روایات کیوں نہیں؟!

حضرت ابوطالبؑ کے ایمان کی حدیث اگرچہ صحیحین میں نہیں ہے مگر ترجیح اسی ایمان والی حدیث کو ہوگی"۔

سیّد محمود شاہ المعروف محدّث ہزاروی کی رائے

"......جن روایاتِ شہرت یافتہ کی اباطیل کے سہارے انھوں نے ایسا کیا (یعنی ایمانِ ابوطالبؑ کا انکار کیا) وہ دراصل یہودی سازش کی بغاوت کی یادگار ہیں اور دینِ حق اسلام پر سے اعتماد و اعتقاد متزلزل کرنے کو ایجاد کی گئی ہیں۔ ① معلم و مقصودِ کائناتؐ نے غیب بیانی سے ملّت کی نگہ بانی فرمائی...... تمھیں میرے بعد بہت سی احادیث پیش آئیں گی تو جب میری نسبت سے تمھیں حدیث بیان کی جائے تو اسے متنِ ضابطہٗ کائنات (قرآنِ مجید) پر پیش کرو۔ اس طرح جو موافق ہو قبول کرو اور جو مخالف ہوا سے رد کردو

(اصولِ شاشی بحث سنت)...... (ایمانِ ابوطالبؑ، ج ۱، ص ۷۰)

ہزاروی صاحب قبلہ! یہ لوگ تو مفاہیمِ قرآن کو بدل رہے ہیں (علی علیہ السلام کے لیے اُترنے والی آیت کو دشمنِ علیؑ سے منسوب کردیتے ہیں)۔ گویا

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق
(اقبالؔ)

صاحب زادہ فیض الحسن شاہ (مہاروی) کی رائے

"محبوب سے منسوب ہر چیز مرغوب ہوتی ہے اور انسان طبعاً ایسی ہر چیز کی تعریف پر مجبور ہوتا ہے، دوست کا دوست بھی دوست ہوتا ہے اور دشمن کا دشمن بھی دوست۔ کچھ لوگ

---

① خود یہودیت سے متاثر ہونے والے آج اہلِ حق کو سبائی ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں، ملاحظہ کیجیے کتاب چہ کفیلِ محمدؐ۔

اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ ہر قیمت پر مخالفین خاندانِ نبوت کو متقی، پرہیزگار اور اسلام کا ہیرو ثابت کیا جائے اور ان کی یہ کاوش ان کی باطنی کیفیت کی غماز ہوتی ہے.......

وہ ابوطالبؑ جنھوں نے نازک سے نازک حالات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حمایت اور حفاظت کی۔ اس حمایت کی پاداش میں روسائے عرب سے معتوب ہوئے، شعب ابی طالبؑ میں مقاطعہ کی طویل مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ ہر موقع پر عشق و محبتِ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ثبوت دیا۔ جن کی وفات کے سال کو عام الحزن قرار دیا گیا ہے، جن کی مساعی کو حضورؐ نے سراہا اور جن کی شفقت کو ہمیشہ محبت سے ذکر کیا۔ ان کے ایمان لانے یا نہ لانے کے متعلق روایات میں اختلاف ہے۔ ان سے مثبت یا منفی معنی لینا اپنے اپنے ذوق کی بات ہے"۔ (ایمانِ ابوطالبؑ، ج ا، ص ۷۲-۷۳)

ع تمھارا ذوق بھی بے ذوق ہی لگا ہم کو

علامہ پیر سید محمد امین شاہ نقوی رضوی کی رائے

ابوطالبؑ جسے بخشا خدا نے
مگر بخشا نہیں دار القضا نے

اس میں شک نہیں کہ سیدنا ابوطالبؑ نے عمر بھر جس انداز سے حضورِ اقدس سیدِ عالم ﷺ کی خدمت و اُلفت اور حفاظت و نصرت کا شاندار فریضہ انجام دیا ہے وہ چودہ سو سال میں کسی بڑے سے بڑے مردِ مومن کو بھی نصیب نہیں ہوا۔

ع یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا۔

اور آپؑ کے پورے خاندانِ ذی شان نے میدانِ کرب و بلا میں بھی جس ایثار و قربانی سے دینِ اسلام کی بنیاد رکھی ہے، تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

ع عزمِ حسینؑ عزم تھا پروردگار کا

اس کے باوجود بھی بعض سرپھرے لوگ اپنی جہالت کی بنا پر سیدنا ابوطالبؑ اور

والدینِ مصطفیٰ ؐ پر تقریر و تحریر کے ذریعے آئے دن نت نئے (متن اصلاح کے ساتھ درج کیا ہے) مختلف نوعیت کے بے بنیاد اعتراضات اُچھالتے رہتے ہیں کہ حضرت ابوطالبؑ نے کلمہ نہیں پڑھا۔

؎ زباں سے گہ بھی دیا لاالٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

مگر حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگوں کا اپنا ایمان مشکوک ہے اور محلِ نظر ہے۔ ساتھ ہی ہمیں یہ کہنے میں بھی باک نہیں کہ جن اہلِ علم نے اس قسم کی روایات زبانِ قلم سے بتائیں یا بتائیں ہمیں ان کے اعلان (ایمان) میں تو شک ہوسکتا ہے مگر سیّدنا ابوطالبؑ کے ایمان میں ایک لحظہ کے لیے بھی شک نہیں ہوسکتا کیوں کہ ارشادِ قرآن ھل جزاء الاِحْسَانُ..... کے مطابق جس ابوطالبؑ نے خدا کے دین پر احسان کیا ہے وہ خدا ابوطالبؑ کو احسان کا بدلہ احسان کی صورت میں ضرور دے گا۔ بھلا غور تو کرو اگر ایسا عاشقِ رسول (نعوذ باللہ) دوزخی ہے تو پھر جنتی کون ہوگا؟

؎ ہر اِک پہ لگادیتا ہے تو کفر کا فتویٰ
اسلام ترے باپ کی جاگیر نہیں ہے

......سیّدنا ابوطالبؑ کا نامِ نامی بعض اہلِ علم نے عمران لکھا ہے اور بعض حضرات عبدالمناف تحریر کرتے ہیں تو آیئے ذرا حضرت کے اسمِ گرامی کے معنی دیکھیں کہ یہ نام کس حقیقت کی غمازی کررہا ہے۔ عبد کا معنیٰ ہے (کے معنی ہیں) بندہ اور مناف کا معنیٰ ہے (کے معنی ہیں) جس سے ہر چیز کی نفی کی جائے، یعنی خدا (جس کے) ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جاسکے، لہٰذا منکرینِ ایمان (منکرینِ ایمانِ ابوطالبؑ) سے نقوی یہ سوال کرتا ہے کہ سیّدنا ابوطالبؑ کے اسمِ گرامی نے ہی ڈنکے کی چوٹ پر اعلان نہیں کردیا کہ مَیں اس کا بندہ ہوں جس کے ساتھ بتوں کو شریک نہیں ٹھہرایا جاسکتا"؟!۔

(ایمانِ ابوطالبؑ، ج ا، ص ۷۵ تا ۷۷)

سیّد شبیر احمد ہاشمی خلیفۂ مجاز محدِّث ہزاروی

"......محبوب سے محبّت کا تعلق اور رشتہ یہ ہے کہ ہر اُس چیز سے محبّت کی جائے جس کی نسبت محبوب سے ہو اور ہر چیز کو محبوب رکھا جائے جسے محبوب نے پسند کیا ہو۔ خداوندِ تعالیٰ کا صاف فیصلہ ہے کہ خدا کو راضی رکھنا ہے تو پھر خدا کے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو محبوب رکھو اور رسولِ کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ جو مجھے محبوب رکھنا چاہتا ہے وہ اسے محبوب رکھے جسے میں نے محبوب رکھا ہے۔ اسے پسند کرے جسے میں نے پسند کیا ہے اور ہر (اُس) چیز کو محبوب رکھے جس کی نسبت مجھ سے ہو، خواہ وہ نسبت ذاتی وابدی ہے یا الحاقی وصفاتی ہے۔

حضور ﷺ اور حضرت ابوطالبؓ کا آپس میں عجیب رشتہ اور تعلق تھا۔ اختلاف ایک ایسی چیز ہے جو کسی قیمت پر بھی اکٹھا نہیں رہنے دیتی۔ جب حضور پُرنور ﷺ اور حضرت ابوطالبؓ ۴۲ سال اکٹھے رہے، خطبۂ نکاح (بھی ابوطالبؓ نے) پڑھایا، اکٹھے کھاتے پیتے رہے۔ حضور ﷺ کے مشورہ و پروگرام سے اتفاق کیا۔ خدا کو ایک مانا، رسول ﷺ کو برحق رسول مانا، تبلیغِ حق کی تائید کی اور حمایت کی بل کہ خود بھی تبلیغ کی۔ نبی ﷺ کی غلامی میں زندگی گزار دی، لالچ (نہ رکھتے ہوئے) اور پھر (دشمن کے) ڈر کی پروانہ کرتے ہوئے ڈٹ کر ساتھ دیا۔ شعب ابوطالبؓ کو بھی قبول فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ کے پروگرام سے اختلاف کرنے والے پہلے ہی الگ ہوگئے، جن میں ابولہب بھی ہے، اتفاق کرنے والوں میں حضرت ابوطالبؓ صفِ اوّل میں (نظر) آتے ہیں۔ رہا ظاہری کلمہ، وہ بھی حضرت عباسؓ کی موجودگی میں پڑھ لیا۔ فرعون والوں میں سے ایک شخص نے اپنا ایمان پوشیدہ رکھا، موسیٰؑ کی کوئی خدمت نہ کی، علانیہ مدد وحمایت نہ کی لیکن ایک وقت آیا کہ جب موسیٰؑ کو قتل کیا جانے لگا تو وہ مومن شخص جس نے اپنا ایمان چھپا رکھا تھا موسیٰؑ کے حق میں بول اُٹھا۔ رب نے

اسے مومن قرار دیا۔ اس کا نام ہی مومن رکھا۔ اس کے ایمان کی خود رب نے تائید کی تو پھر حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان پر کیوں کر شبہ کیا جا سکتا ہے؟! اصل میں یہ ایک سازش ہے کہ اگر نبی ﷺ کی ۴۲ برس کی غلامی و خدمت سے راہِ ہدایت نہیں ملی تو پھر ولیوں اور پیروں سے کیا حاصل ہوگا۔ یہ تحریک اور سازش غیروں اور گستاخوں کی ہے جس میں ہمارے اپنے بھی سادگی اور کوتاہ اندیشی کی وجہ سے شامل ہو بیٹھے"۔

(ایمانِ ابوطالبؑ، ج ا، ص ۶۹ تا ۷۲)

صاحب زادہ سیّد محمد افتخار الحسن زیدی کی رائے

"......حضرت ابوطالبؑ کا اصلی نام عمران تھا۔ ابوطالبؑ آپ کی کنیت تھی اور اگر بغض وعناد کا کوئی پیکر قرآنِ پاک کی سورۂ آلِ عمران کو سورۂ آلِ مروان کہے تو اس کا کیا علاج......" (تاریخی واقعہ ہے کہ ایسا بھی کیا گیا)۔

مزید برایں مولانا محمد اقبال احمد فاروقی، علامہ حامد الوارثی صاحب اور علامہ مولانا محمد عبدالغفور صاحب کی آرا بھی پیش کی جا سکتی ہیں لیکن دامنِ قرطاس میں گنجائش نہیں۔

المختصر جہاں ہر مولوی صاحب اور پیر صاحب کو قدوۃ السالکین، مدظلہ العالی، قمرِ ولایت، فخر الادبا اور سید الشعرا بنا دیا جاتا ہے اور وہ لگتے ہیں بے جا اترانے، وہاں کچھ شریف لوگ کبھی کبھی حق بات بھی کہہ جاتے ہیں (ان شریف النفس اہلِ حق پر ہمارا سلام ہو)۔

پروفیسر حامد منہاس کی رائے

پروفیسر حامد منہاس قبل از اسلام اور بعد از اسلام، اسلام دشمن تحریکوں کے بارے میں معلومات کا چلتا پھرتا انسائیکلوپیڈیا ہیں۔ اُن کی رائے ہے کہ ابوطالبؑ کو کافر کہنے والے کسی صورت مسلمان کہلانے کے حق دار نہیں۔ ابوطالبؑ دشمنی کی یہ تحریک

فی الحقیقت اسلام دشمنی کی تحریک ہے جو منافقین کے رذیل ذہنوں کی پیداوار اور خبیث دلوں کی آواز ہے۔ افسوس صد افسوس! کچھ سادہ لوح مسلمان بھی اس تحریکِ منافقت کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں۔

آغا ضیغم عباس جعفری کی رائے

آغا صاحب عاشقِ ابوطالبؑ ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ حضرت ابوطالبؑ نہ ہوتے تو آج دینِ اسلام کا کہیں نام و نشان نہ ہوتا۔ ابوطالبؑ نے نہ صرف خود اسلام اور رسولِ اسلام کی محافظت فرمائی بلکہ ضربِ ید اللّٰہی اور سجدۂ شبیریؑ کی صورت میں دین کو مسلسل محافظت سے سرفراز فرما گئے، اور اب ظہورِ مہدیؑ بھی حضرت ابوطالبؑ کی انقلابی وصیت کا ثمر ہوگا۔

الحاج اختر علی ملہی کی رائے

ملہی صاحب قحط الرجال کے اس دور میں قوتِ ایمانی سے مالا مال، متقی اور صاحبِ کردار مومن ہیں۔ ایک گفتگو کے دوران میں اُنھوں نے کہا: ابوطالبؑ کا احسان ہے کہ آج ہم مسلمان ہیں۔ اگر ابوطالبؑ کی چھتر چھاؤں نہ ہوتی تو آغازِ اسلام سے لے کر آج تک انسان کفر کی کڑی دھوپ میں جل رہے ہوتے۔

آغا زاہد علی صادق کی رائے

آغا زاہد علی صادق صادقِ آلِ محمدؐ کی فقہ کے پرچارک مجاہدِ آلِ عبا ہیں۔ اُن کا کہنا اور سچ کہنا ہے کہ جن کو اپنے باپ کا صحیح علم نہیں ہوتا وہ کُلِّ ایمان علی علیہ السلام کے باپ کے ایمان پر شک کرنے لگتے ہیں۔ یہ سب لوگ بنی اُمیہ کی باقیات اور اہلِ خرافات ہیں۔

پروفیسر حافظ ذوالفقار احمد کی رائے

حافظ ذوالفقار احمد صاحب اسلامیات کے نامور لیکچرر ہیں۔ جب اُن سے پوچھا گیا کہ آپ حضرت علی علیہ السلام کے والدِ گرامی حضرت ابوطالبؑ کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟ تو کہنے لگے: کہاں مَیں کہاں یہ مقام اللہ اللہ۔ میں اور صاحبِ ذوالفقار کے باپ کے بارے میں رائے؟ لیکن آپ کا اصرار ہے تو پھر وہی مقام رکھتے ہیں جو رسولِ عربی کے والدِ ماجد کا ہے۔

ے شفقتِ پدری سے بڑھ کر ہوگیا ہے اہتمام
بر پہ سایۂ ہُما پایہ ابوطالبؑ کا ہے
(ابوالعلی والحسن)

سیّد حسن عسکری کاظمی (سائنسی) کی رائے

حسن عسکری کاظمی عاشقِ رسولؐ وآلِ رسولؐ ہیں۔ جنابِ ابوطالبؑ کے بارے میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے جذباتی سے ہوگئے اور کہنے لگے: ابوطالبؑ مظلومِ تاریخ ہیں۔ جن ناعاقبت اندیشوں نے مولائے کائنات کو سب وشتم کا نشانہ بنایا، اُنھوں نے رسولِ پاک کے محسن (والدِ علیؑ وجعفرؑ) کو بھی نہ بخشا۔ کائنات کا ذرہ ذرہ ان محسن کشوں پر تبرا کرتا ہے۔

مقامِ ابوطالبؑ میں ان کی ہرزہ سرائی سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ حضرت ابوطالبؑ نصف النہار پر چمکتے ہوئے وہ آفتابِ عالم تاب ہیں جن کی روشنی کسی حال میں چھپائی نہیں جاسکتی۔

محترمہ عنبرین عنبر کی رائے

اس صاحبِ شعور خاتون کا کہنا ہے: مَیں اپنے باپ کے بارے میں کسی کی

جسارت برداشت نہیں کرسکتی تو مولا علیؑ کے عظیم باپ کے بارے میں اور رسولؐ پاک کے چچا جان (پالنے والے باپ) کے متعلق کسی کی جسارت کیسے برداشت کرسکتی ہوں۔ میرے خیال میں ایسا کہنے والے (کہ حضرت ابوطالبؑ نعوذباللہ باایمان نہ تھے) خود بے ایمان اور برادرانِ شیطان ہیں۔ وہ تو ولیِ خدا وحجۃ خدا تھے۔

ـــ اِک چال ہے شیطان کی عمران پہ حملہ
شیطان کیا کرتا ہے ایمان پہ حملہ
(ابوالعلی والحسن)

محترم بہرِ الم کی رائے

محترم بہر الم نے حضرت ابوطالبؑ پر ایک نظم ارسال فرمائی ہے جو اُن کے صادق جذبات اور عمدہ افکار کی ترجمان ہے۔ عروضی کے مسائل کے ممکنہ حل کے بعد ہی شامل کی جارہی ہے۔ برادر ایمانی کی اس نظم کا مفہوم کچھ اس طرح ہے:

ابوطالبؑ خرد سے ماورا ہے

ابوطالبؑ خرد سے ماورا ہے
زمیں پر وہ خدا کا معجزہ ہے

امامت کے گل و لالہ کے "اب" سے
چمن توحید کا ہرسُو کِھلا ہے

ابوطالبؑ نے ایسے پرورش کی
کہ شہرِ علم میں در بن گیا ہے

ابوطالبؑ کو کافر کہنے والو!
نکاح پھر کس نے سرورؐ کا پڑھا ہے؟

ہے جنّت ملکیت اُس کی بہو کی
پسر اُس کا عطیّے بانٹتا ہے

پتہ اُس کی پناہِ ایزدی ہے
کہ قرآں خود شہادت دے رہا ہے!

ابوطالبؑ کے بیٹے کا عدو اب
ابوطالبؑ کو کافر کہہ رہا ہے

قسم ہے کُلِ ایمانؑ کی اُلم بر
ابوطالبؑ تو ایماں بانٹتا ہے

ایمانِ ابوطالبؑ، تفسیرِ نمونہ کی رُو سے (بہ طورِ حرفِ معتبر در تحقیقِ جدید)

مذکورہ بالا چند جھلکیوں کے بعد ہم مستند ترین مواد کی فراہمی کے لیے دورِ حاضر کی بہترین تفسیرِ قرآن، تفسیرِ نمونہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

بیٔے تحقیقِ جدید پر مبنی یہ حرفِ معتبر ملاحظہ فرمایئے:

تمام علمائے شیعہ اور اہلِ سنّت کے بعض بزرگ علما مثلاً ابنِ ابی الحدید شارحِ نہج البلاغہ نے اور قسطلانی نے ارشاد الساری میں اور زینی دحلان نے سیرۃ حلبی کے حاشیہ میں حضرت ابوطالبؑ کو مومنینِ اہلِ اسلام میں سے بیان کیا ہے۔ اسلام کی بنیادی کتابوں کے منابع میں بھی ہمیں اس موضوع کے بہت سے شواہد ملتے ہیں جن کے مطالعہ کے بعد ہم گہرے تعجب اور حیرت میں پڑ جاتے ہیں کہ اس وصیِ برحق ایک

گروہ کی طرف سے اس قسم کی بے جا تہمتیں کیوں لگائی گئیں؟؟!

جو شخص اپنے تمام وجود (و وسائل) کے ساتھ پیغمبرؐ اسلام کا دفاع کیا کرتا تھا اور بارہا خود اپنے فرزند کو پیغمبرِ اسلامؐ کے وجودِ مقدس کو بچانے کے لیے خطرات کے مواقع پر ڈھال بنا دیا کرتا تھا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس پر ایسی تہمت لگائی جائے!

دقتِ نظر کے ساتھ تحقیق کرنے والوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ حضرتِ ابوطالبؑ کے خلاف، مخالفت کی یہ لہر ایک ایسی سیاسی ضرورت کی وجہ سے ہے جو بنی اُمیہ کی حضرت علیؑ کے مقام و مرتبہ کی مخالفت سے پیدا ہوئی یہ حضرتِ ابوطالبؑ کی ذات ہی نہ تھی جو حضرت علیؑ سے رشتہ و قرب کی وجہ سے ایسے حملے کی زد میں آئی بلکہ ہر وہ شخص جو تاریخِ اسلام میں کسی طرح سے بھی امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے قربت و تعلق رکھتا تھا ایسے رکیک حملوں سے بچ نہیں سکا۔ حقیقت میں حضرتِ ابوطالبؑ کا کوئی گناہ نہیں تھا سوائے اس کے کہ وہ حضرت علیؑ جیسے عظیم پیشوائے اسلام کے باپ تھے۔

ایمانِ ابوطالبؑ پر (مزید) دلائل [1]

ہم یہاں پر بہت سے دلائل میں سے، جو واضح طور پر ایمانِ ابوطالبؑ کی گواہی دیتے ہیں، چند ایک دلائل مختصر طور پر فہرست وار بیان کرتے ہیں۔ تفصیلات کے لیے اُن کتابوں کی طرف رجوع کریں جو اسی موضوع پر لکھی گئی ہیں۔

حضرتِ ابوطالبؑ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے اچھی طرح سے جانتے تھے کہ ان کا بھتیجا مقامِ نبوت کا حامل ہے کیوں کہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ جس سفر میں حضرتِ ابوطالبؑ قریش کے قافلے کے ساتھ گئے تھے اپنے بارہ سالہ بھتیجے محمدؐ کو بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ اس سفر میں انھوں نے آپ سے بہت سی کرامات

---

[1] اگرچہ اس سلسلے میں ایک مکمل باب بھی تالیف کیا جا چکا ہے۔

مشاہدہ کی تھیں۔

ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ جوں ہی قافلہ بحیرا نامی راہب کے قریب سے گزرا جو قدیم عرصے سے ایک گرجے میں مشغول عبادت تھا اور کتب عہدین (Old & New Testments) کا عالم تھا اور تجارتی قافلے اپنے سفر کے دوران (میں) اس گرجے کی زیارت کے لیے جاتے تھے، راہب کی نظریں (جب قافلۂ عمرانؑ پر پڑیں تو) قافلہ والوں میں سے حضرت محمدؐ پر جم گئیں، جن کی عمر اس وقت بارہ سال سے زیادہ نہ تھی۔

بحیرا نے تھوڑی دیر کے لیے حیران و ششدر رہنے اور گہری اور پُرمعنی نظروں سے دیکھنے کے بعد کہا: یہ بچہ تم میں سے کس سے تعلق رکھتا ہے؟ لوگوں نے ابوطالبؑ کی طرف اشارہ کیا، انھوں نے بتایا کہ یہ میرا بھتیجا ہے۔

بحیرا نے کہا: اس بچے کا مستقبل بہت دُرخشاں ہے، یہ وہی پیغمبرؐ ہے کہ جس کی نبوت و رسالت کی آسمانی کتابوں میں خبر دی گئی ہے اور میں نے اس کی تمام خصوصیات کتابوں میں پڑھی ہیں۔

ابوطالبؑ اس واقعہ اور اس جیسے دوسرے واقعات سے پہلے دیگر قرائن سے بھی پیغمبرِ اکرمؐ کی نبوت اور معنویت کو سمجھ چکے تھے۔ اہلِ سنت کے عالم شہرستانی (صاحب ملل ونحل) اور دوسرے علما کی نقل کے مطابق: ''ایک سال آسمانِ مکہ نے اپنی برکت اہلِ مکہ سے روک لی اور سخت قسم کی قحط سالی نے لوگوں کو گھیر لیا۔ ابوطالبؑ نے حکم دیا کہ ان کے بھتیجے محمدؐ کو، جو ابھی شیر خوار ہی تھے، لایا جائے۔ جب بچے کو اس حال میں کہ وہ ابھی کپڑے میں لپیٹا ہوا تھا انھیں دیا گیا تو وہ اسے لینے کے بعد خانۂ کعبہ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور تضرع و زاری کے ساتھ اس طفلِ شیر خوار کو تین مرتبہ اُوپر کی طرف بلند کیا اور ہر مرتبہ کہتے رہے، پروردگارا! اس بچے کے حق کا واسطہ ہم پر برکت والی بارش نازل فرما۔

کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ اُفق کے کنارے سے بادل کا ایک ٹکڑا نمودار ہوا اور مکّہ کے آسمان پر چھا گیا پھر اور بارش سے ایسا سیلاب آیا کہ یہ خوف پیدا ہونے لگا کہ کہیں مسجد الحرام ہی ویران نہ ہو جائے"۔

اس کے بعد شہرستانی لکھتا ہے کہ یہی واقعہ جو ابو طالبؑ کی اپنے بھتیجے کے بچپن سے اس کی نبوت اور رسالت سے آگاہ ہونے پر دلالت کرتا ہے ان کے پیغمبرؐ ہونے پر ایمان رکھنے کا ثبوت بھی ہے اور ابو طالبؓ نے بعد میں اشعار ذیل اسی واقعہ کی مناسبت سے کہے تھے:

(یہ اشعار چوں کہ پہلے بھی نقل ہو چکے ہیں، لہٰذا یہاں صرف ان کے ترجمہ پر اکتفا کیا جا رہا ہے کیوں کہ اُردو قارئین کے لیے یہی کافی ہے)۔

"وہ ایسا روشن چہرے والا ہے کہ بادل اس کی خاطر سے بارش برساتے ہیں۔ وہ یتیموں کی پناہ گاہ اور بیواؤں کا محافظ ہے۔

بنی ہاشم میں سے جو چل بسے ہیں وہ اسی سے پناہ لیتے ہیں اور اسی کے صدقے میں نعمتوں اور احسانات سے بہرہ مند ہوتے ہیں"۔ (بہ حوالہ تفسیر نمونہ)

بابِ یازدہم

نوادرات

مع

شُبہات اور اُن کا اِزالہ

اللہ کی بُرہان ہے ذکرِ ابوطالبؑ
ایمان کی پہچان ہے ذکرِ ابوطالبؑ
عُقدہ یہ کھلا سورۂ "الحمد" سے آخر
صد شکر کہ آسان ہے ذکرِ ابوطالبؑ

(پروفیسر حسن عسکری کاظمی)

"غور طلب ہے"

والدۂ ابو طالبؑ

حضرت ابو طالبؑ کی والدہ ماجدہ کا اسمِ گرامی فاطمہ بنت عمرو بن عائذ تھا۔

(شیخ الابطح، ص ۶)

[کیسا حسین اتفاق ہے کہ حضرت ابو طالبؑ کی ماں بھی فاطمہؑ، بیوی بھی فاطمہؑ اور بہو بھی فاطمہؑ ہے]

ولادتِ ابو طالبؑ

آپ ۵۳۵ میلادی کو رسولِؐ اسلام کی ولادتِ باسعادت سے ۳۵ سال قبل پیدا ہوئے۔ آپ کا مقامِ ولادت اُم القریٰ مکّہ مکرمہ ہے۔ (عمدۃ الطالب، ص ۲۴)

اسمِ گرامی

سیّد محمد علی شرف الدین الموسوی العاملی نے اپنی کتاب "شیخ ابطح" میں تحریر کیا ہے کہ آپؑ کا نام عبدِ مناف ہے (حضرت عبدالمطّلب نے اپنی وصیت میں آپ کو اسی نام سے مخاطب کیا تھا)۔ جب کہ بعض حضرات نے آپؑ کا نام عمران بھی ذکر کیا ہے۔ بعض نے آپ کا نام شیبہ لکھا ہے۔ آپؑ کے القاب بھی بہت زیادہ ہیں البتہ آپؑ اپنی کنیت (ابو طالبؑ) سے زیادہ مشہور ہوئے۔

حضرت عبدالمطّلبؑ (والدِ ابو طالبؑ) کی شان

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: حضرت عبدالمطّلبؑ بہ روزِ محشر ایک اُمت کی طرح محشور ہوں گے۔ ان کے چہرے سے بادشاہوں کا سا جلال و جمال اور انبیا والی عظمت و بزرگی آشکار ہوگی۔ (تاریخ اسلام، ص ۲۰)

حضرت عبدالمطلبؓ کی جاری کردہ سنتیں

آپؓ نے دورِ جاہلیت میں پانچ قوانین وضع کیے جنھیں اسلام نے بھی قبول کیا، وہ پانچ قانون یہ ہیں:

① آپؓ نے فرمایا: باپ کی بیوی بیٹے پر حرام ہے۔ ارشادِ قرآنی بھی ہے: وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ (النساء ۴:۲۲)

② آپؓ نے غنائم کا پانچواں حصہ راہِ خدا میں رکھا اور ارشادِ قرآنی ہوا: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ (الانفال ۸:۴۱)

③ آپؓ نے آبِ زم زم کا کنواں کھودا اور اس سے حاجیوں کو سیراب کیا اور اِدھر ارشادِ قرآنی ہوا: اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ (التوبہ ۹:۱۹)

④ آپؓ نے انسانی قتل کی دیت سو اُونٹ قرار دی۔ اللہ نے اسے بھی قبول فرمایا اور یہی حکم شریعتِ اسلام میں ہے۔

⑤ آپؓ نے طوافِ کعبہ کے لیے سات بار کا تعین کیا (آپؓ سے پہلے طواف معدود نہیں تھا)۔ اسلام نے اسے قبول کیا۔

عبدالمطلبؓ بسترِ مرگ پر اور نعتِ رسولؐ

(ترجمہ) "میری خواہش ہے کہ احمد سراپا ہدایت و رہنمائی بن جائیں، جو اہلِ علم ہیں وہ جانتے ہیں کہ وہ ایسے ہی ہیں۔ ان شاء اللہ یہ جوان مجدیوں کے سردار ہوں گے۔ یہ سب پر غلبہ پالیں گے۔ یہ کام یاب ہوجائیں گے اور سب پر برتری حاصل کرلیں گے"۔ (دلائل النبوۃ، ج ۱، ص ۱۹۴-۱۹۵)

حضرت عبدالمطلبؑ کی وصیت

شیخ صدوق رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عبدالمطلبؑ کی وصیت کے بارے میں جو انھوں نے حضرت ابوطالبؑ کو کی، حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت نقل کرتے ہیں۔ درج ذیل روایت میں چند وضاحتی اضافے بھی ہیں، جو حضرت ابوطالبؑ کے مقام کو بیان کرنے اور تشخیص میں مددگار ثابت ہوں گے۔

"اے ابوطالبؑ! یہ بچہ جس نے اپنے باپ کی خوش بو تک نہیں سونگھی اور ممتا کی محبت سے بھی محروم ہے، اس کی حفاظت کرنا"۔

اے ابوطالبؑ! اگر غور کروگے تو اسے اپنے بدن کا ٹکڑا ہی محسوس کروگے، میں تمھیں اس کی بھرپور سفارش کرتا ہوں کیوں کہ اس کا باپ اور تم دونوں سگے بھائی تھے۔

اے ابوطالبؑ! اگر زمانہ تجھے اس کے بڑے ہونے تک مہلت دے تو ہمیشہ اس کی پیروی کرنا، اس (امر) میں ہرگز کوتاہی نہ کرنا۔ اپنی زبان، مال اور جان سے اس کی حمایت کرنا۔ تمھارے آباؤاجداد میں، میرے خیال میں کوئی ایسا نہیں گزرا جو ماں اور باپ دونوں سے محروم رہا ہو۔ اس کی تنہائیوں کا خصوصی خیال رکھنا۔ کیا تم میری وصیت قبول کرتے ہو؟

ابوطالبؑ نے کہا: میں اسے قبول کرتا ہوں اور میرے اس قبول کرنے پر بہترین شاہد اللہ ہے۔ (اللہ اکبر! یہ ہے مقامِ ابوطالبؑ)

حضرت عبدالمطلبؑ نے فرمایا: اب موت میرے لیے آسان ہوجائے گی"۔ (کمال الدین وتمام النعمۃ، ص ۱۷۱-۱۷۲)

اس موقع پر آیت اللہ جعفر سبحانی رقم طراز ہیں کہ حضرت ابوطالبؑ نے فرمایا:

يا ابة لا توصين بمحمد كانه ابني وابنِ اخي

"اے بابا جان! محمدؐ کی سفارش کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے، وہ میرے بھائی کا بیٹا ہے، گویا میرا اپنا بیٹا ہے"۔

اَلْیَوْمَ مَاتَتْ اُمِّیْ (وفاتِ فاطمہ بنتِ اسدؑ)

حضرت ابوطالبؑ کی زوجہ فاطمہؑ بنتِ اسد حضرت ہاشمؑ کی پوتی تھیں۔ آپ پہلی ہاشمیہ تھیں جو کسی ہاشمی کے نکاح میں آئیں۔ آپ حضورؐ پر ایمان لانے والے پہلے گروہ میں شامل تھیں نیز آپ کو مدینہ کی طرف ہجرت کا شرف بھی حاصل ہوا۔ آپؑ نے پانچ ہجری میں رحلت فرمائی۔ رسولِؐ اکرم نے اپنے پیراہن کا کفن دیا اور خود نمازِ جنازہ پڑھائی۔ پہلے قبر میں خود لیٹے تاکہ بی بیؑ فشارِ قبر سے محفوظ رہ سکیں۔ پھر تلقین فرمائی اور خصوصی دعا مانگی۔

یعقوبیؒ کے بہ قول آپؐ نے فرمایا:

اَلْیَوْمَ مَاتَتْ اُمِّیْ، "آج میری ماں کا انتقال ہوا ہے"۔

......آپؐ فاطمہ بنتِ اسد کے لیے بہت محزوں تھے۔ آپؐ نے فرمایا: وہ میری حق پر مبنی ماں تھیں۔ وہ اپنے بچوں کو بھوکا رکھ کر مجھے کھلاتی تھیں اور سجاتی تھیں۔ وہ میری سچی ماں تھیں"۔ (ترجمہ تاریخ یعقوبی، ص ۳۶۸-۳۶۹)

اُمِّ ہانیؓ بنتِ ابوطالبؑ

روایات آلِ محمدؐ کے مطابق حضرت ابوطالبؑ کی صرف ایک بیٹی ہیں جن کا نام اُمِّ ہانی ہے۔ بعض اقوال کے مطابق ہجرت کے بعد (سیدہ اُمِّ ہانی کا) پیغمبرِؐ خدا کے ساتھ عقد ہوا۔ (ابوطالب حقیقی ایمان، ص ۳۵)

تنگ دستی کے باوجود عظمتِ ابوطالبؑ

فریقین کے دانش ور حضرات، علما اور محققین کا اتفاق ہے کہ حضرت ابوطالبؑ بڑی تنگ دستی کی زندگی بسر کر رہے تھے مگر اس کے باوجود آپ کی عظمت و بزرگی اور سرداری و متانت کا ایک زمانہ معترف تھا۔ (تشیع در سیر تاریخ، ص ۳۶)

سردارِ انبیاؐ کا حضرت ابوطالبؑ سے خواب بیان کرنا

ایک دن حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے چچا سے کہا: میں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا ہے جو دو آدمیوں کے ساتھ میرے پاس آیا اور مجھ سے کہا: "وہ یہی ہے۔ جوں ہی رسالت کے عہدے پر پہنچے اس کی حفاظت شروع کر دو۔ پہلے شخص نے کوئی جواب نہ دیا۔"

حضرت ابوطالبؑ نے اپنے بھتیجے کا خواب سننے کے بعد مکہ کے داناؤں سے اس کا تذکرہ کیا۔ اگرچہ وہ لوگ آپ کی زیارت سے مشرف نہ ہوئے تھے مگر کہنے لگے: خدا کی قسم! یہ کوئی پاکیزہ روح ہے، یہ کوئی پیغمبر ہے۔

حضرت ابوطالبؑ نے اُن سے کہا: میرے بھتیجے کے بارے میں ان معلومات کو انتہائی خفیہ رکھنا۔ (فارسی ترجمہ تاریخ یعقوبی، ج ۱، ص ۳۶۹)

ولادتِ علیؑ پر حضرت ابوطالبؑ کے ایمان کی ایک جھلک

فاطمہؑ بنت اسد خانۂ کعبہ میں چار دن تک پنہاں رہنے کے بعد جب اس طرح باہر تشریف لائیں کہ امیرالمومنینؑ کو اپنے دونوں ہاتھوں پر اُٹھائے ہوئے تھیں، تو سب سے پہلے اس مولود کی اسم گزاری کا معاملہ درپیش ہوا۔ حضرت فاطمہؑ نے اپنے والدِ محترم کے نام پر اسد نام رکھنے کی تجویز پیش کی مگر حضرت ابوطالبؑ اس پر راضی نہ ہوئے۔

مزید تفصیل کے لیے میر سیّد علی ہمدانی کا درج ذیل بیان ملاحظہ کیجیے:

حضرت ابوطالبؑ نے اپنی زوجہ سے کہا: فاطمہ آؤ آج رات کوہِ قبیس (کوہ ابوقبیس) پر جاتے ہیں اور وہاں جا کر اپنے خدا سے التجا کرتے ہیں شاید وہ اس مشکل (اسم گزاری) میں ہماری مدد فرمائے۔ جیسے ہی رات ہوئی دونوں میاں بیوی کوہِ قبیس پر تشریف لے گئے اور وہاں پہنچ کر دعا و مناجات میں مشغول ہو گئے۔

حضرت ابوطالبؑ نے اس مفہوم پر مبنی شعر کی صورت میں اپنی دعا شروع کی:

"اے تاریک رات کے رب! اے نور دینے والے چاند کے رب! ہمارے لیے اپنی مرضی کے مطابق حکم ظاہر فرما کہ اس بچے کا نام کیا رکھیں"۔

اس لمحے آسمان سے ایک آواز سنائی دی۔ حضرت ابوطالبؑ نے اپنا سر اُٹھا کر دیکھا تو ایک سبز زمرّد کی لوح نظر آئی جس پر حسب ذیل مفہوم پر مبنی چار شعر درج تھے۔ حضرت ابوطالبؑ نے اس لوح کو لے کر سینے سے لگایا۔

"تم دونوں (ابوطالبؑ و فاطمہؑ) چُن لیے گئے ہو، اپنے پاکیزہ و پسندیدہ بیٹے کے سبب سے اور اس کا نام علیؑ ہوگا۔ یہ نام خدا کے ناموں سے ایک نام "الاعلیٰ" سے مشتق ہے"۔

(ابوطالب حقیقی ایمان، ص ۳۶-۳۷)

گنجی شافعی اپنی کتاب "کفایۃ الطالب" میں اس واقعہ میں تھوڑا سا اضافہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حضرت ابوطالبؑ کو جب یہ اشعار درک کرنے کی توفیق حاصل ہو گئی تو بے انتہا خوشی اور فرطِ جذبات سے مغلوب ہو کر سجدہ ریز ہو گئے اور معرفتِ حق کا شکر بجا لائے۔ نیز بہ طورِ شکرانہ دس اُونٹ بھی ذبح کیے اور یہ لوح مسجد الحرام میں لٹکا دی گئی (بنی ہاشم اس

لوح کے سبب قریش سے (پر) فخر و مباہات کیا کرتے تھے۔
یہ لوح حجاج بن یوسف یا عبداللہ بن زبیر کے حملے تک وہیں آویزاں رہی لیکن اس حملے کے دوران میں کہیں کھو گئی)۔
(کفایۃ الطالب، باب ۷، ۱۰، بہ نقل از شب ہائے پشاور، ص ۸۲۲-۸۲۳)

یہ واقعہ دوسرے ذرائع سے بھی نقل ہوا ہے۔ علامہ مجلسی نے بحارالانوار کی نویں جلد میں اس کا ذکر کیا ہے۔ مذکورہ واقعہ کے متعلق یہاں فرقہ شافعیہ کے شیوخ و اکابرین میں سے ایک شیخ مسلم بن خالد زنجی کی روایت بھی ملاحظہ کیجیے:

جابر بن عبداللہ انصاری روایت کرتے ہیں: میں نے پیغمبر اکرمؐ سے حضرت علیؑ کی ولادت باسعادت کے متعلق سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا: سچ (تو یہ) ہے کہ تُو نے بہترین مولود کے متعلق سوال کیا وہ بالکل مسیحؑ کی طرح تھے۔ خداوند کریم نے مجھے علیؑ کے نُور سے اور علیؑ کو میرے نُور سے اور ہم دونوں کو ایک نُور سے خلق فرمایا ہے۔ پھر ہمیں پاک اَصلاب اور طاہر اَرحام میں منتقل فرمایا۔ میں اور علیؑ ہمیشہ اَصلاب و اَرحامِ طاہرہ میں رہے اور پھر خداوند کریم نے ہمیں بہترین اَرحام عطا فرمائے۔ ایک رَحِمِ آمنہ، میری ماں (کا رَحِم) اور دوسرا رَحِمِ فاطمہ بنتِ اسد، علیؑ کی ماں (کا رَحِم) اور پھر جب حضرت علیؑ کی ولادت کی رات آ پہنچی تو پوری سرزمین روشن ہو گئی اور ابوطالبؑ نے اس وقت کہا:

اے لوگو! خانۂ کعبہ میں خدا کے ولی تشریف لا چکے ہیں اور باہر چلے گئے۔ رات بسر کی جب صبح کعبے میں آئے تو ابوطالبؑ یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

اے اندھیرے اور تاریکی کے رب! اے طلوع کرنے والے نُورانی چاند کے رب! ہم پر اپنا چھپا ہوا امر آشکار فرما کہ اس مولود کا نام رکھنے کے بارے میں رہ نمائی ملے۔

ہاتفِ غیبی کی آواز آئی: اے پیغمبرؐ کے برگزیدہ اہلِ بیتؑ! تمھارے نصیب میں ایک پاکیزہ فرزند رکھا گیا ہے۔ اس کا نام پروردگارِ عالم کی طرف سے علیؑ ہے جو پروردگار کے نام اعلیٰ سے مشتق ہے"۔

(کفایۃ الطالب، ص ۲۶۰، بہ نقل از ابوطالبؑ، مظلومِ تاریخ، ص ۸۶)

یَوْمُ الْاِنْذَار [1] اور حضرت ابوطالبؑ کا موقف

یوم الانذار کے موقع پر حضرت ابوطالبؑ کا ابولہب سے رویہ آپؑ کے ایمان کی عمیق تہوں سے پردہ اُٹھاتا ہے۔ اس قسم کے حقائق سے چشم پوشی کرنے کے لیے انسان کو فوق العادۃ (یعنی غیر معمولی) صلاحیت کی ضرورت پڑتی ہے جیسی زرکلی، محمد حسین ہیکل اور طٰہٰ حسین کے پاس موجود تھی۔

آیت وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ کے نازل ہونے کے بعد حضرت ابوطالبؑ کی پوری قوم اُن کے گھر اکٹھی ہوئی۔ اس مجلس میں چالیس کے قریب اشخاص شریک ہوئے۔ حضرت علیؑ نے پیغمبرِ اکرمؐ کے حکم کے مطابق تھوڑے سے کھانے کا اہتمام کیا۔ مہمان دس دس کی ٹولیوں میں آکر کھانا کھاتے اور سیر ہو جاتے۔ جب کھانے کا مرحلہ اختتام کو پہنچا تو پیغمبرِ اکرمؐ خدا کی طرف سے موصول ہونے والا پیغام پہنچانے کے لیے اُٹھے۔

---

[1] یَوْمُ الْاِنْذَار سے مراد دعوت ذوالعشیر کا دن ہے۔

اس موقع پر ابولہب نے جسارت کی اور کہا: قبل اس کے کہ لوگ محمدؐ کا گھیراؤ کرلیں تم انھیں روک لو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ آئیں اور تم اُٹھ کھڑے ہو اور قتل کردیے جاؤ اور اگر انھیں تنہا چھوڑ دو تو رُسوا ہو جاؤ۔

حضرت ابوطالبؑ اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے خاندان کے لیے باعث ننگ و عار! خدا کی قسم! ہم ان کی مدد کے لیے تیار ہیں اور آیندہ بھی ہر قسم کی مدد کریں گے اور ہم ہی ان کے مددگار ہوں گے۔

پھر آں حضرتؐ کی طرف رُخ کر کے فرمایا: اے بھتیجے! جو کچھ تمھیں تمھارے رب کی طرف سے حکم ملا ہے، ہمیں دعوت دے ڈالو یعنی اس کا اعلان کردو، تاکہ مسلح ہو کر تمھارے ساتھ باہر نکلیں۔ (تاریخ یعقوبی، ص ۳۸۴، بہ نقل از ابوطالب حامی ایمان، ص ۸۳)

شبِ معراج اور ابوطالبؑ کو سلامتیِ رسولؐ کی فکر

جس رات پیغمبرؐ گرامی قدر کو معراج پر لے جایا گیا حضرت ابوطالبؑ آپؐ کے تعاقب میں تھے۔ آپؑ آں حضورؐ کو نہ پا کر خائف ہو گئے کہ کہیں قریش انھیں اِغوا کر کے نہ لے گئے ہوں۔ فوراً بنی عبدالمطلبؑ کے ستر جوان جو خنجروں سے لیس تھے، کو حکم دیا کہ ایک ایک سردار قریش کے پہلو میں جا کر بیٹھ جاؤ۔ پھر مجھے دیکھو، اگر محمدؐ میرے ساتھ ہوں تو رُک جانا ورنہ تم جس کے پہلو میں بیٹھے ہو اُسے وہیں قتل کر دینا۔ تمھیں میرے حکم کا مزید انتظار کرنے کی ضرورت نہیں۔ پھر آپؑ نے رسولؐ اکرم کو اُم ہانی کے گھر پالیا تو اُنھیں اپنے آگے آگے لے کر قریش کی محفل میں آئے۔ ان کے سامنے پورا ماجرا بیان کیا۔ اس کے بعد قریش اس بات کو بڑی اہمیت دینے لگے اور خوف زدہ رہنے لگے۔ جبھی تو انھیں ابوطالبؑ کے ساتھ عہد و پیمان کی ضرورت پیش آئی کہ اس کے بعد وہ رسولؐ اکرم کو ہرگز تکلیف نہیں پہنچائیں گے اور اُن کی طرف سے اُنھیں دُکھ اور بدسلوکی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ (مورخین کو صحیح واقعہ درک کرنے کی توفیق نہ ہوئی۔ البتہ ہم پہلے

احتمال کو قوی سمجھتے ہیں کہ اس کی دو بار تکرار ہوئی ہے)۔ (ترجمہ تاریخ یعقوبی، ص ۳۸۲)

شعب ابی طالب میں حفاظتِ رسولؐ

شعب ابی طالبؑ کے متعلق تفصیلی تحقیق پیش کی جاچکی ہے۔ ان سطور میں حضرت ابوطالبؑ کے آں حضرتؐ کی خصوصی حفاظت کے اقدامات واضح کیے گئے ہیں۔

علامہ امینی ابنِ کثیر سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"شعب ابوطالبؑ میں قیام کے دوران میں حضرت ابوطالبؑ کو ہمیشہ آں حضرتؐ کی حفاظت و نگرانی کی فکر دامن گیر رہتی تھی۔ وہ ہر رات حضوؐر کی خواب گاہ میں حاضر ہوتے تاکہ ہر قسم کے خطرات اور کسی بھی طرح کی ہنگامی صورت حال سے نمٹنے کا سامان کر سکیں"۔

بیہقی نے بھی ایسے ہی نقل کیا ہے، وہ تحریر کرتے ہیں:

"رات کو جب سونے کا وقت ہوتا تو حضرت ابوطالبؑ انتظار کرتے کہ سب لوگ سو جائیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنے بستر پر سوتا ہوا نہ دیکھ لیں۔ جب سب لوگ سو جاتے تو ابوطالبؑ اُٹھ کر آں حضرتؐ کو اپنے کسی بھائی، بیٹے یا بھتیجے کے بستر پر سُلا دیتے اور اُسے بسترِ محمدؐ پر سلا دیتے۔ (دلائل النبوۃ، ج ۲، ص ۶۳)

ابن الحدید نے شرح نہج البلاغہ (ج ۲، ص ۳۱) اور ابوعلی الموح العمری العلوی نے "الحجۃ" (ص ۶۹، بہ نقل ابوطالبؑ مظلوم تاریخ، ص ۵۹) میں یوں تحریر کیا ہے:

"ابوجعفر محمد بن حبیب نے اپنی کتاب "امالی" میں تحریر کیا ہے:

ابوطالبؑ جب بھی آں حضرتؐ کو دیکھتے گریہ شروع کر دیتے اور

کہتے: میں جب بھی انھیں دیکھتا ہوں مجھے اپنے بھائی یاد آجاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ اور حضرت ابوطالبؑ سگے بھائی تھے۔ اس وجہ سے حضرت عبدالمطلبؑ اور حضرت ابوطالب آں حضرتؐ سے اتنی شدید محبت کرتے تھے۔ حضرت ابوطالبؑ ہمیشہ پریشان رہتے کہ کہیں بسترِ محمدؐ سے لوگ آگاہ نہ ہوجائیں اور ان پر شب خون نہ ماردیں۔ اس لیے حضرت علیؑ کو ان کے بستر پر سُلا دیتے۔ ایک رات حضرت علیؑ نے عرض کیا: اے بابا جان! اگر میں قتل ہوگیا تو......؟"

حضرت ابوطالبؑ نے جواباً چند شعر کہے جن کا ترجمہ یہ ہے:

"بیٹے صبر کرو۔ صبر تمھارے لیے شایستہ تر ہے۔ ہر زندہ نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ ہم نے تجھے جس راستے پر ڈالا ہے وہ آزمائش و مصائب کا راستا ہے۔ یہ راستا محمد بن عبداللہ کی محبت کا راستا ہے۔ کوئی جتنا بھی جی لے بالآخر انجام موت ہے"۔

حضرت علیؑ بھی تو فرزند ابوطالبؑ تھے، لہٰذا منظوم جواب دیا (جس کا ترجمہ یہ ہے):

"بہ خدا میں نے جو کہا وہ خوف کی وجہ سے نہ تھا۔ میری تو خواہش ہے کہ آپؑ مجھے محمدؐ کی مدد اور اطاعت کرتے ہوئے دیکھیں۔ ان شاء اللہ میں وفا کا ایک نیا باب رقم کروں گا۔ کاش مجھے محمدؐ کی اطاعت و محبت میں جلدی موت آجائے"۔

انگشترِ ابوطالبؑ کا نقشِ نگیں

گذشتہ زمانے میں رسم تھی کہ رؤسا اپنی انگوٹھیوں پر کوئی ایسا جملہ کندہ کراتے

جو ان کے عقائد و ایمان کا مظہر ہوتا۔ حضرت ابوطالبؑ کی انگشتری کے بارے میں علامہ امینی نے "الغدیر" (ج ۷) میں تحریر فرمایا ہے۔

مفسر کبیر شیخ الفتوح نے (تفسیر ابوالفتوح، ج ۴، ص ۲۱۱ پر) حضرت امام رضا علیہ السلام سے نقل کیا ہے:

"حضرت امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں: مجھ تک میرے آباؤ اجداد نے نقل فرمایا ہے کہ حضرت ابوطالبؑ کی انگشتری کا نقش یہ تھا:

رَضِيتُ بِاللهِ رَبًّا وَبِابْنِ أَخِي مُحَمَّدٍ نَبِيًّا وَبِابْنِي عَلِيٍّ وَصِيًّا

"میں ابوطالبؑ اللہ کی ربوبیت کا قائل ہوں، میں اپنے بھائی کے بیٹے محمدؐ کو نبی مانتا ہوں اور اپنے بیٹے علیؑ کو وصی مانتا ہوں"۔

علامہ امینی رحمۃ اللہ علیہ مزید تحریر فرماتے ہیں کہ اسی مطلب کو سید شیرازی[1] نے "الدرجات الرفیعہ" میں اور جناب الشکوری نے "محبوب القلوب" میں حضرت ابوطالبؑ کی انگشتر کے نقش نگین کے طور پر نقل کیا ہے۔

حضرت ابوطالبؑ اور مدحتِ رسولؐ پر دو احادیث

کتب تاریخ میں حضرت ابوطالبؑ سے منقول دو مشہور حدیثیں ملتی ہیں جن میں آمنہؑ کے چاند کی مدح وثنا اور اوصاف کا بیان ہے۔ ان میں سے ایک حدیث کے راوی ابن حجر ہیں اور دوسری کے راوی شیخ ابراہیم حنبلی۔

① ابن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ) اپنی کتاب "الاصابہ فی تمیز الصحابہ" (مطبوعہ دار احیا التراث العربی، ج ۴، ص ۱۱۶) میں تحریر کرتے ہیں:

"اسحاق بن عیسٰی ہاشمی نے اپنے باپ سے سنا ہے کہ مہاجرین میں سے ایک مولیٰ نے اپنے غلام سے کہا کہ ہم نے ابارافع سے سنا

---

[1] سید علی خان مدنی شیرازی، جن کی معروف کتاب صحیفہ سجادیہ کی شرح ریاض السالکین ہے۔

کہ حضرت ابوطالبؑ فرما رہے تھے:

میرے بھتیجے محمدؐ کا فرمانِ ذی شان ہے: "خدا نے مجھے خاندانی رشتوں کو جوڑنے اور خدائے یکتا و بزرگ کی پرستش و عبادت کی تبلیغ کے لیے مبعوث کیا ہے۔ بے شک محمدؐ سب سے زیادہ صادق و امین ہیں"۔

۲ شیخ ابراہیم حنبلی نے اپنی کتاب "نہایۃ الطلب" میں عروۃ الوثقی سے روایت نقل کی ہے کہ میں نے حضرت ابوطالبؑ سے سنا ہے کہ آپؑ فرما رہے تھے:

"میرا بھتیجا محمدؐ سب سے زیادہ سچا (صادق ترین) اور امین ترین شخص ہے جس نے فرمایا کہ مجھے خدائے بزرگ و برتر نے صلہ رحم یعنی خاندانی رشتوں کی مضبوطی، نماز ادا کرنے اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے مبعوث فرمایا ہے۔ نیز فرمایا کہ (ہمیشہ خدا کا شکر ادا کرو کہ وہ دن آئے جب کفر نیست و نابود ہو جائے تو (تم) عذاب سے محفوظ رہ سکو۔ (بہ نقل از ابوطالب مظلومِ تاریخ، ص ۸۵)

تاریخی کھیل

علامہ مجلسی "مراۃ العقول" (ج ۵، ص ۱۸۶) میں ایک انکشاف کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے مؤرخین نے حضرت خدیجہؑ اور حضرت ابوطالبؑ کی رحلت کے ساتھ تاریخی کھیل کھیلا ہے۔ ان بدبختوں کا ایسا کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ظاہر کیا جائے کہ آں حضرتؐ کی نظر میں حضرت ابوطالبؑ کا مقام و مرتبہ بہت کم تھا۔ یہ نابکار اس حد تک آگے بڑھ گئے کہ انھوں نے حضرت خدیجہؑ کی وفات ہجرت سے پانچ سال قبل لکھ دی (بعض نے چار سال قبل لکھی اور بعض نے تین سال قبل)۔

تاریخ میں اختلاف

جس طرح مؤرخین نے حضرت خدیجہؑ کی تاریخ وفات میں خلل ایجاد کر کے سعی لاحاصل کی ہے، اسی طرح سردار انبیاؐ کے محسن حضرت ابوطالبؑ کی تاریخ وفات میں بھی اپنے تعصب اور بغض کو آشکار کرتے ہوئے شکوک وشبہات پیدا کیے ہیں۔ بعض علما اور مؤرخین نے ان دونوں بزرگوں کی تاریخ وفات کو ایک ہی سال میں قرار دیا ہے۔ ایک اور طبقے نے سال تو ایک ہی بتایا ہے مگر ہجرت سے تین سال قبل۔

صدرالدین شرف الدین نے ہاشم واحیہ فی الجاھلیۃ (ص ۱۵۶) پر، ابن ہشام نے سیرت ابنِ ہشام (اردو ترجمہ، ص ۲۶۶) پر، ابن واضح یعقوبی نے تاریخ یعقوبی (ج ۲، ص ۳۹۳) پر، طبری نے تاریخ طبری بہ نقل سیرت ابنِ ہشام اور محدث قمی نے منتہی الآمال [1] میں جس سال کو ان دو عظیم ہستیوں کی وفات کا سال قرار دیا ہے اسے "غم کا سال" (عام الحزن) کے عنوان سے تحریر کیا ہے۔ حتیٰ کہ بعض نے تو یہ نام رکھنے کی نسبت خود رسولِ اکرمؐ سے دی ہے۔ [2]

علامہ کلینیؒ اصولِ کافی میں تحریر فرماتے ہیں: حضرت خدیجہؑ کی وفات کے ایک سال بعد حضرت ابوطالبؑ نے داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ حضرت خدیجہؑ نے ہجرت سے ایک سال قبل اور شعب ابی طالبؑ کے محاصرے کے بعد انتقال فرمایا۔ چوں کہ رسولِ اکرمؐ ان دو عزیز ترین خیر خواہوں سے محروم ہوئے جس کے سبب سے مکہ مکرمہ میں رہنا مشکل نظر آنے لگا۔ آپؐ ہمیشہ غم زدہ اور محزوں رہنے لگے۔ ایک دفعہ آپ نے حضرت جبرئیلؑ سے شکایت کی تو وحیِ الٰہی نازل ہوئی:

---

[1] بہ قولِ یعقوبی: حضرت ابوطالبؑ نے ۸۶ سال اور بعض کے بقول ۹۰ سال کی عمر میں حضرت خدیجہ سے تین دن بعد انتقال فرمایا۔

[2] تاریخ یعقوبی، ص ۳۹۳۔ امیرالمومنین علی ابن ابی طالب، ج ۱، ص ۳۱

"اے میرے حبیبؐ! ستم گروں کے شہر سے نکل جاؤ کیوں کہ ابوطالبؑ کے بعد اب اس شہر میں تمھارا کوئی حامی نہیں رہا"۔ (کافی باب المولد النبوی، مقدمہ باب، ص ۴۴، مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ)

کلینی علیہ الرحمہ نے جو روایت نقل فرمائی ہے وہ ان کے نظریے کی مکمل تائید کرتی ہے اور ان کا نظریہ کلامِ معصومؑ کے عین مطابق ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے:

"حضرت ابوطالبؑ کی وفات کے بعد جبرئیلؑ آپؐ کے پاس آئے اور عرض کیا: اے محمدؐ! اب مکہ سے کوچ کرو، چوں کہ اب یہاں تمھارا (کوئی) حامی و مددگار نہیں رہا"۔

✿ اِمامیہ زُعما اور ابوطالبؑ

آپؑ کے سلسلہ میں حسین بن رَوح رحمۃ اللہ علیہ کا بیان

صاحب معانی الاخبار نے لکھا ہے کہ ہم سے ابوالفرج محمد بن مظفر، بن نفیس مصری فقیہ نے یہ بیان کیا ہے کہ ہم سے ابوالحسن محمد بن احمد داؤدی نے اپنے والد سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ مَیں ابوالقاسم بن روح رحمۃ اللہ علیہ کے پاس موجود تھا ان سے کسی نے دریافت کیا کہ عباسؓ کے اس قول کے کیا معنی ہیں جو انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کیا (تمھارا چچا ابوطالبؑ حساب جُمّل کے ذریعے اسلام لایا اور انھوں نے اپنے ہاتھ سے تریسٹھ گرہیں باندھیں؟)

انھوں نے کہا: اس سے مراد "اِلٰہٌ اَحَدٌ جَوَادٌ" ہے۔ اس کی تفسیر اس طرح ہے، الف کا عدد ایک، لام کے تیس، ہاء کے پانچ، الف کا ایک، حاء کے آٹھ، دال کے چار، جیم کے تین، واؤ کے چھے، الف کا ایک، دال کے چار، یہ کُل عدد تریسٹھ ہوئے۔[1] اور اسی طرح ابنِ ابی عمیر مفضل اور امام صادق علیہ السلام سے روایت نقل ہے۔ (بحارالانوار، ج ۳۵، ص ۷۷، ح ۱۵)

شیخ صدوق رحمۃ اللہ علیہ کا بیان

شیخ صدوق رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک حضرت ابوطالبؑ مومن تھے، آپؑ شرک کا اظہار کرتے تھے اور ایمان کو چھپائے ہوئے تھے، تاکہ محکم طور پر نبی کی

---

① معانی الاخبار، ص ۲۸، ح ۲، باب معنی اسلام ابی طالبؑ، اور اسی سے بحارالانوار میں، ج ۳۵، ص ۷۸ ح ۱۹، اور الدرجات الرفیعہ میں ص ۵۱ نقل کیا گیا

نصرت کرسکیں۔ (کمال الدین، ج ۱، ص ۱۷۴)

پھر کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کے آباو اجداد کے سلسلہ میں ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر آپؐ کے والد عبداللہ علیہ السلام تک سب کے سب مسلمان تھے۔ آپؐ کی والدہ گرامی آمنہؑ بنتِ وہب بن عبدِ مناف بھی مسلمہ اور مومنہ تھیں۔

رسولؐ اللہ نے فرمایا: میں حیاتِ آدم علیہ السلام سے پیدائش تک نکاح سے پیدا ہوا، غیر شرعی طریقہ سے نہیں۔ (بحارالانوار، ج ۱۵، ص ۱۱۷)

شیخ مفید رحمۃ اللہ علیہ کا بیان

ائمہ اہلِ بیتؑ کو ماننے والے (امامیہ) اس بات پر متفق ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے آباؤ اجداد حضرت آدمؑ سے عبداللہؑ ابن عبدالمطلبؑ تک مومن اور مؤحد تھے۔ انھوں نے یہاں تک بیان کیا ہے امامیہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ نبیؐ کے چچا حضرتِ ابوطالبؑ نے حالتِ ایمان میں وفات پائی۔ (اوائل المقالات، ص ۴۵)

شیخ مفیدؒ نے حضرتِ ابوطالبؑ کے ایمان کے سلسلہ میں یہ تحریر کیا ہے کہ حضرتِ ابوطالبؑ کا رسولؐ اللہ سے محبت و نصرت کا اظہار کرنا ان کے ایمان پر دلیل ہے۔ اس واضح و معروف شے کا دفاع و انکار یا تو جاہل کرسکتا ہے یا پھر مبہوت دشمن۔

صاحبِ "الفصول المختارۃ" نے لکھا ہے کہ رسولؐ اللہ سے ابوطالبؑ کی خالص مودّت اور ان کا اپنے اعضا و جوارح سے نبیؐ کی مدد کرنا اور اپنے بیٹوں (علی و جعفر علیہم السلام) کو نبیؐ کے اِتباع کا حکم دینا ان کے ایمان پر دلیل ہے۔ (الفصول المختارۃ، ص ۲۲۸)

سیّد فخار بن معد رحمۃ اللہ علیہ کا بیان

ابنِ معد موسوی کہتے ہیں کہ حضرتِ ابوطالبؑ کے ایمان پر استدلال میں ہمارے لیے یہی کافی ہے کہ اہلِ بیتِ نبیؐ اور ان کے شیعوں کے علما شیعہ عُلما کا حضرتِ

ابوطالبؑ کے ایمان پر اجماع واتفاق ہے۔ اگر وہ اقوال و افعال آپؑ سے سرزد نہ ہوتے جو صرف مومنوں اور مسلمانوں ہی سے وجود پذیر ہوتے ہیں تو پھر آپؑ کی صحتِ اسلام اور تحقیق ایمان پر کوئی دلیل نہ ہوتی۔ اگر بحث کے طولانی ہوجانے کا خوف نہ ہوتا تو ہم مزید دلائل ضرور تحریر کرتے۔ (الحجة، ص ۶۴)

سیّد مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان

جو بات حضرتِ ابوطالبؑ کے ایمان پر دلیل ہے وہ آپؑ کا رسولؐ اللہ سے مخلصانہ محبت کرنا ہے اور اپنے اعضاء و جوارح سے آں حضرتؐ کی مدد کرنا اور اپنے بیٹوں (علی و جعفر علیہم السلام) کو آپؐ کے اِتباع کا حکم دینا اور رسولؐ اللہ کا ان کی وفات پر یہ کہنا: (اے چچا! آپؑ نے صلہ رحم کیا، خدا آپؑ کو جزائے خیر دے)۔ گویا آپؐ نے ان کے حق میں دعا کی۔ جب کہ یہ جائز نہیں ہے کہ مرنے کے بعد کافر کے لیے دعا کی جائے۔ کافر کے لیے اللہ سے خیر طلب نہیں کی جاتی۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علی علیہ السلام کو ان کے غسل وکفن اور تدفین کا حکم دینا، اگرچہ آپؑ کی دوسری اولاد بھی اس موقع پر موجود تھی، آپؐ نے حضرت عقیلؓ کو حکم نہیں دیا حال آں کہ وہ بروقت موجود تھے اور نہ ہی طالبؓ کو حکم دیا، کیوں کہ اس وقت حضرت ابوطالبؑ کی اولاد میں سے صرف علی و جعفر علیہم السلام ہی ایمان لائے تھے اور جعفرؑ اس وقت حبشہ میں تھے، لہٰذا آپؑ کی اولاد میں سے حضرت امیرالمومنینؑ ہی اس وقت حاضر تھے۔ رسولؐ اللہ نے ان تمام اُمور کی انجام دہی کے لیے اسے حکم دیا جو مومن تھا اور اگر حضرتِ ابوطالبؑ کافر ہوتے تو آپؐ ہرگز ان کے مومن بیٹے کو اس امر پر ان کا ولی قرار نہ دیتے، بل کہ پھر تو زیادہ حق دار کافر بیٹا ہوتا، حال آں کہ خبرِ مستفیض [1] میں مذکور ہے کہ حضرتِ ابوطالبؑ کی وفات کے وقت رسولؐ اللہ پر جبرئیلؑ نازل ہوئے اور فرمایا: اے محمدؐ! تمھارا رب تمھیں سلام

---

[1] اس خبر کو کہتے ہیں کہ جس کا رُتبہ خبرِ واحد سے زیادہ اور خبرِ متواتر سے کم ہو۔

کہتا ہے اور یہ پیغام دیتا ہے کہ تم مکہ سے ہجرت کر جاؤ کیوں کہ تمھارا ناصر و مددگار دنیا سے رخصت ہو گیا ہے اور یہ آپؑ کے ایمان پر دلیل ہے، کیوں کہ اس سے رسول اللہؐ کی نصرت ثابت ہوتی ہے۔ (بحارالانوار، ج ۳۵، ص ۷۳، رقۃ رجات الرفیعۃ، ص ۶۳)

سیّد ابنِ طاؤس رحمۃ اللہ علیہ کا بیان

یہ کہتے ہیں کہ مَیں نے ان مخالفین کو دیکھا ہے کہ جو اپنے نبیؐ کے چچا اور آپؐ کی پرورش کرنے والے ابوطالبؑ کے سلسلہ میں یہ گواہی دیتے ہیں کہ انھوں نے حالت کفر میں انتقال فرمایا اور ان لوگوں نے ان صحیح روایتوں کی تکذیب کی جو اپنے دامن میں ایمانِ ابوطالبؑ لیے ہوئے ہیں، ان لوگوں نے اپنے نبیؐ کی عترت اور ان کے اہل بیتؑ (جو ان کے رب کی کتاب سے کبھی جدا نہیں ہوں گے) کی گواہی کو مسترد کیا، بے شک مَیں نے عترتِ طاہرہ کے علما کو ایمانِ ابوطالبؑ پر جمع پایا ہے۔ بہت سے مخالف راویوں کی روایتیں لفظاً یا معناً، صراحتاً یا اشارۃً ابوطالبؑ کے ایمان پر دلالت کرتی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا ابوطالبؑ کو کافر کہنا یا تو علیؑ بن ابی طالبؑ کی دشمنی کے سبب سے ہے یا پھر بنی ہاشمؑ کی عداوت کے سبب سے۔

ابن اعرابی کہتا ہے: ابن عباسؓ سے عور① نے خبر دی ہے کہ جب یہ آیت وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ (سورۂ شعراء، آیت ۲۱۴) نازل ہوئی، علی علیہ السلام اور ابن عباسؓ نے کہا: نبیؐ اپنے خلق و کرم سے علیؑ کی تربیت کر رہے تھے، نبیؐ نے مجھ سے فرمایا: اے علیؑ! مجھے حکم دیا گیا ہے کہ مَیں اپنے قرابت داروں کو ڈراؤں، تم میرے لیے کھانا بناؤ اور گوشت تیار کرو (صاف ظاہر ہے کہ کھانا حضرت ابوطالبؑ کے گھر ہی میں تیار ہوا)۔

---

① بہ حوالہ ابوطالب، سید البطحا، ص ۱۰۸۔ البتہ وہاں وحشی کی جگہ وحشت ناک زیادہ مناسب تھا۔ وضاحت پھر بھی نہیں ہو پائی شاید عور سے نہ کس و نا کس مراد ہو۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: میں نے بنی ہاشمؑ کی گنتی کی تو وہ چالیس نفر تھے اور میں نے اتنا کھانا تیار کیا جو صرف دو یا تین افراد کے لیے (بہ مشکل) کافی تھا۔ آپؑ فرماتے ہیں کہ پھر رسولؐ اللہ نے مجھ سے فرمایا: کھانا کھلاؤ۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گوشت کا لوتھڑا لیا اور اس کو اپنے دانتوں سے ٹکڑے ٹکڑے کیا اور ایک بڑے پیالے میں رکھ دیا۔ میں نے ان کے لیے ایک بڑا پیالہ دودھ کا تیار کیا، پھر ان لوگوں کے پاس گیا اور خبر دی کہ تمھیں نبی اکرمؐ نے کھانے پر بلایا ہے، وہ آئے اور سب نے کھایا، ابھی آدھا کھانا بھی تمام نہ ہوا تھا کہ سب شکم سیر ہو گئے، حال آں کہ وہ کھانا اتنا کم تھا کہ جس سے ایک ہی شخص کا پیٹ بھر سکتا تھا۔ پھر میں دودھ لے کر آیا انھوں نے اسے بھی پیا یہاں تک کہ سب سیر ہو گئے۔

شبہات کا ازالہ

(مستفاد از منیۃ الراغب فی ایمان ابوطالبؑ)

بنی اُمیہ کے دَور میں مغیرہ بن شعبہ کے ذریعے کچھ شبہات پیدا کیے گئے اور اُنھیں کج فکر اور پست عقل حضرات کے سامنے پیش کیا گیا تاکہ ائمہ طاہرینؑ کی قدرومنزلت کو گھٹایا جاسکے اور اس تعلق کو ختم کیا جاسکے جو دوستانِ اہلِ بیتؑ کے دلوں میں موجود ہے۔ ان لوگوں نے اہلِ بیتؑ سے دشمنی اور بغض وحسد کی بنیاد پر یہ شبہات گھڑے تھے۔

شبہ اوّل

وہ کہتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوطالبؑ کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی اور یہ ان کے عدم ایمان کی دلیل ہے۔

● اس کا پہلا جواب تو یہ ہے: حضرت ابوطالبؑ کے زمانہ میں نمازِ میت کا حکم ہی آیا نہیں تھا (یعنی یہ نماز واجب نہ ہوئی تھی) اور تحقیق اللہ نے اس نماز کو حضرت ابوطالبؑ کی وفات کے تین سال بعد مدینہ میں فرض کیا اور حضرت ابوطالبؑ نے مکہ میں انتقال فرمایا۔

فخار بن معد کا بیان ہے: شریف نسابہ علوی معروف بہ موضح نے ذکر کیا ہے کہ جب حضرت ابوطالبؑ کا انتقال ہوا تو اس وقت مردوں پر نماز پڑھنے کا حکم نہیں آیا تھا۔ نبیؐ نے حضرت ابوطالبؑ پر نماز (جنازہ) پڑھی نہ حضرت خدیجہؑ پر۔ (الحجۃ، ص ۳۶۸)

● دوسرا جواب یہ ہے: گذشتہ بحث میں یہ بات گزر چکی ہے کہ حضرت ابوطالبؑ کی مثال اصحابِ کہف، مومنِ آلِ فرعون اور آسیہؑ بنتِ مزاحم کی سی ہے۔ ان سبھی نے اپنے ایمان کو چھپایا۔ (چناں چہ) نبی ﷺ نے کافروں کے خوف سے ان پر نماز نہیں پڑھی اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ نمازِ میت اس وقت واجب ہو چکی تھی، تو کیا بعید ہے کہ نبی ﷺ نے جنازہ گھر سے باہر لانے سے پہلے ہی اس پر نماز پڑھ لی ہو، اس احتمال کے ذریعے یہ شبہ اعتبار سے ساقط ہو جاتا ہے۔

شبہ دوّم

وہ کہتے ہیں: حضرت علی علیہ السلام اور جعفرؑ نے حضرت ابوطالبؑ کے ترکہ سے کچھ نہیں لیا اور یہ ان کے عدمِ ایمان پر دلیل ہے۔

اس کا پہلا جواب تو یہ ہے: یہ اشکال، اشکال کنندہ کے احکام اسلامیہ سے عدمِ علم اور عدمِ واقفیت کی بنیاد پر ہے، کیوں کہ مسلم کافر کا وارث ہوتا ہے کافر مسلم کا وارث نہیں ہوتا۔

سیّد فخار بن معد کہتے ہیں: یہ حدیث (حضرت علی علیہ السلام اور جعفرؑ نے حضرت ابوطالبؑ کے ترکہ سے کچھ نہیں لیا) جعلی اور گھڑی ہوئی ہے اور اہلِ بیتؑ کا مذہب اس کے خلاف ہے، کیوں کہ مذہبِ اہلِ بیتؑ میں مسلمان کافر کا وارث بنتا ہے مگر کافر مسلمان کا وارث نہیں بنتا۔ نیز مسلمان کافر کا وارث بنتا ہے چاہے وہ نسب کے کسی بھی درجے پر ہو۔ (الحجہ، ص ۵۶)

دوسرا جواب یہ کہ انھوں نے ترکہ اس لیے نہیں لیا کیوں کہ انھیں حاجت نہیں تھی اور اسے دوسرے وارثوں پر رفاقت و مہربانی کے سبب سے چھوڑ دیا۔

تیسرا جواب یہ ہے: حضرت ابوطالبؑ نے اپنا تمام مال اپنی بعض اولاد کو ہبہ کر دیا تھا، لہٰذا معترض کا یہ اعتراض بھی ختم ہو جاتا ہے۔

شبۂ سوم

اشکال کرنے والے (ناجیہ بن کعب کی روایت، جسے سفیان نے ابواسحاق سبیعی سے نقل کیا ہے) اس روایت کو پیش کرتے ہیں: نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہا: آپؐ کا چچا گم راہ شیخ مر گیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ سُفیان تمھارے نزدیک مدلس تدلیس کرنے والا اور جھوٹی روایتیں گھڑنے والا ہے، لہٰذا ذہبی کی کتاب "المیزان" میں اس کی زندگی کا مطالعہ کرو۔ (المیزان، ج ۲، ص ۱۷۰)

رہا ابواسحاق سبیعی تو یہ ان لوگوں میں سے ہے جو رشوت لے کر معاویہ، جریر اور مغیرہ کی طرف سے قضاوت کرتا تھا اور اہلِ کوفہ کی حدیثوں کو صرف ابواسحاق ہی نے خراب کیا ہے اور ناجیہ بن کعب، ضُعفا اور مذمت شدہ راویوں میں سے ہے۔ ابنِ مدائنی کا بیان ہے: میں نہیں جانتا کہ ناجیہ بن کعب سے ابواسحاق کے علاوہ کسی اور نے بھی روایت کی ہو (میزان الاعتدال، ج ۳، ص ۲۳۹)۔

لہٰذا یہ شُبہ بھی قابلِ اعتبار نہیں۔

● کتاب "میزان الاعتدال" میں بیان کیا ہے: فسوی کہتا ہے کہ بعض اہلِ علم کا بیان ہے کہ ابواسحاق نے روایتوں میں ملاوٹ کی ہے اور لوگوں نے اسے اس کے اس فعل کی وجہ سے ابنِ عیینہ کے ہم راہ چھوڑ دیا تھا۔ (م ن، ج ۳، ص ۲۷۰)

شُبہ چہارم

وہ لوگ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ (سورۂ قصص، آیت ۵۶ "اے رسولؐ! جسے تم چاہتے ہو اسے ہدایت نہیں کر سکتے") حضرت ابوطالبؑ کے بارے میں نازل ہوا ہے۔

ہم کہتے ہیں: یہ تو بڑی تعجب خیز بات ہے حال آں کہ (ابومجد بن رشادہ)

واعظ واسطی نے اپنی کتاب ''اسباب نزول القرآن'' میں حسن بن مفضل سے خداوندِ عالم کے اس قول اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوطالبؑ کے بارے میں نازل ہوئی، جب کہ یہ وہ سورہ ہے جو تمام سوروں کے بعد مدینہ میں نازل ہوا اور حضرت ابوطالبؑ نے اس وقت انتقال فرمایا جب اسلام ابتداے شباب پر تھا اور نبیؐ (اکرم) مکہ میں تھے، بل کہ یہ آیت حارث بن نعمان بن عبد مناف کے سلسلہ میں نازل ہوئی۔ نبیؐ (اکرم) اس کے اسلام کو پسند کرتے تھے، اس نے ایک روز نبیؐ (اکرم) سے کہا: ہم جانتے ہیں کہ آپؐ حق پر ہیں اور جو پیغام آپؐ لائے ہیں وہ بھی حق ہے، لیکن ہمیں ایک چیز آپؐ کی پیروی سے منع کرتی ہے اور وہ ہے عرب کی کثرت، وہ لوگ ہمیں ہماری زمین سے باہر نکال دیں گے۔ ہم میں ان سے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے، تو یہ آیت نازل ہوئی: اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ۔ جب کہ نبیؐ (اکرم) اس کے میلان کے سبب سے متاثر تھے۔ (الطرائف ص ۳۰۶، بحار الانوار، ج ۳۵، ص ۱۵۲)

صاحب ''المجمع'' سورۂ قصص کی تفسیر بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں: منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ حضرت ابوطالبؑ کی شان میں نازل ہوا کیوں کہ نبیؐ ان کے اسلام کو پسند کرتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی اور آپؐ حضرت حمزہؓ کے قاتل وحشی کو ناپسند کرتے تھے لہٰذا یہ آیت نازل ہوئی:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (سورۂ زمر، آیت ۵۳)

''اے رسولؐ! تم میرے ان بندوں سے کہہ دو کہ جو ایمان لائے اور (گناہ) کے ذریعے اپنے نفسوں پر زیادتی کی کہ تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو''۔

عجیب مرحلہ ہے حضرت ابوطالبؑ اسلام نہیں لائے، وحشی (قاتلِ حمزہؓ) اسلام لے آیا۔

اسی حدیث کو ابنِ عباسؓ اور دیگر راویوں سے نقل کیا گیا ہے اور جیسا کہ تمھیں معلوم ہی ہے کہ یہ حدیث قابلِ نظر (وتردید) ہے، کیوں کہ نبیؐ کے لیے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ اپنے ارادہ میں اللہ کی مخالفت کریں، اگر اللہ نے (جیسا کہ انھوں نے گمان کیا ہے) حضرت ابوطالبؑ کے ایمان کا ارادہ نہیں کیا بل کہ (نعوذ باللہ) ان کے کفر کا ارادہ کیا (یعنی گویا اللہ ان کے کفر کو چاہتا تھا) اور نبیؐ آپؑ کے ایمان کو چاہتے تھے، تو ایسا کرنا رسول اور مرسل کے ارادوں میں سراسر اختلاف ہے، گویا اللہ ان لوگوں کے ایمان کے مطابق یہ کہہ رہا ہے: اے محمدؐ! تم ابوطالبؑ کے ایمان کا ارادہ کرتے ہو اور میں ان کے ایمان کا ارادہ نہیں کرتا، میں نے ان میں ایمان کو خلق ہی نہیں کیا ہے اگرچہ حضرت ابوطالبؑ نے اپنی تمام تر کاوشیں آپؐ پر نچھاور کردیں۔ انھوں نے تم سے محبت کی اور تمھارے دشمنوں کو تم سے دُور رکھا اور تم وحشی کے اسلام کو ناپسند کرتے ہو کیوں کہ اس نے تمھارے چچا حمزہؓ کو قتل کیا، حال آں کہ میں اس کے ایمان کو پسند کرتا ہوں اور میں نے اس کے دل میں ایمان کو پیدا کیا، حال آں کہ تم اس کے عیوب سے واقف ہی ہو۔

سورۂ انعام کی تفسیر میں تحریر ہے کہ بے شک اہلِ بیتؑ کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت ابوطالبؑ نے حالتِ اسلام میں وفات پائی۔ اس سلسلہ میں اہلِ بیتؑ سے بہ کثرت روایات منقول ہیں اور ہم نے حضرت ابوطالبؑ کے نبیؐ کی تائید اور اللہ کی وحدانیت پر بہت سے اشعار نقل کیے ہیں، اگرچہ ان سب اشعار کا اِحصا قدرت سے باہر ہے، جیسا کہ مغازی کی کتابوں اور دیگر کتب میں ان کا تذکرہ ہوا ہے جن کا شمار کرنا ناممکن ہے۔ ان میں سے کچھ اشعار وہ ہیں جن میں نبیؐ (نبوت) کے رموز، آپؐ سے دشمنوں کو دُور کرنے اور آپؐ کی نبوت کو درست قرار دینے کا تذکرہ موجود ہے۔

(مجمع البیان، ج ۴، ص ۴۴۴)

"مجمع البیان" ہی میں مکتوب ہے: بعض موثق حضرات کا بیان ہے کہ (حضرت ابوطالبؑ کے قصیدے اس معنی میں ہیں کہ جو جادو کے گنڈوں پر پھونک مارنے کا سبب بنیں اور پوری کائنات کے شاعروں کے چہروں کو گرد آلود کریں۔ آپؑ کے قصیدوں کا مجموعہ ایک جلد یا اس سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ اس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ تمام کھلے ہوئے دشمنوں نے اپنی اصلاح طلبی اور آپؑ کے حُسنِ تدبیر کو اپنے حیلوں کے دُور کرنے کے لیے اس لیے اختیار نہیں کیا کہ کہیں وہ لوگ جس کی نسبت حضرت ابوطالبؑ کی وفات کے بعد آپؑ کی جانب دیتے ہیں وہی نسبت رسولؐ کی جانب نہ دے سکیں۔ (م ن، ج ۷، ص ۴۰۵)

مؤلف: صاحب "مجمع البیان" نے اس آیت کی شانِ نزول میں دو وجہیں اور بھی بیان کی ہیں:

پہلی وجہ: یہ آیت (جنگِ) حُنین کے روز نازل ہوئی اور یہ واقعہ ہجرت کے تین سال بعد رُونما ہوا اور ہجرت حضرت ابوطالبؑ کی وفات کے تین سال چار ماہ بعد ہوئی۔

دوسری وجہ: یہ آیت ایسی قوم کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو اسلام و ایمان کا اظہار کرتی تھی اور ہجرت کے وقت اس سے دُور ہوگئی، وہ لوگ مکہ ہی میں رہے اور کفر کا اظہار کیا۔ مگر مسلمانوں کے درمیان ان کا نام تجویز کرنے میں اختلاف ہوگیا، بعض ان کے کفر کے قائل تھے اور بعض ان کے اسلام کے قائل تھے، وہ سب نبیؐ کے پاس آئے۔ آپؐ نے ان سے فرمایا: میں منتظرِ وحی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ، گویا یہ آیت بھی ہرگز ہمارے موضوع سے مربوط نہیں ہے۔ (م ن، ج ۷، ص ۴۰۵)

حاکم جشمی نے اپنی کتاب "ومنہج فی تفسیر القرآن" (ت ۴۹۴ھ، ص ۲۶۴) میں اس آیت اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ کے ذیل

میں تحریر کیا ہے کہ یہ آیت حضرتِ ابوطالبؑ کی شانِ مبارک میں نازل ہوئی ہے، کیوں کہ رسولؐ اللہ حضرتِ ابوطالبؑ اور آپ کے اہلِ بیتؑ کے اسلام کو محبوب جانتے تھے اور ان کا کفر آپؐ کو مضمحل و مغموم کرتا تھا، لہٰذا یہ آیت نازل ہوئی۔ (الحجة، ص ۱۵۴)

ابن عباسؓ، حسن، قتادہ اور مجاہد سے روایت نقل ہے کہ آپؐ، حضرتِ ابوطالبؑ کے اسلام کو پسند فرماتے تھے تو یہ آیت اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ..... الخ نازل ہوئی۔ آپؐ وحشی کے اسلام کو ناپسند کرتے تھے جو حضرت حمزہؓ کا قاتل تھا، تو یہ آیت نازل ہوئی:

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (سورۂ زمر، آیت ۵۳)

"اے رسولؐ! تم کہ دو کہ اے میرے مومن بندو! جنھوں نے گناہ کر کے اپنے نفسوں (جانوں) پر زیادتی کی ہے کہ تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو"۔

الغرض مخالفین کہتے ہیں: حضرتِ ابوطالبؑ اسلام نہیں لائے اور وحشی اسلام لے آیا۔ حاکم کا بیان ہے: یہ روایت صحیح نہیں ہے، کیوں کہ رسولؐ اللہ حضرتِ ابوطالبؑ کو چاہتے تھے اور اللہ بھی ان کے ایمان کو محبوب رکھتا تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ رسولؐ اللہ ہرگز اللہ کے ارادہ کی مخالفت نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ آپؐ اس کے اوامر میں اس کی مخالفت نہیں کرتے اور حضرتِ ابوطالبؑ آپؐ کی نظر میں مستجاب الدعوات تھے۔ منقول ہے: آپؑ اسلام لائے اور آپؑ کے اسلام پر اہلِ بیتؑ کا اجماع ہے اور آپؑ کے حالات اہلِ بیتؑ زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ حدیثِ استسقاء موجود ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا:

لِلّٰهِ دَرُّ اَبِیْ طَالِبٍ لَوْ كَانَ مَوْجُوْدًا لَقَرَّتْ عَیْنَهٗ

"اللہ کے لیے حضرتِ ابوطالبؑ کی خوبی ہے (یعنی اللہ کے نزدیک ان کا مقام ہے) اگر وہ زندہ ہوتے تو ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک ملتی"۔

اور کافر کے لیے یہ فرمانا: فلہ دزہ ''ناممکن ہے اور رسول اللہ کے ذریعے کسی کافر کی آنکھ کو کیسے ٹھنڈک میسر آسکتی ہے اور سکون مل سکتا ہے؟''

ایک روایت میں منقول ہے: نبی ﷺ نے حضرت ابو طالبؑ کے لیے دعا کی تو آپؑ اسلام لے آئے اور وہ لوگ روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے فرمایا: اے نبیؐ! تمھارے گم راہ چچا کا انتقال ہوگیا ہے اور نبیؐ کا یہ فرمانا: فوارہ (اس کلمہ سے غصہ اور جوش کو تعبیر کیا جاتا ہے) حال آں کہ نبی کا حضرت ابو طالبؑ کے حق میں اس طرح فرمانا اور حضرت علیؑ کا اپنے والد محترم کے سلسلے میں ایسا کہنا نامناسب ہے! (ایسا کہنا خود معصومؑ کی شان کے خلاف ہے) اس طرح کی یہ حدیثیں ناصبیوں نے گھڑی ہیں۔

حاکم کا بیان ہے: (ایک جماعت کا یہ کہنا ہے کہ اللہ نے حضرت ابو طالبؑ کے کفر کا ارادہ کیا (یہ رسول اور مرسل کے ارادہ میں اختلاف ہے) تو یہ آیت نازل ہوئی:

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ..... الخ

گویا روایت اور ان کے فاسد عقیدہ کی بنیاد پر اللہ یہ فرما رہا ہے: اے نبیؐ! تم ابو طالبؑ کے فضل و کرم کی بنیاد پر ان کے ایمان کو چاہتے ہو اور وحشی کے ایمان سے کراہت کرتے ہو، کیوں کہ اس نے تمھارے چچا حمزہؑ کو قتل کیا ہے۔ لیکن میں نے وحشی میں ایمان کو پیدا کیا ہے! اگر چہ یہ سب مغالطہ اور ہلکا پن ہے، اہانت ہے جو رسولؐ کی نسبت صحیح نہیں ہے تو جب یہ باطل ہوگیا ہے کہ اس آیت کے نزول کا یہ سبب نہیں ہے، تو پھر درست یہ ہے کہ یہ آیت تمام مکلفین کے حق میں نازل ہوئی ہے (گویا رسول اللہ کو ان سب کی ہدایت محبوب تھی اور آپؐ ان کے ایمان پر حریص تھے اور آپؐ کے لیے ان کا کفر ناراحت (کرنے والا) تھا۔ چناں چہ اسی سبب سے یہ آیت نازل ہوئی:

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ..... الخ۔

بابِ دوازدہم

تبّرکات

(مطالعاتی جائزے)

مع

کتابیات

○

خدا کے قرب میں اتنا قبول ہوجائے
ہر ایک نعمتِ حق کا حصول ہوجائے
رئیسِ مکہ ہے کتنا بڑا شرف تیرا
یتیم گود میں پل کر رسولؐ ہوجائے

(قیصر شیخوپوری، فراہم کنندہ کلام سید لیاقت شمسی ایڈووکیٹ سپریم کورٹ)

○

لفظِ ایمان کی توقیر ابوطالبؑ ہے
آلِ عمران کی تفسیر ابوطالبؑ ہے
جس کی چوکھٹ سے ملی دینِ محمدؐ کو حیات
بانیٔ نعرۂ تکبیر ابوطالبؑ ہے

(سبز علی شہزاد پشاوری)

منیۃ الراغب فی ایمانِ ابی طالبؑ [1]

یہ کتاب حضرت آیۃ اللہ شیخ محمد رضا طبسی نجفی علیہ الرحمہ کی زبردست کاوش کا نتیجہ ہے۔ مؤلف کتاب ہذا چوں کہ ایک علمی و فکری شخصیت ہیں، لہٰذا تالیف بھی علمی و تحقیقی اُسلوب کی حامل ہے۔ مقدمہ محقق میں فاضل مؤلف کے فرزند شیخ محمد جعفر طبسی رقم طراز ہیں:

"......شبراوی نے اپنی کتاب "الاتحاف بحب الاشراف" کے صفحہ ۹ پر روایت نقل کی ہے کہ: جب ابوقحافہ مسلمان ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صدیق کہا اور یہ بھی اعتراف کیا کہ جس نے آپ کو حق کے ساتھ ابوطالبؑ کے اسلام کے لیے مبعوث فرمایا، اُس نے میری آنکھوں کو بھی ابوطالبؑ کے اسلام کے ذریعے قرار (وسکون) بخشا، کیوں کہ ابوطالبؑ ہی کے اسلام نے آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک عطا کی ہے ___ اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت امیرالمومنینؑ ابوسفیان کے نفاق کا اعلان فرماتے تھے جس کی شکایت حاکمِ شام نے مروان، عمر اور عبداللہ بن عامر سے کی۔ ان لوگوں نے حاکمِ شام سے کہا کہ دیکھو علیؑ کے باپ کا ایمان تو تمھارے باپ کے نفاق سے بھی مخفی تھا، تم ان کے باپ کے کفر کا اظہار کرو۔ چناں چہ اُس نے کہنا شروع کر دیا کہ ابوطالبؑ کافر مرے ہیں اور ان لوگوں کو اسی کا حکم دیا اور پھر یہ عمل سنت بن گیا اور یہ سنت عہدِ اُموی تک قایم رہی، جس کا سبب فقط حضرت ابوطالبؑ کے فرزندِ ارجمند امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام سے بغض و حسد تھا کیوں کہ علیؑ ہی اُن کے بہادروں، سورماؤں اور پہلوانوں کو پچھاڑنے

---

[1] اس عربی کتاب کا فارسی ترجمہ "ابوطالبؑ یگانہ مدافع اسلام" کے نام سے ہو چکا ہے۔

والے تھے۔ اگر ابوطالبؑ علیؑ کے باپ نہ ہوتے تو اُن پر تاریخ کا یہ ظلم وستم نہ ہوتا۔ یہ سب آلام ومصائب آپؑ کو اس لیے برداشت کرنا پڑے کہ آپ علی علیہ السلام کے والدِ گرامی تھے۔ البتہ بادل جتنا چاہیں گِھر گِھر کر آئیں، تیز ہوائیں ان کے سینے کو چاک کر دیتی ہیں اور ماہِ تاباں کا رُخِ انور پھر سے اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ جلوہ افروز ہوتا ہے۔

مقدمہ تحقیق کے بعد مؤلف کے حالاتِ زندگی، تالیفات (مطبوعات ومخطوطات) اور اولاد نیز وفات و مدفن کا تذکرہ ہے۔ پھر اِس محسن اسلام (حضرت ابوطالبؑ) کی شان میں آج تک تالیف کی جانے والی عربی فارسی کتب کی ایک طویل فہرست ہے۔ بعدازاں فصولِ کتاب کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ فصلِ اوّل آپ کے سلسلے میں کلامِ رسولؐ اور اقوالِ ائمہؑ پر مبنی ہے۔ فصلِ دُوئم کلامِ صحابہ پر اور فصلِ سوئم شیعہ اور سُنی علما کے کلام پر مشتمل ہے، جب کہ فصلِ چہارُم ایمانِ ابوطالبؑ کے سلسلے میں وارد ہونے والے شُبہات اور اُن کے جوابات کی حامل ہے۔

اِہدا "رسولؐ کے ابنِ عم اور اللہ کی سونتی ہوئی تلوار کے نام" ہے (یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۳۹۴ھ میں شائع ہوئی اور ہمارے زیرِ نظر اس کی جدید اشاعت ۱۴۱۷ھ ہے)۔

کتاب ہذا میں "منہجِ تحقیق" کے تحت جعفر طبسی صاحب رقم طراز ہیں: "کیوں کہ یہ کتاب طلب بڑھ جانے کی وجہ سے بازاروں میں نایاب ہوگئی تھی، جس کے سبب سے میں نے اپنی تمام تر درسی اور تحقیقی مشغولیات کے باوجود بھی اس کتاب کی تحقیق کا مصمم ارادہ کیا اور اس کی حدیثوں کو ان کے مصادر اصلیہ سے ملایا۔ نیز ان مصادر میں جو احادیث دسترس سے باہر تھیں ان کی جانب اشارہ کیا۔ گذشتہ چاپ میں جو مطبعی غلطیاں تھیں اُن کی تصحیح کی تاکہ تصحیح شدہ اشاعت قارئین کی خدمت میں پیش کی جاسکے۔

اور اب ہماری نہجِ تحقیق یہ ہے کہ اس کتاب سے محض وہی نِکات لیے جائیں جن کا ذکر "عرفانِ ابوطالبؑ" کے پہلے ابواب میں نہ ہوا ہو، کیوں کہ یہ کتاب بعد میں

مہیا ہوئی ہے۔ البتہ یہ بھی ممکن ہے کہ ان میں سے بعض نکات یا اکثر نکات دیگر روایات اور دیگر الفاظ و اسالیب میں پہلے بھی ذکر ہو چکے ہیں، الغرض ہمارا مطمح نظر قارئین کے لیے بھرپور استفادہ کا اہتمام کرنا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

☼ وہ شخص جس کا اصل ہدف (منزل) خود رسولؐ خدا ہوں اور آپؐ کی حمایت وحفاظت (مقصد حیات) ہو وہ مومن نہیں ہے تو پھر دنیا میں مسلمان کہاں میسّر ہوگا۔

(بہ حوالہ دیباچہ کتاب)۔

☼ جہنم کو اس صلب پر حرام کر دیا گیا ہے جس میں تمھیں نازل کیا اور اس شکم پر کہ جس نے تمھارا بار برداشت کیا اور اس آغوش پر کہ جس میں تمھاری پرورش ہوئی اور وہ ابوطالبؑ ہیں۔ (بہ حوالہ بحار الانوار، ج ۳۵، ص ۱۰۹، ج ۷ ۳)

☼ خداوندِ عالم تمھیں مامور کرتا ہے کہ اس شہر سے ہجرت کر جاؤ جس کے ہم سایہ ظالم ہیں اور بے شک تمھارا ناصر و مددگار (ابوطالبؑ) اس دُنیا میں نہیں رہا۔

(بحوالہ الدرجات الرفیعہ، ص ۶۲)

☼ حضرت فاطمہ بنتِ اسد سے مروی ہے: جب عبدالمطلبؑ کی وفات کے آثار نمودار ہوئے تو آپؑ نے اپنی اولاد سے کہا: تم میں سے محمدؐ کی پرورش کون کرے گا؟ تو سب نے یک زبان ہو کر کہا: وہ خود ہم میں سب سے زیادہ زکاوت کے مالک ہیں، آپؑ محمدؐ سے کہیں وہ خود جسے چاہیں اختیار کر لیں۔

حضرت عبدالمطلب نے فرمایا: اے محمدؐ! تمھارا جد سفرِ آخرت کا راہی ہے، تم اپنے چچاؤں اور پھوپھیوں میں سے کسے اپنی کفالت کے لائق سمجھتے ہو؟ آپؐ نے ان سب کے چہروں پر نظر ڈالی اور پھر دھیرے سے گھٹنوں کے بل چلتے ہوئے ابوطالبؑ کے قریب آئے۔ عبدالمطلبؑ نے کہا: اے ابوطالبؑ! میں تمھاری دیانت داری اور ایمان داری سے واقف ہوں، تم محمدؐ کے لیے ویسے ہی ہو جیسے مَیں اُس کے لیے تھا۔

جنابِ فاطمہ بنتِ اسد فرماتی ہیں: جب حضرتِ عبدالمطّلبؑ کی وفات ہوگئی تو ابوطالبؑ نے آپؐ کو اپنا لیا اور میں آپؐ کی خدمت کرتی تھی اور آپؐ مجھے ماں کہہ کر پکارتے تھے۔ (بحارالانوار، ج ۳۵، ص ۸۳، ح ۲۶)

[گویا حضرت عبدالمطّلبؑ نے اس عظیم امانت کے بارے میں وصیت کرنے کو لازم جانا اور اپنے لختِ جگر (ابوطالبؑ) کو اپنے قرۃ العین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں وصیت فرمائی)۔ ہم اس روایت کو بہ اندازِ دگر بیان کر چکے ہیں]

☼ ثقۃ الاسلام کلینیؒ نے کافی میں ابنِ فضال سے اور انھوں نے اپنے بعض اصحاب سے اور اُنھوں نے حضرت صادق علیہ السلام سے روایت بیان کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اے محمدؐ! تمھارا پروردگار تم پر درود و سلام بھیجتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے اس صلب پر جہنم کو حرام قرار دیا ہے جس پر تجھے اُتارا اور اس شکم پر حرام قرر دیا ہے جس نے تیرا بوجھ برداشت کیا اور اس گود پر حرام قرار دیا جس نے تیری کفالت کی، لہٰذا وہ صلب تمھارے والد عبداللہ بن عبدالمطّلبؑ کا ہے اور وہ بطن جس نے تمھارا بوجھ اُٹھایا، وہ آمنہ بنت وہب کا بطن ہے اور جس گود میں تمھاری پرورش ہوئی وہ ابوطالبؑ کی گود ہے۔ (ج ۱، ص ۴۴۶، ح ۲۱)

☼ الحجۃ، ص ۵۰ پر اور بحارالانوار، ج ۳۵، ص ۱۰۹، ح ۳۶ میں امام صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ وہ اہلِ بیتؑ جنھوں نے حضرت محمدؐ کو پناہ دی وہ ابوطالبؑ ہیں۔

☼ ابوذر اور ابنِ عباس حبر الامۃ نے اپنے قول سے حضرتِ ابوطالبؑ کے ایمان کی خبر دی:

كَذَبَ مَنْ قَالَ اَنَّهُ مَاتَ عَلَى الشِّرْكِ

”وہ جھوٹا ہے جو یہ کہتا ہے کہ ابوطالبؑ کی وفات حالتِ شرک میں ہوئی“۔

☼ حضرت جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ امیر المومنینؑ ایک کشادہ جگہ پر تشریف فرما تھے اور لوگ آپؑ کے گرد موجود تھے۔ ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا: اے امیر المومنینؑ! تم اس جگہ پر ہو جس پر تمھیں اللہ نے اُتارا اور تمھارے والد جہنّم کی سختیاں برداشت کر رہے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: خاموش خدا تیرا منھ توڑ دے، اس کی قَسم جس نے محمدؐ کو حق کے ساتھ نبی مبعوث کیا، اگر میرے والد محترم ان تمام گناہ گاروں کی شفاعت کریں جو کرۂ ارض پر موجود ہیں تو اللہ اُن کی شفاعت قبول کرے گا۔ وہ ہستی جہنّم کی سختیاں سہے جس کا بیٹا جنّت اور دوزخ تقسیم کرے (چہ بوالعجبی ؟!)۔ اس کی قَسم جس نے محمدؐ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا، بے شک ابو طالبؑ کا نُور پوری کائنات کے اَنوار کو بجھا سکتا ہے سوائے پانچ اَنوار کے۔ بے شک ان کا نُور ہمارے نُور سے ہے جسے اللہ نے خلقتِ آدمؑ سے دو ہزار سال قبل خلق کیا۔ (بحار الانوار، ج ۳۵، ص ۱۱۰، ح ۳۹)

☼ حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے: بے شک امیر المومنینؑ اپنی حیات میں یہ حکم دیتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین اور ابو طالبؑ کی طرف سے حج کیا جائے۔ (بحار الانوار، ج ۳۵، ص ۱۱۲، ح ۴۴)

☼ امالی میں سعید بن جبیر کی سند سے عبداللہ بن عباس سے روایت نقل ہے کہ اُن سے کسی نے سوال کیا کہ نبیؐ کے چچازاد بھائی! یہ بتاؤ کہ کیا ابو طالبؑ مسلمان تھے؟ اُنھوں نے کہا: وہ کیسے مسلمان نہیں تھے، حال آں کہ اُن کا یہ کہنا ہے: بے شک ابو طالبؑ کی مثال اصحاب کہف کی سی ہے، انھوں نے ایمان کو چھپایا اور شرک کا اظہار کیا، (اس پر) اللہ نے اُنھیں دُہرا اجر عطا کیا ہے۔ (الامالی، ص ۳۹۱، ح ۱۱۱)

خلیفہ مامون عباسی کا اعتراف

عبداللہ بن مامون کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ کہا کرتا تھا: خدا کی قَسم!

ابوطالبؑ اپنے اس قول کے ذریعے مسلمان ہوئے:

"(ترجمہ) میں نے بجلی کی طرح چمکتی ہوئی تلوار سے رسولوں کے بادشاہ کی نصرت کی اور میں، اللہ کے رسولؐ کا دفاع اور اس کی حمایت ایک مہربان حامی کی طرح کروں گا۔ میں ان کے دشمنوں کے لیے نہ تو اس نر اُونٹ کی مانند چلتا ہوں کہ جسے اس کی شرافت کے سبب سے سواری کے کام میں لاتے ہیں اور نہ ہی اس کو اذیت پہنچاتے ہیں۔ میں تو ان کے لیے بلند مقام پر ایسے دھاڑتا ہوں جیسے شیر کچھار میں دھاڑتا ہے"۔

(شرح نہج البلاغہ، ج ۳، ص ۷۶)

ہر خیر ابوطالبؑ کے لیے

کراجکی نے بہ سندِ ثابت بن اسحاق عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ انھوں نے رسولِ اکرمؐ سے سوال کیا کہ ابوطالبؑ کے لیے آپؐ کیا اُمید رکھتے ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا: میں ان کے لیے اپنے پروردگار سے ہر خیر کی اُمید رکھتا ہوں۔ (کنز الفوائد، ج ا، ص ۱۸۳)

☼ حضرتِ ابوطالب کی تجہیز و تکفین ہو چکنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اے عمو جان! آپؑ نے صلۂ رحم کیا اور خیر کو حاصل کیا۔ آپؑ نے بچپنے میں میری تربیت اور پرورش کی اور جب میں بڑا ہوا تو آپؑ نے میری حفاظت و مدد کا بار اُٹھایا۔ اس کے بعد آں حضورؐ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا: "میں اپنے چچا کی ایسی شفاعت کروں گا جس پر دونوں جہان والے تعجب کریں گے"۔ (بحار الانوار، ج ۳۸، ح ۲۷)

ایمانِ ابوطالبؑ اور صحابہ

☼ حضرت ابن عباس اپنے والد (حضرت عباسؓ) سے (روایت کرتے ہیں)

اور حضرت ابوبکر بہ ذاتِ خود کہتے ہیں کہ ابوطالبؑ نے اُس وقت تک وفات نہیں پائی جب تک اُنھوں نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ کا اقرار نہیں کیا۔

(شرح النہج، ج ۱۴، ص ۱۷)

حضرت ابوذر غِفاری کا کہنا ہے کہ آپؑ حبشی زبان میں اسلام لائے [شاید تقیّہ ملحوظِ خاطر تھا]۔ (بحار، ج ۳۵، ص ۷۸، ح ۱۸)

ابن ابی الحدید کا تذبذب

ایک طرف تو ابن ابی الحدید کا کہنا ہے: "اگر ابوطالبؑ اور اُن کا بیٹا نہ ہوتے تو دین کا وجود نہ ہوتا اور دوسری طرف نفسِ ذکیہ کے من گھڑت قول کہ مَیں افضل ترینِ خلق اور بدترینِ خلق کا بیٹا ہوں اور مَیں اہلِ جنّت و جہنم کے سرداروں کا فرزند ہوں کو بیان کرنا ابن ابی الحدید کے تعصب کی ترجمانی ہے حال آں کہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس روایت کا راوی عثمان بن سعید بن سعد مدنی ہے، جس کا شمار مجاہیل [1] میں ہوتا ہے، یعنی علمائے رجال کی نظر میں مجہول ہے۔

علمائے زیدیہ کا بیان

الدّرجات الرفیعہ میں سیّد علی خان شیرازیؒ لکھتے ہیں: ہمارے باپ ابوطالبؑ نے نبیؐ کی حمایت کی اور آپ اس وقت اسلام لائے جب لوگوں میں کوئی بھی اسلام نہ لایا تھا، اُنھوں نے ایمان کو چھپایا مگر ولایت کو نہیں۔ (ص ۵۵)

سیّد عبدالرحمٰن ابنِ احمد حسینی ادریسی مغربی کا قول

"جان لو کہ اللہ تمھیں ابوطالبؑ سے قریب کرے اور اُن سے

---

[1] مجہول کی جمع "مجاہیل"

کمالِ فہم کا رزق عطا فرمائے۔ بے شک ابوطالبؑ کے ایمان کے بارے میں اہلِ کشف ونظر کی جماعت نے تحریر کیا ہے اور آپؑ کے اسلام کی گواہی میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئیں، جن کو ابنِ حجر نے اپنی کتاب الاصابہ میں نقل کیا ہے۔

ابوطالبؑ اور دروازۂ نُور

مؤلف (طبسیؒ) نے اس کے بعد کلامِ ابوطالبؑ کو ایمانِ ابوطالبؑ کے اِثبات میں پیش کیا ہے۔ بعدازاں علمائے تشیّع کے اقوال نقل کیے ہیں جو ہم عرفانِ ابوطالبؑ میں (پہلے ہی) شامل کر چکے ہیں۔ علاوہ ازیں حضرت ابوطالبؑ کے حجرِ اسماعیلؑ کے پاس سو جانے اور آپ پر آسمان سے ایک دروازہ کھلنے اور ایک نُور کے طلوع ہو کر آپ کو گھیر لینے اور پھر راہب کا سیّد و سردار فرزند کی بشارت دینے کا تذکرہ کیا ہے۔

حدیثِ صحیفہ اور سزا

اس کے بعد مشرکوں کا تذکرہ کیا ہے کہ بنی ہاشم کی بیعت نہ کرنے، کلامِ ابوطالبؑ کو سن کر بنی ہاشم کی تردید میں ایک نامہ تحریر کرنے، اور اُن سے عدم تعلق پر مبنی ایک روایت نقل کی ہے، جس کے لکھنے والے ''منصور ابنِ عکرمہ'' کا ہاتھ شل ہو گیا تھا (مؤرخ اسلام یعقوبی کے مطابق)۔

فاضل مؤلف نے ضحضاح یعنی جہنم میں کم سختی والا مکان، والی حدیث کو رد کیا ہے۔ پہلی حدیث کے سلسلۂ سند میں سفیان ثوری ہے جو اہلِ سنّت کے نزدیک مطعون ہے۔ ①

نیز امام احمد بن حنبلؒ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کا راوی عبدالعزیز بن محمد الدر اوردی

---

① بعض کا کہنا ہے کہ حضرت سُفیان ثوری معتزلہ سے تھے لیکن پھر تائب ہو کر امام صادق علیہ السلام سے وابستہ ہو گئے تھے۔ ان کی آخری زندگی معتبر ہے۔

ہے، جو اپنے حافظے سے حدیث بیان کرتا ہے تو وہ (اُس کا) وہم ہوتا ہے۔

کتاب کے اختتام میں حضرت ابوطالبؑ اور حضرت خدیجہؑ کے بارے میں حضرت علیؑ کا دل دوز مرثیہ درج ہے اور پھر خلاصۂ کلام پیش کیا گیا ہے کہ بے شک ابوطالبؑ کے مُوحِد ہونے پر یہ آیت گواہ ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ۝ (سورۂ مبارکہ انفال، آیہ ۷۴)

(ترجمہ از خود) وہ لوگ جو ایمان لائے، ہجرت کی اور راہِ خدا میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنھوں نے جگہ دی اور نُصرت کی وہی حقیقی مومن ہیں۔ ان کے لیے بخشش ہے اور ان کے لیے عزت کی روزی ہے"۔

نیز وَهُوَ عَلٰى مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ (المستدرک علی الصحیحین، ج ۲، ص ۳۳۶) آپ کے مُوحِد ہونے کے لیے بھی (مذکورہ بالا) جملہ کافی ہے۔

اٰمِيْنَ رَبَّ الْعَالَمِيْنَ، وَتَقَبَّلْ مِنَّا هٰذَا الْقَلِيْلَ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ الدَّاعِيْ اِلٰى كُلِّ خَيْرٍ

محسنِ رسالتؐ

بجواب شرح المطالب فی مبحثِ ابوطالبؑ (1)

کتاب "محسنِ رسالتؐ" "اعلیٰ حضرت کی کتاب "شرح المطالب فی مبحثِ ابی طالبؑ" کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ اعلیٰ حضرت بریلوی مکتبِ فکر کے بانی ہیں آپ کا مذہب ہے۔ سرکار مختارِ کُل ہیں، باعث تخلیقِ کائنات ہیں، مالکِ کائنات ہیں۔ اعلیٰ حضرت کا یہ مذہب بھی ہے کہ کفار و مشرکین کے لیے دعائے مغفرت کرنا کفر ہے۔ مشرکین سے مدد مانگنا حرام ہے، ان کی تعظیم کفر ہے، چناں چہ رسالہ رضویہ میں لکھا ہے: "اگر مجوسی کو بطورِ تعظیم "یا استاذ" کہا کافر ہو گیا، اگر ذمی کو تعظیماً سلام کرے کافر ہو جائے گا کہ کافر کی تعظیم کفر ہے، مشرکین سے مصافحہ کرنا حرام ہے" لیکن یہی اعلیٰ حضرت (صاحب) جب ابوطالبؑ کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں تو سرکار نہ مختارِ کُل رہتے ہیں، نہ اللہ تعالیٰ سے ان کی رضا چاہتے ہیں نہ رعایت کرتے ہیں، نہ ان کی دعا قبول ہوتی ہے، نہ ان کی تمنا کا احترام کیا جاتا ہے۔ سرکار کا اُمتی چور کو ولی بنا دیتا ہے، اس کے دل کی دنیا بدل دیتا ہے، اسے ہدایت دے سکتا ہے، اس کی تقدیر بدل سکتا ہے لیکن سرکارِ رسالت نہ ہدایت دے سکتے ہیں نہ تقدیر بدل سکتے ہیں، اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ خدا ابوطالبؑ کو نہیں بخشے گا پھر بھی اس کے لیے دعائے مغفرت کیے جا رہے ہیں حال آں کہ جانتے ہیں کہ کفار کے لیے استغفار کرنا کفر ہے۔ بریلوی حضرات کا دعویٰ ہے کہ وہ عظمتِ مصطفیٰؐ

---

(1) مؤلفہ: نذیر انصاری صاحب

کے علم بردار ہیں۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ مقامِ مصطفیٰ ؐ اور عظمتِ مصطفیٰ ؐ کے حروف ابجد سے بھی واقف نہیں، مقامِ مصطفیٰ ؐ کیا ہے؟ بجز خدا کوئی نہیں جانتا، لیکن میرا ایمان ہے کہ سرکار رسالت قبل از بعثت بھی وہ کام نہیں کر سکتے جو آپ ؐ کی شریعت میں کفر ہونا تھا۔ مثلاً آپ کی شریعت میں شراب کو حرام ہونا تھا لہٰذا آپ قبل از بعثت بھی شراب نہیں پی سکتے، آپ کی شریعت میں کفار کے لیے دعاے مغفرت کفر ہے، ان کی تعظیم کفر ہے، ان سے مصافحہ کرنا حرام ہے، ان سے محبت کرنا کفر ہے، ان سے مدد مانگنا حرام ہے، لہٰذا سرکار قبل از بعثت بھی کفار اور مشرکین کے لیے نہ استغفار کر سکتے ہیں نہ ان سے محبت کر سکتے ہیں، نہ ان کی تعظیم کر سکتے ہیں، کجا یہ کہ آپ بعد از بعثت کافر اور مشرک کے لیے استغفار کریں، اس کی تعظیم کریں اور اس سے مدد مانگیں۔

سرکار رسالت ؐ کا حال یہ ہے کہ وہ جب جب بھی ذکرِ ابی طالب ؑ کرتے ہیں تو تعریف و توصیف کے ساتھ کرتے ہیں، کبھی ان کے لیے استغفار کر رہے ہیں اور جب جب ان کا ذکر چھڑ جاتا ہے تو ان کا نام تعظیم سے لیتے ہیں، ان کی خاطر ان کے بچوں سے دُہرا پیار کرتے ہیں، ان کی خاطر ان کی زوجہ کو اپنی ماں کہہ کر بلاتے ہیں، ان کی خاطر علی ؑ کو خلافت کا حق دار ٹھہراتے ہیں اور ربِّ کائنات کی سنّت دیکھیے کہ وہ انبیا و رُسُل سے میثاق لیتا ہے کہ وہ اس کے حبیب پر ایمان بھی لے آئیں گے اور ان کی نُصرت بھی کریں گے اور انبیاء و رُسُل ہیں کہ عمر بھر اس انتظار میں رہتے ہیں کہ رب کا وہ حبیب آئے تو ہم اس کی نصرت کریں، انبیاء و رُسُل انتظار کرتے رہے اور یہ سب کچھ ابوطالب ؑ کو بے مانگے مل گیا اور کائنات کی یہ سب سے بڑی اور اَنمول امانت رب نے ابوطالب کی مقدس گود میں ڈال دی، اسے کفیل بنایا اور اس کی کفالت کو اپنی کفالت قرار دیا، اسے ناصر و محافظ بنایا اور اس کی نصرت و حفاظت کو اپنی نصرت و حفاظت

قرار دیا، اور پھر ربّ کائنات اپنے حبیب پر اپنے احسانات جتلا رہا ہے کہ میں نے تجھے ابوطالبؑ جیسا کفیل دیا، ناصر و محافظ دیا کہ جس کا یہ فعل میرا فعل بن گیا، گویا خدا اپنے مصطفیٰؐ بندے سے کہہ رہا ہے کہ جب جب میرے احسانات یاد رکھنا تب تب احسانات ابی طالبؑ کا تذکار (بھی) کرنا، پھر ربّ کائنات نے اس پر بس نہیں کی بلکہ عظمتِ ابی طالب کو عظمتِ مصطفیٰؐ سے جوڑ دیا، اب جو ابوطالبؑ کو مومن کامل سمجھتا ہے وہ دراصل حبیبِ خدا کی عظمت سے آشنا ہے اور جو کفرِ ابی طالبؑ کا قائل ہے وہ دراصل مقامِ مصطفیٰؐ سے بے خبر ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ سرکارِ رسالت کو مختارِ کُل بھی مانے اور یہ اعتقاد بھی رکھے کہ سرکار نے تو بڑا زور لگا دیا کہ میرا چچا مسلمان ہوجائے لیکن خدا مانتا ہی نہیں، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ سرکار کو مستجاب الدّعوات بھی مانے اور پھر کہے کہ سرکار کی دُعا رد ہوگئی، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ سرکار کے علمِ غیب کا بھی قائل ہو پھر کہے کہ سرکار بے کار کام میں لگے رہے، یہ جانتے ہوئے کہ کفار کے لیے استغفار کفر ہے پھر بھی ابوطالبؑ کے لیے استغفار کرتے رہے، ان کی محبت میں سرشار رہے اور ان کی تعظیم کرتے رہے۔

ابوطالبؑ کائنات کا واحد خوش نصیب انسان ہے کہ جس کا بیٹا عین جوفِ کعبہ میں پیدا ہو، ابوطالبؑ کی گود وہ مقدس گود ہے جس میں کائنات کی سب سے عظیم رسالت پل کر جوان ہوئی۔ ابوطالبؑ کا خون وہ خونِ مقدس ہے کہ جس نے دینِ خدا کو بچایا اور شریعتِ مصطفیٰؐ کی لاج رکھی، بدر و حنین کے معرکے ہوں کہ اُحد و خندق کی جنگیں، خیبر کی بات ہو کہ تطہیرِ کعبہ کے قصے، یہ سب خونِ ابوطالبؑ کے مرہونِ منت ہیں۔ یزیدیت مسلمانوں کی گردن پر سوار ہوجاتی ہے اور ایک بار پھر خونِ ابوطالبؑ گلستانِ اسلام کو سرسبز و شاداب کرتا نظر آتا ہے۔ یہ چہاردہ معصومینؑ کون ہیں ان سب کی رگوں میں ایک خون رواں دواں ہے۔ عبدالمطّلب کا خون اور ابوطالبؑ کا خون، قصہ کوتاہ! کیا دنیا

کا کوئی عاقل یہ تصور کر سکتا ہے کہ ایک کافر کے بچے کی ولادت کے لیے خانۂ حق کی دیوار شق ہو کر راستا دے گی، وہ خانۂ حق جس کی تعمیر کے اہتمام کے بعد خلیلِ حق کو دوبارہ اس کی تطہیر کا حکم ہوا تھا، ایک ایسے انسان کا مولد بنے جس کا باپ کفر و شرک کے اندھیروں میں بھٹک رہا ہے۔ میرے خیال میں ایسا تصور عصمتِ خلیل پر زبردست حملہ اور عظمتِ کعبہ پر بہت بڑا بہتان ہے۔ کعبہ میں ولادتِ علیؑ، ایمانِ ابوطالبؑ کی بہترین دلیل ہے۔ وہ رب جو "احسان کا بدلہ احسان" کا وعدہ کرتا ہے، کیا اپنے حبیب کا محسن ایسے شخص کو بنا سکتا ہے جس کا ایمان سے کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ جس کی تقدیر میں دوزخ ہو اور جس کے احسانات کا بدلہ احسان سے نہ دیا جا سکے، تو پھر ربِ کائنات کی بات کا وزن کیا رہے گا؟!

کیسا ظلم ہے کہ کفرِ یزید کی بات ہو تو حدیثِ متواتر کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور کفرِ ابی طالبؑ کو غیر مصدقہ خبرِ واحد سے ظاہر کیا جاتا ہے اور اس پر اصرار بھی کیا جاتا ہے۔ حکمِ خدا ہے کہ مومن سے محبت اور کافر سے عداوت رکھو لیکن یہ کیسا کافر ہے جس سے عداوت رکھنا کفر ہے۔ جس کا ذکر برائی سے کرنا باعثِ اذیتِ مصطفیٰؐ ہے۔ (ذرا سوچیے!) اب ذرا یہ دیکھیے کہ ابن وحشی حنفی ہے جو کہہ رہا ہے کہ بغضِ ابی طالبؑ کفر ہے اور اس پر نص موجود ہے۔ یہ علامہ علی اجھوری مالکی ہے جو کہہ رہا ہے کہ ابوطالبؑ کا ذکر برائی سے کرنا باعثِ اذیتِ مصطفیٰؐ ہے۔ یہ ابوطاہر ہے جو کہہ رہا ہے کہ جو شخص ابوطالبؑ سے بغض رکھتا ہے وہ کافر ہے۔

ہم نے پہلے بھی کہا ہے اور ایک بار پھر کہتے ہیں کہ بریلوی حضرات مقامِ مصطفیٰؐ سے (بہ ظاہر) نا آشنا ہیں، وہ سرکارِ رسالتؐ کے والدین ماجدین کے ایمان کے مسئلہ کا اثبات ظنی طور پر کرتے ہیں اور اس مسئلہ کے اعتقادی ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ چناں چہ علامہ کاظمی "مقالاتِ کاظمی" میں لکھتے ہیں کہ ہم اس مسئلہ کو ظنی طور پر مانتے ہیں اور شیعہ حضرات اس کو اصول سے مانتے ہیں۔

اَقُولُ (مصنف کا کہنا ہے): نبیؑ کی بعثت کا مقصد قلوب و اذہان میں نبیؑ کی عظمت کا قائم ہونا ہے اور نسبی و خاندانی وجاہت کو قبولِ اطاعت میں بہت زیادہ دخل ہے۔ نسبی و خاندانی وجاہت و شرافت رکھنے والا انسان پست نسب اور گرے ہوئے خاندان والے کی اطاعت قبول کرنے کے لیے کبھی آمادہ نہیں ہوسکتا، اس لیے نبیؑ کے لیے ضروری ہے کہ شرافتِ نسبی اور وجاہتِ خاندانی کے لحاظ سے بھی تمام اُمت سے بہتر ہو، یہی وجہ ہے کہ سرکار نے متعدد مقامات پر اپنی شرافتِ نسبی و وجاہتِ خاندانی کا اظہار فرمایا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ میرا نُور اَصلابِ مطہرہ سے اَرحامِ طاہرہ کی طرف منتقل ہوتا رہا ہے، لہٰذا جب اللہ رب العزت کا مقصد یہ ہے کہ تمام عالم نبیؑ کے سامنے جھک جائے تو نبیؑ کو ایسے باشرف گھرانا میں پیدا کرے گا کہ جس کی شرافت اس انسان کی عظمت کے لیے سازگار ہو، بھلا کون ایسا ہوگا جو عطرِ شمامۃ العنبر کو مٹی کے کوزہ میں بھر دے گا کس کی عقل گوارا کرے گی کہ صاف و شفاف چشموں کا پانی گندی نالیوں سے بہائے، اور جب عام دنیاوی انتظامات کے اصول اتنے دقیق ہیں تو نُورِ نبوت کے لیے جس ظرف کا انتخاب کیا جائے گا، کیا وہ شرک ونجاست میں ملوث ہوسکتا ہے، ہرگز نہیں، لہٰذا سرکارِ رسالتؐ کے آبا وَاجداد کا مسلمان ہونا اعتقادی و اصولی مسئلہ ہے نہ کہ ظنی مسئلہ اور یہی قولِ برحق ہے اور یہ امر ناممکن اور محال ہے کہ نبی دوزخی یا مشرک یا کافر کا بیٹا ہو، کیوں کہ باپ کی رُسوائی بیٹے پر اثرانداز ہوتی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَاغْفِرْ لِاَبِیْ...... وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ

"یعنی جنابِ ابراہیم ربِّ کائنات سے دعا کرتے ہیں کہ میرے باپ کو بخش دے ـــــ اور بہ روزِ قیامت مجھے رُسوا نہ کر"۔

جس کا صاف مطلب ہے کہ اگر سرکارِ رسالتؐ کے ماں باپ بہ روزِ قیامت دوزخ میں جائیں تو یہ آپ کی رُسوائی ہے جب کہ روزِ محشر سرکار کی عظمت و عزت کا دن

ہے نہ کہ رُسوائی کا۔ لہٰذا عبدالمطلبؑ بہ زبانِ قرآن مسلمان ہیں اور آیت وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ کے ترجمان ہیں اور مسیب کے قول سے ثابت ہے کہ عبدالمطلب اور ابوطالبؑ کا دین ایک ہے لہٰذا ابوطالبؑ مومن و مسلمان ہیں۔ ابوطالب ـــــ اقلیمِ تدبر و فراست کا شہنشاہ ـــــ اکیلا، تنِ تنہا آل واصحاب کے تمام افراد پر بھاری تھا، ابوطالبؑ موجود، سرکار محفوظ، ابوطالبؑ کیا فوت ہوئے کہ سرکار غیر محفوظ ہو گئے۔ وحی آئی: اے حبیبؐ! مکہ سے ہجرت کرو کہ تمھارا محافظ اُٹھ گیا۔ بنو ہاشم موجود مگر سرکار غیر محفوظ، علیؑ و حمزہؓ موجود مگر سرکار غیر محفوظ، صحابہ موجود مگر سرکار غیر محفوظ، ابوبکرؓ و عمرؓ موجود مگر سرکار غیر محفوظ۔ ابوطالبؑ زندہ تھے تو تمام عرب کے کسی بھی مشرک کو جرأت نہ تھی کہ سرکار پر حملہ کرتا، حملہ تو بڑی بات تھی سرکار کی طرف اُنگلی اُٹھاتا، ابوطالبؑ کی زندگی میں سرکارِ رسالتؐ لہولہان نہ ہوئے، ابوطالبؑ اُٹھ گئے تو سرکارؐ لہولہو، مہاجرین موجود مگر سرکارؐ لہولہو، انصار موجود مگر سرکارؐ لہولہو، علیؑ موجود مگر سرکارؐ لہولہو، ابوبکر و عمر موجود مگر سرکارؐ لہولہو، گویا ابوطالبؑ اکیلا اور تنِ تنہا آل واصحاب کے تمام افراد پر بھاری تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سرکارؐ فرمایا کرتے تھے:

اے عم! اِنَّكَ اَعْظَمُهُمْ عَلَیَّ حظلوا احسنهم عندی یدا ولانت اعظم علی حقا من والدی (اے چچا ابوطالبؑ! تو میرا بڑا محسن ہے)①

"کفرِ" ابی طالبؑ کے عقیدے نے مسلمانوں کے عقیدے پر جو اثرات چھوڑے ہیں، وہ تو بے شمار ہیں، جن میں سے چند کا تذکرہ کرنا درکار ہے۔ منکرین نے کفرِ ابی طالبؑ کا عقیدہ اختیار کیا تو:

سرکارؐ مختارِ کُل نہ رہے، کتاب "بریلوی مذہب اور اسلام" کا مصنف رقم طراز

---

① علامہ نذیر انصاری مرحوم کے اس آرٹیکل کی لسانی اصلاح کی گئی۔ قولِ رسولؐ کا پورا ترجمہ بھی ملاحظہ کیجیے۔

ہے: ''بالفرض اگر آپ مختارِ کُل ہوتے تو کم از کم اپنے حقیقی چچا ابوطالبؑ کو تو ضرور ہی دولتِ ایمانی سے سرفراز فرما کر دنیا سے رخصت فرماتے مگر افسوس کہ وہ محروم ہی رخصت ہوئے۔ نہ سیّد الانبیاءؐ جیسا بھتیجا اپنے چچا کو اس دولت سے نواز سکا اور نہ ہی سیّد الاولیاء جیسا بیٹا علیؑ اپنے باپ کو متاعِ ایمانی سے سرفراز فرما سکا، اللہ رب العزت کے اختیار اور قدرت کے مقابلہ میں دونوں ہی ہستیاں بے بس اور بے اختیار کھڑی ہیں''۔

ایک پنجابی مصرع ہے (جس میں رسولؐ مختار کو بے اختیار بتایا گیا ہے)

ع ''کیویں ابوطالبؑ مسلمان ہوجائے پورا زور پیغمبرؐ نے لا دتا''

قصہ مختصر، عظمتِ ابی طالبؑ اور عظمتِ سرکارؐ میں گہرا ربط ہے اور ابوطالبؑ کی شانِ پاک میں گستاخی، سرکار کی شان پاک میں گستاخی پر منتج ہوتی ہے۔

اب حرفِ اوّل (مؤلف کتاب شریف ''محسنِ رسالتؐ'' نذیر احمد انصاری) کے فوراً بعد کتاب ہذا کے ایک دو آخری جملے بطورِ حرفِ آخر ملاحظہ کیجیے:

صحیح مسلم کی صحیح حدیث ہے: من دعا الرجلا بالکفر، ''یعنی جس کسی نے مسلمان کو کافر کہا، خود کافر ہوگیا''۔ درج بالا عبارات سے مثبوت کہ کسی صورت بھی ہم ابوطالبؑ کو کافر نہیں کہہ سکتے اور جو ابوطالبؑ کو کافر کہتے ہیں، وہ خود اپنے ایمان کو خطرے میں ڈالتے ہیں۔ [1]

---

[1] بلکہ محرومِ ایمان ہیں۔

ابوطالبؑ مومنِ قریش

مؤلفہ علامہ عبداللہ الخُنیزی ①

یہ وہ کتاب مستطاب ہے جس میں حضرت ابوطالبؑ کی ہستی نام دار کو دو اجزا (جزوِ اوّل اور جزوِ دُوم) میں "مدارج زندگانی" اور "تاریخ کی ذمہ داریاں" کے تحت رُوشناس کرایا گیا ہے۔ جزوِ اوّل میں خاندان، شخصیت، تزویج، صحیح پیغام، دعوتِ ذوالعشیرہ، جہاد اور وقتِ احتضار کے عنوانات زیرِ بحث لائے گئے ہیں اور جزوِ دُوم میں موت کے بعد (کا تذکرہ) نیز (حضرتِ ابوطالبؑ کے) عطربار تذکرے (حضرت علیؑ کی زبان سے، دیگر اہلِ بیتِ اطہارؑ کی زبان سے اور اصحاب وعلما کی زبان سے) مذکور ہیں۔ حصہ اوّل میں آستانۂ تاریخ و تقدیس "دلائل" اور حصہ دُوم کے آخر میں "چند لمحے حدیدی کے ساتھ"، "اِفترا پردازی اور جعل سازی" اور "مومن" کے موضوعات بھی شامل ہیں۔

---

① علامہ عبداللہ الخُنیزی کے بارے میں بیروت کے جناب حسن الامین مؤلف "اعیان الشیعہ" کی فراہم کردہ معلومات خلاصہ در خلاصہ یہ ہیں: آپ سعودی عرب کے ایک قریہ القلعہ میں ۱۳۵۵ھ کے ماہ ربیع الاوّل میں پیدا ہوئے۔ کم سِنی میں بنیادی علوم کے ابتدائی نصاب کی تکمیل کرلینے کے بعد اپنے والدِ گرامی سے تاریخی و ادبی معلومات کا بڑا ذخیرہ حاصل کرلیا۔ ۱۳۶۸ھ ہی میں قلم سنبھال لیا اور تصنیف و تالیف میں معروف ہوگئے۔ بحرین، عراق، لبنان، مصر اور سعودی عرب کے متعدد اخبارات اور رسائل میں، بلند پایہ مقالات شائع ہوئے۔ مضمون نگاری اور انشا پردازی سے بہت دل چسپی رہی۔ کئی کتب کے مصنف ہیں جن میں ابوطالبؑ مومنِ قریش کو ممتاز مقام حاصل ہے۔ شعر بھی کہتے ہیں۔ ان کا ایک دیوان "زہرات" کے نام سے مرتب ہوچکا ہے۔

اس عظیم تحقیقی کاوش کی تعریف سرکار آیۃ اللہ سید محمد محسن الحکیم طاب ثراہ جیسی شخصیت نے بھی کی ہے ① اور علامہ ذیشان حیدر جوادی جیسے عالم و فاضل مصنف نے اس کا اُردو ترجمہ کرنے کو اپنے لیے باعث فخر جانا ہے۔ اُن کی تحریر "گفتار مترجم" اس موضوع پر بجائے خود ایک بہترین مقالے کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہم نے اس تحریر کی اہمیت کے پیش نظر اسے "شیخ بطحا کی زندگی کے چار جالب پہلو" کے عنوان سے شامل کتاب کیا ہے تاکہ ابوطالبؑ شناسی میں کوئی تشنگی باقی نہ رہ جائے۔ سر دست ہم آستانہ تاریخ و تقدیس پر دستک دیتے ہیں۔ علامہ خیبری رقم طراز ہیں:

"اس وقت میرے سامنے ایک ایسے انسان کی سیرت ہے جس کی تاریخ زندگی کے ساتھ ہوا و ہوس کھیلتے رہے اور کرایہ کے قلم صراط مستقیم سے منحرف ہو کر حقیقت پر گہرا پردہ ڈالتے ہوئے ان کا ساتھ دیتے رہے کہ یہی طرز عمل ان قلم کاروں کا ہر اس واضح حقیقت کے ساتھ رہتا ہے جو ان کے خواہشات و جذبات پر پابندی لگانا چاہتی ہو۔

یہ وہ انسان تھا جس نے تاریخ میں اپنی سیرت کے خطوط سنہری حرفوں سے کھینچے ہیں اور اسی لیے یہ انسان مجاہدین کی صف اوّل اور انصار دین و پیغمبران انسانیت کے طبقۂ اوّل میں شمار ہوتا ہے۔ ②

---

① بہ قول محمد علی حسنین، مقیم مدینہ منورہ، آقائے محسن الحکیم نے "الغدیر" نامی رسالہ میں تحریر فرمایا ہے: حضرت ابوطالبؑ پر درود پڑھے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی۔

② یقیناً حضرت ابوطالبؑ اوّلین ناصرِ دینِ اسلام اور ناصر رسولؐ اسلام تھے، جو بہ ذاتِ خود بہت بڑا درجہ ہے۔ البتہ اُن حضرات کو احتیاط کرنی چاہیے جو انھیں نبی قرار دیتے ہیں۔ "النبوۃ ابی طالبؑ" نامی کتاب بھی شایع ہو چکی ہے۔ حدیث نبویؐ کے مطابق اس اُمت کے علما بھی بنی اسرائیل کے انبیا سے افضل ہیں، پھر ایسی کاوش کی کیا ضرورت۔

یہ وہ انسان ہے جس نے دینِ محکم کی اس وقت نصرت کی جب تمھارے قلوب جور و جفا پر آمادہ تھے۔ تمام آنکھوں کی تُند نگاہی سے حسد و عداوت کے شرارے نکل رہے تھے...... لیکن اُدھر نُورِ الٰہی "نبیِ جدید" کی طرف ہاتھ بڑھے اور اِدھر یہ انسان (ابوطالبؑ) پوری قوت کے ساتھ تحری (قبلہ کی طرف رُخ کر کے کھڑا ہو گیا اور ان تمام ہاتھوں کو پلٹا دیا جنھیں اپنی کام یابی کا پورا یقین تھا۔ چناں چہ اس نصرت کا لازمی نتیجہ تھا کہ حسد و کینہ کا رُخ اس ناصرِ اوّل ہی کی طرف مڑ جائے، جیسا کہ مثل مشہور ہے کہ "گھوڑے کا غصّہ لگام پر اُترتا ہے......"

اب کیا تھا گھٹیا ضمیر، کچے ذہن و قلب جنھیں نہ فضیلت کی قدر و قیمت معلوم تھی اور نہ رذالت کی حدودِ تعریف، باقاعدہ کرایہ پر چلنے لگے۔ اس تجارت میں ذمہ داریاں بکتی تھیں، عہد و پیمان ٹوٹتے تھے، حق کو باطل اور باطل کو حق بتایا جاتا تھا......

چمگادڑ کی تمام تر دوا دوش (دوڑ دھوپ) اور پرواز رات کی تاریکی میں ہوتی ہے جب نُور کی شعاعیں نہیں ہوتیں۔ ان کی خواہش بھی یہی ہوتی ہے کہ یہ رات طولانی ہوتی جائے تا کہ پرواز کی فضا میں ہمارا کوئی شریک نہ ہو سکے۔ حکومتِ وقت نے بھی اپنی سیہ کاریوں کے تحفظ کے لیے ایسے اسباب مہیا کرنا شروع کر دیے جس سے جہالت و ضلالت کی تاریکی باقی رہ جائے۔ ①

خواہشات کے طوفان اُٹھے اور اُنھوں نے تاریخ کا رُخ موڑ دیا۔

---

① الخیزجی نے معروف خلافتِ راشدہ کے بعد اُموی ملوکیت کے ڈھول کا پول کھولا ہے۔

ارادہ یہ تھا کہ حالات کو بالکل منقلب کر دیا جائے۔ ضمیروں کو مسخر کر دیا گیا اور حسب خاطر حدیثیں وضع ہونے لگیں، وہ لوگ جن کے دل میں اسلام نے جڑ نہیں پکڑی تھی، جنھیں جاہلیت سے پوری طرح نجات نہیں ملی تھی، دین کو منہدم اور تباہ و برباد کرنے پر آمادہ ہو گئے اور وضعِ حدیث ایک کام یاب سرمایہ کا کام دینے لگی۔

اس بلیک مارکیٹ کے تین رُکن تھے:

① فضائلِ علیؑ کا مخفی کرنا۔

② آپ کے خلاف احادیث وضع کر کے آپ کی شان کی آیتوں کو دوسروں کی طرف اور دوسروں کی ملامت کی آیات کو آپ کی طرف موڑ دینا۔

③ دیگر صحابہ کی شان میں روایتیں گھڑنا۔

اس بازار کے تاجرِ اوّل نے دیکھا کہ یہی تجارت اس کی سلطنت کی خشتِ اوّل ہے۔ تو اُس نے مختلف طریقوں سے کوشش کر کے اپنی بات کو کام یاب بنایا......

"جب انسان کی آنکھوں کا پانی مر جائے تو وہ جو چاہے کرے سب ٹھیک ہے"۔ (ترجمۂ شعر)

الخیری بنواُمیہ کی اہلِ بیتؑ دشمنی (بالخصوص علیؑ دشمنی اور حسینؑ دشمنی) پر مفصّل بحث کرنے اور جعلِ حدیث کا مکمل پوسٹ مارٹم کرنے کے بعد (ایک طویل فاصلہ طے کر کے) اپنے اصل موضوع کی طرف مائل ہوتے ہیں اور مسلمانوں کی ابوطالبؑ دشمنی کے ساتھ ساتھ ابوسفیان دوستی کا راز فاش کرتے ہوئے خون کے آنسو روتے ہیں:

"اگر بیٹے کی دولت نہ ہوتی تو کون سا انسان ایسا ہوتا جو ابوسفیان

جیسے دشمنِ دین کے ایمان و اسلام کا قائل ہوتا“......”ان واضعین حدیث نے اسی پر اکتفا نہیں کیا کہ ابوسفیان کے بارے میں اسلام لانے کے بعد روایات وضع کرتے بل کہ اسلام لانے سے پہلے کے لیے بھی حدیثیں گھڑ ڈالیں۔ غالباً یہ فضائل اسلام کو تباہ کرنے اور رسولؐ اسلام سے خوں ریز جنگیں لڑنے سے پیدا ہوئے تھے“۔

”ایک کھلا ہوا جھوٹ یہ پیش کیا گیا کہ آں حضرتؐ نے فرمایا: اسلام کو ہمیشہ ابوسفیان کی تائید حاصل رہی ہے، اسلام سے قبل اور اسلام کے بعد“۔

غرض کہ جس کی پوری زندگی ایک مستقل تنقید ہے اُسے سراسر تحسین بنادیا گیا۔ خود آں حضرتؐ اور امیرالمومنینؑ کی پاکیزہ زبانوں سے کذب و بہتان کا ایک انبار ادا کیا گیا۔ زبانِ قلم سے شمشیر و خنجر کا سا کام لیا گیا۔ زرخرید مؤرخوں کو جب یہ خیال آیا کہ ابوطالب علیؑ کے باپ تھے تو ابوطالبؑ کے عظیم کردار، بلند دفاع، ہمت آزما مواقف، اسلام کے استحکام کی کوششوں، نُورِ رسالت کے فضائل میں نغماتِ شناسب کچھ کو فراموش کردیا۔ ان کے قلم بہک گئے، رفتار بدل گئی، راستا تبدیل ہوگیا۔۔۔۔ لیکن آفتاب کا چہرہ کتنا ہی کیوں نہ چھپا دیا جائے وہ ہمیشہ ان ذرائع کی فکر میں رہتا ہے جن سے اپنی شعاعوں کو عالم تک پہنچا کر دُنیا کو متوّر کرسکے۔ آفتاب یہ کیوں کر برداشت کرسکتا ہے کہ دُنیا تاریک ہوجائے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ تاریخ کے اتنے مظالم کے باوجود ایسے صفحات بھی دیکھیں گے جن میں اس مردِ مجاہد (محسنِ دینِ مبین ابوطالبؑ) کے سوانحِ حیات کے کلمات نمایاں حروف میں جلوہ گر نظر آتے ہیں۔

اس کے بعد فاضل مؤلف رقم طراز ہیں:

”میں نے میں خیال کیا تھا کہ اس اہم اور متنازع

فیہ مسئلے پر قلم اُٹھانا انتہائی دشوار گزار ہوگا، اس لیے کہ مآخذ قلیل اور مدارک کم ہیں لیکن میں اپنی راہ پر چلتا رہا، قدم آگے بڑھاتا رہا اور آخرکار اس مردِ مجاہد (حضرت ابوطالبؑ) کی مدد سے ایک بڑا ذخیرہ ہاتھ آ گیا۔ مختلف کتابوں سے مطالب جمع کیے اور حق کو حق کی خاطر نمایاں کرنے کا سامان ہو گیا"۔

دل نے کہا: حق کو ناصر و مددگار ضرور مل جاتے ہیں۔ باطل کو بقا نصیب نہیں ہو سکتی۔ کذب و بہتان کی عمر کم ہے اور نورِ الٰہی کی تمامیت مسلّم ہے۔

ابوطالبؑ کی زندگی کے چار جالب پہلو

(گفتارِ مترجم)[1]

عمرانؑ کے اوصاف کا، خدمات کا، کیا کہنا
دیکھا نہ کوئی محسنِ پیمبرؐ سا فلک نے
(ابوالعلی والحسن)

عام انسان کی سیرت نگاری بھی اتنی اہم اور دشوار گزار ہے تو شیخ بطحا سیدِ قریش حضرتِ ابوطالبؑ کی زندگی پر قلم اٹھانا اور بھی مشکل مرحلہ ہوگا۔

مجھے داد دینی پڑتی ہے اپنے نوجوان برادرِ دینی جناب عبداللہ خنیزی کو جنھوں نے جوانی کے مادّی تقاضوں کو پسِ پشت ڈال کر زندگانی کا ایک اہم حصہ یعنی تقریباً ایک سال کا زمانہ اس وادی کو طے کرنے میں صَرف کر کے حضرتِ ابوطالبؑ کے ایمان و عقیدہ، آپ کے جہاد اور آپ کے خدماتِ مسلسل کا وہ ذخیرہ مہیا کر دیا ہے جس کو دیکھنے کے بعد کوئی انصاف پسند انسان آپ کے ایمان و عقیدہ میں شک نہیں کرسکتا ہے......

قانونِ سیرت نگاری کے تحت اگر حضرتِ ابوطالبؑ کی پوری زندگی کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ آپ کی پوری زندگی میں کوئی لمحہ ایسا نہیں آیا جسے کفر سے سازگار یا اسلام سے کنارہ کش تصور کیا جاسکے۔ یہ ضرور ہے کہ ان لمحات کے صحیح تجزیہ کے لیے

---

[1] الاستاد عبداللہ الخنیزی کے اس شاہ کار کی تفہیم کے لیے اس کے فاضل مترجم علامہ السید ذی شان حیدر جوادی کی گفتارِ مترجم (ص ۹ تا ۲۵) ہماری نظر میں اس شاہ کار تالیف کے اندر اس موضوع پر ایک سیر حاصل ذیلی تالیف ہے۔

ایک ذہنِ رسا اور چشمِ بینا کی ضرورت ہے ورنہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی شے اپنے انتہائی ظہور کی بنا پر پردۂ اخفا میں چلی جاتی ہے.....

ہم دنیا کی جس شے کو بھی دیکھتے ہیں اس سے پہلے نُورِ آفتاب نظر آتا ہے۔ اس کے بعد اس کے وسیلہ سے اس شے پر نظر پڑتی ہے جسے دیکھنا چاہتے ہیں لیکن اس کے باوجود ہم اس شے پر نظر جما لیتے ہیں اور نُورِ آفتاب کی طرف سے یکسر غافل ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح ہمیں جس شے کا بھی علم ہوتا ہے اس کا وسیلہ وہ ذہنی تصویریں ہوتی ہیں جو صفحۂ قلب پر منعکس ہوتی ہیں لیکن اس کے باوجود ہم اپنے ہی نفس سے غافل ہو کر اس شے کی طرف توجہ کو مرکوز کر دیتے ہیں.....

اسی بنیاد پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرتِ ابوطالبؑ کے ایمان کا نظروں سے پوشیدہ ہو جانا اس کے گم نام اور مخفی ہونے کا نتیجہ نہیں ہے، بل کہ یہ اس کے کمالِ ظہور کا اثر ہے۔ یہ اور بات ہے کہ آفتاب کی شعاعیں چمگادڑ کی نظروں سے پوشیدہ ہی رہتی ہیں۔

سوچنے کی بات ہے کہ آخر کیا سبب تھا کہ دنیا کو آپؑ کا مادی جہاد، آپ کا سماجی مقابلہ اور آپ کے تربیتی خدمات نظر آئے لیکن ان کے پس منظر میں کام کرنے والا بنیادی عقیدہ نظر نہ آسکا۔

حضرتِ ابوطالبؑ کی سیرت سے دلائلِ ایمان اور شواہدِ عقیدہ کے جمع کرنے کے لیے آپ کی زندگی کو چار حصوں میں تقسیم کرنا پڑے گا:

پہلے حصّہ میں آپ کے اضافی اوصاف پر نظر ڈالی جائے گی۔

دوسرے میں نفسیاتی رجحانات پر بحث ہوگی۔

تیسرے حصّے میں آپ کی ذاتی خدمات بیان کی جائیں گی، اور

چوتھے حصّے میں آپ کے بارے میں عظمائے اُمت کے اعترافات اور ارشادات نقل کیے جائیں گے۔ (یہ تقسیم کار جوادی صاحب نے کی ہے نہ کہ نجیوی صاحب نے)

① اضافی اوصاف

آپ کا نسب شریف اس تسلسل کے ساتھ حضرت آدم علیہ السلام تک پہنچتا ہے (اگرچہ حضرت آدمؑ تک نسب رسولؐ پہنچانے سے خود رسولؐ خدا نے منع فرمایا ہے اور "عدنان" پر ٹھہر جانے کا حکم دیا ہے):

ابوطالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ (عامر) بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان بن اد بن ادد (اود) بن الیسع بن الہمیسع بن سلامان بن النبت بن حمل بن قیدار بن اسماعیل بن ابراہیم بن تارخ بن ناخور بن شروغ شاروخ بن ارغو بن فالغ قالغ بن عابر (ہودؑ) بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح بن لمک بن متوشلخ بن خنوخ (ادریسؑ) بن یارد بن مہلائیل (مہلائیل) بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم۔ (کتابۃ الطالب، ص ۳۶۷)

آپ کے اسمِ گرامی کے بارے میں علما میں قدرے اختلاف ہے۔ صاحب عمدۃ الطالب احمد بن علی کا قول ہے کہ آپ کا اسمِ شریف عبدمناف تھا۔ ابوبکر طرطوسی کی رائے ہے کہ اسمِ مبارک عمران تھا اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ خود ابوطالبؑ ہی تھا۔

بعض علما نے عبدِ مناف کو ترجیح دی ہے کہ حضرتِ عبدالمطلبؑ نے اپنی وصیت میں اسی نام سے یاد کیا ہے اور ابوطالب کو کنیت قرار دیا ہے۔ رہ گیا عمران تو اس کے بارے میں روایت کو ضعیف قرار دیا گیا ہے اگرچہ شہرت اسی نام کی ہے اور اسی اعتبار سے اہلِ بیتؑ کو آلِ عمران بھی کہا جاتا ہے۔ (مواہب الواہب)

② توارث صفات

"پدرم سلطان بود" اگرچہ انسان کو سلطان نہیں بنا سکتا ہے لیکن یہ حقیقت بھی

ناقابلِ انکار ہے کہ سلاطین کی اولاد کی ذہنیت عام ذہنیتوں سے مختلف ضرور ہوتی ہے۔ اب یہ اختلاف جائز حدود میں ہوتا ہے یا ناجائز، اس کے عوامل و حرکات اچھے ہوتے ہیں یا بُرے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ انسان اپنے موروثی صفات کا آئینہ دار ضرور ہوتا ہے۔

قانونِ توارث کے تفصیلات کا تذکرہ اپنے موضوع سے خارج ہے اس لیے اسے علمائے نفس کے حوالے کیا جارہا ہے۔ اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ اس قانون کا کسی حد تک تسلیم کرنا انتہائی بدیہی اور وجدانی امر ہے۔

انسان جن صفات کا حامل ہوتا ہے، بچے میں ان صفات کا پایا جانا ایک فطری امر ہے۔ ایک بخیل کے بچے میں بخل اور ایک کریم کے بچے میں کرم کا ہونا ضروری ہے۔ یہ اور بات ہے کہ حالاتِ زمانہ اور اختلافِ معاشرہ کی بنا پر ان صفات کا مظاہرہ اپنی آبائی شکلوں میں نہ ہوسکے۔

بچہ ابتدائی تخلیق کے اعتبار سے ماں باپ کے اوصاف کو لے کر دنیا میں آتا ہے۔ پھر معاشرہ اس پر اثر انداز ہوتا ہے۔ وہ اپنے داخلی کیفیات کی بنا پر سماج کا مقابلہ کرتا ہے اور نتیجہ میں تصادم و تعارض ایک جدید شکل کی طرف لے جاتا ہے جس کا حقیقی سرچشمہ وہی موروثی صفات ہوتے ہیں جن کو لے کر وہ دنیا میں آیا تھا۔

دینِ اسلام نے انسان کی تربیت کا انتظام اس کے شعوری دور سے نہیں کیا کہ اس وقت وراثت اپنا اثر دکھا چکتی ہے بل کہ اس کا مکمل اہتمام اس کے وجود میں آنے کے پہلے ہی سے شروع کر دیا ہے۔ اُدھر کسی انسان نے "تولیدِ مثل" کا قصد کیا اِدھر اسلام نے اپنے احکام نافذ کردیے۔ اچھی اور با اَخلاق عورت کا انتخاب کرو۔ مال و جمال پر نظریں مت جماؤ، دودھ پلانے پر خاص توجہ دو۔ ناجائز و ناروا خیالات کی حامل عورت سے بچے کو محفوظ رکھو۔ اچھی آغوش میں تربیت کا انتظام کرو وغیرہ۔

یہ سب اسی لیے ہے کہ تربیت عالمِ وجود میں قدم رکھنے سے پہلے ہو، تاکہ موروثی صفات اپنا غلط رنگ نہ جما سکیں۔ بنیادی اثرات نامناسب طریقے پر متاثر نہ کر سکیں۔ ایسا نہ ہو کہ مُصلح و مربّی کی ساری تدبیریں صرف ان بنیادی جراثیم (نفسیاتی رجحانات) کی بنا پر بے کار اور بے سود ہو جائیں جو پہلے سے طینت میں اپنے گھر بنا چکے ہیں۔

توارثِ صفات کے اس نظریے پر ایک عبوری نظر ڈالنے کے بعد ہمارا فریضہ ہو جاتا ہے کہ ہم اس سلسلے میں حضرت ابو طالبؑ کے موقف کو واضح کر کے بتائیں کہ اس نجیب الطرفین فرزند کو اپنے والدین سے کیا کیا ملا ہے!

حضرتِ عبدالمطلبؑ، عالمِ عربیت کے رئیس مطلق اور ابو طالبؑ کے مربّی اوّل

کیا کہنا عبدالمطلبؑ جیسے انسانِ کامل کا جسے تاریخ آج تک مفلسوں کی پناہ گاہ اور غریبوں کے ملجا و ماویٰ کے نام سے یاد کرتی ہے۔ جس نے حاجیوں کو سیراب کر کے "فیاض" اور اُڑتے ہوئے پرندوں کو غذا دے کر "مطعم الطیر" کا لقب حاصل کیا۔

اس وقت آپ کی مکمل تاریخ پیش کرنا مقصود نہیں ہے، صرف ان خطوط کی نشان دہی کرنا ہے جو آپ کی زندگی میں بڑی نمایاں حیثیت رکھتے ہیں یعنی آپ کا ایمان و اخلاص اور جود و کرم۔

جود و کرم کا یہ عالَم تھا کہ کبھی تڑپتے ہوئے دل اور سنولائے ہوئے چہرے دیکھے نہیں جاتے تھے۔ ادھر دھوپ کے مارے ہوئے قافلے اور میدان کی تپش سے جھلسے ہوئے چہرے سامنے آئے اور اُدھر سیرابی کا انتظام شروع ہو گیا۔ کوئی مسافر پیاسا نہ رہ جائے، کسی غربت زدہ کو احساسِ غربت نہ ہونے پائے، کوئی دُور اُفتادہ اپنے کو لاوارث تصور نہ کرے! صرف اس لیے کہ آنے والے اللہ کے مہمان اور خانۂ خدا کا طواف کرنے والے ہیں۔

کوئی پوچھے کہ ان آنے والوں سے آپ کا کیا تعلق ہے؟ یہ سارے انتظامات

آپ کیوں کر رہے ہیں؟ مکہ والے اپنے شہر کی آبرو کا خیال کیوں نہیں کرتے ہیں؟ عالمِ عربیت کی حمیت و غیرت کو کیا ہو گیا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ اہتمام و انتظام، یہ خاطر داری اور ضیافت اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اس انسان کے دل میں عشقِ الٰہی کے گہرے جذبات اور جود و کرم کے عمیق رجحانات پائے جاتے ہیں۔ یہ نہ تو یہ چاہتا ہے کہ ریگ زار حجاز کے تپش زدہ پیاسے رہ جائیں اور نہ یہ برداشت کر سکتا ہے کہ خدائی مہمانی پر کوئی حرف آسکے۔ اسے نہ یہ گوارا ہے کہ اپنے موروثی جذبات گُھٹ کر مر جائیں اور نہ یہ برداشت کہ دھوپ اور پیاس کی شدت سے گھبرا کر لوگ طوافِ خانۂ کعبہ چھوڑ دیں۔

سوال یہ ہے کہ جود و کرم اور احساس و شعور کے یہ گہرے رُجحانات حضرت ابو طالبؑ کی زندگی میں کس طرح ظاہر ہوئے؟ دُور جانے کی ضرورت نہیں ہے، تاریخ کے اَوراق ہمارے سامنے ہیں۔ قلتِ مال اور کثرتِ عیال نے پریشان کر رکھا ہے لیکن وراثتی صفات اس بات پر مجبور کر رہے ہیں کہ اللہ کے مہمان بھوکے پیاسے نہ رہ جائیں اور لوگ گھبرا کر خانۂ کعبہ کو ترک نہ کریں۔ اپنا گھر اُجڑتا ہے تو اُجڑ جائے لیکن اللہ کا گھر آباد رہے، اپنے سر پر بار بڑھتا ہے تو بڑھ جائے لیکن اللہ کی مہمان داری پر حرف نہ آنے پائے۔

کیا ان تصورات و جذبات کا (حامل) انسان بھی کافر ہو سکتا ہے؟

ایمان و عقیدہ

آپؑ کے ایمانِ کامل کا ثبوت آپؑ کا وہ مُباہلہ ① ہے جو آپؑ نے اَبرہہ سے اس وقت کیا جب وہ خانۂ خدا کو منہدم کرنے کے لیے اپنا عظیم الشان لشکر لے کر مکہ آیا۔

آج دنیا میں اسلام کے ٹھیکے دار بہت ہیں، جسے دیکھیے وہ ذمہ دارِ شریعت ہے،

---

① یہ لفظ باب مُفاعلہ میں سے ہے، اکثر خطیب حضرات مباہلہ بولتے ہیں اور یہی اُردو اہلِ زبان کا وتیرہ ہے، لہٰذا کوئی حرج نہیں۔

جس پر نظر ڈالیے وہ وارثِ قرآن ہے۔ لیکن انصاف سے بتائیے کہ اگر آج اسلام پر کوئی وقت پڑ جائے تو کیا کوئی ایسا مسلمان ہے جو حضرت عبدالمطّلبؑ کا جیسا مطمئن قلب اور پُرسکون نفس لے کر اُٹھ کھڑا ہو۔ یہاں تو مسلمانوں کا یہ عالَم ہے کہ بات بات پر دشمن کو چیلنج کر رہے ہیں اور جب بات پوری نہیں ہوتی تو مصلحتِ خدا پر ٹال دیتے ہیں جس کے نتیجے میں اسلام کی رُسوائی اور شریعت کی بے عزتی ہی ہوتی ہے۔ لیکن کیا کہنا حضرت عبدالمطّلبؑ کی دُوررس نگاہوں کا کہ آپؑ نے اَبرہہ سے اس وقت تک کوئی بات نہیں کی جب تک کہ مشیتِ الٰہی کا اندازہ نہیں کرلیا۔ یہی وجہ تھی کہ اِدھر زبان پر کلمات آئے اور اُدھر ابابیل کی فوجیں روانہ ہوگئیں۔

مُباہلہ ایک ایسا کام ہے جس کا اختیار سوائے ان اولیاے خدا کے کسی اور کو نہیں ہے جن کو اپنی طلب پر اعتمادِ کامل اور اللہ کی مشیت پر اطلاعِ تام حاصل ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ انسان اپنی خواہش سے کوئی بات کہہ دے اور اس کے نہ ہونے کی صورت میں اسلام بدنام ہوجائے اس لیے کہ اللہ نے ہر ایک کے دعوے کی تصدیق کی کوئی ضمانت نہیں لی ہے۔

حضرت عبدالمطّلبؑ کا یہ وہ طرزِ عمل تھا جس نے آپؑ کی وصایت کو مکمل طریقے سے واضح کردیا۔ آپؑ انتہائی اطمینانِ قلب کے ساتھ اَبرہہ کو چیلنج کرتے ہیں اور پھر جو کچھ فرماتے ہیں وہ چند لمحات میں نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے تاکہ دنیا دیکھ لے کہ دعا میں کتنی تاثیر ہے اور ایمان کی لاج کس طرح رکھی جاتی ہے۔

سابق بیان کو دیکھنے کے بعد یہ کہا جاسکتا تھا کہ اگر حضرت عبدالمطّلبؑ کی فیاضی کو یہ گوارا نہ تھا کہ خانۂ کعبہ کی مرجعیت میں کوئی فرق آسکے تو پھر اَبرہہ کے مقابلے میں خانۂ کعبہ کی طرف سے دفاع کیوں نہیں کیا؟

لیکن اس کا کھلا ہوا جواب یہ ہے کہ اوّلاً تو مادّی اعتبار سے عبدالمطّلبؑ کے

پاس اتنی قوت نہ تھی کہ اس بے پناہ لشکر کا مقابلہ کر سکتے، دوسری بات یہ بھی ہے کہ اس مقابلہ سے بات اَبرہہ اور عبدالمطلبؑ کی ہو کر رہ جاتی اور آپ کی منشا یہ تھی کہ اَبرہہ کے سامنے الٰہی طاقتوں کا مظاہرہ ہو جائے تاکہ اسے یہ احساس ہو جائے کہ اللہ اسے اپنا گھر نہیں بنانا چاہتا جسے بندے زبردستی اس کی طرف منسوب کرنا چاہتے ہیں۔

اس کے بعد ابابیل جیسے مختصر سے پرندے کو ہاتھی جیسے گرانڈیل جانور کے مقابلے میں بھیج کر خالقِ کائنات نے قدوقامت کے امتیاز کو بھی اس طرح ختم کیا ہے جس کی نظیر تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرتِ ابوطالبؑ نے (اپنے والدِ گرامی کے) اس اطمینانِ نفس اور سکونِ قلب سے کیا حاصل کیا ہے؟

اس کا جواب تو اسی وقت ظاہر ہو گیا تھا جب رسولِ اکرمؐ نے آپ کو اس بات کی اطلاع دی تھی کہ قریش نے ہمارے مقاطعہ کے لیے جو دستاویز لکھی تھی اسے دیمک کھا گئی ہے اور حضرتِ ابوطالبؑ نے انتہائی سکونِ قلب کے ساتھ قریش کو چیلنج کر دیا تھا کہ اس دستاویز پر ایک نظر کر لو۔ اگر محمدؐ کا قول صحیح ہے تو ایمان لے آؤ ورنہ ہم محمدؐ کو تمھارے حوالے کر دیں گے۔

کیا اس سے زیادہ اطمینانِ نفس کا تصور کیا جا سکتا ہے کہ انسان آج اس کو دشمن کے حوالے کرنے پر آمادہ ہے جس کو مدّتوں اپنی آغوش میں پالا ہے اور جس کی خاطر اپنی دنیاوی ریاست و زعامت کو قربان کیا ہے اور جس کی وجہ سے شعب کی تلخ کام زندگی گزاری ہے اور جس کے تحفظ کے لیے اپنی اولاد تک کی قربانی پیش کرنے سے دریغ نہیں کیا ہے!

فاطمہ بنت عَمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم [1]

مناظرانہ تعصب سے الگ ہوکر اگر دیکھا جائے تو یہ بات بالکل واضح ہے کہ آبا واجدادِ نبیؐ کو تمام اَخلاقی اور مذہبی نقائص سے بَری ہونا چاہیے اس لیے کہ ماں باپ کی بُرائی سے اولاد کی بدنامی ہوتی ہے جیسا کہ علامہ سیوطی نے آباؤ اجدادِ رسولِ اکرمؐ کے ایمان کا فیصلہ کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ انھیں مسلمان تسلیم کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ ماں باپ کی بدنامی سے اولاد بدنام ہوجایا کرتی ہے۔

حقیقت امر یہی ہے کہ کسی پست طبقہ کے انسان کے یہاں کوئی باشرف بچہ پیدا ہوجائے تو اَقدار و مفاہیم سے نابلد عوام اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اور ان کا حساب خاندانی عظمتوں ہی سے کرتے ہیں۔ وہ اضافی کمالات کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کا مقصد یہ ہے کہ تمام عالم کو کسی شخص کے سامنے جھکا دے تو اس کا فریضہ ہوگا کہ اسے ایسے باشرف گھرانہ میں پیدا کرے جس کی شرافت اس انسان کی عظمت کے لیے شایانِ شان ہو۔

بھلا کون ایسا ہوگا جو عطر شمۃ العنبر کو مٹی کے کوزے میں بھر دے۔ کس کی عقل گوارا کرے گی کہ صاف و شفاف چشموں کا پانی گندی نالیوں سے بہائے اور جب عام دنیاوی انتظامات کے اصول اتنے دقیق ہیں تو نُورِ نبوت کے لیے جس ظرف کا انتخاب کیا جائے گا کیا وہ شرک و نجاست سے ملوث و آلودہ ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں!

یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم نے رسولِ اکرمؐ سے خطاب کر کے اعلان کر دیا تھا تَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ــــ جس کی تفسیر امام رازی نے ان الفاظ میں کی ہے کہ "اس سے مراد اَصلابِ طاہرہ اور اَرحامِ طیبہ میں منتقل ہونا ہے"۔

اس کے علاوہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی معروف دعا بھی یہی تھی:

---

[1] مومن کامل حضرت عبدالمطلبؑ کی زوجہ اور حضرت ابوطالبؑ کی والدۂ گرامی۔

وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ اَنْ نَعْبُدَ الْاَصْنَامَ

"خدایا! مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے محفوظ رکھنا"۔

کیا یہ ممکن ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو نسلِ ابراہیمؑ سے خارج کر دیا جائے اور اولادِ ابراہیمؑ میں ان کا شمار نہ ہو۔

خود رسولِ اکرمؐ کی متفق علیہ حدیث ہے:

لَمْ يَزَلْ يَنْقُلُنِيَ اللهُ مِنْ اَصْلَابِ الطَّاهِرِيْنَ اِلٰى اَرْحَامِ الْمُطَهَّرَاتِ حَتّٰى اَخْرَجَنِيْ فِيْ عَالَمِكُمْ هٰذَا لَمْ يَدْ نَسْنِيْ بِدَنَسِ الْجَاهِلِيَّةِ

"اللہ نے ہمیشہ ہمیں پاک صلب سے پاک رحم کی طرف منتقل کیا ہے۔ ہم اس دنیا میں آنے تک کسی وقت بھی جاہلیت کی گندگیوں سے آلودہ نہیں ہوئے"۔

حدیث شریف میں طاہر و مطہر کے الفاظ کا مفہوم پورے طور پر اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب ہم انھیں اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ کے ساتھ ملا کر دیکھتے ہیں اور یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان حضرات میں کفر و شرک کا احتمال بھی نہ تھا۔

روضۃ الواعظین میں جابر بن عبداللہ انصاری کے واسطے سے یہ روایت نقل کی گئی ہے رسولِ اکرمؐ نے اپنی اور حضرت علیؑ کی تخلیق کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ الفاظ ارشاد فرمائے ہیں:

ثُمَّ نُقِلْنَا مِنْ صُلْبِهٖ ﴿آدم﴾ فِي الْاَصْلَابِ الطَّاهِرَاتِ اِلَى الْاَرْحَامِ الطَّيِّبَةِ فَلَمْ يَزَلْ كَذٰلِكَ حَتّٰى اَطْلَعَنِيَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى مِنْ ظُهْرٍ طَاهِرٍ وَهُوَ عَبْدُ اللهِ ابْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَاسْتَوْدَعَنِيْ خَيْرَ رَحِمٍ وَهِيَ اٰمِنَةُ۔

"اللہ نے ہمیں حضرت آدمؑ کے بعد بھی برابر اَرحامِ طیبہ اور اَصلاب طاہرہ کے ذریعہ منتقل کیا ہے۔ یہاں تک کہ حضرت عبداللہ کے پاک صُلب اور حضرت آمنہؑ کے مقدس رَحم سے ہمیں اس دنیا میں ظاہر فرمایا ہے"۔

اس کے علاوہ خود حضرتِ ابوطالبؑ کی ولدیت سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے کہ حضرتِ ابوطالبؑ حضرت علیؑ کے والد ہیں اور حضرت علیؑ کا نُورِ اقدس ہمیشہ پاک اَصلاب وطیب اَرحام میں رہا ہے لیکن تعصب آمیز نگاہوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم نے جنابِ عبداللہ کو واسطہ قرار دے کر حضرت فاطمہؑ (مخزومہ) کی عظمت وجلالت کا اظہار کیا ہے۔

آیات وروایات کی روشنی میں جب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ اَنوارِ طیبہ کے لیے اَرحامِ طیبہ کی ضرورت ہے تو حضرت فاطمہ مخزومہ کے ایمان و اِجلال کے بیان کرنے کے لیے کوئی ضرورت باقی نہیں رہی کہ یہ مخدّرہ حضرت عبداللہ کی مادرِ گرامی ہیں اور حضرت عبداللہ کی صلب میں نُورِ اقدسِ نبویؐ ودیعت کیا گیا تھا۔

اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوگا کہ ایسی مقدس اور باعظمت ماں سے حضرتِ ابوطالبؑ کو وراثت میں کیا ملے گا؟ اس کا فیصلہ تو بابصیرت علمائے نفس ہی کرسکتے ہیں یا علم النفس سے قطع نظر کرلینے کے بعد ہر انسان کا وجدان وضمیر کرسکتا ہے۔

فاطمہ بنت اسدؑ ①

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ابھی تک مسلمانوں میں کوئی ایسا فرقہ پیدا نہیں ہوا جو آپؑ کے ایمان کو شک وانکار کی نظر سے دیکھتا ہو۔ آپؑ کی جلالتِ قدر کا یہ رُعب ہے

---

① ؑ کی زوجہ محترمہ، حضرت علیؑ کی ؑ گرامی۔

کہ اہل تاریخ وغیرہ آپ کا شمار سابق الاسلام مخدرات میں کرتے ہیں اور آپ کے اسلام کو دیگر خواتین پر مقدم قرار دیتے ہیں۔ (ابوالفرج، فصول مہمہ۔ ابن صباغ)

اس کے باوجود آپؑ زندگی بھر حضرت ابوطالبؑ کی زوجیت میں رہیں اور ان کے ساتھ بہترین سلوک کرتی رہیں۔ بی بیؑ کے ایمان وعقیدہ اور عظمت وجلالت کے بعض شواہد یہ ہیں:

① جس وقت جناب امیر علیہ السلام کی ولادت کا وقت قریب آیا اور آپؑ نے اپنی زحمت کا احساس کیا تو خانۂ خدا کے قریب تشریف لائیں، شکمِ اقدس کو چدارِ کعبہ سے مَس کیا اور دعا کے لیے ہاتھ بلند کر دیے: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ مُؤْمِنَۃٌ بِکَ (خدایا! میں تجھ پر ایمان لا چکی ہوں) "خدایا! تجھے اس مولود کا واسطہ جو میرے شکم میں ہے، میری مشکل کو آسان کر دے!"۔

کیا کہنا اس ایمانِ کامل اور اس رُتبہ شناسی کا بچہ!! شکم میں ہے اور اس کا واسطہ دے رہی ہیں اور اللہ پر ایمان کا صریح ترجم لفظوں میں اعلان ہو رہا ہے کہ اس کے بعد کسی کفر وشرک کا کوئی احتمال نہ پیدا ہو سکے۔

② بی بیؑ کے رحمِ مطہر میں اس علیؑ کا نور رہ چکا ہے جس کو رسالت مآبؐ نے اپنے نور کا شریک قرار دے کر اَصلابِ طاہرہ اور اَرحامِ طیبہ سے اپنا تخلیقی سفر بیان فرمایا ہے۔ رحمِ طیب میں غیر از اسلام کوئی تصور نہیں ہو سکتا ہے۔

③ آپؑ کی جلالتِ قدر کا یہ عالم تھا کہ رسولِ اکرمؐ نے اپنے دستِ مبارک سے تجہیز وتکفین کی، خود قبر میں اُترے اور ایک خاص اہتمام کے ساتھ نمازِ جنازہ پڑھائی۔ اپنے پیراہن میں کفن دیا، خود ہی تلقین پڑھی تاکہ دنیا دیکھ لے کہ یہ خاتون عام عورتوں کی طرح کی مسلمان نہیں ہیں۔ ان کا اسلام وایمان ایک خاص اہمیت کا مالک ہے اور ان کا عقیدہ ایک مخصوص اِخلاص کا حامل ہے۔ (الفصول المہمۃ)

یہ سب اس لیے تھا کہ ناواقف اور متعصب افراد پر آپ کا اسلام پوری طرح واضح ہو جائے اور یہ سمجھ سکیں کہ آپ کا اسلام آپ کے شوہر کے اسلام کی ایک واضح دلیل ہے۔ اس لیے کہ اسلامی قانون کی بنا پر غیر مسلم کسی مسلمان عورت کا شوہر نہیں رہ سکتا ہے۔ قرآنِ مجید نے بار بار مشرک و مسلمہ کے ازدواجی تعلقات سے ممانعت فرمائی ہے اور یہ احتمال نہیں دیا جا سکتا کہ رسولِ اکرمؐ نے حکمِ قرآن کو ٹال دیا ہو، یا اس پر عمل درآمد نہ کیا ہو، جس کا مطلب ہی یہ ہے کہ آپؐ کی نظر میں جس طرح فاطمہ بنت اسد مسلمان تھیں، اسی طرح حضرتِ ابوطالبؑ بھی مومنِ کامل تھے۔ اب مسلمانوں کا اپنا اپنا اختیار نصیب ہے چاہے رسولِ اکرمؐ کے نظریات سے اتفاق کریں یا اختلاف کے راندۂ درگاہِ نبوتؐ ہو جائیں۔

امیر المومنین حضرت علیؑ (ابوطالبؑ کے فرزندِ ارجمند)

دنیا حضرت علی علیہ السلام کو سابق الاسلام تسلیم کرے یا نہ کرے، اس سے کوئی بحث نہیں ہے۔ یہ بحث تو ان لوگوں کے بارے میں بھلی معلوم ہوتی ہے جن کا سابقہ کفر سے رہ چکا ہو، جن کی پیشانیاں بتوں کے سجدوں سے آشنا ہو چکی ہوں، جن کے دل اصنام کی بارگاہ میں جھک چکے ہوں۔ لیکن جس انسان کو تاریخی مسلمات کی بنا پر کرم اللہ وجہہٗ صرف اس لیے کہا جاتا ہو کہ اس نے کبھی بتوں کے سامنے سر نہیں جھکایا اور کسی لمحے بھی سنگ و خزف کو سجدہ نہیں کیا، اُس کے بارے میں اس بحث کا جواز ہی کیا ہے؟

بہر حال یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے زندگی کا کوئی لمحہ بھی عالمِ کفر میں نہیں گزارا ہے۔ بعض شریر مسلمانوں کے مطابق، اگر ہم حضرتِ ابوطالبؑ کو کافر تسلیم کر لیں تو ہمیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ حضرت علی علیہ السلام کی ابتدائی زندگی محکومیت بالکفر میں گزری ہے، اس لیے کہ باطنی طور پر فطرتِ اسلام پر پیدا ہونے والا بچہ بھی

ظاہری طور پر ماں باپ ہی کے احکام کا تابع ہوتا ہے۔

پھر سوچیے کیا دنیا کا کوئی عاقل یہ تصور کر سکتا ہے کہ ایک کافر کے بیٹے کی ولادت کے لیے خانۂ حق کی دیوار شق ہو کر راستا دے دے۔ وہ خانۂ کعبہ جس کی تعمیر کے اختتام کے بعد خلیلِ حق کو اس کی تطہیر کا حکم ہوا تھا۔

ایسا تصور عظمتِ خلیل پر زبردست حملہ اور عظمتِ کعبہ پر بہت بڑا بہتان ہے۔

"کعبہ میں ولادتِ علیؑ" حضرت ابوطالبؑ کے ایمان کی بہترین دلیل ہے اور شاید یہ بھی ایک مصلحت رہی ہو کہ مشیت نے آپ کی ولادت کے لیے خانۂ کعبہ کا انتخاب کیا تھا۔

صاحبِ مناقب نے یہاں تک نقل کیا ہے کہ ولادت کے بعد حضرت ابوطالبؑ نے بچّہ کو گود میں لے کر بارگاہِ احدیت میں عرض کی:

يَارَبِّ يَاذَا الْغَسَقِ الدُّجِیِّ وَالْقَمَرِ الْبَلِجِ الْمُضِیِّ
بَيِّنْ لَنَا فِیْ حُكْمِكَ الْمَقْضِیِّ مَاذَا تَرٰی فِیْ اِسْمِ هٰذَا الصَّبِیِّ

(اے تاریک رات اور چمکتے چاند کے خالق و مالک! اب تو ہی فیصلہ کر کہ اس بچّہ کا نام کیا ہوگا)۔

اس کے جواب میں یہ دو شعر نازل ہوئے۔ علی بن ہمام کی روایت کی بنا پر تختی پر لکھے ہوئے اور فضل بن شاذان کی روایت کی بنا پر زبانِ ہاتف سے ؎

خُصِصْتُمْ بِالْوَلَدِ الزَّكِیِّ وَالطَّاهِرِ الْمُنْتَجَبِ الرَّضِیِّ
فَاِسْمُهٗ مِنْ شَامِخٍ عَلِیِّ عَلِیٌّ اشْتُقَّ اِسْمُهٗ مِنَ الْعَلِیِّ

(تمھیں ایک پاک و پاکیزہ منتخب اور پسندیدہ بچّہ دیا گیا ہے اس کا نام بلند و بالا اور اسم الٰہی سے مشتق یعنی علیؑ ہے)۔

اگرچہ یہ روایت امامیہ طریق سے نقل ہوئی ہے لیکن میرا موضوعِ سخن مناظرہ

سے ہٹ کر تحقیق ہے اس لیے ہر اس روایت پر اعتماد کرسکتا ہوں جس کے راوی معتبر اور اسناد صحیح ہوں، خواہ اس کا تعلق کسی بھی فرقہ سے ہو۔

نفسیاتی رجحانات

وہ افراد جن کے پہلو میں دل اور دل میں جذبات ہیں، وہ اس حقیقت کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ انسان کو اپنا عقیدہ بہت پیارا ہوتا ہے۔ وہ اپنے مذہبی رجحانات یا نظریاتی میلانات کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کرسکتا ہے۔ اس کی نظر میں یہ ایک ایسی بیش بہا دولت ہوتی ہے جس کا توازن کسی شے سے نہیں کیا جاسکتا ہے۔

آج بھی دیکھ لیجیے بھائی بھائی، باپ بیٹے، عزیز عزیز، یہ سب کیوں جھگڑا کر رہے ہیں، ان میں نزاع کی بنیاد کیا ہے؟ ان میں اختلاف کس نے پیدا کیا ہے؟ کیا اس کا سبب نظریے کے علاوہ کچھ اور بھی ہے؟ اس کا نظریہ "یہ" ہے، اُس کا "وہ"، اِس کا عقیدہ ایسا ہے اُس کا ویسا۔ حالت یہ ہے کہ اِدھر نظریات کی بحث چھڑی اور اُدھر قرابت کے رشتے ٹوٹے۔ اب نہ کوئی باپ ہے نہ بیٹا، نہ بھائی ہے نہ بہن، جس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ عقیدہ دنیا کے ہر رشتے پر بھاری ہے۔ اس کی قوت (کائنات) عالم کی ہر ایٹمی قوت سے زیادہ موثر ہے۔ انسان اپنے عزیز قریب کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کرسکتا ہے۔

نفسیاتی اعتبار سے یہ ثابت ہو جانے کے بعد یہ بھی واضح ہوگیا کہ عالمِ تقیہ کا ایمان عام ایمان و اسلام سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے، اس لیے کہ کھلا ہوا اسلام اپنے مذہب سے دفاع کرسکتا ہے۔ وہ اپنے خلاف کوئی کلمہ نہیں سنے گا، اسے کسی مخالف کی بات برداشت نہیں کرنا پڑے گی، لیکن تقیّہ کے ایمان کو ان تمام مشکلات سے دوچار ہونا پڑے گا، وہ اپنے خلاف باتیں سنے گا اور چپ رہے گا۔ اپنے اصول پر حملہ دیکھے گا اور

دفاع نہ کر سکے گا۔ جذبات گھٹ گھٹ کر رہیں گے اور کوئی کلمہ زبان پر نہ آسکے گا۔ اتنا سخت مرحلہ (اتنے سخت مرحلے کو) جہادِ اکبر ہی کہا جاسکتا ہے کہ جہاد بالنفس اس کے علاوہ کوئی اور شے نہیں ہے۔ تلوار لے کر میدان میں آجانا، دشمن کے ایک ایک کلمہ پر دادِ شجاعت دے کر جاں بحق تسلیم ہو جانا بہت آسان ہے لیکن دشمنوں کے طعنے سن کر، ان کی تعدیاں دیکھ کر، ان کی بے ادبیوں پر نظر رکھتے ہوئے خاموش رہ جانا بہت مشکل ہے۔

یہی وجہ تھی کہ قرآن کریم نے مومنِ آلِ فرعون کی مدح کی ہے اور یہی راز تھا کہ اصحابِ کہف کے قصے زینتِ کتابِ عزیز (قرآنِ مجید) بنائے گئے ہیں کہ ان لوگوں نے ضبطِ نفس کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے مذہب کو ظاہر نہیں کیا تا کہ اس طرح اپنے اصول کا تحفظ کر سکیں یا حضرت موسیٰؑ کی جان بچا سکیں۔

جذبات پر قابو حاصل کر کے مصالحِ وقت کے پیشِ نظر حفاظتی کارروائی کے لیے اپنے دین کو پوشیدہ کر دینے والے حضرات اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ انھیں اس جنسِ گراں کی اُجرت عطا کی جائے، ان کے اس کنزِ مخفی کو اچھی قیمت سے خریدا جائے۔

پھر کیا کہنا اس تقیہ کا جس کا محرک اپنی جان کا تحفظ یا اپنے مال و آبرو کا بچاؤ نہ ہو بل کہ اس کا تمام تر محرک ایک قانون کا تحفظ، ایک رسولؐ کی حفاظت اور ایک لازوال مذہب کا باقی رکھنا ہو جس کے نتیجہ میں دینِ الٰہی زندہ در گور ہونے سے بچ جائے اور جس کے طفیل میں اسلام پر مہرِ دوام ثبت ہو جائے۔

حضرت ابو طالبؑ کی یہی وہ بیش بہا دولت تھی جس کی صحیح قیمت امامِ وقت نے لگائی اور یہ فرما دیا کہ وہ دُہرے اجر کے حق دار ہیں۔ انھوں نے فقط اسلام ہی قبول نہیں کیا بل کہ اسلام کے تحفظ اور رسولِ اسلام کی بقا کی خاطر اپنے جذبات کی قربانی بھی دی ہے۔ اپنے ظاہری وقار و عظمت کو بھی کھویا ہے اور اپنی رات کی نیند اور دن کا چین بھی قربان کیا ہے۔

ارباب انصاف فیصلہ کریں کہ راحت و اطمینان کے ساتھ اعلانِ اسلام زیادہ قیمت رکھتا ہے یا بیدار ضمیر اور زندہ دل کے گھٹے ہوئے جذبات، اسلام ظاہر کر کے اپنے جان و مال کا تحفظ زیادہ قیمت رکھتا ہے یا اس بیش بہا دولت کو خزانۂ دل میں چھپا کر رسولِ اسلام کا تحفظ!

ذاتی خدمات

رسولِ اسلام اور حضرتِ ابوطالبؑ کی زندگی کا امتزاجی مطالعہ اس بات کا قوی شاہد ہے کہ ابوطالبؑ کی طینت کا خمیر اسلام و عقیدہ (عقیدۂ صالح) کے آبِ حیات سے اُٹھا تھا۔ یہ وہ انسان تھا جس نے اصل و نسل، حسب و نسب کسی اعتبار سے بھی کفر سے کوئی تعلق پیدا نہیں کیا ہے۔

تبلیغ کے ابتدائی لمحات جن میں ایک مؤید کی شدید ضرورت ہوتی ہے جب تحریک اُٹھانے والا حسرت و یاس سے ایک ایک کا منھ تکتا ہے کسی محرک کا باقاعدہ ساتھ دے کر اس تحریک کو کامیاب بنا دینا ان تمام عقیدتوں سے کہیں زیادہ بہتر ہے جو تحریک کی کامیابی کے بعد ظہور میں آتی ہیں۔

سچ فرمایا ہے امام محمد باقر علیہ السلام نے کہ اگر دنیا کا ایمان ایک پلّہ میں ہو اور ابوطالبؑ کا ایمان دوسرے پلّہ میں تو ان کا پلّہ بھاری رہے گا اس لیے کہ وہ اسلامی بنیادوں کو مضبوط کرنے والے اور اسلام کو دنیا سے (دنیا کو اسلام سے) رُوشناس کرانے والے ہیں۔

دنیا جانتی ہے کہ ابوسفیان بھی مسلمان تھا اور حضرت ابوبکر بھی لیکن حضرت ابوبکر کے اسلام کو ترجیح حاصل ہے اس لیے کہ انھوں نے غربت کے دور میں اسلام کو قبول کیا تھا اور ابوسفیان نے اس کی بڑھتی ہوئی شوکت کو دیکھنے کے بعد۔

لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عمر کے اسلام کی وقعت بھی اسی لیے زیادہ ہے کہ ان کے اسلام سے مذہبی دبدبہ میں اضافہ ہو گیا اور اس ہیبت سے نہ جانے کس کس کے دل ہلنے لگے تو اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ عالمِ غربت وکس مپرسی کا اسلام حالتِ شوکت وجلالت کے اسلام سے کہیں زیادہ وقعت واہمیت رکھتا ہے تو پھر یہ بھی دیکھنا پڑے گا کہ یہ تمام "غربت کے اسلام" صرف زبانی اقرار کے حدود تک محدود تھے۔ ان کی تاریخ میں اسلام یا رسولِ اسلام کی نصرت کا کوئی تذکرہ نہیں ہے لیکن ابوطالبؑ کے اسلام کا تعلق زبان سے نہیں تھا بلکہ اس کی پشت پر عمل ہی عمل تھا اور خدمت ہی خدمت تھی۔

اگر یہ نہ ہوتا تو اسلام کی صف خالی اور اس کی بساط اُلٹی ہوئی نظر آتی۔ اگر یہ نہ ہوتا تو رسولِ اسلام خاک وخون میں غلطاں اور ان کی تحریک زندہ درگور دکھائی دیتی، اگر یہ نہ ہوتا تو الٰہی مقصد نامکمل اور انسانی کمال ناتمام رہ جاتا۔

الٰہی مقصد، کمالِ انساں ہوا میسّر بہ فیضِ عمرانؑ

اس اسلام کا قیاس ان اقراروں پر نہیں کیا جاسکتا ہے جن میں خوف ورجا، حرص وطمع، اندیشۂ ماضی اور فکرِ فردا کے احتمالات پائے جاتے ہیں۔ سچ کہا تھا ابنِ ابی حدید معتزلی نے کہ: "اگر ابوطالبؑ کی خدمات نہ ہوتیں تو اسلام کا کوئی رکن بھی قایم نہ ہوسکتا تھا"۔

آپ ان خدمات کا تجزیہ کریں تو آپ کو ہر ہر قدم پر عقیدہ کی تجلیاں اور ایمان کی ضوفشانیاں نظر آئیں گی۔ وہ پہلا دن حضرت عبداللہ کے بعد جب ایک رہا سہا محافظ (عبدالمطلبؑ) دارِ دنیا سے جا رہا تھا اور چلتے چلتے یہ وصیت کر رہا تھا کہ کاش مَیں اس بچّہ کے اعلانِ تبلیغ تک زندہ رہتا تو اس کے ہاتھ پر بیعت کرتا۔ خیر اب جو میری اولاد میں باقی رہ جائے اس کا یہی فریضہ ہے۔

(نعوذ باللہ) کتنا آسان تھا ایک مختلف العقیدہ انسان کے لیے کہ اس کم سنی اور

کس مپرسی کے عالم میں یتیم عبداللہ کا کام تمام کر دیتا۔ نہ محرک رہتا نہ تحریک، نہ صاحبِ عقیدہ و نظام رہتا اور نہ نظام و عقیدہ ـــــ لیکن ہمیں تو یہ کچھ بھی نظر نہیں آتا ہے۔

اب اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ ابو طالبؑ کو محمد عربی کی نبوت کا علم نہیں تھا تو بحیرا راہب کے بیان کے بعد تو یہ حقیقت واضح ہو گئی تھی، اب کیا شبہ کی گنجایش تھی؟ اب کیا خطرہ تھا؟ اب تو وطن سے بھی دور تھے، وہیں خاتمہ کر دیا ہوتا۔ عقیدہ تو قرابت سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے اور اس نبوت کا تو مطلب ہی عالمِ کفر و شرک کی کھلی ہوئی مخالفت تھا۔

فرض کیجیے اب بھی علم نہیں ہو سکا تھا، تو کیا اس وقت بھی علم نہ تھا جب مکہ کے (گلی) کوچے نعرۂ توحید سے گونج رہے تھے، جب ہر آن کان میں قُولُوا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْا کی آواز آ رہی تھی۔ یقیناً معلوم ہوا تھا، تو کیا یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ حضرت ابو طالبؑ میں مقابلے کی تاب و تواں نہ تھی، یا پھر ان کے پاس اس تحریک کو دبانے کی صلاحیت نہ تھی یا گود کے پالے ہوئے بچے کو بھی ختم کر دینا ممکن نہ تھا۔

یقیناً یہ سب کچھ ممکن تھا لیکن ابو طالبؑ نے ایسا نہیں کیا اور یہی وہ تاریخی تجزیہ ہے جو ہر مؤرخ کے ذہن میں ابو طالبؑ کے ان نفسیاتی عوامل اور عقائدی محرکات کا تصور قایم کر سکتا ہے جو انھیں اس حیرت انگیز موقف پر مجبور کر رہے تھے اور جن کی بنا پر وہ رسولؐ اسلام کی مسلسل کمک کر رہے تھے۔ مَیں نے مانا کہ رسولؐ کی ذاتی حفاظت اس رشتہ کی بنا پر تھی جو انھیں اپنے چچا سے حاصل تھا۔ وہ اس سلسلے میں اس قرابت کی پاس داری کر رہے تھے جس کا تصور ایک چچا کے دل میں اپنے یتیم بھتیجے کے لیے ہوتا ہے لیکن کیا اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ اس کے دین کی بھی ترویج کی جائے، اس کے مشن کو بھی کام یاب بنایا جائے؟ کیا قانون کا تقاضا یہ نہ تھا کہ قرابت کا لحاظ کرتے ہوئے بچے کو سمجھا بجھا کر خاموش کر دیا جائے اور اگر وہ سکوت اختیار نہ کرے تو وہی کچھ اِقدام کیا جائے جو عقیدہ و رشتہ کے تصادم کے وقت کیا جاتا ہے۔

یقیناً قاعدہ یہی تھا لیکن یہاں تو معاملہ بالکل برعکس تھا۔ خاموش ہونا کیسا! مزید بولنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ روک دینا کیسا؟ مزید تبلیغ پر آمادہ کر رہے ہیں۔ (طبری، جلد ۶، ص ۶۴-۶۵)

اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوطالبؑ اس تحریک سے پوری طرح متفق تھے جسے رسولؐ اسلام چلا رہے تھے۔ انھیں اس عقیدہ سے پوری ہم دردی تھی جو رسولؐ اکرم کے دل میں کروٹیں لے رہا تھا۔ انھیں دینِ الٰہی سے اسی طرح محبت تھی جس طرح ایک راسخ العقیدہ مسلمان کو ہوتی ہے۔

بات اسی حد پر ختم نہیں ہوتی، بل کہ تاریخ ایک قدم اور آگے بڑھ جاتی ہے۔ اسلامی تحریک کی روز افزوں ترقی اور بڑھتی ہوئی کام یابی کو دیکھ کر کفارِ قریش حضرتِ ابوطالبؑ کے پاس آکر یہ شکایت کرتے ہیں کہ اپنے بھتیجے کو اس تبلیغ سے روک دیجیے۔ حضرت نے اس مطالبہ کو بہ احسن وجوہ ٹال دیا لیکن جب ادھر سے اِصرار بڑھا تو آپ نے اپنے موقف کی نزاکت کا خیال کرتے ہوئے بھتیجے تک یہ پیغام پہنچایا: "بیٹا!۔۔۔ اِنَّ مِنِّی عَمِّكَ هٰؤُلَاءِ زَعَمُوْا اَنَّكَ تُؤْذِيْهِمْ (یہ تمھارے رشتہ دار خیال کرتے ہیں کہ تم انھیں اذیت دے رہے ہو)۔

میں اگر بہ فرضِ محال یہ تسلیم بھی کرلوں کہ حضرتِ ابوطالبؑ کچھ زیادہ حساس آدمی نہ تھے، ان کے دل میں اپنے مذہب کا درد نہ تھا، انھیں ذاتی طور پر اپنے دین سے کوئی خاص ہم دردی نہ تھی تو یہ بہر صورت قابلِ تسلیم نہیں ہے کہ کفار کے اس شدید اصرار و تاکید کے بعد بھی ان میں احساس نہیں پیدا ہوا اور انھیں اپنے دین کا درد محسوس نہیں ہوا۔

ایسے میں سوال یہ ہے کہ اگر ان میں اپنے مذہب سے ہم دردی تھی تو یہ اندازِ بیان کیا تھا؟ کیا انھیں سلیقۂ گفتگو اور اندازِ تخاطب سے بھی واقفیت نہیں تھی۔

چاہیے تو یہ تھا کہ صاف صاف کہتے: بیٹا! یہ سچ کہتے ہیں، تم انھیں اذیت دیتے ہو، ان کے خداؤں کو برا بھلا کہتے ہو، ان کے مذہب کو انسانیت سوز اور توہینِ بشریت قرار دیتے ہو، تمھیں ان باتوں سے باز آجانا چاہیے، ورنہ میں تمھیں ان کے حوالے کردوں گا۔

لیکن یہاں تو معاملہ بالکل برعکس ہے۔ جب آں حضرتؐ نے فرمادیا کہ اگر میرے داہنے ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی رکھ دیا جائے تو تبلیغ ترک نہیں کروں گا، تو حضرتِ ابوطالبؑ نے صریح لہجے میں کہہ دیا: قریش والو!

وَاللّٰهِ مَا كَذَبَ اِبْنُ اَخِیْ قَطُّ

(خدا کی قسم! میرے بھتیجے نے غلط بات کبھی ہی نہیں)۔

(اسنی المطالب)

اگر کوئی ناقدِ بصیر اس کلمہ کی نفسیاتی تحلیل کرے تو اسے معلوم ہوگا کہ حضرتِ ابوطالبؑ ایمان وعقیدہ کے ساتھ اندازِ تخاطب پر کتنی قدرتِ کاملہ رکھتے تھے۔ رسولِ اکرمؐ سے بات نقل کی تو یہ کہہ کر "ان لوگوں کا خیال ہے" اور ان لوگوں سے گفتگو کی تو یہ کہہ کر "میرا بھتیجا غلط گو نہیں ہے"۔

مقصد یہ تھا کہ میرا اسلام نہ آج کے کفار ومشرکین پر ظاہر ہونے پائے اور نہ کل کے آنے والے مسلمانوں سے پوشیدہ رہ جائے۔ اس لیے آپ نے ایک ایسا احتجاجی قدم اٹھایا جس سے رسولِ اسلام کا دل بڑھ گیا (حوصلہ بڑھ گیا)، ہمت بندھ گئی اور آپ نے یہ سمجھ لیا کہ یہ اندازِ کلام میری حمایت ونصرت کی طرف ایک کھلا ہوا اشارہ ہے۔ چناں چہ ایک مرتبہ قوتِ قلب کا سہارا لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور اعلان کردیا کہ زمین وآسمان کے نظام میں تبدیلی پیدا ہوجائے لیکن تبلیغِ حق میں تبدیلی ناممکن ہے۔

اللہ رے قوتِ تدبیرِ ابوطالبؑ! آپؑ نے ایک تُوریہ آمیز اقدام سے اسلام کی لاج رکھ لی اور کفار کو حقیقت سے آشنا بھی نہیں ہونے دیا۔ کیا اتنا حکیمانہ موثر اقدام ابوطالبؑ

کے علاوہ کوئی اور بھی کرسکتا ہے؟ اس مقام پر قریش سے گفتگو کرنے میں "خدا کی قسم" بھی خاص طور پر قابلِ توجہ ہے۔ ایک کافر اپنے ہم مذہب کے سامنے لات وعزیٰ کی قسم کھاتا ہے یا خدائے برحق کی؟

میرا موضوعِ کلام چوں کہ ایمانِ ابوطالبؑ کے ایجابی پہلو پر بحث کرنا ہے، اس کے مناظرانہ پہلوؤں کو چھیڑنا مقصود نہیں ہے اس لیے مَیں بعض اَدِلّہ و براہین سے قطع نظر کیے لیتا ہوں ورنہ مجھے یہ کہنے کا حق ضرور حاصل تھا کہ 'شعب' کی زندگی اور اس کی سختیاں برداشت کر کے نصرتِ رسولؐ کرنے والا مسلمان نہ ہوگا تو کیا وہ لوگ مسلمان ہوں گے جنھوں نے آلِ رسولؐ کے حق غصب کیے، ان پر ظلم وستم روا رکھا، مخدراتِ عصمت کو گرفتار کر کے کوفہ وشام کے بازاروں اور درباروں میں تشہیر کیا۔

کفارِ قریش کے مقابلہ میں اتنی جرأت مندی کے ساتھ نبوت کی تصدیق کر کے ان کے خیالِ خام کو زعمِ ناقص کا مرتبہ دینے والا مسلمان نہ ہوگا تو وہ عورتیں کیسے مسلمان ہوں گی جو ایک وقت میں جھلا کر رسولِؐ اسلام ہی سے کہہ بیٹھیں کہ آپؐ کو یہ کیسے خیال آیا کہ آپؐ نبیِ خدا ہیں؟

حقیقتِ امر یہ ہے کہ ان تمام بنیادی اقدامات اور اساسی خدمات کو رشتہ اور قرابت پر محمول کر دینا ایک ایسا جہالت خیز اور حیرت انگیز اقدام ہے جسے تاریخ ونفسیات، ضمیر و وجدان کے مذہب میں قابلِ معافی تصور نہیں کیا جاسکتا ہے۔

ابوطالبؑ جیسا عمیق الفکر اور سلیم النظر انسان کسی وقت بھی ضمیر و وجدان، مذہب و دیانت کے خلاف ایسے اقدامات نہیں کرسکتا تھا جیسے اقدامات آپ کی پوری زندگی کے نمایاں پہلوؤں کی جگہ لیے ہوئے ہیں۔

آپ کے بارے میں بیانات

درحقیقت زیرِ نظر کتاب ہی وہ واحد کتاب ہے جس نے ترتیب و تنظیم، ہمہ گیری و جامعیت کے اعتبار سے وہ انفرادی شان حاصل کی ہے جو اس موضوع پر تالیف شدہ (دیگر) کتابوں میں نظر نہیں آتی ہے۔ طرفین کے بیانات کو جمع کر کے ان پر صحیح علمی تنقید کرنا مصنف کا ایک عظیم شاہ کار ہے۔

میری نظر سے اب تک کوئی ایسی کتاب نہیں گزری ہے جس نے اس اندازِ تحریر اور اس سلیقۂ ترتیب سے ان بیانات کو جمع کیا ہو۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سابق کے علما نے سلیقہ سے کام نہیں لیا ہے، بل کہ اس کی تمام تر ذمہ داری تاریخ کے سر ہے۔ تاریخ اس قدر تیزی کے ساتھ آگے بڑھتی جا رہی ہے کہ کل کی باتیں آج قدیم معلوم ہو رہی ہیں۔ کل کا سلیقہ آج کہنہ نظر آ رہا ہے۔

یہ تمام تالیفات اپنے وقت کا شاہ کار رہی ہوں گی، لیکن آج دنیا تالیف کے جس سلیقے سے آشنا ہو رہی ہے وہ ان تالیفات میں بڑی حد تک مفقود نظر آتا ہے اور زیرِ نظر کتاب میں نمایاں ہے۔

یہی وہ سلیقۂ تحریر ہے جس کی داد "علامہ بولیس سلامہ" ادیبِ بیروت نے ان الفاظ میں دی ہے:

> "اگر مؤلف نے وکالت کا پیشہ اختیار کیا ہوتا تو وہ وکلاء کی صفِ اوّل میں ہوتے اس لیے کہ طریقۂ استدلال اور سلیقۂ استنتاج میں ان کی ایک انفرادی حیثیت ہے جو ان کی کام یابی کی ضامن ہے"۔

میرا دل چاہتا ہے کہ اس مقام پر دو ایک باتوں کا اور اضافہ کر دوں جو مؤلف کے قلم سے رہ گئی ہیں اور ان سے اسلام ابوطالبؑ پر اچھی خاصی روشنی پڑتی ہے۔

پہلی بات جنابِ ابراہیمؑ کی وہ دعا جس میں آپؑ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی تھی:

وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ

"خدایا! ہماری ذُرّیت میں سے ایک اُمتِ مسلمہ قرار دے"۔

ظاہر ہے کہ اُمت کا اطلاق ایک دو فرد پر مجاز ہوتا ہے۔ حقیقت کے لیے کم از کم تین افراد کا ہونا ضروری ہے۔ حال آں کہ حضرت عبداللہؑ کے یہاں ولادت سے پہلے اور حضرت حمزہؑ کے دنیا میں آنے سے قبل اُمتِ مسلمہ کے مصادیق میں حضرت عبدالمطلبؑ اور حضرت عبداللہؑ کے سوا اور کوئی نہ تھا، لہٰذا اب اگر حضرت ابراہیمؑ کی دعا کو با اثر اور مستجاب تسلیم کرنا ہے تو حضرتِ ابوطالبؑ کو اس اُمت مسلمہ کا ایک فرد تسلیم کرنا پڑے گا ورنہ دعائے خلیلؑ بے اثر اور طلبِ ابراہیمیؑ بے اجابت رہ جائے گی۔

دوسری بات جنابِ ابوطالبؑ کا وہ خطبہ ہے جو آپؑ نے جنابِ فاطمہ بنت اسد سے عقد کرتے وقت پڑھا تھا جس سے ایمانِ کامل اور عقیدۂ راسخہ کی شعاعیں پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہیں۔

صاحبِ "مواہب الواہب" نے آپ کے اس تاریخی یادگار خطبہ کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ وَالْمَقَامِ الْكَرِيْمِ وَالْمَشْعَرِ وَالْحَطِيْمِ الَّذِيْ اِصْطَفَانَا اَعْلَامًا وَسَادَةً وَعُرَفَاءَ خُلَصَاءَ وَقَادَةً۔

"تمام تعریفیں اس معبودِ برحق کے لیے جو تمام کائنات، عرشِ عظیم، مقامِ کریم اور مشعر و حطیم کا مالک ہے۔ اسی نے ہمیں منتخب کر کے صاحبِ علم و شرافت، صاحبِ سیادت و معرفت اور اہلِ زعامت و ریاست قرار دیا ہے"۔

دنیا غور کرے کہ اعترافِ ربوبیت و توحید سے بت پرستی کی نفی اور اسلام

کا اعتراف کس قدر نمایاں نظر آرہا ہے۔ مجھے تو حضرت ابوطالبؑ کی عظمت کی کوئی اِنتہا نہیں معلوم ہوتی ہے جب میں آپ کے اس خطبہ کا آغاز اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے دیکھتا ہوں اور یہ دیکھتا ہوں کہ اس خطبے کے وقت تک قرآنِ کریم نازل نہیں ہوا تھا اور اس کا افتتاح اسی فقرہ سے ہوا ہے جس سے خالقِ کائنات نے اپنے کلام کا آغاز کیا ہے۔

تیسری بات ادیبِ بیروت بولیس سلامہ کا وہ فقرہ ہے جو انھوں نے اسی کتاب کی تقریظ میں تحریر کیا ہے، آپ فرماتے ہیں:

اِنَّ الْیَتِیْمَ اِسْتَظَلَّ فِیْ کَنَفِ عَمِّہٖ صَبِیًّا وَّیَافِعًا فَلَمَّا بَزَغَتْ شَمْسُ الْیَتِیْمِ مَشٰی الْعَمُّ فِیْ نُوْرِھَا۔

"پہلے یتیم عبداللہؑ نے بچپن اور جوانی کی منزلیں اپنے چچا کے سایہ میں گزاریں اور بعد میں جب نُورِ رسالت جگمگا اُٹھا تو خود چچا بھتیجے کے سایہ میں چلنے لگا"۔

کیا کہنا اس نشوونما کا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت کے ساتھ ساتھ اپنی روحانی منزلیں بھی طے ہورہی ہیں۔

میرا مقصد اس طولانی تمہید سے اظہارِ فضل وکمال یا دوسرا مدعا نہ تھا۔ میں صرف یہ چاہتا تھا کہ آپ کتاب کے مطالعہ سے پہلے ہی اس کے اندازِ بیان سے آشنا ہوجائیں اور آپ کے سامنے وہ حقائق بھی آجائیں جو اصل کتاب میں درج نہیں ہوسکے ہیں۔

اب آپ سے التماس ہے کہ کتاب کا مطالعہ کرتے وقت حسبِ ذیل نکات پر ضرور توجہ رکھیں:

① یہ کتاب چوں کہ عربی جیسی وسیع زبان کا ترجمہ ہے، اس لیے اس کے بیان میں وہ شگفتگی پیدا نہیں ہوسکتی ہے جس کی توقع ہر مطالعہ کرنے والے کو ہوتی ہے۔

۲ کتاب میں اکثر بیانات دوسرے لوگوں کے ہیں جو نظریاتی یا مذہبی اعتبار سے ہمارے مخالف ہیں اس لیے ان کے جسارت آمیز کلمات کو مؤلف، مترجم کی رائے پر محمول نہ فرمائیں، بل کہ ہر ایسے کلمہ کے ساتھ ایک معاذ اللہ یا استغفر اللہ ضرور کہہ لیا کریں۔

آپ کا مخلص

خادمِ آستانہ فرزند ابوطالبؑ

جوادی

کتاب ''ابوطالبؑ مومنِ قریش'' میں مذکور اختتامی آیہ ملاحظہ کیجیے جو حضرت ابوطالبؑ کے ساتھ بیتنے والی کیفیت کا کامل غماز ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا (سورۂ احزاب، آیہ ۵۸)

''جو لوگ اہلِ ایمان کو بہتان رکھ کر اذیت دیتے ہیں وہ کھلے ہوئے گناہ کے متحمل ہوتے ہیں''۔

٭ الغدیر ① اور شانِ ابوطالبؑ

ع دشمنی بیٹے سے تھی کیوں باپ زد میں آگیا

حضرت ابوطالبؑ کے بارے میں کچھ ناعاقبت اندیش لوگوں نے ایسی تحریریں لکھیں اور پھیلائی ہیں کہ جنھیں پڑھ کر ہر صحیح العقیدہ مسلمان غم گین اور رنجیدہ ہوجاتا ہے، لہٰذا ہر دور کے حقیقی مسلمان دانش وروں نے اپنے اپنے عہد میں حضرت ابوطالبؑ کی شان اور اُن کے مضبوط ایمان کے بارے میں مبسوط و مدلّل جوابی تحریریں پیش کی ہیں اور اُن کے حریم پاک کا دفاع کیا ہے۔

اس موضوع پر رقم کی گئی ایک کتابِ نفیس ''الغدیر'' کی جلد ہفتم ہے، جس کے مؤلف مرحوم آقای علامہ امینی ہیں۔ اس عظیم کاوش کے بارے میں آقای امینی علیہ الرحمہ کے فرزند ارجمند کا کہنا ہے:

''ہم نجف میں (اقامت پذیر) تھے اور ابھی کتاب ''الغدیر'' (کہ جس کی ساتویں جلد ایمانِ ابوطالبؑ کے بارے میں ہے) کی طباعت پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچی تھی تو ہم نے سنا کہ مصر کے دانش مندوں اور اہلِ قلم میں سے ایک محقق ''احمد خیری'' حضرت ابوطالبؑ کے بارے میں کتاب لکھنے میں مشغول ہے۔ میں نے اُسے خط لکھا کہ اس کتاب کی طباعت و اشاعت کے لیے اس وقت تک قدم نہ اُٹھانا جب تک کہ ''الغدیر'' کی ساتویں جلد طبع ہوکر منظرِ عام پر نہیں آجاتی۔ اُسے پڑھنے کے بعد ہی

① جلد ہفتم

حضرت ابوطالبؑ کے بارے میں فیصلہ کرتا۔

جب ''الغدیر'' کی ساتویں جلد زیورِ طبع سے آراستہ ہوگئی تو وہ متذکرہ دانش ور کو بھیجی گئی۔ اُس دانش ور نے ایک عرصہ بعد جوابی خط ارسال کیا جس میں تحریر تھا کہ کتاب ''الغدیر'' نے حضرت ابوطالبؑ کے بارے میں میری کتاب لکھنے کی سوچ کو مکمل طور پر تبدیل کردیا ہے اور اس سے متعلق جو میں نے بنیادی کام کیا اُسے قلم زد کردیا ہے اور آخر میں تحریر تھا: ''اسلام تمام انسانوں کے لیے باعثِ سعادت ہے اور اسلام کی یہ سعادت جو تمام مسلمانوں کو نصیب ہوئی ہے اس میں ابوطالبؑ کا ناقابلِ فراموش حصہ ہے کیوں کہ اُنھوں نے اساسِ اسلام کی پائے داری کے لیے ایک عظیم پاس دار اور نگہ بان کا کردار ادا کیا''۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرتِ ابوطالبؑ کی واشگاف عظمت کے باوجود اُن کی کردارکشی کے لیے معاندانہ تحریریں اور جعلی روایات و احادیث کیوں کر وجود میں آئیں؟!

تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ہستی جس کے قلب و ذہن نورِ ایمان سے منوّر تھے اور جس کے کردار و آثار نے ہر لحہ جاذبِ قلب و نظر مثالیں چھوڑیں اُس کے خلاف پیسے اور مقام و مرتبہ کی ہوس رکھنے والے اور چند روزہ دُنیا کے لیے اپنے دین و ایمان کو فروخت کردینے والے مزدوروں نے کِذب و جسارت کی انتہا کردی اور اُن سے یہ قبیح فعل سرزد کروانے والے بنی اُمیّہ کے سے ننگِ تاریخ اور ننگِ جہاں حکم ران تھے۔
امیرِشام اور اُس کے ہواخواہوں نے خورشیدِ وجودِ ابوطالبؑ کو تیرہ و تاریک بادلوں سے چھپانے کے لیے اپنے خزانوں کے منھ کھول دیے اور اپنی گھناؤنی سازش سے نسلاً بعد نسلٍ لاکھوں کروڑوں انسانوں کو آفتابِ ایمان و عمل کی ضیا سے محروم کردیا۔ اُن کی اس سیاہ کاری کا سببِ اصلی علیؑ دشمنی تھا اور ابوطالبؑ کا جرم اُن کی نظر میں یہی تھا کہ وہ

علیؑ کے باپ تھے۔

اہلِ بیتؑ دشمنی کے اس عصرِ تاریک میں ہونے والی تحریفات میں سے نمونہ از خروارے پیش خدمت ہے:

حاکم نے جعلِ حدیث کا کام کرنے والے ایمان فروش مزدوروں میں سے ایک مزدور "سمرہ بن جندب" کو طلب کیا اور اُسے ایک لاکھ درہم دیے تاکہ وہ قرآنِ مجید کی دو آیتوں کی شانِ نزول میں عجیب قسم کی تحریف کا مرتکب ہو۔ اُس لعین نے جو آیت حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی تھی اُس کے بارے میں لکھا کہ وہ حضرتؑ کے قاتل شقی ترینِ کائنات ابنِ ملجم کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور جو آیت فریب کار منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی اُس کے بارے میں لکھا کہ وہ حضرت علیؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

توضیح اس اختصار کی یہ ہے کہ سورۂ بقرہ کے آیہ ۲۰۷ میں ہم پڑھتے ہیں:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللهِ ...... (صاحب ایمان اور فداکار) لوگوں میں سے بعض اپنی جان اللہ کی خوشنودی کے لیے فروخت کردیتے ہیں، اور اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے"۔

اور سورۂ بقرہ آیت ہی کے آیہ ۲۰۴ میں ہم پڑھتے ہیں:

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يُشْهِدُ اللهَ عَلٰى مَا فِىْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ

"اور لوگوں میں سے جس کی بات آپؐ کو تعجب میں ڈال دے اور اپنے دل کی بات پر اللہ کو گواہ لائے اور وہ سب سے بڑا جھگڑالو ہے"۔

مذکورہ صدر پہلا آیہ (۲۰۷) اہلِ تسنن کی کتابوں کے مطابق حضرت علی علیہ السلام

کی شان میں اُس وقت نازل ہوا جب لیلۃُ المَبِیت میں ہجرتِ پیغمبرؐ کے موقع پر حضرت علیؑ آں حضرتؐ کی خواب گاہ میں سو گئے تھے۔ (الغدیر، ج ۲، ص ۴۴ و ۴۵)

اور دوسرا آیہ عہدِ پیغمبرؐ کے منافقوں میں سے ایک حیلہ گر اور فریب کار ''اَخنس بن شریق'' کے بارے میں نازل ہوا۔

سُمرہ بن جندب نے معاویہ کی خواہش کے مطابق پہلے آیہ کو (حضرت علیؑ کے بجائے) ابنِ ملجم کے بارے میں اور دوسرے آیہ کو حضرت علیؑ کے متعلق گڑھ کر حدیث کی کتابوں میں شامل کر دیا۔ (شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۴، ص ۷۳۔ الغدیر، ج ۲، ص ۱۰۱ و ج ۱۱، ص ۳۰)

اسی طرح ابوہُریرہ، مغیرہ بن شُعبہ، عَمرو بن عاص، مروان، زُہری اور اس قماش کے دوسرے دنیا کے بدلے دین بیچ دینے والے مزدور تھے، جنھوں نے جھوٹی روایتیں گھڑیں اور ایسی روایات، جن کا ذکر کرنا باعثِ شرم ہے، کا ایک حصہ ایمانِ ابوطالبؑ کے متعلق گھڑا گیا جس نے لوگوں کو شک اور تردّد میں ڈال دیا۔

بنی اُمیہ کے مقرر کردہ ان شرم ناک جرثوموں سے توقع ہی کیا رکھی جاسکتی تھی کہ جن کے آقا اپنے حکومتی کارندوں کا تقرر کرتے وقت اُن کو حکم دیتے تھے کہ اگر تمھیں معلوم ہو جائے کہ کوئی شخص علیؑ کا چاہنے والا اور اہلِ بیتؑ کا دوست ہے تو اُس کے حقوق قطع کر دو اور یہ بھی تحریری حکم دیا جاتا تھا کہ اگر کسی پر اُن کی دوستی کا الزام ہو تو اُسے گرفتار کر لو اور اُس کا گھر بار برباد کر دو۔ (شرح نہج البلاغہ، ابنِ ابی الحدید، قدیم، ج ۱۵، ص ۳)

بنواُمیہ کے ننگِ جہاں عہدِ حکومت میں اُس مظلومِ کائناتِ ہستی پر لعن کرنا سنت قرار دے دیا گیا (جس سے اللہ اور نبیؐ پیار کرتے تھے اور جو اللہ اور نبیؐ سے پیار کرتا تھا)۔ نمازِ جمعہ کے خطبوں میں مزدور خطیب یوں دُعا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اَنَّ اَبَا تُرَابٍ اَلْحَدَ عَنْ دِیْنِكَ وَصَدَّ عَنْ سَبِیْلِكَ

فَالْعَنْهُ لَعْنًا وَبِيْلًا، وَعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا

"اے اللہ! ابوتراب تیرے دین سے بھٹک گیا ہے اور لوگوں کو تیرے دین سے دُور ہٹاتا ہے، اُس پر شدید لعنت بھیج اور دردناک عذاب سے دوچار کر"۔ (الغدیر، ج ۲، ص ۱۰۲)

کیا ایسے تاریک زمانے میں جب امامِ کائنات پر لعن کی جارہی ہو یہ اُمید رکھی جاسکتی ہے کہ اُن کے پدر بزرگوار کے بارے میں احادیث جعل نہ کی گئی ہوں، اور جھوٹ نہ بکا گیا ہو۔

امیرِ دُنیا و دین پر لعن و سبّ کی یہ مذموم بدعت دس ہزار منبروں سے بار بار لوگوں کے کانوں تک پہنچتی تھی اور حاکمِ شام کے بعد آٹھویں اُموی خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کا دور شروع ہونے تک ستّر سال تک یہ قبیح حرکت جاری رہی۔

بنی اُمیّہ کی اسی سازش کے باعث حاکمِ شام کے ایک طرف دار نے امیرالمومنینؑ کے حضور جسارت کرتے ہوئے بکواس کی (اُس وقت امیرالمومنینؑ کوفہ کے ایک مقام رحبہ میں تشریف فرما تھے اور بہت سے لوگ آپؑ کی خدمت میں حاضر تھے) اے امیرالمومنین! آپؑ کس مقام پر ہیں لیکن آپؑ کے والد کو آتشِ جہنم کا عذاب ہوگا؟

حضرت علی علیہ السلام نے اُس نابہ کار و نامراد سے مخاطب ہو کر فرمایا: خاموش ہوجا! خدا تیرا منہ توڑ دے گا! خدائے متعال کی قسم! جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسالت سے معبوث فرمایا، اگر میرے والد گرامی تمام اہلِ زمین (انسانوں) کی شفاعت کریں تو اُن کی شفاعت کو قبول کیا جائے گا۔ کیا وہ ہستی آگ کا عذاب برداشت کرے گی جس کا بیٹا جنّتیوں اور جہنمیوں میں جنّت اور دوزخ تقسیم کرنے والا ہے؟! خدا کی قسم روزِ قیامت میرے بابا کا نُور بہ جز نُورِ پیغمبرؐ اور انوار دوازدہ ائمہ کے تمام خلائق سے زیادہ فائق ہوگا۔ کیوں کہ اُن کا نُور ہمارے نُور میں سے ہے اور خدا نے اُسے خلقتِ آدمؑ

سے دو ہزار سال قبل پیدا فرمایا تھا۔

انس بن مالک سے روایت ہے: رسولِ خدا مدینہ میں تھے کہ ایک بیابانی عرب آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور خشک سالی و قحط کے بارے میں بات کرتے ہوئے اپنے اشعار میں اپنے بچوں کی بھوک اور اُونٹوں کی پیاس کا نقشہ کھینچا۔ رسولِ خدا اپنی جگہ سے اُٹھے اور منبر پر تشریف لے جا کر حمد وثنا کے بعد فرمایا:

"خدایا! ہم پر اپنی رحمت سے ایسی بارش برسا جو فصلوں کی سرسبزی اور مادہ جانوروں کے پستانوں میں دودھ کی فراوانی کا موجب ثابت ہو"۔

اُسی وقت بارش برسنا شروع ہوگئی اور اس قدر بادل برسے کہ لوگ سیلاب میں غرق ہوجانے سے ڈرنے لگے۔ رسولِ خدا نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی: خدایا! بارش کو اطرافِ مدینہ کی طرف روانہ فرمادے۔ بادل فوراً مدینہ کے اطراف اکناف کی طرف منتشر ہوگئے۔ رسولِ خدا خوش ہوئے اور اُس وقت حضرت ابوطالبؑ کو یاد کیا اور فرمایا:

لِلّٰہِ دَرُّ اَبِی طَالِبٍ لَوْ کَانَ حَیًّا لَقَرَّتْ عَیْنَاہُ

"خدا ابوطالبؑ کو جزائے خیر عطا فرمائے، اگر وہ زندہ ہوتے تو اُن کی آنکھیں روشن ہوجاتیں (یعنی وہ سرشار ہوتے)۔

پھر فرمایا: کون اُن کا شعر پڑھے گا؟

حضرت علیؑ نے فرمایا: اے رسولِ خدا! گویا آپ کی مراد یہ شعر ہے:

وَاَبْیَضُ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْہِہٖ
ثِمَالُ الْیَتَامٰی عِصْمَۃٌ لِلْاَرَامِلِ

"سفید چہرے والا (پیغمبرؐ) کہ لوگ جس کے چہرے کی برکت سے (اللہ رب العزت سے) بارش کی دُعا مانگتے ہیں اور جو یتیموں

کا فریادرس اور بیواؤں کی پناہ گاہ ہے"۔

رسولِؐ گرامی قدر نے فرمایا: ہاں! میری مراد یہی شعر ہے۔

حضرت علیؑ نے حضرتِ ابوطالبؑ کے وہ شعر جو اس شعر کے بعد ہیں، پڑھے اور رسولِؐ خدا نے اُسی وقت منبر پر بارگاہِ خداوندی میں حضرتِ ابوطالبؑ کے لیے طلبِ مغفرت فرمائی (یقیناً رسولِؐ خدا کے پیشِ نظر حضرتِ ابوطالبؑ کی بلندیِ درجات تھی، مؤلف)۔ (الغدیر، ج ۷، ص ۳۷۳ تا ۳۷۵ بہ نقل از مدارکِ اہلِ تسنن)

یہ ہے شان و مقامِ ابوطالب کہ جنھیں رسولِؐ اسلام اپنی زندگی کے ہر اہم موقع پر بھلا نہ پائے۔ ①

---

① التماسِ فاتحہ برائے سید احمد مبین شہید، ڈی آئی جی پنجاب پولیس، لاہور، جنھوں نے اپنی شہادت سے ایک رات قبل ایک نظم فیس بک پر شیئر کی، پہلا شعر ملاحظہ ہو:

کافر ہوں سر پھرا ہوں مجھے مار دیجیے　　میں سوچنے لگا ہوں مجھے مار دیجیے

کتابیات

بعض وہ کتابیں، جو محسنِ اسلام حضرت ابوطالب علیہ السلام کی شان میں تالیف ہوئیں (حروف تہجی کی ترتیب کے لحاظ سے) حسب ذیل ہیں:

① ابوطالب عم الرسول، محمد کامل حسن محامی، طبع مکتبہ عالمی بیروت۔

② ابوطالب مومنِ قریش، عبداللہ بن علی خنیزی (معاصر)۔

③ ابوطالب و بنوہ، سیّد محمد علی سیّد علی خان (وفات ۱۳۹۰ھ)۔

④ اِثبات اسلام ابی طالب، محمد معین بن محمد امین بن طالب، ہندی، سندی، حنفی، (وفات ۱۱۶۱ھ)۔

⑤ اخبار ابی طالب و عبد المطلب وعبداللہ وآمِنة بنت وَھَب، شیخ صدوق محمد بن علی بن بابویہ قمی (وفات ۳۸۱ھ)۔

⑥ اخبار ابی طالب و ولدہ، حافظ ابوالحسن علی، مدائنی، اخباری (ولادت ۱۳۵ھ، وفات ۲۱۵ھ یا ۲۲۵ھ)

⑦ اسلام ابی طالب، سیّد حسن ابراہیم شبر، حسینی، نجفی (وفات ۱۳۴۸ھ)۔

⑧ اسلام ابی طالب، عبدالرحمٰن بن احمد بن حسین مفید خزاعی نیشاپوری (وفات ۴۴۵ھ)

⑨ اسنٰی المطالب فی نجاتِ ابی طالب، علامہ احمد زینی دحلان، شافعی، مفتی، مکہ مکرمہ (ولادت ۱۲۳۲ھ، وفات ۱۳۰۴ھ)۔ اس کا ترجمہ مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے اُردو زبان میں کیا ہے، جو دہلی میں ۱۳۱۳ھ میں چاپ ہوا

اور اس کا تذکرہ الذریعۃ میں ج ۲، ص ۸۷ پر موجود ہے۔ (بعد میں اس کا ترجمہ صایم چشتی نے بھی کیا ہے۔)

⑩ ایمانِ ابو طالب، قاضی نُعمان بن محمد مصری (وفات ۳۶۳ھ)۔

⑪ ایمانِ ابی طالب، احمد بن قاسم (وفات ۴۱۱ھ) اور اس کا تذکرہ الذریعۃ میں ج ۲، ص ۵۱۲ پر موجود ہے۔

⑫ ایمانِ ابی طالب، شیخ ابوالحسن احمد بن محمد، نجاشی نے اپنی کتاب رجال میں ص ۸۷ پر ان کو ثقہ کہا ہے۔

⑬ ایمانِ ابی طالب، شیخ رجالی ابوعلی احمد بن محمد بن عمار کوفی، الذریعۃ میں ج ۲، ص ۵۱۲ پر اس کا تذکرہ موجود ہے۔

⑭ ایمانِ ابی طالب، سیّد جمال الدین احمد بن موسیٰ بن جعفر بن طاؤس علوی، حسینی، حلی (وفات ۶۷۳ھ) الذریعۃ میں ج ۲، ص ۵۱۲ پر اس کا تذکرہ موجود ہے۔

⑮ ایمانِ ابی طالب، شیخ ابومحمد سہل دیباجی بغدادی (ولادت ۲۸۶ھ، وفات ۳۸۰ھ) اس کتاب کا تذکرہ نجاشی نے اپنی کتاب رجال میں ص ۱۸۶ پر کیا ہے۔

⑯ ایمانِ ابی طالب یا دیوانِ ابی طالب و ذکر اسلامیہ، ابونعیم علی بن حمزہ تمیمی، بصری، لغوی (وفات ۳۷۵ھ) اور اس کا تذکرہ الذریعۃ میں ج ۲، ص ۵۱۳ پر موجود ہے۔

⑰ ایمانِ ابی طالب، شیخ ابوعبداللہ محمد بن نعمان مفید (وفات ۴۱۳ھ)۔

⑱ ایمانِ ابی طالب، سیّد حسین موسوی عاملی کرکی (وفات ۱۰۰۱ھ)، اس کا تذکرہ الذریعۃ میں ج ۲، ص ۵۱۲ پر ہوا ہے۔

⑲ ایمانِ ابی طالب و احوالہ و اشعارہ، مرزا محسن بن مرزا محمد معروف تبریزی۔

⑳ بغیۃ الطالب لایمان ابی طالب وحُسن خاتمتہ، جلال الدین سیوطی، شافعی،

(وفات ۹۱۱ھ)

۲۱ بغیة الطالب فی اسلام ابی طالب، سیّد محمد عباس بن سیّد علی اکبر موسوی لکھنوی (ولادت ۱۲۲۴ھ، وفات ۱۳۰۶ھ)۔ اس کا تذکرہ الذریعۃ میں ج ۲، ص ۱۳۴ پر موجود ہے۔

۲۲ بغیة الطالب فی بیان احوال ابی طالب و اثبات ایمانه وحسن عقیدته، سیّد محمد بن حیدر بن نورالدین علی موسوی حسینی عاملی، اس کا تذکرہ الذریعۃ میں ج ۳، ص ۱۳۵ پر موجود ہے۔

۲۳ بغیة الطالب لایمان ابی طالب، محمد بن عبدالرسول برزنجی شافعی، مدنی (ولادت ۱۰۴۰ھ، وفات ۱۱۰۳ھ) اس کا تذکرہ کشف الظنون، ج ۲، ص ۳۰۲ پر موجود ہے۔

۲۴ البیان عن خیرة الرحمٰن فی ایمان ابی طالب و آباء النبیؐ، ابوالحسن علی بن بلال بن ابی معاویہ مہلبی ازدی، اس کا تذکرہ نجاشی نے اپنی کتاب رجال میں ص ۲۶۵ پر کیا ہے۔

۲۵ ترجمة شیخ الابطح، علامہ سیّد محمد علی شرف الدین، مترجم سیّد ظفر مہدی۔

۲۶ الحجة علی الذاهب إلی تکفیر ابی طالب، سیّد شمس الدین ابوعلی فخار بن معد موسوی (وفات ۶۳۰ھ)، یہ کتاب بہت ہی ضخیم اور قیمتی ہے، اس کا تذکرہ الذریعۃ میں ج ۲، ص ۲۶۱ پر موجود ہے۔

۲۷ رتبة ابی طالب وقریش و مراتب ولده فی بنی هاشم، ابوالحسن یا ابوالحسین نسابہ، اس کا تذکرہ ابن طاؤس نے اپنی کتاب (الیقین) میں ص ۱۸۶ پر کیا ہے۔

۲۸ رسالة فی اسلام ابی طالب، سیّد مرزا ابوالقاسم امین الدین محمد موسوی زنجانی (ولادت ۱۲۲۴ھ، وفات ۱۲۹۲ھ)

۲۹ الرغائب فی ایمان ابی طالب، سید مہدی بن علی غریفی بحرانی نجفی۔

۳۰ شعر ابی طالب بن عبد المطلب و اخبرہ، شاعر ابوھفان عبداللہ بن احمد مہزمی، عبدی (وفات ۳۲۱ھ)، اس کا تذکرہ نجاشی نے اپنی کتاب رجال میں کیا ہے۔

۳۱ الشہاب الثاقب لرجم مکفر ابی طالب، مخطوط، شیخ مرزا نجم الدین تہرانی عسکری، (ولادت ۳۳۳ھ، وفات ۳۹۵ھ) اس کا تذکرہ الغدیر، ج ۷، ص ۴۰۳ پر موجود ہے۔

۳۲ شیخ الابطح یا ابو طالب، علامہ سید محمد علی بن الحسین موسوی آل شرف الدین موسوی، اس کا تذکرہ الذریعۃ میں ج ۱۴، ص ۲۶۵ پر موجود ہے۔

۳۳ شیخ بنی ھاشم ابو طالب، فاضل عبدالعزیز سید الاہل، یہ کتاب ۱۳۷۱ھ میں بیروت میں چھاپ ہوئی، اس کا تذکرہ الذریعۃ میں ج ۱۴، ص ۲۶۵ پر موجود ہے۔

۳۴ فصاحۃ ابی طالب، سید ابو محمد، الامام الناصر، حسن بن علی بن حسن بن عمر بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب اطروش، اس کا تذکرہ الذریعۃ میں ج ۱۶، ص ۲۶۵ پر موجود ہے۔

۳۵ فضل ابی طالب و عبد المطلب و عبد اللہ ابی النبی، شیخ ابو القاسم سعید بن عبداللہ بن ابی خلف اشعری قمی، (وفات ۲۲۹ھ یا ۳۰۱ھ)، اس کا تذکرہ نجاشی نے اپنی کتاب رجال میں ص ۱۷۷ پر کیا ہے۔

۳۶ فیض الواھب فی نجاۃ ابی طالب، شیخ احمد فیضی جورومی، حنفی (ولادت ۱۲۵۳ھ، وفات ۱۳۲۷ھ) اس کا تذکرہ ھدیۃ العارفین ج ۱، ص ۱۹۵ پر موجود ہے۔

۳۷ القول الواجب فی ایمان ابی طالب، شیخ محمد علی بن مرزا جعفر علی، فصیح، ہندی۔

۳۸ مقصد الطالب فی ایمان آباء النبیؐ و عمہ ابی طالب، مرزا محمد حسین ربانی جرجانی، معروف بہ جناب۔ یہ کتاب ۱۳۱۱ھ میں بمبئی میں چھاپ ہوئی۔ اس کا تذکرہ الذریعۃ میں ج ۲۲، ص ۱۱۱ پر موجود ہے۔

۳۹ منٰی الطالب فی ایمان ابی طالب، شیخ ابو سعید محمد بن احمد بن حسین خزاعی نیشاپوری۔

آپ شیخ طوسی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد، پانچویں صدی ہجری کے اعلام میں سے تھے۔

(۴۰) مَنیۃ الراغب فی ایمان ابی طالب، شیخ محمد رضا طبسی نجفی۔

(۴۱) مَنیۃ الطالب فی ایمان ابی طالب، سیّد حسین طباطبائی یزدی، (وفات ۱۳۰۷ھ)، (فارسی ترجمہ موجود ہے)۔

(۴۲) مَنیۃ الطالب فی حیاۃ ابی طالب، سیّد حسن بن علی قبانچی حسینی نجفی (ولادت ۱۳۲۸ھ، وفات ۱۴۱۱ھ)۔ یہ کتاب ۱۳۵۸ھ میں تالیف ہوئی اور الذریعۃ میں ج ۲۳، ص ۲۰۴ پر اس کا تذکرہ موجود ہے۔

(۴۳) مواھب الواھب فی فضائل ابی طالب، علامہ شیخ جعفر نقدی تستری نجفی (ولادت ۱۳۰۳ھ، وفات ۱۳۷۰ھ)۔ یہ کتاب ۱۳۲۲ھ میں تالیف ہوئی، اس کا تذکرہ الذریعۃ میں ج ۲۳، ص ۲۴۴ پر موجود ہے۔

(۴۴) نسب ابی طالب، نسابۃ الاخباری، ھشام بن محمد بن سائب بن بشر الکلبی، (وفات ۲۰۶ھ)

(۴۵) الیاقوتہ الحمراء فی ایمان سیّد البطحا، مخطوط، سیّد طالب حسینی آل علی خان مدنی خراسانی (ملاحظہ کریں مجلہ آئینہ پژوھش رقم ۲۱)

متذکرہ بالا کتب عربی زبان میں ہیں۔ "الغدیر" جلد ہفتم ان پر مستزاد ہے۔ فارسی زبان میں بھی خالصتاً اس موضوع پر متعدد کتابیں شایع ہو چکی ہیں۔ اُردو زبان میں "محسنِ رسالت" اور "ایمانِ ابوطالب" قابلِ ذکر ہیں۔ (۱) فارسی سے کچھ اُردو تراجم بھی ہو چکے ہیں اور اب "عرفانِ ابوطالب" پیشِ خدمت ہے۔

---

(۱) البتہ جزواً اُردو کی متعدد کتابوں میں اس موضوع پر بحث کی جا چکی ہے اور اس ضمن میں کچھ رسائل بھی لکھے گئے ہیں ہندوستان اور پاکستان میں شایع ہوئے۔

بابِ سیزدہم

مناقبِ ابوطالب علیہ السلام

آہ وہ بے درد مُلّا کم سواد و کم نظر
وہ مورّخ حرفِکوں جس کا قلم ہے حرف بہ حرف
سجدہ ریزی ہی رہا اب تک شعارِ اہلِ زر
سب کے سب دربارِ شاہی میں بنے ہیں معتبر
مسئلہ زیرِ بحث 'ایمان' ابوطالبؑ کا ہے
بچ گیا ہے دین، یہ احساں ابوطالبؑ کا ہے
(حسن عسکری کاظمی)

۱

جنابِ ابوطالب علیہ السلام

سید حسن عسکری کاظمی

السّلام اے حاملِ مہر و محبت السلام
سیّد و سردارِ مکہ، ابرِ رحمت السلام
اے ابوطالبؑ، نگہ بانِ رسالت السلام
ہر قدم پہ کی محمدؐ کی حفاظت السلام
دین کی حقانیت کو یوں نمایاں کردیا
مرحلہ تھا جس قدر دُشوار، آساں کردیا

دین کی نُصرت کا جذبہ تھا دلِ صد چاک میں
جان تھی اٹکی ہوئی ہر دم حبیبؐ پاک میں
نُورِ ایماں کی جھلک تھی لہجۂ بے باک میں
کوکبِ عہدِ یقیں تھا تیری مُشتِ خاک میں
کوئی بھی عقدہ ہو تیرے رُو بہ رُو غالب ہے تُو
خطبہ خوانِ عقدِ پیغمبرؐ ابوطالبؑ ہے تُو

وہ ترا ایمانِ کامل حاملِ قرآن پر
رزقِ طاہر جس نے کھایا تیرے دسترخوان پر
دُکھ سہے کتنے خوشی سے تُو نے اپنی جان پر
جان بھی اے جانِ جاں قرباں ترے ایمان پر

ربِّ کعبہ کی قسم! دل کا نگر آباد ہے
ہم مسلماں ہیں ابوطالبؑ کا احساں یاد ہے

وارثِ دینِ براہیمؑ ، شہِ بطحا حشم
سیّدِ عالی نَسب ہے تُو نگہ دارِ حرم
تُو رسالتؐ کا مصدِّق شاہدِ شاہِ اُمم
دین کی خاطر ہوئے تیرے گھرانے پر ستم

بھوکے پیاسے آہ وہ شعبِ ابی طالبؑ میں تھے
عزم کے پیکر بھی ایمان کے قالب میں تھے

اے نقیبِ سورۂ "الحمد" اے بحرِ مبیں
محترم ہے تُو نگاہِ مصطفیٰ ؐ میں بالیقیں
نُصرتِ حق میں ترا کردار ہے کتنا حسیں
سجدہ ہائے شوق سے تیری شگفتہ ہے جبیں

عمر بھر تُو نے طوافِ کعبۂ ایماں کیا
مصطفیٰ ؐ کے دین پر اولاد کو قرباں کیا

آہ وہ بے درد مُلّا کم سواد و کم نظر
وہ مؤرخ سر بکوں جس کا قلم ہے حر بہ حر
سجدہ ریزی ہی رہا اب تک شعارِ اہلِ زر
سب کے سب دربار شاہی میں بنے ہیں معتبر

مسئلہ زیرِ بحث 'ایمانِ' ابوطالبؑ کا ہے
بچ گیا ہے دین، یہ احساں ابوطالبؑ کا ہے

کون ہے دُنیا میں ایسا جو رہا سینہ سپَر
کون ہے تیری طرح جس نے لُٹایا گھر کا گھر
کشتیِ دینِ خدا تھی جس گھڑی زیر و زبر
بن گئے تھے دشمنِ جانِ محمدؐ بحر و بر

دین کے حق میں دعا ایسی ابوطالبؑ نے کی
کس نے کی ایسی وفا جیسی ابوطالبؑ نے کی

(حرفِ عقیدت، ص ۳۱-۳۳)

۲

حضرت ابوطالب علیہ السلام

سید مظفر حسین نقوی

وہ نبوت کا محافظ وہ شریعت کا وقار
وہ جری وہ شیردل عزم و شجاعت کی بہار
مُطّلب کے باغ کا رکھوالا، صابر، بُردبار
جس کی ہیبت سے تھے خائف مُشرکینِ بدشعار
جس کو ذاتِ سیدِ کونینؐ کا اقرار تھا
جس کا عزمِ آہنی "اللہ" کی تلوار تھا
مانگ میں توحید کی جس مرد نے افشاں بھری
جس کے قدموں سے جھلکتا تھا وقارِ حیدریؑ
مطمئن تھی جس کے دسترخوان پر پیغمبریؐ
وہ ابوطالبؑ نگہ بانِ رسالت وہ جری
ہاتھ رکھا جس نے عبداللہ کے نُورِعین پر
جس نے اپنا خوں بہایا سرورِ کونینؐ پر

جس کے دل میں تھا مکمل عشقِ حق کا بانکپن
جس نے قدموں سے مَسل ڈالے جہالت کے چلن
جس کے ڈر سے کانپتے تھے مُشرکوں کے مردوزن
کاٹ دی جس نے تدبُّر سے نجاست کی رسَن

تاابد ہر اِک زُبان پر دین کا نام آگیا
جس کے ہر بچّے کا خوں اسلام کے کام آگیا

وہ وقارِ حرّیت ، وہ دینِ خالق کی اَساس
صرف جس کو زیب دیتا ہے شجاعت کا لباس
جو سدا رہتا تھا ذاتِ مصطفیٰ ؐ کے آس پاس
جس کے پہلو میں نبیؐ نے پائی راحت کی مٹھاس

وہ کہ جو اہلِ جہاں میں سرور و ممتاز ہے
جس کی ذاتِ پاک پر ذاتِ خدا کو ناز ہے

گود میں جس کی سکوں تھا مصطفیٰ ؐ کی ذات کو
وحیِ حق سمجھا ہمیشہ جو نبیؐ کی بات کو
دُھن یہ تھی شعبِ ابوطالبؑ میں دن اور رات کو
گردشیں پھر دُکھ نہ دیں اللہ کی آیات کو

اُس کی نظروں میں فقط ذاتِ نبیؐ آباد تھی
اُس کو اپنے باپ کی ہر اِک وصیّت یاد تھی

مردِ حق ، توقیرِ بطحا سیّدِ ذی احترام
جس کے دم ہی سے فقط ممکن ہوا دیں کا قیام[1]
گود میں پالے ہیں جس نے اک نبیؐ اور اک امامؑ
تا اَبد ہوں گے مظفرؔ اس کی چوکھٹ پر سلام

وہ فدائے ذاتِ پیغمبرؐ علیؑ کا باپ ہے
وہ نبیؐ کی ذات کا پہلا محافظ آپ ہے
جس کا بیٹا ہو ولیِ حق امیرِ کائنات
تا اَبد ہو جس کے قبضے میں جہانِ ممکنات
تم کہو ایمان سے خالی ہے اس انساں کی ذات
ہے بہ ظاہر یہ بڑی احساں فراموشی کی بات
ہے ابوطالبؑ سے قایم روشنی ایمان کی
تا اَبد ممنون ہے ذاتِ خدا عمران کی

(سحابِ مدحت، ص ۲۷۳ تا ۳۰)

---

① جس کے دم سے یہ خدا ممکن ہوا دیں کا قیام

۳

منقبتِ حضرت ابوطالب علیہ السلام

علامہ ڈاکٹر ضمیر اختر نقوی

ہر زمیں ہر زماں ابوطالبؑ
عظمتِ جاوداں ابوطالبؑ

ہے یہ وردِ زُباں ابوطالبؑ
جاوداں جاوداں ابوطالبؑ

مصطفیٰ ؐ ہیں زُبانِ امرِ خدا
مصطفیٰ ؐ کی زُباں ابوطالبؑ

یہ بھی مدّاحِ مصطفیٰ ؐ، وہ بھی
ربّ کے ہیں ہم زُباں ابوطالبؑ

پڑھی "الحمد" کس نے قبلِ نزول
ابوطالبؑ تھے، ہاں ابوطالبؑ

زیبِ آغوش دوجہاں کا رسولؐ
محورِ دوجہاں ابوطالبؑ

ان کے گھر سے چلا ہے دینِ رسولؐ
دین کا آستاں ابوطالبؑ

جس کے شمس و قمر نبیؐ و امامؑ
وہ عظیم آسماں ابوطالبؑ

مصطفیٰ ' خانہ سازِ امن و اماں
محسنِ امن و اماں ابوطالبؑ

سُن لے دُنیا ضمیر کی آواز
حق وہیں ہے جہاں ابوطالبؑ

۴

نذرانۂ عقیدت بہ حضور سیدنا ابوطالب علیہ السلام

صائم چشتی مرحوم

سراپا دین سراپا وفا ابوطالبؑ
رسولِ پاکؐ کا مدحت سرا ابوطالبؑ

خدا کی پاک امانت سنبھالنے والا
حصارِ شاہِ رسالت بنا ابوطالبؑ

خدا کے نور کے جلوؤں کو لے کر دامن میں
خدا کا دین بچاتا رہا ابوطالبؑ

رسولؐ پاک کی رحمت نوازنے آئی
زبانِ عشق سے جب بھی کہا ابوطالبؑ

خدا نے اس کو فراست بھی دی بصیرت بھی
عمل کی شان بڑھاتا رہا ابوطالبؑ

وہ شیخ وادیٔ بطحا عرب کا مردِ غیور
رئیسِ مکہ بڑوں سے بڑا ابوطالبؑ

اَزَل سے شانِ رسالت کا وہ مُصَدِّق تھا
دلیل بن کہ رسالتؐ کی تھا ابوطالبؑ

غلامی شاہِ دوعالمؐ کی روز و شب ایسی
ملی کسی کو نہ تیرے سوا ابوطالبؑ

تمہاری① صُلب میں نُورِ علیؑ فروزاں تھا
تمہی تھے مَہبطِ نُورِ خدا ابوطالبؑ

طوافِ خانۂ محبوب، رات بھر کرنا
عظیم تر ہے یہ پہرہ ترا ابوطالبؑ

تمہی شجر ہو ثمردار باغِ ہاشم کے
تمہی سے شجرۂ عترت چلا ابوطالبؑ

تمہاری شان کو، عظمت کو ہو سلام مرا
قبول کرنا یہ ہدیہ مرا ابوطالبؑ

تمہارے عزم نے ظلمت کو سرنگوں رکھا
تمہارے زور سے باطل مٹا ابوطالبؑ

---

① ''تمہارے'' ہونا

تمھاری گود میں ایماں کی جان پلتی رہی
تمھارے گھر سے ہی ایماں ملا ابوطالبؑ

مثال اس کی یقیناً محال ہے صائمؔ
ہوئے حضورؐ پہ جیسے فدا ابوطالبؑ

رسولؐ پاک کے غم خوار ہیں حضرت ابوطالبؑ
قرارِ حیدرِ کرّار ہیں حضرت ابوطالبؑ

امیں بن کر امانت آمنہ کی گود سے لے لی
خدا کے فضل کے حق دار ہیں حضرت ابوطالبؑ

سدا اُن کو میسّر تھا جمالِ سرورِعالمؐ
نبیؐ کی دید سے سرشار ہیں حضرت ابوطالبؑ

گلِ باغِ بنی ہاشم ، حصارِ رحمتِ عالمؐ
وفادارِ شہِ اَبرارؐ ہیں حضرت ابوطالبؑ

وفا دیکھو یہ صائمؔ صائم کردیا ایمان بھی قرباں
وفا کے نُور کا مینار ہیں حضرت ابوطالبؑ

۵

ابوطالب علیہ السلام

محسن نقوی شہید

أسرار و معارف کا گلستاں ابوطالبؑ
ایمان کے ہر درد کا درماں ابوطالبؑ
تختِ دلِ ہستی کا سُلیمانؑ ابوطالبؑ
ہر دور میں سرچشمۂ ایماں ابوطالبؑ
ہر غم سے جو اس کو ابوطالبؑ نہ بچاتا
اِسلام ترا ٹھوکریں کھاتا نظر آتا
شادابیِ گل زارِ پیمبرؐ ابوطالبؑ
اِحسان و سخاوت کا سمندر ابوطالبؑ
رُتبے میں ہے کعبے کے برابر ابوطالبؑ
تقدیس میں کعبے سے بھی بڑھ کر ابوطالبؑ
جھکتی ہے جبیں جس پہ ترے فکرونظر کی
ہے جائے ولادت ابوطالبؑ کے پسر کی

حیراں ابوطالبؑ کی اَنا پر ہیں ملک تک
عمرانؑ کے مدارج کی رسائی ہے فلک تک
ہے روشنی قلب و نظر اس کی جھلک تک
طوفانِ مصائب میں بھی جھپکی نہ پلک تک

خوش بُو ہے رواں جس کی ہر اک دل کی کلی میں
کھیلا ہے وہی دیں ابوطالبؑ کی گلی میں

جو خوں ابوطالبؑ کے عزائم کی عطا ہو
وہ خون بھلا کیسے رگِ دیں سے جدا ہو
جس طور سے احسانِ ابوطالبؑ نے کیا ہو
ممکن نہیں اسلام سے یہ قرض ادا ہو

اس پر بھی یہ فتویٰ کہ اسے دین سے کد ہے
یہ منکرِ عمرانؑ کا فقط بُغض و حسد ہے

کر یاد وہ شعبِ ابی طالبؑ کا زمانہ
جذبے کے شراروں کو ہواؤں سے لڑانا
وہ عزم و جلالِ رُخِ عمرانؑ کا فسانہ
ہر رات پیمبرؐ کو مصائب سے بچانا

اس طور کا دنیا میں کوئی باپ دکھا دے
جو موت کے بستر پہ بھی بیٹوں کو سُلا دے

تم لوگ مسلماں جو ہوئے، کچھ نہیں کہتے
تم داعیِ ایماں جو ہوئے، کچھ نہیں کہتے
تقدیر کے ساماں جو ہوئے، کچھ نہیں کہتے
ہاں دشمنِ عمرانؑ جو ہوئے، کچھ نہیں کہتے

چاہو تو دلیروں کو بھی حجرے میں بٹھا دو
بزدل کو مگر فاتحِ کونین بنا دو

اللہ کے گھر کا جو نگہ باں ہو وہ کافر؟
جو حق کے لیے اتنا پریشاں ہو وہ کافر؟
جو عرشِ معلیٰ کا مسلماں ہو وہ کافر؟
ایماں نہیں جو محسنِ ایماں ہو وہ کافر؟

اس بات پہ کیوں کوئی پریشاں نہیں ہوتا
ایماں کا پدر منکرِ ایماں نہیں ہوتا

جب فہم نے بدلا کبھی تشکیک کا قالب
جب لفظ سے چھنی گئی جاگیرِ مطالب
جب فکر کی دنیا پہ جہالت ہوئی غالب
اسلام پکارا ابوطالبؑ، ابوطالبؑ

خود حق کے لیے حق ہی پریشاں نظر آیا
باطل کے مقابل میں بھی عمرانؑ نظر آیا

قندیلِ چراغ رُخِ احمد ابوطالبؑ
ایمان سے ، ایمان کی ابجد ابوطالبؑ
باطل کے لیے ضربتِ ایزد ابوطالبؑ
ہر مُملکتِ دیں کی ہے سرحد ابوطالبؑ
دستارِ پیمبرؐ کو جو عمراں نہ بچاتا
ہر سمت سقیفہ ہی سقیفہ نظر آتا

۶

عنوانِ ادب گاہِ دو عالم (۱)

وجاہت حسین وجاہت

سرِ اسلام پر اُصولِ احساں ہیں ابوطالبؑ
شہنشاہِ رسالتؐ کے نگہ باں ہیں ابوطالبؑ

قسم کردار کی، کردار ہے سب سے بلند ان کا
قسم ایمان کی ایماں ہی ایماں ہیں ابوطالبؑ

حریمِ حکمت و دانش میں قندیلِ فراست ہیں
سخاوت کے دریچوں میں فروزاں ہیں ابوطالبؑ

تدبر میں، تقدس میں، تہور میں، شجاعت میں
نمایاں ہیں ابوطالبؑ نمایاں ہیں ابوطالبؑ

نفس اتنا معطر ہے کہ خوش بوئیں برستی ہیں
سراسر رنگ اور رنگِ بہاراں ہیں ابوطالبؑ

ہے جن پر ناز کعبہ کو، رسالتؐ کو، امامتؑ کو
زمانے بھر میں اک ایسے مسلماں ہیں ابوطالبؑ

رسالتؐ کے فلک پر آج بھی دیکھے اگر کوئی
مثالِ نیرِ اعظم درخشاں ہیں ابوطالبؑ

عبادت کے برابر ہے لبوں پر تذکرہ ان کا
خدا کو ناز ہے جن پر وہ انساں ہیں ابوطالبؑ

وجاہتؔ ان کی مدحت میں قلم کا سرخمیدہ ہے
ادب گاہِ دوعالم کا وہ عنواں ہیں ابوطالبؑ

۷

ابوطالب علیہ السلام

سید طاہر ناصر علی

پہلا نعت خواں اللہ دوسرا ابوطالبؑ
مدحتِ پیمبرؐ کی ابتدا ابوطالبؑ

فتح نے قدم چومے منزلیں ہوئیں قرباں
ہم نے یاعلیؑ کہہ کر جب کہا ابوطالبؑ

اپنی گود میں پالا دوجہاں کی رحمت کو
کر دیا ہے یوں تو نے حق ادا ابوطالبؑ

اس گھڑی کہاں تھے وہ جو تجھے کہیں کافر
کربلا میں تیرا جب گھر لٹا ابوطالبؑ

ہم کو ناز ہے طاہرؔ اس پہ گام زن ہیں ہم
خلد میں پہنچنے کا راستا ابوطالبؑ

○

یہ نکتہ کاش کوئی اِن مسلمانوں کو سمجھائے
یہ دیں نسلِ ابوطالبؑ کا صدقہ ہے
اسی کے دم سے ہے اسلام باقی حشر تک طاہر
ابوطالبؑ کے پوتے کا جو اِک مقتل میں سجدہ ہے

۸

سرگوشی جبریلؑ (بحق ابوطالب علیہ السلام)

شوکت رضا شوکت

احسان کیوں رسولؐ کے تم نے بھلا دیے
ہے فارسی میں جرم تو ہندی میں پاپ ہے
ماں فاطمہؑ کی ہے یہ خدیجہؑ سے ہے جلن
عمرانؑ سے ہے بغض کہ حیدرؑ کا باپ ہے

ابوطالب علیہ السلام

نبیؐ کا عم، علیؑ کا باپ، کعبے کا نگہ باں ہے
یہ سب اعزاز جس کے پاس ہیں وہ کون ذی شاں ہے
بتاتی ہے ہمیں تاریخ کردار ابوطالبؑ
ابوطالبؑ ہے گر کافر، تو پھر کافر مسلماں ہے

لمحۂ فکریہ

حیدرؑ کی عداوت تمھیں کر دیتی ہے اندھا
تم توڑنے لگتے ہو شریعت کے بھرم کو
عمرانؑ کو کافر تو کہا، یہ بھی نہ سوچا
بیت اللہ نے رستا دیا کافر کے حرم کو

۹

ابوطالبؑ کے گھر لوگو!

سید فرحت نقوی

نبیؐ پروان چڑھتا ہے ابوطالبؑ کے گھر لوگو!
لو پھر قرآں اُترتا ہے ابوطالبؑ کے گھر لوگو!

عشیرہ کی ضیافت ہے ابوطالبؑ ہی کے گھر میں
خدا کا دیں پنپتا ہے ابوطالبؑ کے گھر لوگو!

خدا کے گھر وہ پیدا ہو کے آتا ہے پدر کے گھر
پسر ایسا بھی پلتا ہے ابوطالبؑ کے گھر لوگو!

پناہِ دین ٹھہرا ہے ابوطالبؑ ہی کا پوتا
کچھ ایسے دین پھلتا ہے ابوطالبؑ کے گھر لوگو!

ابوطالبؑ کے بیٹے کی بنے زوجہ نبیؐ زادی
ستارہ بھی اُترتا ہے ابوطالبؑ کے گھر لوگو!

۱۰

علیؑ کے باپ جیسا ہے کوئی......؟

کاظم جعفری

علیؑ کے باپ جیسا ہے کوئی تو سامنے آئے
ابوطالبؑ سا اونچا ہے کوئی تو سامنے آئے

محبت تھی نبیؐ سے جن کو بڑھ کر اپنے بیٹوں سے
بھری دُنیا میں اُن سا ہے کوئی تو سامنے آئے

سہارا ہے نبیؐ تو سارے عالَم کا جہاں والو!
نبیؐ کا جو سہارا ہے کوئی تو سامنے آئے

پتہ کو جس کی خود اپنی پتہ رب نے کہا یارو!
جو آئینہ خدا کا ہے کوئی تو سامنے آئے

ہے بیٹا اُس کا کُل ایماں تو پوتا دین کُل کا کُل
ابوطالبؑ کے پا سا ہے کوئی تو سامنے آئے

باب چہاردہم

اختتامیہ مع تاثرات

اختتامیہ

[شانِ اسلافِ رسولؐ بالخصوص شانِ عمِ رسولؐ]

سورۂ لیل میں ارشادِ ربانی ہے: "اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى" "بے شک ہدایت ہمارے ذمے ہے۔(آیہ ۱۲:) چناں چہ خلق کی رشدوہدایت فریضۂ ایزدی ہے۔ نیز سورۂ زُخرف میں ارشاد ہوتا ہے۔ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً م بَاقِيَةً فِىْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (آیہ:۲۸) اور اسی (ایمان) کو ابراہیمؑ اپنی اولاد میں ہمیشہ باقی رہنے والی بات چھوڑ گئے تاکہ وہ (خدا کی طرف) رجوع کریں۔ یعنی اللہ نے اس توحید پرستی کو ذرّیت ابراہیمیؑ میں کلمۂ باقیہ قرار دیا تاکہ وہ اللہ کی طرف رجوع کریں۔ گویا اللہ رب العزت زمین کو مسلمانوں کے وجود سے کسی ہنگام بھی خالی نہیں رکھتا۔ اخبارِ معصومینؑ علیہما السلام (نبیؐ وعلیؑ) بھی اس سنتِ الٰہی کا دُرخشاں اظہار ہیں:

① "ہم قرناً بعد قرنٍ بنو آدمؑ کے بہترین زمانوں میں پھرتے ہوئے اس قرن میں مبعوث ہوئے ہیں"۔

② زمین پر ہمیشہ سات بلند مرتبہ مسلمان موجود رہے ہیں اور اگر اُن کا وجود نہ ہوتو جو کچھ زمین پر ہے تباہ و برباد ہو جائے۔"

اب رسولِ گرامیِ اسلامؐ کی بعثت کے وقت ایسے مسلمانوں کے موجود ہونے کی دلیل سورۂ آلِ عمران کا ۱۶۴ واں آیہ ہے: لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

"مومنوں پر خدا کا بڑا احسان ہے کہ اس نے (مومنوں) ہی میں سے ایک رسولؐ بھیجا جو ان پر آیاتِ خدا کی تلاوت کرتا ہے۔ اُن کا تذکیۂ نفس کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بے شک وہ (بعثتِ رسولؐ) سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں گھرے ہوئے تھے۔" مومنین یعنی تین یا تین سے زیادہ صاحبانِ ایمان اُس وقت بھی موجود تھے۔ حضرت ابو طالبؑ یقیناً انھیں میں سے ایک تھے جو دینِ عبدالمطلبؑ پر قایم دایم تھے اور دینِ عبدالمطلبؑ، دینِ ابراہیمؑ ہی تھا۔ آپؑ فرماتے تھے:

"یارب تو مالک ومحمود ہے اور میرا پروردگار ہے، تو مالک معبود ہے اور تیرے پاس ہر قدیم وجدید شے موجود ہے" (ترجمۂ اشعار)

یہی اقرارِ توحید ہے اور یہی صراطِ انبیا ہے۔ آدمؑ سے خاتمؐ تک ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ورسل ہوئے جن میں سے پانچ پیغمبر ہودؑ، صالحؑ، اسماعیلؑ، شعیب اور ختمی مرتبتؐ سرزمینِ عرب میں مبعوث ہوئے (خبرِ صادقؑ بہ حوالہ حیات القلوب)۔

اور حدیثِ باقرؑ میں ہے کہ کوئی پیغمبر ایسا نہیں گزرا جس کا وصی نہ ہُوا ہو۔ درست ابنِ ابو منصور نے نقل کیا ہے کہ مَیں نے امام کاظمؑ سے سوال کیا کہ کیا ابو طالبؑ آپ کے نزدیک مقامِ حجت رکھتے تھے؟ فرمایا اولیاء اللہ اور اوصیاء اللہ (جن میں سے ایک عبدالمطلبؑ بھی تھے) نے حضرت ابو طالبؑ کو چند وصیتیں ودیعت کی تھیں جو آپؑ نے رسولِ خدا کے سامنے پیش کیں۔ میں نے عرض کیا: ان وصایا کے پیش کرنے کی علت یہ تو نہ تھی کہ حضرت ابو طالبؑ پیغمبرؐ پر حجت تھے؟ آپؑ نے فرمایا: اگر حضرت ابو طالبؑ رسولِؐ خدا پر مقامِ حجت نہ رکھتے تو پھر ان وصایا کو آ ؐ کی تحویل میں ہرگز نہ دیتے (حوالہ اصولِ کافی شیخ کلینی)

اس بحث کے بعد حضرت عبدالمطلب اور حضرت ابو طالبؑ کا مقام و مرتبہ واضح ہو گیا کہ وہ اوصیائے الٰہی اور حجج اللہ میں سے تھے۔ رہی بات بعض عناصر کی انھیں نبی ثابت کرنے کی تو وہ مرتبۂ ولی و وصی ① کی عظمت سے ناآشنائی کے سبب ہی سے ممکن ہے۔

عرفانِ ابو طالبؑ کا تقاضائے اصلی یہ ہے کہ حضرت کی ذہانت و ذکاوت شرافت و سیادت، نجابت و دیانت، شجاعت و سخاوت، علم و حلم اور زہد و تقویٰ کے سے اوصاف کا بھرپور تذکرہ کیا جائے اور امیر المومنین علی علیہ السلام کی طرف سے ایک سوال کے جواب کو ذہن نشین رکھا جائے۔ آپؑ سے پوچھا گیا کہ رسولؐ خدا سے قبل وصی کون

---

① وصی کے لغوی معنی ہیں جس کو وصیت کی گئی ہو یا جس کی بابت وصیت کی گئی ہو۔ شرعی اصلاح میں وصی سے مراد وہ شخص ہے جسے کوئی موصی وصیت کرے کہ میری رحلت کے بعد یہ کام کرنا۔ گویا وصیت کرنے والا اپنے وصی سے وصیت پر عمل کرنے کا عہد لے رہا ہوتا ہے۔ کسی نبی کا وصی ہونا وہ رتبہ ہے جس کے لیے نبیؐ نے امر الٰہی سے اپنی شریعت کی حفاظت اور اُمت کی راہ نمائی کی وصیت کی ہو۔ اس کی ایک مثال اخبار الزمان مولفہ مسعودی سے یہ دی جا سکتی ہے کہ جب خدائے متعال نے حضرت آدم کے انتقال کا ارادہ فرمایا تو حکم دیا شیث (ہبۃ اللہ) کو اپنا وصی مقرر کرو اور تمام آثار و علوم کی تعلیم دو جو ہم نے تمھیں عطا کیے ہیں۔ وصایت کا یہ تذکرہ نسل در نسل چلتا ہوا آدمؑ سے خاتم تک پہنچا۔ مسعودی نے اپنی دوسری کتاب "اثبات الوصیہ" میں تمام معلوم انبیا کے اوصیا کا تفصیلی تذکرہ بھی کیا ہے۔

المختصر حضرت شیثؑ کے آثار و وصایا بہ توسط حضرات انوشؑ، قینان، مہلائیل (برد مہلائیل) یارد، اخنوخ (اخنوخ، ادریسؑ) کے حضرت نوحؑ (املک، لامکؑ) تک پہنچے اور حضرت نوحؑ سے حضرت سامؑ، یافث، سام، ارفخد [(ارفخشدؑ) (ارشد)] شالخ (سلخ)، عابر (حضرت ہود)، فالغ، ارغوا (ارعو) شاروغ (شاروخ) ناخور (ناحور) اور تارخ کے توسط سے حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ تک آئے۔ پھر خلیل اللہ کی دعا قبول ہوئی اور منصب امامت اُن کی ذریت میں چلا۔ ابراہیمؑ سے اسماعیل اسماعیلؑ سے قیدار، قیدار سے حملؑ (حمل) حمل سے نبت (نابتؑ)، نابتؑ سے سلامانؑ (سلامؑ)، سلامانؑ سے ہمیسعؑ (الیسع)، ہمیسع سے اددؑ (اددؑ) ادد سے اُددؑ اور اُددؑ سے عدنانؑ المختصر۔

تھے تو فرمایا میرے بابا ابو طالبؑ (بہ حوالہ ابو طالب محسنِ ایمان نیز مظلوم تاریخ)۔

الغرض زمین کبھی حجتِ خدا سے خالی نہیں رہتی اور اللہ کسی دور میں شیطان کو آزاد نہیں چھوڑتا۔ اگر زمین پر دو مرد بھی ہوں تو ان میں سے ایک یقیناً حجت ہوگا۔ روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ کوئی نہ کوئی حجتِ خدا یعنی ہادی، خلایق سے پہلے تھا، خلایق کے ساتھ ہے اور بعدِ خلایق رہے گا۔ حجت اور ہادی وہ ہوتا ہے جو خود معصوم عن الخطا ہو اور دوسروں کو خطاؤں سے بچانے کے لیے ہدایت کرے۔ قرآن کے الفاظ میں مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ: وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا (سورۂ کہف آیہ ۱۷) جسے خدا ہدایت فرمائے وہی ہدایت یافتہ ہے۔ سورۂ زُمر: وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ (آیہ: ۳۷) میں ہے جسے خدا گم راہ کرے اسے کوئی گم راہ نہیں کرسکتا۔ نبی اللہ حجت قایم کرتا اور ہدایت کا اہتمام کرتا ہے۔ اور اپنی غیر موجودگی میں اپنے جانشین کو اپنی شریعت کی حفاظت اور اُمت کے اُمور کی وصیت کرتا ہے۔ شیثؑ سے لے کر ابو طالبؑ تک اور ابو طالبؑ سے لے کر مہدیِ آخر الزمانؑ تک یہ سلسلۂ وصایت اسلام کی دوامیت کا ضامن ہے۔ ختمی مرتبتؐ سے ماقبل آں حضرت کے آباؤ اجداد میں سلسلۂ وصایت حضرت شیثؑ سے حضرت آدمؑ کے مابعد اور حضرت انوشؑ ①، حضرت قینانؑ، حضرت مہلائیلؑ (بردصلائیل)، حضرت حملؑ (یا حمد)، حضرت مہتؑ

---

① قینانؑ انوشؑ کے وہ شیثؑ کے اور وہ آدمؑ کے فرزند تھے۔ ہم نے تمام سلسلۂ وصایت اور سلسلۂ نسب رسولؐ پر علیہ السلام کا اہتمام کیا ہے۔ اس کا جواز یہ ہے کہ یہ سب پاکیزہ اَصلاب حاملِ نورِ محمدیؐ تھے اور یہی اہتمام ارحام (حاملِ نورِ محمدیؐ) کے لیے بھی ہونا چاہیے۔ آباؤ اجداد رسولؐ کے تفصیلی اوصاف و محامد ہماری کتاب

(یا ثابت)، حضرت سلامانؑ (یا سلاما)، حضرت ہمیسعؑ (یا الیسع)، حضرت اودؑ (یا اوذ)، حضرت اُدؑ سے ہوتا ہوا، حضرت عدنانؑ تک پہنچتا ہے۔ یہ سب حضرات نورِ محمدیؐ کے حامل تھے۔ حضرت عدنانؑ سے آگے تو سلسلۂ نسب و وصایت مصدقۂ رسولؐ ہے کہ جس میں خفیف سی غلطی کا امکان بھی نہیں اور وہ ہے حضرت معدؑ، حضرت نزارؑ، حضرت مضرؑ، حضرت الیاسؑ، حضرت مدرکہؑ (اصلاً عمرو)، حضرت خزیمہؑ، حضرت کنانہؑ حضرت نضرؑ (ملقب بہ قریش)، حضرت مالکؑ، حضرت فہرؑ (ملقب بہ عامر)، حضرت غالبؑ، حضرت لوئیؑ، حضرت کعبؑ، حضرت مرّہؑ، حضرت کلابؑ (حکیم)، حضرت قصیؑ، (یا قُصی) حضرت عبدِ منافؑ (ملقب بہ مغیرہ)، حضرت ہاشمؑ (عمرو) حضرت عبدالمطلبؑ، حضرات عبداللہؑ و ابو طالبؑ۔

پاکیزہ اَصلاب و ارحام کا یہ تذکرہ تفصیل طلب ہے، لہٰذا ہم اختصار کے سبب سے اس سے اغماض برتتے ہوئے اس امر کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ نبوت کن انبیا کی ذرّیتوں میں منتقل ہوئی۔ قرآن گواہی دیتا ہے کہ بے شک ہم نے نوحؑ اور ابراہیمؑ کو نبی بنا کر بھیجا اور انھی دونوں کی اولاد میں نبوت اور کتاب مقرر کی (آیہ ۲۶ سورۂ حدید) (1) ایک اُلوہی فرمان یہ بھی ہے کہ ہم نے ابراہیمؑ کی اولاد کو کتاب اور عقل کی باتیں عطا فرمائیں ہیں اور اُن کو بہت بڑی سلطنت بھی عطا کی ہے (آیہ: ۵۴، سورۂ نساء) (2)۔

---

(1) وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرٰهِیْمَ وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ○

(2) اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ فَقَدْ اٰتَیْنَاۤ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَیْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِیْمًا○

سورۂ عنکبوت کا ستائیسواں آیہ اس بات کی مزید وضاحت کرتا ہے۔ ①

نتیجۂ بحث یہ ہے کہ قرآنِ حکیم کی رُو سے نُبوت (وامامت) کتاب اور حکمت (عقل کی باتیں) محض حضرت ابراہیمؑ کے اولاد کے حصّے میں آئیں۔ اولادِ ابراہیمؑ میں یہ اعزاز واکرام ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آباے محمدؐ وآلِ محمدؐ اور خود محمدؐ وآلِ محمدؐ کو عطا ہوا۔ یہاں ہم آلِ رسولؐ کا تذکرہ کرنے جارہے ہیں نہ کا ملتا آباو اجدادِ رسولؐ کا۔ بس اتنا بتانا چاہتے ہیں کہ علماے امامیہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ آں حضرتؐ کے آباو اجداد (مرد عورت) آں حضرت کے والدین سب کے سب مسلمان تھے۔ نورِ محمدؐ وعلیؑ کبھی کسی مشرک کے صلب اور کسی مشرکہ کے رحم میں قرار نہیں پایا۔ احادیثِ متواترہ اور متفق علیہ (بہ طریقِ خاصہ وعامہ) سے ظاہر وباہر ہے کہ اُن حضرات کے آباو اجداد سب کے سب انبیا، اوصیا اور حاملانِ دینِ خدا رہے ہیں۔ (ماخوذ از حیات القلوب)

حضرت اسماعیلؑ کے اولاد میں سے تمام اجدادِ رسولؐ حضرت ابراہیمؑ کے اوصیا تھے یہ لوگ مراجعِ انام تھے، مکّہ کی حکومت خانۂ کعبہ کی تولیت اُن کے لیے مخصوص تھی۔ شریعتِ ابراہیمؑ کبھی منسوخ نہ ہوئی۔ وہ اس شریعت (بل کہ موسیٰؑ وعیسیٰؑ کی اُلوہی شریعتوں کے بھی حقیقی محافظ تھے۔ وہ اپنی رحلت کے وقت ایک دوسرے کو انبیا کے آثار سپرد کرتے اور وصیت کرتے تھے۔ چلتے چلتے یہ سلسلہ حضرت عبدالمطلبؑ تک پہنچا اور اُنھوں نے حضرت ابو طالبؑ کو اپنا وصی مقرر فرمایا اور حضرت ابو طالبؑ نے ورثہ میں ملنے والے آثار وتبرکات انبیا، بعثتِ رسولؐ کے بعد، رسولؐ خدا کے سپرد فرمائے۔

اخبار میں ہے کہ عبدالمطلبؑ (بہ ذاتِ خود) ایک امت کی مانند محشور

---

① وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ وَآتَيْنَاهُ أَجْرَهُ فِي الدُّنْيَا ۖ وَإِنَّهُ فِي

ہوں گے۔۔۔آپؐ سے پیغمبروں کی علامات نمودار ہوں گی اور بادشاہوں کی ہیبت ظاہر ہوگی۔ حضرت عبدالمطلبؑ کے بعد اہلِ عرب کی سرداری، ولایت اور وصایت حضرت ابو طالبؑ کو ملی۔ آپ ہی محافظ و ناصرِ رسول قرار پائے اور آپ ہی وہ صاحبِ منزلت و شرف ہیں جن کی پناہ کو خدائے متعال نے سورۂ ضحیٰ (آیہ: ۶) ① میں اپنی پناہ قرار دیا اور سورۂ بلد میں رب العزت نے آپؑ اور آپؑ کے فرزندِ ارجمند علیؑ کی قسم شہر مکہ اور اپنے حبیبؐ کے ہم راہ اٹھائی کہ مجھے اس شہر کی قسم اور تم اس شہر میں رہتے ہو اور باپ اور بیٹے کی قسم ②۔

خدائے متعال کی قسم اس وقت اسلام اور رسولؐ اسلام کا حامی و مددگار سوائے ان باپ بیٹے کے کوئی نہ تھا۔ ہاں! اللہ کسی کا احسان نہیں رکھتا۔ اس نے آدمؑ و نوحؑ کے بعد آلِ ابراہیمؑ اور آلِ ابراہیمؑ میں سے آباؤ اجدادِ رسولؐ، آباؤ اجدادِ عمرانؑ، آلِ رسولؐ اور آلِ عمرانؑ کو ایسا چُنا کہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محسنوں کو بھی مصطفیٰ (پسندیدہ و برگزیدہ) بنا دیا نیز انھیں ایسا یک جان اور ہم زبان کیا کہ یہ سب کے سب محمدؐ قرار پائے۔ سورۂ انفال (آیہ: ۳۴) ③ میں مذکورہ خانۂ کعبہ کے ان متقی متولیوں کو سورۂ بقرہ کے آیہ (۱۲۴) کی روشنی میں ظالموں سے ممتاز کر کے سورۂ نسا کے آیہ مذکورہ قبل کے مطابق جو کچھ عطا کیا گیا تھا (کتاب، حکمت، ملکِ عظیم) اُسے نہ تسلیم کرنے والوں کو اسی سورہ کے (آیہ: ۵۵) ④ میں سخت وعید سنائی گئی: پس بعض لوگ اس حق کو تسلیم کرتے ہیں اور بعض لوگ اس حق کو

① اَلَمۡ یَجِدۡکَ یَتِیۡمًا فَاٰوٰی ۝

② لَاۤ اُقۡسِمُ بِهٰذَا الۡبَلَدِ ۝ وَاَنۡتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الۡبَلَدِ ۝ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ۝

③ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمۡ لَا یَسۡتَاۡخِرُوۡنَ سَاعَةً وَّلَا یَسۡتَقۡدِمُوۡنَ ۝

④ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ صَدَّ عَنۡهُ ؕ وَكَفٰی بِجَهَنَّمَ سَعِیۡرًا ۝

تسلیم نہیں کرتے اور مزاحم ہوتے ہیں۔ ایسے منکروں کے لیے جہنم کی آگ کافی ہے۔ ①

پس ابو طالبؑ کے خاندان کا منکر جہنمی ہے اور خاندانِ ابو طالبؑ کا عرفان خلد و عدن کے حصول کا سببِ حقیقی ہے۔ ابو طالبؑ کا عرفان حاصل کیجیے۔ وہ ابو طالبؑ جس نے ختمی مرتبتؐ کے خطبۂ نکاح میں اپنے ذرّیتِ ابراہیمؑ ہونے کی بات کی تو قرآن نے سورۂ ابراہیم (آیہ: ۲۰) ② میں اس کی تصدیق کی۔ حضرت ابو طالبؑ نے اپنے کلام میں آقائے نام دارؐ کو نبی، رسول اور صاحبِ شرف و منزلت قرار دیا تو اللہ ربّ العزت نے حدیثِ قدسی میں ''یَا اَحْمَدُ لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ'' سے اس کی تائید فرمائی۔ ابو طالبؑ نے اپنے اس شعر میں ایک بشارت دی اور پیش گوئی کی:

اِنَّ لَنَا اَوَّلَهٗ وَآخِرَهٗ فِی الْحُکْمِ وَالْعَدْلِ الَّذِیْ لَاتُنْکِرُهٗ

اس گھر کا آغاز و انجام ہمارے ہی ذریعے سے ہے اور یہ وہ میزانِ عدل ہے جس کا انکار ممکن ہی نہیں اور قرآن نے خانۂ کعبہ کی واضح ابتدا کے بعد کلمۂ باقیہ کے طور پر مہدیِ آلِ عمرانؑ کی بات کی۔ ③ ابو طالبؑ نے اپنے باپ دادا کی طرح شراب سے نفرت کی تو قرآن پکار اٹھا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾۔ ابو طالبؑ نے اپنے کلامِ بلاغت نظام میں متعدد ایسے الفاظ استعمال کیے کہ قرآن نے بھی وہی الفاظ یا اُن سے ملتے جلتے الفاظ اپنائے۔ اُن بے شمار مثالوں کو تو یہاں درج نہیں کیا جاسکتا لیکن بہ طورِ اعجازِ قرآن کے اوّل و آخر میں الحمدُ للہ اور اعوذُ بربِّ النّاس پورے کلام کو آغاز تا انجام سموئے ہوئے ہیں۔ ④ ابو طالب نے اپنے کلام میں ارکانِ حج کی

---

① یقیناً عرفانِ عمرانؑ اور عرفانِ آلِ عمرانؑ حاصل کرنے والے مومن ہیں اور عمرانؑ و آلِ عمرانؑ کے منکر سخت عذاب کے مستحق۔

② وَّمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ ۝

③ وَجَعَلَهَا کَلِمَةًۢ بَاقِیَةً فِیْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ۝

④ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ قَدْ شَرَّفَنَا، اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مِنْ کُلِّ طَاعِنٍ (کلماتِ حضرت ابو طالبؑ)

تفصیل بتائی تو ہر مسلمان آج انھیں ارکان کی بجا آوری سے فریضہ حج ادا کرتا ہے۔ ①

---

① آج ہر فرقۂ اسلامی میں وہی ارکانِ حج رائج ہیں جو قبل از اعلانِ رسالتِ محمدیہؐ پر حضرت ابو طالبؑ نے اپنی ولایت وصایت کی گواہی میں پیش کیے تھے۔

وَ بِالْبَيْتِ رُكْنٍ مِنْ بَطْنِ مَكَّةٍ	وَبِاللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِغَافِلِ
وَبِالْحَجَرِ الْمُسْوَدِّ إِذْ يَمْسَحُوْنَهُ	إِذَا اكْتَنَفُوْهُ بِالضُّحٰى وَالْأَصَائِلِ
وَمَوْطِئِ إِبْرَاهِيْمَ فِي الصَّخْرِ رَطْبَةً	عَلٰى قَدَمَيْهِ حَافِيًا غَيْرَ نَاعِلِ
وَأَشْوَاطٍ بَيْنَ الْمَرْوَتَيْنِ إِلَى الصَّفَا	وَمَا فِيْهِمَا مِنْ صُوْرَةٍ وَتَمَاثِلِ
وَمَنْ حَجَّ بَيْتَ اللّٰهِ مِنْ كُلِّ رَاكِبٍ	وَمِنْ كُلِّ ذِيْ نَذْرٍ وَمِنْ كُلِّ رَاجِلِ
وَ بِالْمَشْعَرِ الْأَقْصٰى إِذَا عَمَدُوْا لَهُ	إِلَالٍ إِلٰى مُفْضَى الشِّرَاجِ الْقَوَابِلِ
وَ تَوْقَافِهِمْ فَوْقَ الْجِبَالِ عَشِيَّةً	يُقِيْمُوْنَ بِالْأَيْدِيْ صُدُوْرَ الرَّوَاحِلِ
وَ لَيْلَةِ جَمْعٍ وَ الْمَنَازِلِ مِنْ مِنًى	وَمَا فَوْقَهَا مِنْ حُرْمَةٍ وَمَنَازِلِ
وَجَمْعٍ إِذَا مَا الْمُقْرَبَاتُ أَجَزْنَهُ	سِرَاعًا كَمَا يَفْزَعْنَ مِنْ وَقْعِ وَابِلِ
وَبِالْجَمْرَةِ الْكُبْرٰى إِذَا صَمَدُوْا لَهَا	يَؤُمُّوْنَ قَذْفًا رَأْسَهَا بِالْجَنَادِلِ

"اور مکہ کی سرزمین پر جو خدا کا گھر ہے، اس گھر کی پناہ اور رُکن (مقام) کی پناہ مانگتا ہوں اور اللہ کی پناہ مانگتا ہوں یقیناً اللہ (اپنے بندوں سے) غافل نہیں رہتا، اور حجر (پتھر) جو اتنا نرم ہو گیا کہ ابراہیمؑ نے اپنے کھلے ہوئے پاؤں کو اس پر رکھا، وہ جو صفا و مروہ کے درمیان اٹھائے جاتے ہیں اور جس کی یاد میں یہ تمثیل (سعی بین الصفا والمروہ) کی جاتی ہے اور وہ تمام لوگ جو نذر کر کے خانۂ خدا کا حج کرنے سواریوں پر یا پیدل آتے ہیں اور عرفات و مشعر الحرام جس کا لوگ قصد کرتے ہیں اور عرفات کی وہ بلند جگہ جہاں دینی پیشوا خطبہ دیتا ہے اور اس کی وہ وادیاں اور نشیبی علاقے جو پانی کی گزرگاہ ہیں اور حاجیوں کا شام کے وقت تک پہاڑیوں پر وقوف کرنا جہاں وہ اونٹنیوں پر پھرتے رہتے ہیں خدا کی بارگاہ میں اتنی تیزی سے قربانی کرتے ہیں جیسے کوئی شخص بارش سے بھاگ رہا ہو اور یہ لوگ بڑے شیطان کے سر پر کنکریوں سے ضرب لگاتے ہیں"۔

ابو طالبؑ نزولِ قرآن سے پہلے قصص الانبیاء بیان کر چکے تھے قرآن نے اُن کی وضاحت کی، ابو طالبؑ بہادر و شجاع ہونے کے ساتھ ساتھ عالم و فاضل بھی تھے، قرآن نے ابو طالبؑ ""مومنِ قریش"" کے اوصاف ہی کو اوصافِ خلافت و ولایت بتایا۔

ابو طالبؑ اَخلاقِ حَسنہ کے حامل تھے قرآن نے اَخلاقِ حَسنہ کو دین کی روح قرار دیا۔ ابو طالبؑ بے مثال عالم و ادیب تھے قرآن کے اُسلوب میں علم و ادب کے امتزاج کا اعلیٰ اہتمام موجود ہے۔ ابو طالبؑ نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ اپنے چچا زاد کے ناصر و وزیر بنے رہنا (1) تو محمدؐ (رسول اللہ) نے امرِ الٰہی سے اُنھیں اپنا جانشین اور وزیر مقرر فرمایا۔ ابو طالبؑ نے تلوار کو الحدید کہا۔ (2) تو اللہ نے پورا سورۂ حدید نازل فرمایا۔ ابو طالبؑ نے سب سے پہلے مسجد کا لفظ استعمال کیا (3) تو قرآن میں سورۂ بقرہ کے آیہ ۱۴۴ میں ارشاد ہوا: قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ ۚ

---

(1) رای ابو طالب النبی یتفل فی فم علی ای یدخل لعاب فیہ فی فم علی فقال ما هذا یا ابن اخی؟ فقال ایمان وحکمۃ فقال ابو طالب لعلی یا بنیّ انصر ابن عمك و وازرہ۔

(ینابیع المودۃ جلد ا ص ۴۷)

ابو طالبؑ نے دیکھا کہ نبیؐ، علیؑ کے دہن میں اپنا لعابِ دہن ڈال رہے ہیں تو ابو طالبؑ نے پوچھا اے میرے بھائی کے بیٹے یہ کیا ہے؟ رسولِ خداؐ نے فرمایا ایمان و حکمت ہے (یہ سن کر) حضرت ابو طالبؑ نے علیؑ سے کہا اے میرے بیٹے اپنے چچا زاد (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ناصر اور وزیر بنے رہنا۔

(2)

وینهض قوم فی الحدید الیکم نهوض الروایا تحت ذات الصلاصل

ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں چھوڑ سکتے) جب تک الحدید سے لیس ہمارا پورا خاندان تمھاری طرف پانی کے ریلے کی طرح نہ چل پڑے۔

(3)

والبأم زمان و ماحوت عرفاتها و المسجد

مکہ کا پہاڑ مازان اور عرفات اور مسجد یہ سب کچھ ہمارے ہی لیے ہے (یعنی ہماری عبادت کے لیے اور ہماری تولیت کے ماتحت)

فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ○

ابو طالبؑ نے اللہ کو ربّ المغارب والمشارق کہا۔ رسولِ خدا کو برہان کہا نیز روشن چراغ سے تشبیہ دی تو اللہ نے قرآن میں انھی الفاظ کو دُہرا کر ابو طالبؑ کے وصی اور ولی خدا ہونے کا بالواسطہ اعلان فرمایا۔ ①

ابو طالبؑ نے دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم کھائی ② تو خدائے متعال نے یہ قسم سورۂ عادیات میں دہرائی وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا۔ اور بھی بہت کچھ جو ابو طالبؑ نے کہا قرآن نے اُسے اپنے اندر سمو لیا۔ کبھی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خیرِ الٰہی، کبھی صادق القول اور کبھی اللہ رب العزت کو ربِ مغارب و مشارق وغیرہم۔ اللہ اکبر!

الغرض ابو طالبؑ ولیِ خدا ہیں سید الاولیاء کے پدر گرامی ہیں۔ اُن کی ولایت کا اقرار کرنا اور عرفان حاصل کرنا ہم سب کے لیے لازم ہے۔ آج کتنے ہی لوگ محبوبِ خدا و محبوبِ ابو طالبؑ سید الانبیاء ختمی مرتبتؐ کی نبوت کا اقرار تک نہیں کرتے، اگر وہ حضرت ابو طالبؑ کی وصایت وولایت کا اقرار بھی نہ کریں تو حضرتؑ کی شان میں کیا فرق پڑتا ہے۔

اسلام وایمان کا معیار مقرر ہو چکا ہے۔ اب اس معیار سے انکار اسلام وایمان سے ہاتھ دھونے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ "وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ"

---

①

جرى حل جل الخطوب كانه شهاب بكف قابس يتو قد

وہ (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بڑے بڑے امور پر عزم وہمت رکھنے والے ہیں اور ایسے نورانی ہیں جیسے مشعل بردار کے ہاتھوں میں چمکتا ہوا روشن چراغ ہو۔

②

تكون لغير كم عبرة و رب المغارب و المشارق

تم دوسروں کے لیے باعث عبرت بن جاؤ گے، رب المغارب والمشارق کی قسم!

پیمانۂ قدرِ انسانی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ، اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَاٰلِهِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ الْمَعْصُوْمِیْنَ ، وَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلٰی اَعْدَائِهِمْ اَجْمَعِیْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ الْمَعْصُوْمُ قِیْمَةُ كُلِّ امْرِءٍ مَّا یُحْسِنُهٗ۔

وَقَالَ شَهِیْدُ بَاقِرِ الصَّدْرِ قِیْمَةُ كُلِّ امْرِءٍ بِقَدْرِ مَا یُرْزَقُ النَّاسَ بِوُجُوْدِهٖ وَبِفِكْرِهٖ وَبِعِلْمِهٖ۔

قِیْمَةُ كُلِّ امْرِءٍ بِقَدْرِ مَا یُرْزَقُ النَّاسَ بِوُجُوْدِهٖ وَبِفِكْرِهٖ وَبِعِلْمِهٖ هٰذَا الْقَوْلُ قَدْ صَدَرَ عَنْ غَیْرِ الْمَعْصُوْمِ ، وَلٰكِنْ مَعَ ذٰلِكَ لَمْ یُعَارِضْ كَلَامَ الْاِمَامِ۔ بَلْ اَقُوْلُ هٰذَا الْكَلَامُ یُوْضِحُهٗ وَیَتَرَشَّحُ مِنْ كَلَامِ الْاِمَامِ ، بِاَنَّ لِكُلِّ شَخْصٍ قِیْمَةٌ وَقَدْرٌ وَاَهَمِّیَّةٌ وَلٰكِنَّهٗ مَشْرُوْطٌ بِانْتِفَاعِ النَّاسِ بِوُجُوْدِهٖ وَبِفِكْرِهٖ وَبِعِلْمِهٖ ، هُوَ مَنْ یَنْتَفِعُ النَّاسُ بِوُجُوْدِهٖ

كَيْفَ مَا لَهُ قَدْرٌ، هُوَ مَنْ يَنْتَفِعُ النَّاسُ بِفِكْرِهٖ كَيْفَمَا، لَهُ قِيْمَةٌ هُوَ مَنْ يَنْتَفِعُ النَّاسُ بِعِلْمِهٖ كَيْفَمَا لَهُ اَهَمِيَّةٌ وَبِالعَكْسِ مَنْ لَمْ يَنْتَفِعُ النَّاسُ بِوُجُوْدِهٖ وَبِفِكْرِهٖ وَبِعِلْمِهٖ هُوَ كَالْحَجْرِ، وَهٰذَا مَاخُوْذٌ مِنَ الرِّوَايَاتِ، اَلْعَالِمِ حَيٌّ وَّاِنْ كَانَ مَيِّتًا وَالجَاهِلُ مَيِّتٌ وَّاِنْ كَانَ حَيًّا۔

اِنَّ اَخَانَا "مظهر عباس" هُمْ مِمَّنْ لَهُ قِيْمَةٌ وَّاَهَمِيَّةٌ وَاِفَادِيَّةٌ لِاَنَّهُمْ يُرَغِّبُوْنَ النَّاسَ اِلٰى حُصُوْلِ الْعِلْمِ وَيَحُثُّوْنَهُمْ عَلَى الْمُطَالَعَةِ، وَيَنْتَفِعُ النَّاسُ مِنْ وُجُوْدِهٖ وَفِكْرِهٖ وَعِلْمِهٖ، وَدَلِيْلُ هٰذَا الْكِتٰبُ فِيْ اَيْدِيْكُمْ عِرْفَانِ اَبِیْ طَالِبٍ۔

اَقُوْلُ فِيْهِ هُوَ كَانَ مَنْ يَنْتَفِعُ النَّبِيُّ بِوُجُوْدِهٖ وَبِفِكْرِهٖ، هُوَ كَانَ مَنْ يَنْتَفِعُ النَّاسُ مِنْ اَعْدَائِهِمْ۔ كَمَا وَرَدَ، فِيْ غَزْوَةِ الْخَنْدَقِ اِذَا قُتِلَ عَمْرِو بْن عَبدِوُد بِضَرْبَةِ عَلِي ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ، سَمِعَتْ اُخْتُهُ بِقَتْلِ اَخِيْهَا، جَاءَتْ عَلٰى جَسَدِ اَخِيْهَا، وَنَظَرَتْ لِبَاسَهُ عَلٰى جَسَدِهٖ وَوَجَدَتْ سَيْفَهُ مُزَيَّنًا بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلِبَاسَ الْحَرْبِ، قَالَتْ اِنَّ قَتَلَهُ كُفُوٌ

كَرِيْمٌ، قِيْلَ لَهَا، قَاتِلُهٗ عَلِيُّ ابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ۔

قَالَتْ:

لَوْ كَانَ قَاتِلُ عَمْرٍو غَيْرَ قَاتِلِهٖ لَكُنْتُ اَبْكِیْ عَلَيْهِ دَائِمَ الْاَبَدِ

وَلٰكِنْ قَاتِلَهٗ مَنْ لَّا يُعَابُ بِهٖ بَلْ كَانَ يُدْعٰى اَبُوْهُ بَيْضَةَ الْبَلَدِ

هٰذِهِ الْحَقِيْقَةُ بِاَنَّ الْفَضْلَ مَا يَعْتَرِفُ بِهِ الْغَيْرُ

مَا هٰذَا اِلَّا بِفِكْرِ اَبِیْ طَالِبٍ وَتَزْكِيَةِ النَّبِيِّ

هُوَ كَانَ جِدَارًا حَوْلَ النَّبِيِّ لَمْ يَمْسَسْهُ الضُّرُّ

هُوَ كَانَ ظِلًّا لَّا عَلٰى رَأْسِ النَّبِيِّ

وَفِی الْاٰخِرِ، نَسْاَلُ اللّٰهَ بِاَنْ جَعَلَنَا مِصْدَاقًا لِهٰذِهِ الْاٰيَةِ:

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ۔

وَيُثَبِّتَنَا عَلٰى دِيْنِهٖ وَزَادَ اللّٰهُ فِیْ تَوْفِيْقَاتِ اَخِيْنَا مُصَنِّفُ

﴿اُسْتَاذُ لَاَدَبْ مظہر عباس﴾۔

وَزَادَ اللّٰهُ فِیْ اَمْوَالِهِمْ وَاَوْلَادِهِمْ وَتَقَبَّلَ اللّٰهُ هٰذَا، جَعَلَ

اللّٰهُ وَالِدَيْهِ فِیْ اَعْلٰى عِلِّيِّيْنَ۔ اٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

”تمام تعریفیں اُس اللہ کے لیے جو عالمین کا پالنے والا ہے۔ درود و سلام ہو اُس

ذات پر جو انبیاؑ و مرسلینؑ سب سے افضل ہے۔ درود و سلام ہو نبیؐ اکرم کی پاک آلؑ پر جو اُن کے علم کی وارث ہے اور لعنت ہو اِس گھرانے کے دشمنوں پر۔

معصومؑ فرماتے ہیں: ''ہر انسان کی قدر و قیمت اور اہمیت اُس کی نیکیاں اور اچھائیاں ہوتی ہیں''۔

عالمِ ربانی شہید باقر الصدر اِسی فرمانِ معصومؑ کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ ہر انسان کی قدر و قیمت اور اہمیت اُسی قدر ہوتی ہے جس قدر وہ انسان اپنے وجود، اپنی سوچ، فکر اور اپنے علم سے معاشرے کو کچھ عطا کرتا ہے۔ مُن درجہ بالا کلام امام معصومؑ سے صادر ہوا ہے، جب کہ یہ کلام غیر معصوم شہید باقر الصدر کا ہے، لیکن اس کے باوجود شہید باقر الصدر کا یہ کلام امام معصومؑ کے کلام سے قطعاً تعارض نہیں رکھتا۔ بل کہ میں کہوں گا کہ شہید کا کلام کلامِ امامؑ کے کلام کی تشریح اور وضاحت کرتا ہے۔ فقط اتنا ہی نہیں یہ کلام امامؑ کے کلام سے مُخرّج ہے۔

ہر انسان کی قدر و قیمت اور اہمیت ہے لیکن وہ قدر و قیمت مشروط ہے اس چیز کے ساتھ کہ آیا لوگ اُس کے وجود، اس کی فکر اور علم سے استفادہ کر رہے ہیں یا نہیں۔ وہ شخص جس کے وجود سے لوگ کسی بھی طرح سے مستفید ہو رہے ہیں تو اُس کی اہمیت و اَرزش بھی ہے۔ وہ شخص جس کے افکار سے معاشرے میں رہنے والے لوگ اِستفادہ کر رہے ہیں تو اُس کی قدر و قیمت بھی ہے۔ وہ شخص جس کے علم سے لوگ سیراب ہو رہے

ہیں تو اُس کی اہمیت بھی ہے۔ اور اس کے برعکس جس شخص کے وجود سے، سوچ، فکر اور علم سے لوگ مستفید نہیں ہو رہے وہ ایک پتھر کی مانند ہے۔ جیسا کہ فرامینِ معصومؑ سے بھی یہ بات ماخوذ ہے کہ ایک عالم انسان زندہ رہتا ہے، اگرچہ منوں مٹی تلے دفن ہو اور ایک جاہل انسان مُردہ ہوتا ہے اگرچہ معاشرے میں چل پھر رہا ہو۔

ہمارے محترم المقام پروفیسر مظہر عباس چودھری صاحب اُنھی لوگوں میں سے ایک ہیں کہ جن کی معاشرے میں قدر و قیمت اور افادیت ہے۔ کیوں کہ یہ لوگوں کو حصولِ علم کی ترغیب دیتے ہیں۔ لوگوں کو تحقیق و مطالعہ پر برانگیختہ کرتے ہیں۔ لوگ اِن کے وجود، اَفکار، اِن کے قلم اور کتب سے اِستفادہ کرتے ہیں اور اس کی دلیل آپ کے ہاتھوں میں ''عرفانِ ابو طالبؑ'' نامی یہ جامع، مستند اور مدلل کتاب ہے۔

جنابِ ابو طالبؑ کے بارے میں یہی کہوں گا کہ حضرتِ ابو طالبؑ وہ شخصیت تھے، جن کے وجود، سوچ اور فکر سے اللہ کے نبیؐ بھی استفادہ کیا کرتے تھے اور جن کے افکار سے دشمن بھی موم ہو جاتے تھے۔ غزوۂ خندق میں جب عمرو بن عبدِ وُد جنابِ امیرؑ کے ہاتھوں فی النار ہوا تو اُس کی بہن کو پتا چلا اور وہ بھائی کی لاش پر آئی۔ دیکھا کہ بھائی کا قیمتی جنگی لباس اُس کے بدن پر ہی ہے۔ سونے چاندی اور جواہرات سے مزین نیزہ بھی اُس کے پاس پڑا ہے تو اُس نے ٹھنڈی آہ بھری اور کہا: میرے بھائی کا قاتل کوئی شریف النفس انسان اور اعلیٰ خاندان کا لگتا ہے۔ وہاں کھڑے لوگوں نے اُسے بتایا کہ

تمھارے بھائی کو ابو طالبؑ کے بیٹے علیؑ نے قتل کیا ہے۔ یہ سن کر اس نے کہا:

"اگر میرے بھائی کا قاتل ابو طالبؑ کے بیٹے کے علاوہ کوئی اور ہوتا تو میں قیامت تک بھائی کی لاش پر روتی رہتی۔ لیکن میرے بھائی کا قاتل اُس خاندان سے ہے جو اعلیٰ انسانی و اخلاقی اقدار کا حامل ہے، بل کہ قاتل وہ ہے جس کا باپ (ابو طالبؑ) اپنے خاندان بل کہ پورے عرب سیّد و سردار ہے"۔

الغرض یہ سچ ہے کہ فضیلت وہی ہوتی ہے جس کا اعتراف دشمن کرے۔ عمرو بن عبدوُد کی بہن کا حضرت علی علیہ السلام کو اعلیٰ اخلاقی اقدار کا حامل قرار دینا جنابِ ابو طالبؑ کی پاکیزہ فکر اور عظمتِ کردار کا کھلا اقرار ہے۔

اگر بہ غور دیکھا جائے تو جنابِ ابو طالبؑ رسولِؐ خدا کے گرد ایک مضبوط حصار تھے کہ جن کے ہوتے ہوئے اللہ کے نبیؐ کو کوئی تکلیف نہ پہنچی۔ جنابِ ابو طالبؑ رسولِؐ خدا کے سر پر ایک عظیم سایہ تھے، ایسا سایہ جو عمر بھر کبھی اُن سے جدا نہ ہُوا۔

جنابِ ابو طالبؑ کی پوری زندگی اور عظیم کارناموں کے بارے میں آپ اس کتاب میں مطالعہ فرمائیں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

آخر میں بارگاہِ الٰہی میں دُعا گو ہوں کہ ہم سب کو قرآن کی اس آیت کا مصداق قرار دے: "اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمھاری مدد کرے گا"۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے پسندیدہ دین پر ثابت قدم رکھے۔ پروفیسر صاحب قبلہ کی اس سعی کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ اُن کی توفیقات میں اضافہ فرمائے، اُن کے مال و دولت میں اضافہ فرمائے اور اُن کے والدین کو اعلیٰ علّیین میں جگہ عطا فرمائے، آمین ثم آمین!

حافظ یاور عباس

مقامِ ولایتِ ابوطالبؑ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ مُحَمَّدًا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔

وَرَبَّهٗ فِیْ حَجْرِ اَبِیْ طَالِبٍ ، اَمَّا بَعْد قَالَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ ، اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْهِ۔

امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ کا قولِ مبارک ہے کہ بیٹا باپ کا راز ہوتا ہے۔ کہنے والا خود لسان اللہ بھی ہے اور سرُّ اللہ بھی۔ اَب ہم ایسے باپ کی عظمت کو کیسے درک کریں جس کا بیٹا ایک طرف اللہ کا راز ہے اور دوسری طرف ابوطالبؑ کا راز ہے۔ یعنی سرُّ اللہ بھی ہے اور سرِّ ابی طالبؑ بھی ہے۔

بیٹا باپ کی شخصیت کا ترجمان ہوتا ہے، ایسی ہستی کی فضیلت کا اِحصا بھلا کیوں کر ممکن ہے جس کی شخصیت کا ایک ترجمان کُلِ ایمان ہو۔ بیٹا باپ کا عکس ہوتا ہے، ایسی زندگی کی عکس بندی بھلا کیسے ممکن ہے جس کے ایک پرتو کا نام علیؑ ابن ابی طالبؑ ہو۔

زہے مقدر کہ ہمارا موضوعِ تحریر سُلطَانًا النَّصِیْرًا کے پدرِ گرامی ناصرِ رسالتؐ، ناصرِ دینِ اسلام ابوطالبؑ ہیں۔

دینِ اسلام کے کچھ فقہی مسائل ایسے ہیں جو بہ ظاہر تربیتِ انسانی کے لیے درس لگتے ہیں لیکن اگر غور کریں تو واضح ہوتا ہے کہ اللہ کے ہر حکم کا مقصد دراصل خاندانِ

رسالتؐ (اور خاندانِ ناصرِ رسالتؐ) کی عظمت کو بیان کرتا ہے تا کہ دنیا ''آلِ عمرانؑ'' کی عظمت کی معترف ہو کر ان کے در پر جھک جائے۔

بہ ظاہر مسئلہ بڑا سادا سا ہے کہ کوئی بچّہ اپنے مکلّف ہونے سے پہلے جو اعمالِ خیر بجا لاتا ہے وہ اُس کے ساتھ ساتھ، اُس کے باپ کے نامۂ اعمال میں بھی درج ہوتے ہیں۔ یعنی اس بچّے کی نمازیں، روزے، تسبیح وتہلیل، اُس بچے کے نیک اعمال باپ کے نامۂ اعمال کا حصّہ بن جاتے ہیں۔

اب کوئی حضرت ابوطالبؑ کے اعمال کا حساب کیسے لگائے کہ جن کے نامۂ اعمال میں امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کی نمازیں، علیؑ کے روزے، علیؑ کے سجدے اور علیؑ کا ذکرِ تسبیح وتہلیل بھی درج ہے اور کب سے لکھا جا رہا ہے۔

معصومؑ فرماتے ہیں:

كُنَّا نَعْبُدُ وَ آدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ

''ہم اس وقت بھی عبادت کرتے تھے جب آدمؑ ابھی خلق نہ ہوئے تھے''۔

اور کب کہاں کر رہے تھے؟

وَكُنَّا نُسَبِّحُ وَنُقَدِّسُ تَحْتَ عَرْشِ اللهِ

''ہم اللہ تعالیٰ کے عرش کے نیچے اس کی تسبیح اور تقدیس کرتے تھے''۔

جب یہ ساری عبادتیں ایک نامۂ اعمال میں نظر آئیں گی تو یقیناً قیامت کے دن اکیلے ابوطالبؑ کے ایمان کا پلڑا کائنات کے ایمان کے پلڑے سے وزنی نظر آئے گا۔

انسان کے دنیا سے جانے کے بعد اولادِ صالح ثواب کا ایک بڑا ذریعہ ہے جو

نامۂ اعمال کو کھلا رکھتا ہے۔ ابوطالبؑ نے اپنے بعد جعفرؑ و علیؑ جیسے بیٹے چھوڑے اور اولاد کی اس طرح تربیت کی کہ شب ہجرت میں شعب ابی طالبؑ کی تربیت کا اثر سامنے آ گیا۔

شبِ ہجرت رسولؐ اللہ اور ولی اللہ نے مل کر دراصل ابوطالبؑ کی تربیت اور سنت پر عمل کیا ہے اور اللہ کو اپنے ولی علیؑ کا ابوطالبؑ کی تربیت و سنت پر عمل کرنا اتنا پسند آیا کہ اس ایک عمل کے عوض اپنی رضا دے دی۔

اولاد پر والدین کا ادب و احترام فرض ہے بل کہ بیٹے کا اپنے باپ کی طرف محبت سے دیکھنا بھی عبادت ہے۔

اُدھر ارشاد ہوتا ہے:

اَلنَّظَرُ اِلَی الْوَالِدِ عِبَادَۃٌ

اب دنیا فضائل ابوطالبؑ پر غور کرے کہ وہ علیؑ جس کے چہرے کی طرف دیکھنا زمین و آسمان والوں کی عبادت ہے، اس علیؑ کے لیے ابوطالبؑ کے چہرے کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں اور علیؑ اس اُمت کے باپ ہیں اور باپ کا احترام اولاد پر فرض ہے۔ گویا جس کا احترام پوری اُمت پر فرض ہے، اس پر ابوطالبؑ کا احترام فرض ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (عظمتِ) علیؑ میں شک کرنے والا دوزخی ہے اور فرزند رسولؐ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: ایمانِ ابوطالبؑ میں شک کرنے والا دوزخی ہے"۔

'نعت' شاعری کی ایک اہم صنف ہے اور قبلہ مظہر عباس صاحب دَامَ عِزُّہٗ نے اس کتاب میں سرکار ابوطالبؑ کے نعتیہ اشعار پر نقد و نظر کر کے گویا ایک دلیل قایم کر دی ہے کہ رسولؐ کا پہلا نعت خواں عرش پر اللہ ہے اور فرش پر ابوطالبؑ ہیں۔

ذرا چشمِ تصور میں یومِ حشر کا وہ منظر لائیں جب تمام مخلوقات جمع ہوں گی اور ابوطالبؑ کی گود کا پروردہ، اللہ کا حبیب مقامِ محمود پر فائز ہوگا۔ ابوطالبؑ کے پوتے جنت کے جوانوں کے سردار ہوں گے اور ابوطالبؑ کی بہو جنتی عورتوں کی سردار ہو گی اور ایسے میں ابوطالبؑ ہی کا بیٹا ھٰذَا اِلَیَّ وَھٰذَا اِلَیْکَ کہہ کہہ کر جنت و دوزخ تقسیم کر رہا ہوگا۔ اُس وقت ابوطالبؑ کے سامنے جنت کتنی ارزاں ہوگی اور ابوطالبؑ کا اپنا اقتدار و اختیار کس قدر اعلیٰ ہوگا۔ گویا مقامِ اعراف پر کھڑے ہوکر ابوطالبؑ اگر ساری خدائی کی شفاعت بھی کرنا چاہیں گے تو بہ آسانی کر سکیں گے۔

ایک طرف آپ کی زندگی کا یہ روشن پہلو ہے اور دوسری طرف زیارتِ امام حسینؑ میں آپ کو اَصلاب مطہرہ سے تعبیر کیا جارہا ہے۔ کیسا پاک وطیب ہوگا صلبِ ابوطالبؑ جس میں نُورِ علیؑ اپنے خالق کو سجدے کرتا رہا۔ گویا زمین پر علیؑ کی پہلی مسجد کا نام پشتِ ابوطالبؑ ہے۔

بعثتِ رسولؐ پر سب لوگوں کا مقصد "محمدؐ رسول اللہ" کی آواز کو ختم کرنا تھا اور ایک ابوطالبؑ کا مقصد اس صدا کو تا قیامت بلند کرنا تھا۔ آج کوئی لمحہ ایسا نہیں کہ جب کرہ ارض پر کہیں نہ کہیں اذان نہ دی جارہی ہو گویا ہر مسجد کی ہر اذان میں موذن کے منھ سے نکلا ہوا کلمہ "محمدؐ رسول اللہ" ابوطالبؑ کی فتح کا نقارہ ہے۔

امیر المومنینؑ کا ہر جنگ میں اپنا تعارف کروانا کہ لوگو! مجھے پہچانو اَنَا علی ابن ابی طالب "میں ابوطالبؑ کا بیٹا علیؑ ہوں"۔ ایک طرف علیؑ کا نسبتِ ابوطالبؑ پر فخر ہے تو دوسری طرف نصیریت کی رَد ہے۔ گویا اکیلا وجودِ ابوطالبؑ نُصیریت کا جواب ہے۔

اتنے فضائل وکمالات کے بعد بھی یہ فقط علیؑ دشمنی نہیں ہے تو اور کیا ہے کہ لوگ ایمانِ ابوطالبؑ پر بات کریں۔ لیکن الحمدللہ علم وشعور کا ارتقائی سفر جاری ہے اور وہ وقت

پھر سے آگیا ہے کہ اب ایمانِ ابوطالبؑ پر نہیں بل کہ ولایتِ ابوطالبؑ پر بات کی جائے اور عرفانِ ابوطالبؑ کو سمجھا اور سمجھایا جائے۔

جناب پروفیسر مظہر عباس چودھری یقیناً مبارک باد کے مستحق ہیں کہ اُردو زبان میں ایسی تحقیقی کتاب رقم کی ہے، جس میں نہ صرف قرآن و احادیث سے دلائل دیے ہیں بل کہ فریقین کے علما کی آرا کو بھی جمع کر دیا ہے۔

سب جانتے ہیں کہ خاندانِ محمدؐ کے فضائل میں لکھا گیا ایک صفحہ بھی توشۂ آخرت بن جائے گا اور مومن اور دوزخ کے درمیان حائل ہو جائے گا۔ یہاں تو کتابوں کی ایک طویل فہرست ہے جو محترم مظہر عباس صاحب کی کاوشوں اور رت جگوں کا ثمرہ ہے۔

اور خاص طور پر فی الحال یہ کاوش کہ جس میں ایمانِ ابوطالبؑ سے لے کر ولایتِ ابوطالبؑ کا روحانی سفر "عرفانِ ابوطالبؑ" پر منتج ہوتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ موصوف کی توفیقات میں اضافہ فرمائے اور موصوف اسی طرح خاندانِ عمرانؑ کے فضائل سے دنیا کو رُوشناس کرواتے رہیں۔

والسلام مع الاکرام

سیّد اطہر رضا نقوی

از میر ٹاؤن، لاہور

ظرفِ کُلِّ ایمان کا عرفان

'عرفانِ ابوطالبؑ' پر کچھ عرض کرنے سے پہلے یہ واضح کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ کتاب ایمانِ ابوطالبؑ کے موضوع پر نہیں ہے اور اُس کی وجہ یہ ہے کہ جہان بھر میں، عالمِ اسلام میں سادات کے علاوہ کوئی جتنا بڑا ہی عالم اور زمانے کا فقیہ و مفتی کیوں نہ ہو، اُس کے آبا و اجداد کا تعلق تاریخ کے کس نہ کسی حصے میں اسلام سے غیر وابستہ رہا ہے اور جن کے اپنے آبا کی حقیقت یہ ہے اُنھیں یہ حق ہی نہیں پہنچتا کہ وہ صاحبِ لولاک، رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امام المتقین امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کے اَصلابِ طاہرہ اور اَرحامِ مطہرہؑ کی پاکیزگی اور طہارت پر بحث کریں کہ جن کی طہارت کی گواہی خود خالقِ اکبر نے اپنے کلامِ حقیقی میں دی ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جبرئیلِ امینؑ جنابِ رسولِؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسولؐ اللہ! پروردگارِ عالم نے آپ کو سلام بھیجا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ میں نے آتشِ جہنم کو اس صلب پر حرام کیا ہے جس میں آپ کا نُور رہا ہو۔ اور اس رحم پر حرام کیا ہے جس میں آپ حمل میں رہے ہوں۔ اور اس گود پر حرام کیا ہے جس میں آپ نے پرورش پائی ہو۔ پس صلب سے مراد آں حضرتؐ کے والد ماجد حضرت عبداللہ ہیں، رحم سے مراد حضرتؐ کی والدہؑ ماجدہ حضرت آمنہ بنت وہب ہیں۔ اور وہ گود جس میں آپؐ نے پرورش پائی اس سے مراد حضرت ابوطالبؑ کی آغوشِ

مبارک ہے۔ اور اس گود میں ان کی زوجہ حضرت فاطمہؑ بنت اسد کی گود بھی شامل ہے۔
کیوں کہ آں حضرتؐ کو دونوں نے اپنی اپنی گود میں کھلایا ہے اور پرورش کی ہے۔

اب اسلام کے اس محسنِ جلیل کے ساتھ عالمِ اسلام کا رویہ دیکھیے کہ جب بھی کوئی طالب علم اسلام کی تاریخ پڑھتا ہے تو اُسے پتا چلتا ہے کہ ابو طالبؑ کون؟ حبیبؐ خدا کے چچا، محافظِ رسولؐ، رئیسِ مکہ، بیضۃ البلد، محسنِ رسالتؐ، شعب ابی طالب کے مالک۔ لیکن اَبُوْطَالِبٌ مَاتَ کَفِرً، لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللہِ۔ اور جب طالب علم تاریخ کا اگلا ورق پڑھتا ہے تو پاگل ہو جاتا ہے۔ جہاں لکھا ہوتا ہے ابوسفیان کون؟ جس کی ساری زندگی اسلام اور بانیٔ اسلام کی دشمنی میں گزر گئی، رسولؐ خدا اور مسلمانوں کا مقابلہ کبھی بدر میں، کبھی اُحد میں کیا، کبھی خندق میں کیا۔ کبھی رسولؐ خدا کی راہ میں کانٹے بچھائے، کبھی پتھروں سے لہولہان کروایا۔ پھر بھی اَبُوْسُفْیَانَ مَاتَ مُسْلِمًا۔ ''ابوسفیان مسلمان ہو کر مرے''۔ اور مسلمانوں کے اس خودساختہ انصاف کا پول اُسی وقت اپنے ہاتھوں ہی کھل گیا جب انھوں نے خود رسولؐ خدا کی حدیث نقل کی: کُلُّ مَوْلُوْدٍ یولدا علی فطرتِ الاسلام، ''ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے''۔ اُس کے پالنے والے اُسے اپنے جیسا بنا دیتے ہیں۔

اب حضرت محمدِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چالیس برس بعد نبی ماننے والوں کو بھی یہ ماننا پڑے گا کہ محمدؐ جب پیدا ہوئے تو فطرتِ اسلام پر پیدا ہوئے۔ اس کے بعد آگئے ابو طالبؑ کی آغوش میں، اور ابو طالبؑ کی آغوش میں پل کر آنے والا بچہ کوہِ ابوقبیس پر کھڑا ہو کر کہتا ہے: اَیُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللہُ تُفْلِحُوْا، اے لوگو! اللہ کا اقرار کرو، کام یاب ہو جاؤ گے''۔

زمانہ ابوطالبؑ کی پرورش کا قیامت تک مقروض ہے اور ابوسفیان کی پرورش کا نتیجہ بھی زمانے کے سامنے ہے۔

خالقِ لم یزل اپنے کلامِ حقیقی میں ارشاد فرما رہا ہے: وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا (سورۂ دھر) ''خبردار! اے میرے حبیبؐ، نہ کسی گنہ گار کا مشورہ ماننا، نہ کسی کافر کا مشورہ ماننا''۔ اب سیرت النبیؐ کی ہر چھوٹی بڑی کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت رسولِ خدا ابوطالبؑ کے مشورے سے ساڑھے تین سال تک شعبِ ابی طالبؑ میں رہے۔ میں حیران ہوتا ہوں مسلمانوں کی سوچ پر، کہ آج بھی مسلمان ابوطالبؑ کے ایمان پر بحث کر رہے ہیں۔ جب کہ خود خالق و مالکِ کائنات اپنی زبان سے ابوطالبؑ کو معصوم کہہ رہا ہے۔

تو یہ کتاب مستطاب ایمانِ ابوطالبؑ پر نہیں بلکہ عرفانِ ابوطالبؑ پر ہے۔ میرے انتہائی محترم و مکرم برادر پروفیسر مظہر عباس واجب قبلہ نے 'عرفانِ ابوطالبؑ' پر جو عرق ریزی کی ہے اس کے نتیجے میں یہ کتاب حضرت ابوطالبؑ کی شخصیت کے بارے میں ریفرنس بک کا درجہ حاصل کر گئی ہے۔ ممکن ہی نہیں کہ قاری تعصب و تنگ نظری سے بالاتر ہو کر اِس عظیم الشان کتاب کا مطالعہ کرے اور کُلِّ ایمان کے ظرف کی عظمت کا اقرار نہ کرے۔ متلاشیانِ راہِ حق کے لیے 'عرفانِ ابوطالبؑ' ایک راہِ مستقیم ہے۔ یہ ایک عظیم علمی و ادبی سرمایہ ہے جو پروفیسر مظہر عباس صاحب قبلہ کے قلمِ حق سرشت سے عطا ہوا ہے۔

قلب و جاں سے دُعا ہے کہ کُلِّ ایمان کے ظرف، محسنِ رسالتؐ، محسنِ اسلام حضرت ابوطالبؑ کے صدقے پروفیسر صاحب قبلہ کو بارگاہِ خداوندی سے صحت و سلامتی کے ساتھ طویل زندگی عطا ہو۔ وہ اپنے اہلِ خانہ کے ہم راہ خوش و خرم اور آباد و شاد رہیں

اور ہمیں اِن سے علمی و روحانی استفادہ کرنے کی توفیق میسّر رہے۔ آمین یا ربّ العالمین!

طالب علمِ درِ معصومؑ

خطیبِ اہلبیتؑ

(پروفیسر علامہ) سیّد رضوان ترابی

بحریہ ٹاؤن، لاہور

اظہارِ حقیقت

عزیزم مظہر عباس چودھری حفظہ اللہ نے حضرت ابوطالبؑ کی شانِ اقدس میں ”عرفانِ ابوطالبؑ“ کے عنوان سے قلم اُٹھایا ہے۔ میں نے اس کتاب کے مسودے کا مطالعہ کیا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ مصنف نے نہایت عرق ریزی سے بے پناہ محنت وکاوش کے بعد یہ کتاب تالیف کی ہے۔ اس موضوع پر اگرچہ اس سے قبل بھی کچھ کتب دست یاب ہیں لیکن مصنف نے 'عرفانِ ابوطالبؑ' ان سب سے یک سر مختلف انداز میں تحریر کی ہے۔ مؤلف نے مولا علیؑ کے پدرِ محترم کی سیرت اور زندگی کے تمام پہلو بڑی جامعیت کے ساتھ سپردِ قلم کیے ہیں۔

جناب مظہر عباس چودھری نے حضرت عمرانؑ کی اسلام کے لیے خدمات کا تاریخی شواہد کے ساتھ بالتفصیل ذکر کیا ہے۔ حضرت ابوطالبؑ کی اپنے بھتیجے نبیِ آخر حضرت محمد مصطفیٰ ؐ کے ساتھ محبت وعقیدت کا جو عالم تھا اس کا تذکرہ تاریخی حوالوں اور معتبر روایات کی روشنی میں کتاب کی زینت بنایا ہے۔ آپ کی سیرت اور زندگی کے مختلف پہلوؤں کا ذکر کرتے ہوئے ایسے مورخین کے حوالے بھی دیے گئے ہیں جو حضرت ابوطالبؑ سے خاندانی اور معاشرتی طور پر بغض اور حسد رکھتے تھے۔ لیکن آپؑ کی سیرت اور کردار پر وہ بھی کبھی اُنگلی نہ اُٹھا سکے۔ ہر شخص خواہ دوست ہو یا دشمن، آپؑ کے کردار اور عمل کی تعریف کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ آپؑ سے دشمنی کی وجہ سے کچھ لوگوں نے آپؑ کی شخصیت کو داغ دار کرنے کے لیے یہ الزام لگایا کہ آپؑ نے کلمہ نہیں پڑھا

تھا۔ لیکن یہی لوگ آپ کو مربیِ سرورِ کونین بھی تسلیم کرتے ہیں اور محسنِ رسولؐ اسلام بھی مانتے ہیں۔ نیز یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ آپؑ نکاح خوانِ محمدِ مصطفیٰؐ ہیں اور یہ بھی مانتے ہیں کہ آپؑ نے شعبِ ابی طالبؑ میں قربانی اور ایثار کے جذبے کے ساتھ جس طرح حضورِ اکرمؐ کی حفاظت فرمائی وہ اپنی مثال آپ ہے۔

فاضل مؤلف نے جنابِ ابوطالبؑ کے کلام کو بھی اس کتاب کی زینت بنا ہے۔ حضورؐ کی شانِ اقدس میں جنابِ ابوطالبؑ نے جو اشعار کہے ان کے پڑھنے سے محسوس ہوتا ہے کہ ان میں خصوصی روحانی اور نزولی کیفیت موجود ہے۔

جنابِ مظہر چودھری نے آپؑ کے شجرۂ نسب کے سلسلے میں بھی خصوصی کام کیا ہے اور تاریخی حوالوں سے اپنے قاری تک آپؑ کے آباؤ اجداد اور اولادِ امجاد کے حالاتِ زندگی بڑی دل کشی اور خوب صورتی سے پہنچانے کی کوشش کی ہے۔

جس طرح جنابِ ابوطالبؑ نے اپنی اولاد اور اپنے بھتیجے کی پرورش اور تربیت کی، محسوس ہوتا ہے کہ اس میں رب العزت کی خاص حکمت پوشیدہ تھی۔ نتیجتاً ایک کو نبی آخرؐ اور سردارِ انبیاؑ کا مرتبہ نصیب ہوا اور دوسرے کو امامِ اوّل اور سردارِ اوصیاؑ کا درجہ عطا ہوا اور پھر انھی کی اولاد نے جب اسلام پر مصائب نازل ہوتے دیکھے تو آگے بڑھ کر دینِ اسلام کی نہ صرف نصرت و محافظت فرمائی بل کہ اپنا سب کچھ اسلام پر فدا کر دیا اور اپنے خون سے اسلام کی آب یاری کی۔

میں فاضل مؤلف کو جنابِ ابوطالبؑ پر اتنی جامع اور مستند کتاب تالیف کرنے پر دل کی گہرائیوں سے خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں اور دُعا کرتا ہوں کہ رب العزت، جنابِ ابوطالبؑ اور محمدؐ و آلِ محمدؐ اپنی بارگاہِ اقدس میں ان کی اس پُر خلوص کاوش کو درجۂ قبولیت

عطا فرمائیں۔ اُمید واثق ہے کہ ان شاء اللہ یہ کتاب آج کے اس جدید دور میں جہاں علم کا بیش بہا خزانہ ثابت ہو گی وہاں قارئین کے لیے ایک بہت بڑا عطیہ بھی ہو گی۔

اللہ تعالیٰ مؤلف کی توفیقاتِ خیر یہ میں اضافہ فرمائے۔ (آمین!)

پروفیسر ڈاکٹر اخلاق حسین شمسی (پی ایچ ڈی)

سابق پرنسپل، گورنمنٹ کالج ماڈل ٹاؤن، لاہور

عظمتِ اَسلافِ رسولؐ

الحمدللہ! کتابِ مُستطاب 'عرفانِ ابوطالبؑ' کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا۔ پروفیسر مظہر عباس چودھری صاحب مدظلہ نے انتہائی محنتِ شاقہ سے ایک ایسی کتاب تصنیف کردی ہے جس سے ہر متلاشیِ حق فیض یاب ہوسکتا ہے۔ اُمید واثق ہے کہ یہ تحقیقی کاوش، خانوادۂ نبوتؐ کی عظمت کو سمجھنے کا بہ ترین ذریعہ ثابت ہوگی۔ خاص طور پر ان لوگوں کے لیے جو کم علمی اور تعصبات کا شکار ہوکر حقیقتِ دین سے آج بھی دُور ہوتے جارہے ہیں، جب کہ دینِ اسلام کی سچائی روز بہ روز نکھر کر سامنے آرہی ہے۔ بہت سے غیر مسلم سائنس دان بھی تخلیقِ کائنات کو 'دھماکائی حادثہ' (Big Bang) سے بڑھ کر کائناتِ عالم میں موجود نظم و بسط، اور اس کے 'مسلسل پھیلاؤ' کے عمل کو کسی 'مدبر' کے وجود سے نسبت دیتے ہیں۔ اس 'مدبر' کو وہ فطرت (Nature) کہتے ہیں، جب کہ اہلِ مذہب اس کو God (خدا)، بھگوان، اللہ قرار دیتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے جہالت کے اندھیرے چھٹ رہے ہیں، گویا عالمِ کفر، مائل بہ اسلام ہونے کو ہے۔

سائنسی معلومات کے مطابق کائنات (Universe) کی عمر ۱۳۰۸۲ اَرب سال اور نظامِ شمسی میں زمین کی عمر ۴۰۵۴ اَرب سال ہے۔ البتہ، زمین پر انسان کا وجود زیادہ سے زیادہ ۱۰ ہزار سال اور کم سے کم ۶ ہزار سال پر محیط ہے۔ دینِ اسلام، تخلیقِ کائنات کو بامقصد تخلیق قرار دیتا ہے۔

اِنَّ کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقۡنٰہُ بِقَدَرٍ (القرآن)

"اور نسلِ آدم کو جسے 'احسنِ تقویم' میں خلق کیا گیا ہے، باکرامت اور باعزت

دیکھتا ہے [لَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ اٰدَمَ...... القرآن] ۔یاد رکھنا چاہیے کہ حقیقتہ اسلامی تعلیمات کے مطابق ختمی مرتبت کو 'اولِ مخلوق' اور 'وجہِ تخلیقِ کائنات' کا درجہ حاصل ہے۔ [لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ ......حدیثِ قدسی] پس، ایسی عظیم المرتبت شخصیت کے بارے میں یہ گمان کرنا کہ 'مدبرِ کائنات' نے انھیں ایسے آباؤاجداد کے ماحول میں پیدا کیا اور پروان چڑھایا جو کفروشرک کا ماحول تھا، یعنی ان کے آباؤاجداد 'معاذ اللہ' کافروشرک تھے۔ درحقیقت 'توحید' کے انکار کے مترادف قرار پائے گا۔ ایسے عقیدۂ باطلہ کے لوگ اسلامی تعلیمات سے نابلد ہی نہیں دشمنِ دین بھی ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ تمام اہلِ اسلام کو دین فہمی کی توفیق عطا فرمائے، آمین!

پروفیسر ڈاکٹر سید محمد احمد عابدی
ایم ایس سی، اپلائیڈ فزکس، ڈبل گولڈ میڈلسٹ، ونگ کمانڈر (ر)
ممبر اکیڈمک کونسل، بہاؤالدین ذکریا یونی ورسٹی
سابق پرنسپل، آرمی پبلک ڈگری کالج، ملتان
سابق پرنسپل، پی اے ایف ماڈل سکول وکالج، سرگودھا
سابق چیئرمین شعبہ فزکس بی زیڈ یو، ملتان
سابق ایسوسی ایٹ پروفیسر، کالج آف ایروناٹیکل انجینئرنگ
پی اے ایف اکیڈمی، رسال پور (این ڈبلیو ایف پی)
ڈی ایچ ایم ایس، آر ایچ ایم پی ہومیو میڈیسن

محترمی پروفیسر ڈاکٹر محمد احمد عابدی 'عرفانِ ابوطالبؑ' کے پہلے باقاعدہ قاری اور نقاد ہیں۔ انھوں نے ناچیز کی اس کاوش کو ایک نشست میں پی ایچ ڈی کا مقالہ قرار دیا اور ناچیز کو اعتراف ہے کہ اس ڈاکٹریٹ کے ڈائریکٹر وہ خود ہیں کہ اسے بالاستیعاب پڑھا۔ لاریب وہ قدیم وجدید علوم پر کافی حد تک دست رس رکھنے والی شخصیت ہیں اور اُن کا دل قومی درد سے معمور ہے۔ موصوف نے

نہایت اخلاص کے ساتھ کتاب ہذا کا مطالعہ کیا اور بہت سے مشوروں سے نوازا، مثلاً کتاب کو مناظراتی نہ بنایا جائے، تکرار کے بجائے اختصار کو پیش نظر رکھتے ہوئے ضخامت سے بچا جائے۔ مروّجہ املا کو اپنایا جائے، مشمولات کی فہرست بار بار شامل نہ کی جائے۔ مختلف مُلّاؤں اور عام لوگوں کے بیانات کو اتنی اہمیت نہ دی جائے، فریقین کے مفسرین کی بحث کو زیادہ اہمیت نہ دی جائے وغیرہم۔

بحمد اللہ میں نے ان میں سے بعض مشوروں پر عمل کیا لیکن بعض پر اشاعتی ادارے کی خواہشات کا احترام کرتے ہوئے عمل نہ کرسکا، مثلاً جدید املا ادارہ منہاج الصالحین کا طرۂ امتیاز ہے، نیز ایک ریفرنس بک میں تکرار سے کاملاً بچنا ناممکن ہے۔ ناشر کتاب اسے لائبریری بک بنوانا چاہتے ہیں نہ ۲۰۰ صفحات کی مختصر ترین کتاب۔ علمی حلقوں اور عام قارئین کرام کی بھی ہم سے بہت سی توقعات وابستہ ہوتی ہیں نیز خاص اور عام میں فرق روا رکھنے کا بھی اپنا پیمانہ ہے، لہٰذا راہِ اعتدال پر گام زن رہتے ہوئے ہی سُرخ رُو ہوا جاسکتا ہے۔ اپنی مجبوریوں کے بیان کے بعد عابدی صاحب کا شکرگزار ہوں کہ اُنھوں نے خصوصی رہ نمائی بہم پہنچائی اور خوب حوصلہ افزائی فرمائی۔ (مؤلف)

اجر رسالتؐ	اختر چنیوٹی	100
درس نامہ امام جعفر صادق علیہ السلام	آیت اللہ سید صادق شیرازی	250
مومن کامل	"	150
مقتل المقرم	علامہ سید عبدالرزاق موسوی	565
العباس	"	300
گفتار اخلاق	مولانا سید مظہر حسن کاظمی مشہدی	165
سبق آموز داستانیں	"	225
پیغام اہل بیتؑ	علامہ سید ضمیر حسین نقوی	175
مقتل مفید	محدث کبیر علامہ شیخ مفیدؒ	250
وارثانِ انبیاءؑ	علامہ سید اخلاق حسین شیرازی	400
معجزاتِ امام علی علیہ السلام	علامہ عباس عزیزی	400
نامہ امام علیؑ بنام مالک اشتر	آیت اللہ العظمیٰ آقای منتظری	365
راہنمایانِ اسلام	علامہ سید علی نقی	200
اصحابِ رسولؐ	کمال السید	165
اسلامی آدابِ معاشرت	گروہ نگارش	100
تاریخ اسلام	اہل قلم کی ایک جماعت	650
عروج السعادہ	علامہ احمد نراقی	600
نہج البلاغہ	مفتی جعفر حسین	600
مراسم عزاداری (قرآن وحدیث کی روشنی میں)	علامہ اسماعیل دیوبندی	500
دعائے کمیل		
دعائے توسل		

